



رسائلِ نعیمیہ

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
کے اٹھ مختلف رسائل اور چھوٹی کتب کا مجموعہ

صاحبزادہ افتخار احمد خاں نعیمی قادری بدایونی، نعیمی کتب خانہ کراچی

ناشر:

الفاروق بک فاؤنڈیشن، لاہور

فہرست کے سائے

- ۱- 48
 تاریخ کی نام محابد پیغمبری
 حمد نعت - قصائد
 دیوان لک { ۱۳۵۷ھ } ————— و مناجات کا مجموعہ
- ۲- رسالہ نور { ————— بنی کریم کے نور اور تن بے سایہ ہونے کا مدلل ثبوت
- ۳- سلطانہ مصطفیٰ { ————— ساری کائنات پر محمد مصطفیٰ کی شہنشاہی کا ثبوت ہے۔
- ۴- الکلام المقبول { ————— بیڈوں کی خصوصی فضائل کا ثبوت
- ۵- ایک اسلام { ————— حدیث پاک کے بغیر قرآن کریم کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔
- ۶- اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں { ————— مولوی مودودی و عربی صاحب کی کتاب چار نبیادی اصطلاحوں کا منہ توڑ جواب
- ۷- اسرار الاحکام { ————— قرآنی و اسلامی قانون کی حکمتوں کا بیان
- ۸- درس القرآن { ————— حضرت حکیم الامت کے چالیس سالہ درس قرآن کی تحفوں کے چند درس۔

رازق ہے مور و مگس کا تو غفار ہے نیک و بد کا تو
 ہے سب پر تیری جود و عطا سبحان اللہ سبحان اللہ
 ہم عیبی ہیں ستار ہے تو ہم مجرم ہیں غفار ہے تو
 بدکاروں پر بھی ایسی عطا سبحان اللہ سبحان اللہ
 تیرے عشق میں رئے مرغ سحر تیرا نام ہے مرہم زخم جگر
 تیرے نام پر میری جان فدا سبحان اللہ سبحان اللہ
 یہ سالک مجرم آیا ہے اور خالی جھولی لایا ہے
 دے صدقہ رحمت عالم کا سبحان اللہ سبحان اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 ذَحْرًا مِّنْ دَلٍّ وَنَصِيًّا عَلَىٰ رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

① نعت شریف

زمانہ نے زمانہ میں سخی ایسا کہیں دیکھا
 لبوں پر جس کے سائل نے نہیں آتے نہیں دیکھا
 مصیبت میں جو کام آئے گنہگاروں کو بخشائے
 وہ اک فخرِ رسل محبوبِ رب العالمین دیکھا
 بنایا جس نے بگڑوں کو سنبھالا جس نے گرتوں کو
 وہ ہی حلال مشکل رحمتہ للعالمین دیکھا
 وہ ہادی جس نے دنیا کو خدا والا بنا ڈالا
 دلوں کو جس نے چمکایا عرب کا مہ جیبیں دیکھا

۱۔ اسلام سے پہلے ملک عرب اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے تمام دنیا سے زیادہ بگڑا ہوا تھا۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۵ پر)

بسے جو فرشتے پر اور عرش تک اس کی حکومت ہو
وہ سلطانِ جہاں طیبہ کا اک نافہ نشین دیکھا
وہ آقا جو کہ خود کھائے کھجوریں اور غلاموں کو
کھلائے نعمتیں دنیا کی کب ایسا کہیں دیکھا
پھلا عالم سی شے مخفی رہے اس چشمِ حق میں سے
کہ جس نے خالقِ عالم کو بے شک بالیقین دیکھا
مسلمانی کا دعویٰ اور پھر تو بہن سرور کی
زمانہ — زمانہ بھر میں کب ایسا لعیں دیکھا
ہو لب پر امتنی جس کے کہیں جب اتنا نفسی
دو عالم نے اُسے سالک تفسیح المذنبین دیکھا

② نعت شریف

خونِ گنہ میں مجرم ہے آبِ آب کیسیا
مجرم ہوں رُوسید ہوں اور لائقِ سزا ہوں
سورج میں نور تیرا جلوہ تیرا سر میں
جب رب ہے مصطفیٰ کا پھر اضطراب کیسیا
لیکن حبیب کا ہوں مجھ پر غتاب کیسیا
ظاہر تو اس قدر ہے اسپر حجاب کیسیا

(غیبیہ حاشیہ صفحہ ۴) دیوان کے باشندے انسانیت کھو چکے تھے۔ آقائے دو جہاں نے صرف ۲۳ سال
میں تمام ملک کی حالت پلٹ دی۔ چور کو پرہیزگار بنایا اور خدا پرست اور حیوانوں کو خدا گریبا دیا۔
۱۷ صفحہ گزشتہ) آسمان کا سورج صرف سامنے والی چیز کو چمکانا ہے۔ مگر دینہ کے سورج نے ہر طرف
اور ہر زبان کے لوگوں کو ہر طرح چمکایا۔ (۱۷ صفحہ ہذا) حضور کی سخاوت کا یہ عالم کہ ایک صحابی کے کھینٹ
میں لمبی لکڑی پیدا ہوئی وہ سرکار کی خدمت میں لائے انعام میں ایک لپ بھر سونا عطا ہوا مگر اپنی زندگی پاک
کا یہ حال کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ہمارے گھر میں دو دو ماہ تک آگ نہ جلتی
تھی صرف پانی اور کھجوریں پر گزرتھی ۱۷ غیبوں کی غیب ذاتِ الہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمنا سے بیدار
فرما دیں تو فرمایا جا سے کن تیرا نبی جب حضور نے رب ہی کو دیکھا تو عالم کیا مخفی رہے ۱۷

دامان مصطفیٰ ہے مجرم چل رہے ہیں
سزائیگی پہلی شب دو لہا کی دید کی شب
دارالاماں میں پہنچے خوفِ عذاب کیسا
ہو لینے دو تصدق اس دم حساب کیسا
سالک کو بخش یارب گولاقِ مزار ہے
وہ کس حساب میں ہے اس کا حساب کیسا

نعت شریف (۳)

نورِ حق جلوہ نما تھا مجھے معلوم نہ تھا
یارِ باجس نے کہا تھا انا بشر اس نے
شکلِ انسان میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا
بکریاں جس نے چرائی تھیں حلیمہ پیری
مَنْ دَانِيٌّ بِيْهِ كَمَا تَحَا جَعْلِيَّ مَعْلُومٌ نَحَا
جس نے اُمرت کیلئے رد کے گزاریں راتیں
عیش پر وہ ہی گیا مجھے معلوم نہ تھا
چاند اشک سے پٹا حکم سے سوچ لوٹا
وہ ہی محبوبِ خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
منظرِ ذاتِ خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
دیکھا جب تبر میں اس پر ہنسیں کو تو کھٹا
دل سالک میں رہا تھا مجھے معلوم نہ تھا

خاکِ مدینہ ہوتی ہیں خاکسار ہوتا
آقا اگر کرم سے طیبہ مجھے بلاتے
ہوتی رہِ مدینہ میرا غبار ہوتا
وہ بکریوں کے آقا بے کس کو گر بلاتے
روشنہ پر سدا ہوتا ان پر نثار ہوتا
طیبہ میں گر بسیر و دگر زمین ہوتی
کیوں سب کی ٹھوکر دل پر پڑ کر وہ خوار ہوتا
ان کے قریب استادل کو قرار ہوتا
گر ان کی رہ گزر پر میرا مزار ہوتا
مڑیٹ کے خوب گتی مٹی مری ٹمکانے

اے مشہور ہے کہ قرنی پہلی رات بھاری ہے مگر اس میں عرض ہے کہ وہ تو دو طرفہ یعنی
مَحْمَدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ کی دیدار کی پہلی رات ہے۔ وہ تو گویا شبِ عروسی ہے کہ نیکوین ذات
پاکہ کا بیدار کرنا کر پوچھتے ہیں۔ مَا كُنْتَ تَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الرَّجُلِ اللّٰهُ تَعَالٰی خَاتَمٌ بِالْخَيْرِ
نصیب فرمائے۔ آمین

یہ آرزو ہے دل کی ہوتا وہ سبز گنبد اور میں غبار بن کر اس پر نثار ہوتا
بے چین دل کو اب تک سمجھا بچھا کے رکھا مگر اب تو اس سے آقا نہیں انتظار ہوتا

سالک ہوئے ہم ان کے وہ بھی ہوئے ہم سے
دل مضرب کو لیکن نہیں اعتبار ہوتا

④ نعت شریف

مجم گو میں برے قسمت ہے بھلی جب پشت پناہ ان کا سا پایا
وہ جس کو ملے دن اس کے پیرتے جو انہیں پایا تو خدا پایا
معراج کی شب ہمراہ ہیں سب سدرہ آیا کوئی نہ رہا
سدرے سے بڑھے جبریل رہتے تھا ہیں جو فرشتہ خدا پایا
جبریل کی آنکھوں سے پوچھو اسے چشم حقیقت ہیں کہ تو
انہیں فرشتہ پہ تو نے کیا دیکھا سدرے سے بڑھے تو کیا پایا
وہ جس کو ملے ایمان ملا ایمان تو کیا رحمان ملا
قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا جب دل نے وہ نور مدعا پایا
بے منجلی حق کے منظر ہو پھر مثل تھا سا کیوں کر ہوا
نہیں کوئی تمہارا ہم پلہ نہ تیرا کوئی ہم پایا
نہیں جلوہ میں ان کے بیکراہی کوئی آقا کے کوئی بھائی
مومن سمجھا بندہ پرور اندھوں نے محض بندہ پایا

۱۔ یعنی ابھی دل کو اعتبار نہیں کہ ہم ان کے ہو بھی گئے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ خانقاہ کی خبر نہیں۔
۲۔ معراج میں حضور کی مثال سورج کی تھی کہ جس قدر چڑھتا ہے نور بڑھتا ہے۔ اسی لئے
معراج رات دنیا والوں کی نگاہ میں طاقت دیدار نہ تھی ملائکہ بھی کچھ دوزخک ہی ساتھ رہ سکے۔
بڑھے فرشتہ حضرت جبریل بھی آخر کار تابش انوار کی تاب نہ لاسکے۔ سدرہ پر کھڑے ہوئے۔

ارشاد ہوا سورج لوٹا، پایا جو اشارہ چاند چیرا
 بادل رُم جھم رُم جھم برسا جب حکم حبیب خدا پایا
 تم ہی تو ہو وحدت کے منظر تم ہی تو ہو کثرت کے مصدر
 ہے قبیلہ حاجات آپ کا در کعبہ نے تمہیں کعبہ پایا
 ستار میرے قربان تیرے دنیا میں تو میرے عیب ڈھکے
 محشر میں بھی عزت رکھ لینا تم سناہ کوئی اپنا پایا
 صرف ایک پیالہ پانی ہے اور پینے والے چودہ سو
 اس وقت ان کی ہر انگلی سے پانی کا رواں چشمہ پایا
 جابر کے گھر تھوڑے جو پر مہمان کیا سارا لشکر
 سب سیر ہوئے لیکن کھانا جو پہلے تھا ویسا پایا
 اب تک تو کھلائے لقمہ تراب چھوڑ کے درہم جاٹیں کدھر
 پرستش ہے جہاں تا کاروں کی وہ آپ کا دروازہ پایا
 دنیا سے بچا لو سالک کو کام اپنی رضا کے اس سے لے لو
 اک یہ ہی تمنا باقی ہے اب تک تو جو کچھ مانگا پایا !

اے مثل ہے بی بی راہچشم مجنوں باید دیدگر مصطفیٰ را چشم صدیق باید دید ابو جہل نے جہالت کی آنکھ سے دیکھ کر کہا کہ
 معاذ اللہ آپ حسین نہیں صدیق نے ایمانی نگاہ سے دیکھ کر جمال مصطفیٰ کے سامنے آفتاب کی کوئی حقیقت
 نہیں ہی آج حال ہے مومن کہتا ہے کہ ہم اپنے کو سگ بارگاہ کہیں تو بھی بے ادبی ہے وہ اپنی کتاب سے وہ تو ہمارے
 بھائی ہیں اے خیر میں حضرت علی نے حضور کی نیند پر نماز قربان کر دی تو حضور نے ڈوبا ہوا سورج ان کیلئے واپس
 فرمایا ایک بار قحط سالی پڑی تو میرے پر دعا فرمائی خطبہ ختم نہ ہوا تھا کہ پانی برسا شروع ہوا۔ پھر جس طرف اشارہ کیا ادھر
 ہی بادل برسا اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انا نورا من اللہ وکل خلق من نورى حضور تو ذات
 باری سے بلا واسطہ مستفیض اور تمام خلق حضور سے فیض یاب صلی اللہ علیہ وسلم) لگے ایک جنگ میں چودہ سو
 مسلمان پیالے تھے پانی دُور دور نہ تھا پیالہ بھر پانی لشکر میں سے جمع کر کے اس میں ہاتھ رکھا۔ انگلیوں
 سے پانی جاری ہوا تمام سیر ہوئے اے غزوہ خندق میں حضرت جابر نے ساڑھے چار سیر جو کی روٹی اور
 بکری کے بچہ کا گوشت پکایا تمام لشکر نے حضور کی برکت سے کھانا کھا یا مگر کھانا اسی طرح باقی رہا ۔

⑤ درود شریف

جن کا لقب مصطفیٰ صلی علی محمد
روح الایمن تو تھک اور وہ عرش تک
خلد بریں ہر جگہ نام شہ انام ہے
دھوم ہے ان کی چار سو ذکر ہے انکا کو بکو
جو ہو مریض لا دیوایا کسی غم میں مبتلا
مشکلیں انکی حل ہوئیں قسمتیں ان کی کھل گئیں
شدت جانکنی ہو جب نزع کی جب ہو کشمکش
قبر میں جب فرشتے آئیں شکل خدا تا دکھائیں
لاج گنتگار کی آپ کے ہاتھ میں ہے نبی

ان سے ہمیں خدا بلا صلی علی محمد
عرش بریں پکار اٹھا صلی علی محمد
خلد ہے ملک آپ کا صلی علی محمد
منظر ذات کبریا صلی علی محمد
صبح و مسا پڑھے سدا صلی علی محمد
ورد جنہوں نے کر لیا صلی علی محمد
ورد زباں ہو یا خدا صلی علی محمد
پڑھتا اٹھوں میں یا خدا صلی علی محمد
بدھے گئے ہے آپ کا صلی علی محمد

حشر میں سالک حزیں تھام کے دامن نبی
عرض کرے یہ بر بلا صلی علی محمد

⑥ ترانہ ولادت

ماہ ربیع الاول آیا رب کی رحمت ساتھ میں لایا
وقت مبارک رات سہانی صبح کا نرط کا ہے نورانی

۱۰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر جگہ جلوہ گر ہیں حجاب ہماری آنکھوں پر ہے نیکرین اسی حجاب کو اٹھا
دیتے ہیں اور جلوہ دکھا کر پوچھتے ہیں کہ ان کو بچا تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ نہیں۔ تو
التمیحات میں اَللّٰهُمَّ عَلَيَّ اَيُّهَا النَّبِيُّ میں خطاب کیوں ہے۔
شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ نمازی التمیحات میں سمجھے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم قلب میں جلوہ گر ہیں ایک ہی وقت میں چند جگہ آدمی دفن ہوتے ہیں اور سوال کے لئے سرب
کو زیارت جمال مصطفیٰ کرائی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر جگہ جلوہ گری ہے یہ

پیر کا دن تاریخ ہے بارہ
 آج کی رات برات رچی ہے
 گھر میں حوریں در پہ ملک ہیں
 ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا
 لودہ اب اٹھی گرد سواری
 باغِ خلیل کا وہ گلِ زریا
 رحمتِ عالم نورِ محسّم
 تم بھی اٹھو اب وقت ادبے،
 تخت ہے اُن کا ناچ ہے اُنکا
 جنّ و ملک ہیں انکے سپاہی
 اونچے اونچے یہاں بھکتے ہیں
 شاہ و گدا ہیں ان کے سلامی
 کعبہ کی زینیت انہی کے دم سے
 کعبہ ہی کیا ہے سائے جہاں ہیں
 آمنہ بی کو لعل مبارک
 تم کو خلیل اللہ مبارک
 دان کرو کچھ جشن ہے بھاری
 در پہ ہیں حاضر اپنے پرائے
 ہم تو پرائے کین ہیں در کے

فرش پہ چمکا عرشِ تارہ
 آمنہ کے گھر دھوم مچی ہے
 جن کی قطاریں تابہ فلک ہیں
 شور مچا اک صلیّ علیٰ کا
 پیدا ہوئے محبوبِ باری
 کشتِ صفیٰ کا نخلِ تمتّ
 صلیّ اللہ علیہم و سلم
 ذکرِ ولادتِ شادِ عرب ہے
 دونوں جہاں میں راج ہے ان کا
 رب کی خدائی میں ان کی نشاہی
 سارے انہی کا منہ تنکتے ہیں
 فخر ہے سب کو ان کی غلامی
 طیبہ کی رونق ان کے قدم سے
 دھوم ہے ان کی کون دمنکاں میں
 دانیِ حلیمہ کو بال مبارک
 تم کو ذبیح اللہ مبارک
 در پہ کھڑے ہیں سائے بھکاری
 آپ کے دم سے آس لگائے
 نام رکھے ہیں پدر مادر کے

چشمِ کرم اللہ ادر ہو
 سالکِ خستہ پر بھی نظر ہو



سلام (۷)

بیانِ سلامِ علیک یا رسولِ سلامِ علیک یا حبیبِ سلامِ علیک صلوة اللہ علیک
 آج وہ تشریف لایا جس نے روتوں کو ہنسیا یا
 جس نے جلتوں کو بچھایا جس نے بگڑوں کو بنایا
 عرشِ اعظم کا ستارِ فرش والوں کا سہارا
 آمنہ بی کا دولا را حق تعالیٰ کا پیارا
 دو جہاں کا راج والا تخت والا تاج والا!
 بے کسوں کی لالچ والا ساری دنیا کا اُجالا
 تم بہارِ باغِ عالم، تم نویدِ ابنِ مریم!
 تم پہ قربان سارا عالم آدم و اولادِ عالم
 تم بناءِ دوسرا ہو کعبہ والے کی دعا ہو
 تم ہی سب کے مدعی ہو جان نہ کیوں تم پر قدا ہو
 آپ ہیں وحدت کے منظرِ آپ ہیں کثرت کے مصدر
 آپ اول آپ آخر قبلہ دل آپ کا در
 آپ کے ہو کر جنیں ہم نامِ نامی پہ سر پہ ہم
 جب قیامت میں اٹھیں ہم عرض اس طرح کریں ہم
 عرض ہے سالک کی آت جاگنی کا ہو یہ نقشہ ؟
 سامنے ہو پاک روضہ اور لبوں پر ہو یہ کلمہ

کلمہ تشریف (۸)

خالقِ کل سے ربِ علی شکر تیرا کیوں کر ہو ادا
 ہم کو وہ محبوب دیا رتبہ جس کا سب سے سوا

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 کیوں خاموش ہوا ہل صفا
 یعنی آج ہوئے پیدا
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 قاسم نعمت آ پہنچے
 ولے اُمت آ پہنچے
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 جن کی خلیل دعا مانگیں
 جن کی گواہی پتھر دیں
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 آج توڑناکِ خلدین
 کعبہ بھی سجدے کو جھکا
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 آ منہ بی کو مبارک ہو
 ہم کو مبارک اور تم کو
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 منکر اور نکیر جب آئیں
 چہرہ انور جب دکھلائیں
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 سالکِ خستہ کی آفت
 جو اس محفل میں آیا
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ آمَنَّا بِرَسُولِ اللَّهِ
 ہے یہ وقت مسرت کا
 شاہِ ہدیٰ محبوبِ خدا
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ آمَنَّا بِرَسُولِ اللَّهِ
 مالکِ جنت آ پہنچے
 رب کی رحمت آ پہنچے
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ آمَنَّا بِرَسُولِ اللَّهِ
 جن کی مسیح بشارت دیں
 جن سے سب دُکھ درد کہیں
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ آمَنَّا بِرَسُولِ اللَّهِ
 حجرہ آمنہ بی بی کا
 حامی کعبہ آ پہنچا
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ آمَنَّا بِرَسُولِ اللَّهِ
 اور حلیمہ دانی کو
 شاہ کی ساری اُمت کو
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ آمَنَّا بِرَسُولِ اللَّهِ
 مَنْ سَأَلَكَ كَأَنَّ جِوَالِيْنَ
 ہم اس طرح ان کو سنائیں
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ آمَنَّا بِرَسُولِ اللَّهِ
 پوری ہو ہر ایک دعا
 ہو اس پر بھی فضل نزا
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ آمَنَّا بِرَسُولِ اللَّهِ

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر دعا کی کہ الہی اس شہر میں ایک نبی پیدا فرما۔ حضور فرماتے ہیں کہ میں بشارت عیسیٰ اور دعائے خلیل ہوں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

⑨ نصیبِ چمکے

نصیب چمکے ہیں فرشیوں کے کہ عرش کے چاند آ رہے ہیں
 جھلک سے جن کی فلک ہے روشن وہ شمس تشریف لائے ہیں
 زمانہ پلٹا ہے رت بھی بدلی فلک پہ چھپائی ہوئی ہے بدلی
 تمام جنگل بھرے ہیں جل تھل ہرے سپہن لہلہا رہے ہیں
 ہیں وجد میں آج ڈالیاں کیوں یہ رقص پتوں کو کیوں ہے شاید
 بہار آئی یہ مزہ لائی کہ حق کے محبوب آ رہے ہیں
 خوشی میں سب کی کھلی ہیں باچھیں رچی ہے شادی مچی ہیں دھویں
 جرنل ادھر کھلکھلا رہے ہیں پرند ادھر چھپا رہے ہیں
 نثار تیری چہل پہل پر ہزار عیب ہیں ربیع الاول
 سوائے ایلیس کے جہاں میں سمیھی تو خوشیاں مناسیے ہیں
 شبِ ولادت میں مسلمان نہ کیوں کریں جان و مال قربان
 ابولہب جیسے سخت کافر خوشی میں جب فیض پا رہے ہیں
 زمانہ بھر میں یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کھانا اسی کا گانا
 تو نعمتیں جن کی کھا رہے ہیں انہیں کے ہم کیت گارہے ہیں
 حبیبِ حق ہیں خدا کی نعمت **بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ**
 خا کے فرمان پر عمل ہے جو بزمِ مولدِ سبحا رہے ہیں

شبِ ولادت میں ملا کہ نورد دولت پر کھڑے تھے مگر شیطان رنج و غم سے مارا مارا پھیر رہا تھا۔
 وقتِ پیامِ میلاد کوئی تو خوش ہوتا ہے اور کوئی جلتا اور بھاگتا ہے ابولہب نے اپنی لوثی کو آزاد
 کر دیا تھا جس نے اسے لادتِ مصطفیٰ کی خوشخبری کی تھی اس کو کسی نے بعد موت خواب میں دیکھا پوچھا
 کیا حال ہے؟ کہا سخت عذاب میں ہوں مگر دو شنبہ کو کچھ تخفیف رہتی ہے اسی خوشی کی برکت سے،
 اس میں میلاد والوں کو خزرہ عظیم ہے وہ دوستاں را کجا کنی محرم کہ نو یاد شمتاں نظر داری ۳
 قرآن کریم فرماتا ہے **وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ** اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو حضور سے
 بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ سب فانی یہ باقی اور سب اسکے طفیل ہیں انکی دلالت کا چرچا حکمِ قرآنی پر ہے

تبارک اللہ حکومت ان کی زمیں تو کیا نشے سے آسماں پر
 کیا نشے سے چاٹ کر چھپا ہوا خورہ بنا رہے ہیں
 میں تیرے صدقہ زمین طیبہ زندہ کیوں کچھ پر ہو زمانہ
 کہ جن کی خاطر بنا زمانہ وہ تجھ میں آرام پارہے ہیں
 ہیں جیتے جی کے یہ سارے جھگڑے محی جو آنکھیں تمام چھوٹے
 کریم جلوہ وہاں دکھانا جہاں کہ سب منہ چھپا رہے ہیں
 جو قبر میں اپنی ان کو پاؤں پکڑے کے دامن چل ہی جاؤں
 جو دل میں رہ کے چھپے تھے مجھ سے وہ آج جلوہ دکھا رہے ہیں
 بکیر و سچا پتا ہوں ان کو یہ میرے آقا یہ میرے داتا
 مگر تم ان سے اتنا تو پوچھو یہ مجھ کو اپنا بتا رہے ہیں
 خدا کے وہ ہیں خدائی ان کی رب ان کا مولادہ سب کے آقا
 نہیں خدا تک رسائی ان کی جو ان سے نا آشنا رہے ہیں
 تمام دنیا ہے ملک جن کی ہے جو کی روٹی خوراک ان کی
 کبھی کھجوروں پر ہے گزارا کبھی چھوارے ہی کھا رہے ہیں
 پھنسا ہے کسرا لم میں بیڑا پئے خدا نا خدا سہارا
 اکیلا سالک ہمیں سب مخالف ہموم دنیا ستا رہے ہیں
 ۱۰۔ لغت شریف

بخدا خدا سے ہے وہ جدا جو حبیبِ حق پر خدا نہیں
 وہ بشر ہے دین سے بے خبر جو رہ نہی میں کسا نہیں
 اُسے ڈھونڈے کیوں کوئی دریدر وہ ہیں جان سے بھی قریب
 وہ نہاں بھی ہے وہ عیاں بھی ہے وہ چنیں بھی ہنیں چناں بھی ہے
 وہی جب بھی تھا وہی اب بھی ہے وہ چھپا ہے پھر بھی چھپا نہیں

۱۰۔ قرآن میں ہے اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نَبِيُّ الْمَسْلُوْمِيْنَ كِي جَان سے زیادہ قریب
 ہیں قاسم نانوتوی صاحب نے تخریر الناس میں اَوْلٰى کے معنی قریب کے ہیں زیادہ قریب چیر بھی چھپ
 جاتی ہے جیسے کہ جان اور آنکھ خود آنکھ سے چھپی ہے۔ ۱۰۔ حضرت شیخ نے مدارج کے اول

(بانی حاشیہ صفحہ ۵ پر)

یہ تیری ذات میں جو فنا ہوا وہ فنا سے تو کا عدد بنا
جو اسے مٹائے وہ خود مٹے وہ ہے باقی اس کو فنا نہیں
دو جہاں ہیں سب پہ ہیں وہ عیاں دو جہاں پھر افسے ہوں کہوں نہاں
وہ کسی سے جبکہ نہیں چھپے تو کوئی بھی ان سے چھپا نہیں
ہر اک ان سے ہے ہر اک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے
کو بنے دو جہاں کی وہی بنا وہ نہیں جو ان سے بنا نہیں
کوئی مثل ان کا ہو کس طرح وہ ہیں سب مبرا و منتہا
نہیں دوسرے کی جگہ یہاں کہ یہ وصف ڈو کو ملا نہیں
تیرے در کو چھوڑ کر دھڑ پھروں تیرا ہو کے کس کا میں ممتہ تکوں
تو غنی ہے سب تیرے در کے سگ وہ نہیں جو تیرا گدا نہیں
کر و لطف تجھ یہ خسروا کہ چھڑا دو غیبر کا آ سرا
نہ تکوں کسی کو تیرے سوا کہ کسی سے میرا کھلا نہیں
کوئی تجھ سے بچ کے کہاں ہے تیرا ملک چھوڑ کہاں بسے
تو حبیب رب تیری ملک سب جہاں تو نہ ہو کوئی جا نہیں
یہ تمہارا سالک ہے تو امرض گناہ میں سے مستملا
تم ہی اس بُرے کو کرو کھلا کہ کوئی تمہارے سوا نہیں

ربیبہ حاشیہ صفحہ ۱۴) کہ ہُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ حضور کی نعت بھی ہے کہ حضور
ظاہر بھی ہیں اور چھپے بھی ۱۵ کے عدد میں دو یا تین عجیب ہیں اولاً یہ کہ ایک سے آٹھ تک کی اکائیاں
کناروں کی دو دو ملاؤ ۹ بنیں گے مثلاً ۱-۸ اور ۲-۷ اور ۳-۶ اور ۴-۵ = ۹ ہونگے۔ دوم سائے ۹ کے
پہاڑے میں ہر جگہ ۹ بنے گا ۹ دونی ۱۸-۹ بنیا ۲۷، ۹ چوک ۳۶، ۹ پنجہ ۴۵ ان سب میں نکتہ بی اکائی دیوانی کو
ملاؤ ۹ حاصل ہونگے اسی طرح ۱۲ نویں ۱۰۸، ۱۳ نویں ۱۱۷، ۱۴ نویں ۱۲۶ سب میں ۹ بنیں گے لگے حضور کو لکڑیاں کنگر
جانور سب چپاتے ہیں تو حضور کسی کو کیوں نہ چپائیں حضور علیہ السلام بھی، قیامت تک کی ہر چیز کو چپاتے ہیں
لہذا شہید صفحہ ۱۵) اے حضور علیہ السلام تمام چیزوں کی اصل ہیں وکل الخلاق من لوزی اور اصل
اپنی فروع میں مصدر مشتقات میں ایک تمام اعداد میں موجود اسی لئے حضور تمام میں موجود ہے حضور کا مثل
محال کیونکہ حضور سب سے اول بھی ہیں اور سب سے آخر بھی ہُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ اور سب سے پہلا اور سب سے پچھلا ایک ہی ہے۔

نعت شریف

(۱۱)

تم ہی تو ایک آس ہو قلب گنہگار میں
 سنتا ہوں مجھ کو دیکھنے آئینے وہ مزار میں
 ہے اسی زینت میں مزار جو ہو دیارِ یار میں
 خندانک زب میں کے دن پھر جان پڑی بہار میں
 پھر ہو وہی چہل پہل اُجڑے ہوئے دیار میں
 اُن سے پھرے جہاں پھر آئی گی و تسار میں
 اک تیرے دم کی آس ہے قلبِ سیاہ کار میں
 در نہ دھرا ہوا تھا کیا مٹھی بھر اس غبار میں
 اس کا تو ہی ہے چارہ گر آئے تھے جوار میں
 سلسلے دونوں چار چار لطفِ عجیب چار میں
 چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں
 دل کا خدا کھلا کرے یہ نہیں اختِ یار میں
 دیکھ لو جلوہ نبی شیشہ چار یار میں

تمہی ہو چین اور قرار دل بے قرار میں
 روح نہ کیوں ہو مضطربت کے انتظار میں
 خاک ایسی زندگی وہ کہیں اور ہم کہیں
 بارشِ فیض سے ہوئی کشتِ عمل ہری بھری
 دل میں جو آکر تم رہو سینے میں تم اگر لبو
 ان کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا ہے
 قبر کی سوئی رات ہے کوئی نہ آس پاس ہے
 فیض نے تیرے پانی کر دیا مجھ کو کیا سے کیا
 جس کی نہ لے کوئی خبر بند ہوں جس پاس سے در
 چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار
 آتشِ داب و خاک یا دان سبھی کجا ہے نبات
 سر تو سوئے حرم جہاں دل سوئے گوئے مصطفیٰ
 اس پہ گواہ ہوا الذی شیشہ حق نما نبی

رفیقہ حاشیہ (۱۵) ہو سکتا ہے کہ قرآن فرماتا ہے اَعْنَاهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَصْلِهِ اللَّهُ سَوَّلَ لَنَا
 ان کو اپنے فضل سے عینی کر دیا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود غنی نہیں تو سب کو غنی کس طرح فرماتے ہیں۔
 ع۔ دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں (حاشیہ صفحہ ۱۶) لے بڑے فرشتے چار ہیں جبرائیل میکائیل
 اسرافیل عزرائیل علیہم السلام۔ آسمانی کتابیں چار۔ نورات زبور انجیل قرآن طریقت اور شریعت دونوں کے چار
 چار سلسلہ ہیں حنفی مالکی شافعی حنبلی اور چشتی قادری نقشبندی سمرقندی لہ پہلے نبی حضرت آدم جن کی ترکیب
 آگ پانی ہوا اور مٹی سے ہوئی حضور پر دو زینت ختم ہو کر سلسلہ ولایت باقی رہا اس مناسبت سے چار یار
 ہونے چاہیے تھے لہ آیت ہُوَ الَّذِي فِي رَبِّهِ إِسْتِغَاثَةُ الْمُؤْمِنِينَ وَهُوَ الَّذِي يَرْفَعُ الصَّوْتِ لِلْمُؤْمِنِينَ
 اور پیمان مصطفیٰ خلفائے راشدین کے ذریعہ کرائی۔ شمع مصطفوی ایک ہے اور چار یار اس
 کے رنگ برنگ چار شیشے ہیں۔ کہ شمع مصطفوی فاروقی صدیقی حیدری رنگوں میں نظر آتی ہے۔

سالکِ رُویہ کا منہ دعویٰ عشقِ مصطفیٰ پائے جو خدمتِ بلال آئے کسی شمار میں

نعت شریف

۱۲

حق جس کے چہرے سے عیاں وہ حق نما ہی تو ہیں
 جنکی ہر کھوپڑیوں میں ہے وہ منہ نقاب ہی تو ہیں
 وہ ان کے دامن میں چھپے مشکمل کشتا ہی تو ہیں
 گائے ہیں جن کے گیت سب صبحِ مسابہ ہی تو ہیں
 ہیں حسن کی جو آبرو وہ دل رُیا ہی تو ہیں
 مبداء جو اس گلشن کے تھے وہ منتہی ہی تو ہیں
 دو جگ کو جن کی ذات کا ہے آسرا ہی تو ہیں
 اسکی یہ کہتے ہیں خیر اسکی پناہ ہی تو ہیں
 جو ہو مریض لا دوا اس کی دوا ہی تو ہیں
 وہ دو جہاں کے مدعی صل علی ہی تو ہیں
 دکھ درد اذیت ان سے کہیں حاجتِ واپہی تو ہیں

ہے جس کی ساری گفتار وحیِ خدایہ ہی تو ہیں
 جنکی چمک سوج میں ہے جن کا اجالا چاند میں
 جس مجرم و بدکار کو سارا جہاں ہنکار سے
 ہر لب پہ جن کا ذکر ہے ہر ل میں جنکی فکر ہے
 چرچا ہے جن کا چار سو ہر گل میں جنکا رنگ بو
 باغِ رسالت کی ہیں جڑ اور ہیں بہارِ آخری
 یہ ہیں حبیبِ کبریا یہ ہیں محمد مصطفیٰ
 جس کی نلے کوئی قبروں بند چہرے سے در
 ان کا مبارک نام بھی بچپن دل کا چین ہے
 گن گائیں جن کے انبیاء ناگیں رسل جن کی دعا
 جن کو شجرِ سعیدے کریں پتھر گواہی جن کی دیں

دقیقہ حاشیہ صفحہ ۱۶) جسمانی حیثیت سے حضورِ آخر میں نعت شریف لائے مگر حقیقتہً محمدیہ سب سے پہلے ادل
 ما خلق اللہ نوری نیز جسماً حضرت آدم کی اولاد پاک ہیں اور روحاً وال آدم ہیں۔ لولاک لما خلقت الافلاک
 پھول درخت سے ہوتا ہے مگر حقیقت میں درخت پھول سے ہے کہ پھول کی پیدائش منظور نہ ہوتی تو درخت
 نکلیا ہی کیوں جاتا۔ ہوا اول ہوا آخر حاشیہ صفحہ ۱۷) قرآن میں ہے الا بذرک اللہ نظم من القلوب ذکر اللہ
 سے دل چین پانے ہیں ذکر اللہ حضور کا نام بھی ہے تو معنی ہوئے کہ رسول اللہ سے چین پاتے ہیں اسی لئے احتلاج
 قلب میں حضور کا اسم نعت شریف پڑھنے سے سکون ہوتا ہے کہ احتلاج قلب وقت یہ آیت انگلی سے ل پر لکھو
 اور زبان سے پڑھتا رہے یا محمد سے اللہ علیہ وسلم۔

۱۷) صحیح روایت سے ثابت ہے کہ درختوں نے حضور کو سعیدے کے کنگروں نے کلمہ پڑھا اور نطنے راتوں سے پاک
 پر اپنا سر رکھ کر مالک کی شکایت کی کہ مجھ سے کام زیادہ لیتا ہے اور خوراک کم دیتا ہے۔ بے عقل چیزیں نہیں
 حاجت رواج نہیں اور انسان ان کو حاجت روانہ مانے تو وہ جانور سے بدتر ہے۔

ہے فرش کا جو بادشاہ ہے عرش جسکے زیر پادشاہ
سالک بلا جس سے خدا وہ باخدا یہی تو ہیں

نعت شریف

(۱۳)

دل اس ہی کو کہتے ہیں جو ہوترا شیدائی
کیوں جان نہ ہو قربان صدقہ نہ ہو کیوں ایمان
خلق کے وہ دولہا ہیں محفل اتھی کی ہے
پاشاہ رسل چشمے بر حال گدائے خود
بے مثل خدا کا تو بے مثل ہمیر ہے
آقا دل کے آقا سے بند دل کو ہو کیا نسبت
سینہ میں جو آجاؤ بن آئے مرے ل کی
دل تو ہو خدا کا گھر سینہ ہو ترا مسکن
اس طرح سما مجھ میں ہو جاؤں میں کم تجھ میں
اور آنکھ وہ ہی ہے جو ہوتیری تما شائی
ایمان بلا تم سے اور تم سے ہی جاں پائی
ہے انہی کی دم سے یہ سب انجمن آرائی
کہ حال تباہ سے دانائی و بیتائی
ظاہر تری مستی سے اللہ کی بکتائی
اجتہاد ہے جو کہتا ہے آقا کو بڑا بھائی
سینہ تو دینہ ہو دل اس کا ہو شیدائی
پھر کعبہ و طیبہ کی پہلو میں ہو یک جانی
پھر تو ہی تماشا ہو اور تو ہی تما شائی

۱۔ حضور فرماتے ہیں کہ تمام زمین مجھے سمیٹ کر دکھائی گئی۔ نیز فرماتے ہیں کہ خزاؤں کی کنجیاں مجھے عطا کی گئیں اور کنجی مالک کو دی جاتی ہے۔ عرش پر حضور ہی بیٹھ سکتے ہیں خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھنے سے پاک ہے کہ وہ جگہ سے پاک ہے۔ لہٰذا برات کا سارا مجمع دولہا کے دم سے ہوتا ہے حدیث میں ہے لولاک لما خلقت الافلاک اے محبوب اگر آپ نہ ہوتے تو آسمان پیدائے ہوتے یہ حدیث معنی صحیح ہے دیکھو موضوعات کبیر بلا علی قاری۔ تو دنیا میں جو کچھ ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم سے ہے ۲۔ حضور صفات الہی کے منظر ہیں اور خدا کی صفت بے مثلیت بھی لیس کتبہ نشی لہذا حضور بے مثل ہیں خدا اپنی خالقیت میں لائے شریک لے اور حضور اپنی عبدیت میں لائے شریک لے ہیں حضور فرماتے ہیں ائیکم منشی تم میں مجھ سا کون ہے امام بوسری فرماتے ہیں منزہ عن شریک محاسبہ لہٰذا فانی الرسول وہ مرتبہ جس میں انسان اپنے آپ کو رسول اللہ میں اس طرح گم کرے کہ جسم تو اس میں ہو اور روح مصطفیٰ ہوں عظیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قصیرہ نعمان میں کہ جس طرف نظر کرتا ہوں یا حبیب اللہ آپ کو دیکھتا ہوں۔

اس سالک یکس کی تم آبرورکھ لیتا محشر پیش ہو جائے آقا کہ میں رسوائی !

نعت شریف

(۱۲)

وہ بندہ خاص خدا کے ہیں اور ان کی ساری خدائی ہے
ان ہی کی پہنچ ہے خالق تک ان تک خلقت کی رسوائی ہے
وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے
بے ان کے حق سے جو بلا چلے دیوانہ ہے سو دانی ہے
وہ سخت گھڑی اللہ غنی کہتے ہیں نبی نفسی نفسی
اس وقت اک رحمت والے کو مجرم امت یاد آئی ہے
اچھوں کا زمانہ سماٹھی ہے میں بد ہوں مجھ کو نبھا ہو تم
کہلا کے تمہارا جاؤں کہاں بے لیس کی کہاں شنوائی ہے
آ جاؤ بدن میں جاں ہو کر اور دل میں رہو ایمان بن کر
ہے جسم تیرا یہ جان تیری اور دل تو خاص کمائی ہے
آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں لیکن مجھ سے نہاں اس نشان کی جلوہ نمائی ہے
اللہ کی مرضی سب چاہیں اللہ رضا ان کی ہے
ہے جنبش لب قانون خدا قرآن و خبر کی گواہی ہے

۱۔ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكُوْنُوْرَ۔ کوثر سے مراد ہے عالم کثرت یعنی خدا کے سوا صحابہ کرام نے حضور
سے جنت مانگی۔ معلوم ہوا کہ خلقت کے مالک ہیں۔ ۲۔ قرآن فرماتا ہے کہ اگر یہ مجرم تصور کر کے
آپ کی بارگاہ میں آویں۔ اور آپ ان کی شفاعت کریں تو ہم گناہ معاف کریں گے۔ یعنی حضور
کے واسطے خدا تک رسائی حاصل۔ ۳۔ وَكَلِمَاتٍ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ۔ پروردگار آپ کو اتنا
دیگا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ تمام لوگ قانون کی پابندی کرتے ہیں اور قانون حضور کی۔ ایک
بار فرمایا کہ اگر ہم کہہ دیتے کہ ہر سال حج فرض ہے تو ایسا ہی ہو جاتا اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب
سلطنت مصطفیٰ اور نشان حبیب الرحمن میں دیکھو۔

مالک ہیں خزانہ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں
 وہی حشد جناب ربیعہ کو بگڑی لاکھوں کی بنائی ہے
 دنیا کو مبارک ہو دنیا اللہ کرے وہ مجھ کو ملیں!
 ہر سر میں جن کا سودا ہے ہر دل جن کا شیدا ہے
 گو سجدہ ستران کو منع لیکن دل و جاں ہیں سجدہ کتاں
 ہے حکم شریعت سر پہ رواں دل و جاں نے معافی پائی ہے
 وہ کعبہ سر ہے یہ قبیلہ دل وہ قبیلہ تن ہے یہ کعبہ جاں
 سر اس پہ جھکا دل ان پر سدا اور جاں ان کی نشیدانی ہے
 لکڑی نے کیا ان سے شکوہ اونٹوں نے کیا ان کو سجدہ
 ہیں قبیلہ حاجات عالم کے سالک کیوں بات بڑھائی ہے

نعت شریف (۱۵)

بیشروہ ہے جس کو تیری جستجو ہے
 تری یاد آبادی حسانہ دل
 اُسے ایک اللہ نے ایک بنایا
 وہی لب ہے جس پر تیری گفتگو ہے
 دلوں کی تمنائیں آرزو ہے
 وہ ہر وصف میں لائے ایک ہے

۱۔ حضرت ربیعہ ابن کعب سے فرمایا کچھ مانگ لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی
 ہمراہی مانگتا ہوں فرمایا کچھ اور مانگو عرض کیا یہی کافی ہے۔ شیخ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ
 تمام خزانہ خداوندی حضور کے قبضہ میں ہیں۔

۲۔ حقیقت یہ ہے کہ کعبہ بھی اسی لئے قبیلہ بنا کر اُسے حضور نے کعبہ بنا دیا قرآن کریم فرماتا ہے :
 فلتولينك قبيلة ترمها اچھا ہم اسی طرف آپ کا منہ کیے دیتے ہیں جس کو آپ چاہیں پہلے
 بیت المقدس قبیلہ تھا حضور کی خواہش پر کعبہ کو قبیلہ بنایا گیا۔ اس وقت بیت المقدس کعبہ جسم تھا اور
 کعبہ قبیلہ دل اسی طرح آج کعبہ قبیلہ جسم اور حضور قبیلہ دل خود کعبہ نے حضور کو سجدہ کیا۔ دیکھو تاریخ سے
 اور پروانہ ہیں ہوئے جو کعبہ پر نشانہ شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا

میں وہ سگ نہیں ہوں بہت درہوں جس کے
 نماز و اذان کلمہ و ذکر و خطبہ
 تمہاری سلامی نمازوں میں داخل
 تمہاری اطاعت خدا کی عبادت
 دم نزع ساکت کا سر ہو ترا در
 میں وہ سگ ہوں جس کا فقط ایک تو ہے
 یہ سب پھول ہیں ان کا تو رنگ تو ہے
 تصور تیرا شرط مثل وضو ہے
 تیرا تذکرہ ذکر حق ہو ہو ہے
 یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

نعت شریف (۱۶)

جنہیں خلق کہتی ہے مصطفیٰ میرا دل انہیں پہناتا ہے
 میرے قلب میں ہیں وہ جلوہ گر کہ مدینہ جن کا دیار ہے
 ہے جہاں میں جن کی چمک دکھ ہے چین میں جن کی چہل پھل
 وہ ہی اک مدینہ کے چاند ہیں سب انہیں کے دم کی بہار ہے
 وہ جھلک دکھا کے چلے گئے میرے دل کا چین بھی لے گئے
 میری روح ساتھ نہ کیوں گئی مجھے اب تو زندگی بار ہے
 وہی موت وہی زندگی جو خدا نصیب کرے مجھے
 کہ مرے تو ان ہی کے نام پر جو جیتے تو ان پہناتا ہے

اے اگر نماز میں کسی کو بھول کر بھی سلام کیا جائے تو نماز جانی رہے گی۔ مگر عین نماز میں حضور کو سلام کرنا واجب۔ اَللّٰمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ حضرت صدیق نے عین نماز کی حالت میں حضور کا ادب کیا کہ نماز پڑھتا ہے تھے حضور نشتر لینے آئے فوراً مقتدی ہو کر پیچھے ہٹ آئے اور حضور اس وقت سے اہم ہوئے۔
 لہذا ومن یطعم الرسول فقد اطاع اللہ اگر کسی کو حضور پکاریں اور وہ نماز میں مشغول ہو۔ تو ضروری ہے کہ نماز قطع کر کے حاضر ہو دیکھو تفسیر یا ایھا الذین امنوا استجبوا للہ وللرسول اذا دعاکم اور مشکوٰۃ باب فضائل القرآن بلند بعض کے نزدیک نماز ہی میں ہے گا کہ تمام نہ کر کے آئے پھر جہاں سے نماز چھوڑی تھی وہاں سے ہی پڑھے کہ اگر چہ سینہ کعبہ سے پھر گیا مگر کعبہ کے کعبہ کی طرف پھرا۔ اس کی نقیصہ تحقیق ہماری کتاب نشان حبیب الرحمن اور جاء الحق میں دیکھو۔

وہ ہے آنکھ جس کے یہ نور ہیں وہ ہے دل جس کے یہ سرور ہیں
 وہ ہی تن ہے جس کی یہ روح ہیں وہ ہے جاں جو ان پہ نثار ہے
 جو کرم سے اپنے نشہ امم رکھیں مجھ غریب کے گھر قدم
 مرے نشاد کی نہ ہوشنان کم کہ گدا پران کا پیہار ہے
 ولے اس غریب کا خم کہہ بنے زنگِ خلد پرین شہا
 کرے ناز اپنے نصیب پر بنے شاہ وہ جو گنوار ہے!
 دم نزع سالک بے نوا کو دکھنا شکلِ خدا تم
 کہ قدم پر آپ کے تکلے دم بس اسی پہ دار مدار ہے

منظوم تفسیر

(۱۶)

جوت سے ان کی جگہ اوجہ باللا
 اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ اِسْكَوْتًا
 يُعْطِي رَبُّكَ حَتَّى تَرُدَّ ضَلٰى
 كَلِمَةً وَنَحْبِيبَهُ نَمَازًا وَاِذَا لَمْ يَمِ
 اِہل زبیں کے نصیبے چمکے
 ہم نے ناؤ بھنور میں ڈالی
 ہم نے ہمیشہ کام بگاڑے
 آقا حشر میں عزت رکھنا
 ہم کو نہ دیکھو آپ کو دیکھو
 وہ سورج اور سارے تارے
 تم رب کے ہم سب ہیں تمہارے
 مرضی رب ہیں تمہارے انارے
 بولتے ہیں سب بول تمہارے
 جب وہ فرش سے عرش سدہائے
 تم اس ناؤ کے کھیون ہارے
 تم نے بگڑے کام سنوارے
 عیب نہ یہ کھل جائیں ہمارے
 گو بد ہیں کس کے ہیں ہمارے

۱۔ کلمہ طیبہ جو اصل عبادت ہے اس میں حضور داخل تو نماز میں ان کا ذکر کیوں
 داخل نہ ہو۔ بلکہ ذکر اللہ وہی ہے جو ذکر رسول کے ساتھ ہو۔ اسی لئے مخالفین اسلام
 کو ذاکر الہی نہیں کہہ سکتے اگرچہ عمر بھر یاد خدا کرنے کے مدعی ہوں۔

پھرتے پھریں کیوں مائے مائے
آن پڑیں قدموں میں تمہارے
چاند سی شکل دکھانا پیارے

در کے کین ہیں غیر نہیں ہیں
تھوڑی زمین جو مدینہ میں دے دو
ترخ میں قبر میں اس سالک کو

نعت شریف

(۱۸)

جانا اس گنبدِ خضرا میں کہ ہیں جس میں نبی
عرض کرنا میری جانب سے بصد شوقِ دلی
اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوٹ سے نبی
زندگی کا کوئی لمحہ نہیں اچھا گزرا
آرزو ہے کہ گناہوں کا ہو یوں کفار
اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوٹ سے نبی
اور وہ شہر کہاں جس میں ہوں محبوبِ خدا
اس لئے آپ کے دروازے پہ پتا ہے سدا
اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوٹ سے نبی
آنکھ پھلٹے مجھے اٹے اجیری، پکی
جسمِ طیبہ میں ہو اور جان چلے سوئے نبی
اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوٹ سے نبی
آپ کا ہو کے جیوں آپ کا ہو کر ہی مرن
جان تم سے ملی تم پر ہی بچھاؤں کر دوں
اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوٹ سے نبی

اے صبا تیرا گزر ہو جو مدینہ میں کبھی
ہاتھ سے اپنے پکڑ کر وہ سنہری جالی
ہے تمنا یہ خدا سے کہ رسولِ عربی
عمر ساری تو کٹی لہو و لعب میں آفا
سائے اعمالِ سبہ جرم سے دفتر ہے بھرا
ہے تمنا یہ خدا سے کہ رسولِ عربی!
عرض کرنا کہ کہاں مجھ سا کینہ گندہ
ہاں سنا ہے کہ نبھاتے ہیں ہروں کو مولا
ہے تمنا یہ خدا سے کہ رسولِ عربی!
آرزو دل کی ہے جب بند ہو حرکاتِ دل کی
روح جانے لگے جب چھوڑ کے جسمِ خاکی
ہے تمنا یہ خدا سے کہ رسولِ عربی!
یا نبی اس کے سوا اور میں کیا عرض کروں
آپ کے در سے بلا آپ کے در پر ہی مٹوں
ہے تمنا یہ خدا سے کہ رسولِ عربی!

۱۸ شامی محل میں نوکروں چاکروں خدمتگاروں کیلئے بھی گھر بنائیے جانے ہیں کہ وہاں رہیں اور خدمت کریں عرض
کیلئے کہ ہم غیر نہیں ہیں آپ کے در کے کین ہیں شامی محل یعنی مدینہ منورہ میں تھوڑی زمین دے دو کہ پاس ہی
آن لیں۔ ۱۸ کل الحلائق من نوری تمام مخلوق میرے نور سے ہے ۰

گرمی نہیں سالک کو حضور بدنی !
جسم ہندی ہے مرا جان ہے میری مدنی
روح حاضر ہے مگر مثل اویس تشرنی
یا خدا دور کسی طرح ہو بعد مدنی
اپنی آنکھوں کو ملوں آپکی چوٹ سے نبی

نعت معترضہ بزبان ہندی (۱۹)

صورت مت بھولنا پیہاری
پی نگری کی پہلی منزل سیکھیں چھوڑ ساتھ
رستی چھوٹی ہاتھ سے اور تیا مخدھا
جگ نے چھوڑا رات تیا نے گھر سے یونکاس
گھر گھر جھانکا اور تیا نکا سب گھٹے نہ نکھ بچائے
ہیں ہتھیری چلی پیہا گھر بانوں کام نہ کاج
کھیل کو وہیں عمر گنوائی سوکٹے دن رین
سیس پگھڑی ڈگر کٹلی گھائل موئے پاؤں
تم کچھ کر پا کرو تو سالک برا بھلا بن جائے
تیل جو بڑے بتی پھرے دیا میرا بڑھ جائے

تمری ہی اک اس ہے ہم ترے واری
اس گھوٹ گھٹ کی لاج ہے اب پیہا تمہاے ہاتھ
تم جو بھیاں چھوڑ دیا ہے کون لگاوے پار
تم راج کے چرن پڑوں میں اب تمری ہے اس
اک تم سنگ نہ چھوڑ لو کہ کوئی ہمارو تائے
اے سیاں بیاں پکڑے کی تم ہی کھپو لاج
جب پی گھر سے آئی پکھیا ٹپ ٹپ بکت تین
پیہا سے تم ہی سنہیا لہو جب ڈمگ میں جاؤں
کھوٹا کھرا نہ دیکھے پارس کنڈن سبھی بنائے
ساچے سورج جوت تمہاری سالک پر جائے

۱۹۔ آخرت کی پہلی منزل قبر ہے وہاں ہی سب نے ساتھ چھوڑ دیا تو آگے کیا کام آویں گے اس کا ان عیبوں کو تم ہی چھپانا۔
۲۰۔ روز قیامت ماں باپ قرابت دار کام تو کیا اتنے پہچان بھی نہ سکیں گے انبیاء بھی نفسی فرمائیں گے سوائے حضور
کے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ آج تو سب کو معلوم ہے کہ حضور ہی شفیع المذنبین ہیں مگر قیامت میں سارے ہی بھول
جائیں گے کہ شفیع المذنبین کون ہے حتیٰ کہ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی پھیر بھی آپکا پتہ نہ
دے گا تا کہ دنیا ہر جگہ بھبک مانگ کر دیکھ لے کہ آج سوائے حضور کے کوئی شفیع نہیں ورنہ شاید کوئی
کہتا کہ اس شفاعت میں حضور کی کیا خصوصیت ہے یہ تو اور جگہ بھی ہو جاتی۔

۲۱۔ پارس جس لوہے سے چھو جاتا ہے اس کو سونا بنا تا ہے لوہا چلے خراب گندہ ہو لہذا عرض ہے ہم تو
خراب ہیں اور آپ پارس لکھ یعنی جب میری زندگی کا چراغ گل ہونے لگے تو اے پرینکے آفتاب اپنی روشنی دینا۔

۲۰ قصیدہ

تضمین نظم نسوت زین العابدین رضی اللہ عنہ

ایسا کوئی محرم نہیں پہنچائے جو پیغامِ غم
ہو جب کبھی تیرا گزر بادِ صبا سے حرم
ان نلتی یاریح الصبا یوماً الی ارض الحرم
میں دوں تجھے ان کا پتہ گرنہ تو پچھانے صبا
رخسارِ سوج کی طرح ہیں چہرہ ان کا چاند سا
من وجہہ شمس الفی من کابد الدجی
حق نے انہیں جنت کہا اور نافع عصیاں کیا
وہ صبطِ قرآن ہیں ناسخ ہیں جو ادیان کا
قرآنہ برہاننا لسنحالا دیان مضت
یوں تو خلیل کبریا اور انبیا با صفا
لیکن ہیں ان سب سے سوادِ تیسیم آمنہ
یا مصطفیٰ یا مجتبیٰ رحم علیٰ عصیانتا
اے ماہِ خوبانِ جہاں اے افتخارِ مرسلین
وقت کے بیرونج و عنایا گئے حد سے سوا
وہ لوگ خوش تقدیر ہیں اور بخت، انکار سا
سب اولین و آخرین تکے ہیں کم ہر مبین
اکبادنا مجرد حہ من سیف حجر المصطفیٰ
اے وہ جہاں پر رحم حق تم ہو نفع البحر میں
اس مکیسی کے وقت میں جب کوئی بھی پتا نہیں

نوی کرم کرے تجھے شاہِ ہر پتہ کی قسم
پہنچا میری نسیم اس جاہیں جہاں خیر الامم
بلغ سلامی روضتہ فیہا النبی المختشم
حق نے انہی کے واسطے پیدا کیے ارض و سما
ہے ذاتِ عالم کی پتہ اور ہاتھ دریا جو در کا
من ذاته نور الہدی من کفہ بحر الہم
رتبہ ہیں وہ سب سے سوا ہیں ختم ان سے انبیاء
پہنچا جو یہ حکم خدا سے صحفے تھے فنا
اذ جاءنا احکامہ لكل الصفح بالعدم
مخلوق کے ہیں پیشوا سب کو بڑا رتبہ ملا
وہ ہی جنہیں کہتے ہیں مشبک لکھنا حاجت روا
مجبوراً اعمالنا طبعنا و ذنبا و الظلم
گو جلوہ گرا آخر ہوئے لیکن ہو فخر الاولین
اس پھر کی تادار نے قلب و جگر زخمی کیا
رہتے ہیں جو اس شہر میں جس میں کہ تم ہو خیرا
یہ جگمگائے رات بھر چکے جو تم کوئی نہیں
طوبی لاهل بانی فیہا النبی المختشم
ہے آپ ہی کا اسراجب بونہی نفسی مرسلین
ہم مکیسوں پر نظر ہوا سے رحمتہ للعالمین

یا رحمة للعالمین انت شفیع المذنبین
اس سادک بدکار کا گوشت میں کوئی نہیں
مجرم ہوں میں غفار رب تم شفیع المذنبین
یا رحمة للعالمین ادرک لظین العابدین
محبوس ایدی الظالمین فی مرکب والمزوحم

۲۱ (۲۱) قصیدہ

معرضہ مبارک گاہ امیر المؤمنین امام المتقین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

بہتری جس پر کرے نخر وہ بہتر صدیق
چمنستان نبوت کی بہار اول
بے گماں شمع نبوت کے ہیں آئینہ چار
سائے صحابہ نبی ناسے ہیں امت کیلئے
ثانی اثنین ہیں بوجہ خدا میرا گواہ
زلیت میں موت میں اور قبر میں ثانی ہی ہے
وَالَّذِينَ مَعَهُ کے ہیں یہ فرد کامل
ان کے مداح نبی ان کا ثنا گو اللہ
بہتری جس پر کرے ناز وہ سرور صدیق
گلشن دین کے بنے پھلے گل تر صدیق
یعنی عثمان و عمر حیدر و اکبر صدیق
ان ستاروں میں تھے ہر منور صدیق
حق مقدم کرے پھر کہوں میں موثر صدیق
ثانی اثنین کے اس طرح ہیں منظر صدیق
حشر تک پائے نبی پر ہیں ہر سر صدیق
حق ابوالفضل کے اور پیغمبر صدیق

۱۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت عظام تو اسنت کی کشتی ہیں اور صحابہ کرام ستارے اور مسافر دریا کو کشتی کی بھی ضرورت ہے اور ستاروں کی بھی لہذا اہل سنت میں ہیں کہ ان کو کشتی اور ستارے دونوں حاصل ہیں ۲۔ روافض جلتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلافت پہلے کیوں ملی۔ مگر خدا سے لڑتے ہیں وہ انہیں اپنے حبیب کا ثانی فرما چکا اب انہیں تمیز کون کرتا۔

۳۔ ایک بار تمام گھر کا سا مال راہِ خدا میں خیرات کر دیا۔ اور ایک بار ہجرت میں جان بھی حضور ﷺ اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دی۔

مصطفیٰ پر کریں گھر بار نچھپا اور صدیق
سانپ ڈنستا ہے لیکن نہ ہوں مضطر صدیق
کھو دیں الحاد کی جڑ بعد منعمیب صدیق
کہ امامت سے نری کھل گئے جو ہر صدیق
تھی یہ ہی رمز نبی کہتے ہیں حیدر صدیق

یال بچوں کے لئے گھر میں خدا کو چھوڑیں
ایک گھر بار تو کیا غار میں جان بھی دیدیں
کہیں گرتوں کو سنبھالیں کہیں کھول کو منائیں
علم میں زہد میں بے شبہ تو سب سے بڑھ کر
اس امامت سے کھلا تم ہو امام اکبر

تو ہے آزاد سقر سے ترے بندے آزاد

ہے یہ سالک بھی ترا بندہ بے زر صدیق

۲۲ (۲۲) قصیدہ

معروضہ بیارگاہ امیر المؤمنین عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ

چراغ بزم عرفاں حضرت فاروق اعظم ہیں
خدا کی تمنع برآں حضرت فاروق اعظم ہیں
نار کفر و طغیاں حضرت فاروق اعظم ہیں

بہار باغ ایمان حضرت فاروق اعظم ہیں
نمایاں آپ کی ہر ادا سے شان و روتی
اِنَّ سِدَّاءَ عَلٰى الْكُفَّارِ كَمَا مِصْدَقِ عَلٰى عَلٰى

۱۔ بعد وفات مصطفیٰ علیہ السلام حضرت عمر فاروق و دیگر صحابہ کرام کو غشتی سے بیدار کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو متلیا۔ مالعین زکوٰۃ مرتدین کو تہ تیغ کیا۔

۲۔ حضور نے مرض وفات میں فرمایا کہ جس مجمع میں ابو بکر ہوں اس میں کسی کو امامت کا حق نہیں اور افضل ہی کو امام بتایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ سب سے افضل ہیں۔

۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے صدیق کو چنا ہم نے انہیں اپنی دنیا کے لئے چن لیا۔

۴۔ آپ کا نام عتیق ہے یعنی آزاد۔

۵۔ فاروق بمعنی الگ الگ کرنے والا جیسے فرقان۔ حضرت عمر نے کافر و مومن کو الگ الگ کر دکھایا۔

عطاء رب سبحان حضرت فاروقِ اعظم ہیں
 حبیب بن داراں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
 خلیدہ بہرِ پاکاں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
 جہاں کے مہرِ تاباں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
 دل مومن کے نایاں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
 سپہِ دین پہ خنشاں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
 ہے شاہِ جن پہ قرآن حضرت فاروقِ اعظم ہیں
 ہے جن سے دین کی شاں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
 فیوضِ حق کے باراں حضرت فاروقِ اعظم ہیں
 ہے نازاں جن پہ تقویٰ حضرت فاروقِ اعظم ہیں
 رعایا کے نگہبان حضرت فاروقِ اعظم ہیں
 جسے ہر جا بدو کیساں حضرت فاروقِ اعظم ہیں

رسول اللہ نے تاروق کو اللہ سے مانگا
 چنا اس پاک نے دین کیلئے اس پاک سترے کو
 حبیبِ حق میں طیبان کے ساتھ بھی بھٹی ہر ہیں
 نہ کیوں وہ ذات چمکے جس نے دین پاک چمکایا
 عمر عامر ہیں دین کے حق تعالیٰ ان کا ناصر ہے
 ہے گانا نام ان کا تا ابد کونین میں روشن
 عمر کافی نبی کو عسبک اللہ سے یہ ثابت ہے
 وہ عالم دیدہ کا کا پیتے ہیں قیصر و کسرے
 خزانے روم و فارس کے لٹاتے ہیں مدینہ میں
 مگر اس حال میں ہو ہو کر اک کرتا پیتے ہیں
 مسلمان ملت بھر سوئیں عمر فاروقِ پیرا دین
 پکارا ساریہ کو اک مہینہ کی مسانت سے

لے تمام تو اسلام کو چاہتے ہیں اور اسلام نے فاروق کو چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔
 کہ خدایا اگر تو اسلام کو عزت دینا چاہتا ہے تو یا تو عمر کو ہدایت ایمان دے یا ابو جہل کو حضرت
 فاروق کے حق میں دعا قبول ہوئی۔ لہذا آپ بلائے ہوئے اسلام میں آئے ہیں۔
 لے حضور اللہ کے محبوب ہیں ان کی صحبت کے لئے بھی پاک لوگ چنے گئے۔ پھول کی صحبت
 میں مٹی بھی مہک جاتی ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ ان کی صحبت یافتہ بے فیض رہیں۔ آفتاب آسمان پر
 رہ کر ناپاک زمین کو پاک کرتا ہے تو مدینہ کے آفتاب کا کیا کہنا۔

لے حضرت عمر کے ایمان لانے پر بلائکہ نے مبارکباریاں پیش کیں اور آیت نازل ہوئی **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ
 عَسَيْتَ لَئِكَ اللَّهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ** طہ اے نبی آپ کو اللہ اور یہ مومن کافی ہیں معلوم
 ہوا کہ غیر خدا کی حمایت لینا جائز ہے۔

لے جس میں مدینہ پاک میں سونے چاندی کے خزانے آئے تھے ایک جمعہ کو حضرت عمر فاروق نمازیں
 پڑھے اور فرمایا کہ میرے پاس ایک گڑنا ہے اس کو دھونے میں دیر ہوئی۔
 ۵۰ نہاوند میں جنگ ہوئی تھی حضرت ساریہ سالار لشکر بے خبر تھے چھپے سے کفار نے حملہ کرنا چاہا یہاں مدینہ
 پکارا اے ساریہ پہاڑ کو دیکھو اور آواز پہنچ گئی۔ جس سے حضرت ساریہ اور تمام لشکر اسلام بچ گئے۔

ہیں داماد علی و نازنین حضرت زہرہ ہے سالک جن پہ نازاں حضرت فاروق اعظم ہیں

قصیدہ (۲۳)

معترضہ مبارک گاہ حضرت و التورین امام المسلمین عثمان غنی رضی اللہ عنہ

خلق پہ لطفتِ خدا حضرت عثمان ہیں
دستِ نشہ دسرا جو کہ یہ اللہ تھا
نورِ دل و عین ہیں صاحبِ نورین ہیں
گلشنِ دین کی بہار مومنتوں کے تاجدار
آپ ممدوح جہاں خلقِ خدا مدح خواں
حق نے وہ رتبہ دیا تم غنی ہم سب گدا
جو ہیں امامِ انام جسکے ہم سب ہیں غلام
بابِ سخا کھل گیا دیکھا جو یہ ماجرا
جملہ مرض کی دوا درد کے درمان ہیں
ہاتھ بت آپ کا آپ وہ ذی شان ہیں
سب کے دل کے چین ہیں مثنوی جان ہیں
عزتِ ہر ذی وقار زینتِ ایمان ہیں
کیا ہے اگر بدگماں چند بے ایمان ہیں
کیا کہوں میں تم ہو کیا عقلِ دل حیرن ہیں
مرجع ہر خاص و عام حضرت عثمان ہیں
غازبانِ مصطفیٰ ہے سر و سامان ہیں

اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ کو فرمایا گیا یہ اللہ اور صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب حضور نے لوگوں سے بیعت رضوان لی۔ حضرت عثمان کیسے ہوئے مکہ مکرمہ گئے تھے تو حضرت نے اپنے ہاتھ ہاتھ کو فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور وہاں ہاتھ محمد رسول اللہ کا ہے اور ان کی طرف سے خود بیعت لی۔ خود کوزہ و خود گوزہ گر خود گل کوزہ۔ اے حضرت عثمان آگے پیچھے حضور کی دو صاحبزادیوں رقیہ و ام کلثوم کے شوہر ہیں اسی لیے آپ کو ذوالتورین یعنی دو نور والا کہتے ہیں۔ حضور کے کل تین داماد ہیں۔ حضرت علی ابوالجاس عثمان رضی اللہ عنہم۔ حضور نے فرمایا اگر میرے اور بھی لڑکیاں ہوتیں تو میں اے عثمان آگے پیچھے تمہارے ہی نکاح میں دیتا۔ ایک غزوہ کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو چن دینے کا حکم دیا۔ نین بار میں حضرت عثمان نے نین سوادنٹ اور نین سو بیار حاضر کئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنر سے اتر کر فرمایا کہ عثمان کو اب کوئی عمل مضر نہ ہوگا۔ یعنی آئندہ گناہ ان سے ہوگا ہی نہیں۔

تم غنی سادک گداک نظر بسر خدا آپ جہاں کے لئے رحمتِ رحمان ہیں

۲۴ قصیدہ

بیارگاہِ امیر المؤمنین امامِ الاثنعین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

بیاباں کس منہ سے ہو اس مجمعِ البحرین کا تیرہ
 بنا اس واسطے اللہ کا گھر جائے بیدالتش
 یہ ہے خاموش قرآنِ دہرہ قرآنِ باطن میں
 دھن زہرہ عمر دانا اور حسین سے بیٹے
 نبی کی بند پر اس نے نمازِ عصر قرباں کی
 نہ کیونکر لوٹتا اس کیلئے ڈوبا ہوا سورج
 تعالیٰ اللہ تیری شوکتِ زری صولت کا کیا کہنا
 مسلمانوں رسول اللہ کی اُفت اگر چاہو

جو سر کرنے سے شریعت کا طرفیت کا ہے ہر شہ پہ
 کہ وہ اسلام کا کعبہ ہے یہ ایمان کا کعبہ
 نہیں جس دل میں یہ اس میں نہیں قرآن کا رستہ
 زری ہستی ہے اعلیٰ اور بالائے ترا کتبہ
 جو حاضر کر چکا تھا اس سے پہلے جان کا ہدیہ
 کہ جب اس چاند کے پہلو میں اک سوچ کا تھا جلوہ
 کہ خطبہ پڑھ رہا ہے آج تک خیر کا ہر ذرہ
 کہ اس کی غلامی جس کا ہر مومن ہوا بتدہ

۱۔ شریعت کے بھی آپ امام ہیں اور طرفیت تو آپ ہی سے پھیلی ۲۔ اہل بیتِ عظام اور قرآن لازم و ملزوم ہیں
 جہاں قرآن نہیں یہ نہیں اور جہاں یہ نہیں قرآن نہیں راقصی قرآن اہل بیت دونوں سے محروم ۳۔
 خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرا کو مولیٰ اعلیٰ نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا۔ اعتراض کیا گیا کہ شوہر ہی بیت
 بیوی کو غسل نہیں دے سکتا فرمایا میں دے سکتا ہوں۔ میرا نکاح موت سے نہیں لوٹا حضور نے فرمایا تھا
 کہ اے علی فاطمہ دنیا و آخرت میں تمہاری بیوی ہیں ۴۔ ہجرت کے موقع پر بستر رسول اللہ پر لیٹ گئے۔
 جبکہ کفار قتل کے درپے تھے خیر میں نمازِ عصر جانے دی مگر حضور کے آرام میں غل نہ آنے دیا معلوم ہوا کہ نماز
 سے خدمتِ مصطفیٰ ہے ۵۔ حضور نے فرمایا من کذبت مولانا فعلی مولانا جس کا میں مولیٰ اس کے علی
 مولای ہیں۔ مولا بمعنی مالک بھی آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہم سب حضرت علی کے غلام ہیں ۶۔

ہو چستی قادری یا نقشبندی سہ روزی ہو
 ہے صدقہ میل پھر اس پاک دستہ کو وا کیوں ہو
 بلا سب کو ولایت کا انہی کے ہاتھ سے نکلے
 کہ دنیا کھا رہی ہے جس کی آل پاک کا صدقہ
 علی مشکاکشا ہیں سب کے سالک کا سہارا ہیں
 ہر اک محتاج ان کا ہو جواں بڑھا ہو یا بچہ

۲۵) قِصِدَا

معرضہ مبارک گاہ ام المؤمنین محبوبہ محبوب رب العالمین
 عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

جو ہو ام المؤمنین بنت امیر المؤمنین
 جن کے حجرے میں قیامت تک ہوں جا کر ہیں
 کیونکہ اس میں جلوہ سپرما ہیں ام المؤمنین
 اس زمیں پر پھر نہ کیوں کہاں ہو عرش میں
 عائشہ محبوبہ محبوب رب العالمین
 میکہ و سسرال علیٰ آپ وہیں بہتوں
 شب تو ہیں مومن مگر ہیں آپ ام المؤمنین
 مدح کرتا ہے نبریٰ عظمت کی قرآن میں
 اور سلام خادمانہ بھی کریں روح الامین

اس مبارک مال پہ صدقہ کیوں سب دن
 جن کا پہلو ہو نبی کی آخندی آرمگاہ
 آستان ان کا فرشتوں کی زیارت گاہ ہے
 آپ کے دولت کدہ میں دولت دین ہے
 کیا مبارک نام سے کیسا پیارا ہے لقب
 آپ صدیقہ پر صدیق اور شوہر نبی
 کیوں نہ ہو رتبہ مہسار اہل ایمان میں بڑا
 دی گواہی آپ کی عفت کی سورہ نور نے
 ان کے بستر میں وحی آئی رسول اللہ پر

لے بناوات لازم کو زکوٰۃ کھانا جائز نہیں کہ زکوٰۃ مال کا میل ہے اور وہ طیب طاہر حضرات لے حضور کا
 وصال حضرت صدیقہ کی گود میں ہوا۔ اور آپ ہی کے حجرے میں دفن ہوئے لے خانہ کعبہ کا حج
 سال میں ایک بار فرشی کرتے ہیں اور صدیقہ کے مکان کا حج ملائکہ ہر وقت کرتے ہیں ۷۰ ہزار صبح
 سے شام تک اور ۷۰ ہزار شام سے صبح تک روضہ پاک گھیر کر سلام پڑھتے ہیں لے
 لے کچھ لوگوں نے صدیقہ کو نعمت لگائی۔ قرآن میں اٹھارہ آیات ہیں ان کی پاک دہلی فرما کر سارے
 مسلمانوں کو گواہ بنا دیا کہ نمازی بھی نماز میں گواہی دے۔ سبحان اللہ عصمت بومصن علیہ السلام کی
 گواہی شیرخوار بچے سے دلوائی اور عصمت صدیقہ کی گواہی رب نے خود دی۔

آپ کا علم و فقہ تحقیق قرآن و حدیث
 ناز برداری تمہاری کیوں نہ فرما سے خدا
 آیتہ تطہیر میں ہے ان کی پاکی کا بیان
 دیکھ کر حیراں ہیں سائے صحابہ تابعین
 نازنین حق نبی ہیں تم نبی کی نازنین
 ہیں یہ بی بی طاہرہ شہوہ امام الطاہرین
 سالک خستہ تمہارا گو ہے تالائق مگر!
 ماں بڑے بیٹے کو اپنے سے جدا کرتی نہیں

قصیدہ (۲۶)

معرضہ بیارگاہ جناب آمنہ بی بی رضی اللہ عنہا

صدرتہ تم پر ہوں دل و جان آمنہ
 جو ملا جس کو ملا تم سے ملا
 کل جہاں کی مائیں ہوں تم پر فدا
 ابن مریم واقعی رب کے رسول
 جس شکم میں مصطفیٰ ہوں جاگزیں
 تم سے ایمان و امانت اور امن
 آمنہ کے نین معنی بالیقین
 تم نے بخشا ہم کو ایمان آمنہ
 دین و ایمان علم و عرفان آمنہ
 تم محمدؐ کی سنین یاں آمنہ
 پر محمدؐ کی بڑی شان آمنہ
 عرشِ اعظم سے ہے ذیشان آمنہ
 تم سے فیضال تم سے عرفان آمنہ
 با امانت امن و ایمان آمنہ

۱۔ حق یہ ہے کہ آیتہ تطہیر میں ازواج و اولاد یعنی اہل بیت لادت اور اہل بیت سکونت سب داخل ہیں حضرت
 حنہ اور مریم و عیسیٰ علیہ السلام کو رب نے آل عمران فرمایا۔ حالانکہ حنہ عمران کی بیوی ہیں اور مریم
 بیٹی اور عیسیٰ علیہ السلام نو اسے اسی طرح انما یرید اللہ لیبذہب عنکم الرجس اہل
 البیت میں ہے ۲۔ آمنہ میں چار حرف ہیں۔ الف۔ میم۔ نون اور د۔ الف سے اللہ کی طرف
 اشارہ ہے۔ میم سے محمد کی جانب۔ ن سے نور کی طرف اور لا سے ہدایت کی جانب۔
 ۳۔ آمنہ یا نوا ایمان سے بنا ہے یا امن سے یا امانت سے۔ یعنی ایمان والی بی بی یا
 امان والی بی بی یا امانت والی بی بی۔ رضی اللہ عنہا۔

تم سے اللہ و محمد ہیں عیاں
ہم ہیں مومن اور تم ایمان بخش
تیزی تربیت کا محبار میں بنوں
مہبطِ سراں نبی ہیں اور تم
نور و ہدیٰ تم میں نہیں آمنہ
چشمہ دین تم سے رواں آمنہ
پھر نکالوں دل کے ارماں آمنہ
ہو نبی کی محترم ماں آمنہ
ہے یہ سالک آپ کے در کا فقیر
مانگتا ہے امن و ایمان آمنہ

قصیدہ

(۲۷)

معروضہ مبارک گاہ شہزادی کوئین ام الحسنین خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا

ہے رتبہ اس لئے کوئین میں عصمت کا عفت کا
جو جانا خلد میں ہو پائے زہرہ سے لپٹ جاؤ
نبی کے دل کی راحت اور علی کے گھر کی زینت ہیں
انہی کے ماہِ پائے دو جہاں کے لاج والے ہیں
رسول اللہ کی جنتی جاگتی تصویر کو دیکھا
بتول وفا طہ زہرہ لقب اس واسطے پایا
شرف حاصل ہے ان کو دامنِ زہرہ سے نسبت کا
جسے کہتے ہیں جنتِ پاک ہے خاتونِ جنت کا
بیاں کس ہوان کی پاک طہیت پاک طلعت کا
یہ ہی ہیں مجمع بحرین حشرِ چہرہ ہر ایت کا
کیا نظارہ جن آنکھوں نے تفسیر نبوت کا
کہ دنیا میں رہیں اور دین پتہ جنت کی نگہت کا

سُورۃ قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری جنابِ آمنہ کی گود میں ہوئی گویا آپ صاحبِ قرآن کا جائے نزول ہیں۔ رضی اللہ عنہا۔

لے جس سبب میں موتی رہے وہ سبب بھی قیمتی ہے جس غلات میں قرآن مجید رہے وہ غلات ختم ہے
تو جس شکم اور جس گود میں جنابِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رہیں وہ شکم اور وہ گود جیسی ہے پھل کو دیکھ کر
درخت کا پتہ لگاؤ جنابِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر جنابِ آمنہ کی شان پہچانو۔

سید دو طرح کے ہیں حسنی اور حسینی گم رہے دونوں گردہ اس ذاتِ پاک میں جمع ہیں کہ حضرت خاتونِ
جنت ہم شکل مصطفیٰ تھیں کہ مہسوط نحسی میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے جسم پاک کو نہونگھا
کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے نیز مارح النبوة میں ہے کہ آپ جناب سے پاک
تھیں۔ زہرہ معنی کلی فاطمہ اور بتول معنی دنیا سے قطع لعلق فرمانے والی رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

یہاں جلوہ نبوت کا ولایت کا شہادت کا
کہ رحمت کی دامن نہرہ علی دولہا ولایت کا
نبی کا ہے چمن یعنی شجر اس پاک نیت کا
بنے گی حشر میں پرہ گنہ کار ان امت کا
جو در زہرہ کی ہے یہ بھی تو ہے خاتون جنت کا

نبی کی لاڈلی بیوی دلی کی ماں شہید کی
تعالی اللہ اس سعیدین کے جوڑے کا کیا کہنا
وہ عزت جو کہ امت کیلئے قرآن ثانی ہے
وہ چادر حسین کا آنچل چاند سورج نے نہیں کھا
اگر ساک بھی بار بے عوی جنت کے حق ہے

۲۶ قہیرہ

مَعْرُوفِ بَارِکَ گاہِ سید الشہداء امام الاولیاء حضرت زین رضی اللہ عنہ

آبرو وہ جو گئے دین کی عظمت کے لئے
خلد سے اس کی بیٹے اورہ جنت کے لئے
اللہ الحمد کہ مژدہ ہے یہ امت کے لئے
جسم ہے جاں کیلئے جاں ہے عزت کے لئے
جس کا نقش قدم قبلہ ہو امت کے لئے
جسے قدرت نے چنا زینت جنت کے لئے
گر بلا میں وہ کٹا دیں کی حفاظت کے لئے
باغ زہرہ کٹا اس باغ کی نرمت کے لئے

سُورہ ہے جو کٹے اسلام کی خدیت کے لئے
جو کہ ہے دل سے جگر پارہ زہرہ پہ تثار
ناؤ ہیں آل نبی جسم ہیں اصحاب رسول
ہر دنی چیز ہوا کرتی ہے اعلیٰ پہ نثار
کیوں جھکے سامنے دنی کے وہ ذاتِ عالی
تو نہال چمن مصطفوی مرتضوی ؟
جو کہ آنخوشش ہمیں پھیلا پھولا کٹھا
باشمشعی باغ ہوا باشمشعی خون سے سیراب

۱۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے حضرت زہرہ کی موجودگی میں نکاح جائز نہ تھا حضور علیہ السلام
نے فرمایا تھا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہیں تو میری قاطعہ
کو طلاق دیدیں اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ السلام مالک احکام ہیں کہ مسلمانوں کو چار
عورتیں جائز تھیں مگر اللہ جہہ کو نہیں اس کی تفصیل ہماری کتاب ساطتہ امصطفیٰ میں دیکھو۔
۲۔ کوئی سر پہ توار سے تو ہاتھ سے روکتے ہیں یعنی ہاتھ کو سر پہ قربان کرتے ہیں اسی طرح زین
دانہ پر نہ جانے پر حیوان انسان پر قربان ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ ادنیٰ چیز علیٰ پر قربان ہوتی ہے۔
۳۔ لہذا بال جسم پر اور جسم جان پر اور جان مصطفیٰ علیہ السلام اور ان کی اولاد و صحابہ کرام پر قربان۔

استقامت پر فدا ہیں تیری اے سنتِ حسین
 اس دکانہ پر فدا ساری نمازیں جس میں
 کھل گیا اس سے اگر حق پر تہ ہوتے اصحاب
 سالک اصحاب تو نورانی ہیں اور آل ہے نور

نہ گیا ہاتھ میں بے دین کے بیعت کے لئے
 دھار حلقوم پہ سر خم ہو عبادت کے لئے
 دستِ جنین کو پلا ہٹا کبھی بیعت کے لئے
 نور کو نور ہی لائق تھا بیعت کے لئے

۲۹

بارگاہِ امامِ اکبر کاشفِ الجہہ ما امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

ہم سے آقا ہمارے مولیٰ امامِ اعظم ابوحنیفہ
 ہمارے ملجاء ہمارے ماویٰ امامِ اعظم ابوحنیفہ
 زمانہ بھرنے زمانہ بھر میں بہت تجسس کیا ولیکن
 بلا نہ کوئی امام تم سے امامِ اعظم ابوحنیفہ
 سپہر علم و عمل کے سورج تھی ہر سب ہیں تمہارے تارے
 تمہی سے چمکا ہے جو بھی چمکا امامِ اعظم ابوحنیفہ
 تمہارے آگے تمام عالم نہ کیوں کرے زانوئے ادب خم
 کہ پیشوا بیانِ نبی نے مانا امامِ اعظم ابوحنیفہ
 نہ کیوں کریں ناز اہل سنت کہ تم سے چمکا نصیب امت
 سراجِ امت ملا ہو تم سے امامِ اعظم ابوحنیفہ

اے امام حسین رضی اللہ عنہ نے بڑی پلیدی کی بیعت نہ کی جان پیری اور خلفائے راشدین کی خلافت پر کوئی
 اعتراض نہ کیا معلوم ہوا کہ ان کی نگاہ میں وہ تمام خلافتیں حتیٰ کہ امیر معاویہ کو بھی خلافت پیری
 اور جنگ نہ کی نیز تقیہ کی بڑھکٹ گئی کہ کر بلا ہیں اس قدر بے شرم ساداتی کے باوجود تقیہ نہ کیا کیونکہ تقیہ تو
 منافقتیں کرتے ہیں لہذا باقی ائمہ مجتہدین امامِ اعظم کے یا تو شاگرد ہیں یا ذرا گریز کے شاگرد امام شافعی کی والدہ
 سے امام محمد نے نکاح کیا اور ان کی تشبیحات سے امام شافعی نے بہت فائدہ حاصل کیا امام مالک نے فقہ میں
 امام محمد کی شاگردی کی اور حدیث میں امام محمد نے ان کی شاگردی کی۔

خدا نے کچھ کو وہی ہے نعت کہ تیرا منسوب بھی ہے مرفوع
 تری اصافت میں رفع پایا امام اعظم ابوحنسیفہ
 ہوا اولی الامر سے یہ ثابت کہ تیری طاعت ضروری واجب
 خدا نے تم کو کیا ہمارا امام اعظم ابوحنسیفہ
 کسی کی آنکھوں کا تو ہے ناز کسی کے دل کا بنا سہارا
 مگر کسی کے جگر میں آرا امام اعظم ابوحنسیفہ
 جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین سے ہوتے مشرک
 بخاری و مسلم ابن ماجہ امام اعظم ابوحنسیفہ
 کہ جتنے فقہاء محدثین ہیں تمہارے حرمین خوشہ چیں ہیں؟
 ہوں واسطے سے کہ بے وسیلہ امام اعظم ابوحنسیفہ
 سراج تو ہے بغیر نیزے جو کوئی سمجھے حدیث و قرآن
 پھرے بھٹکتا نہ پائے رستہ امام اعظم ابوحنسیفہ
 خبر لے اے دستگیر امت ہے سالک بے خبر یہ نیت
 وہ تیرا ہو کر پھرے بھٹکتا امام اعظم ابوحنسیفہ

(بیت)

۱۔ نفعاً نحو اصافت سے زیر ہوتا ہے مگر امام اعظم کی اصافت رفع یعنی بلندی ہی لے قرآن میں اطیعوا اللہ
 و اطیعوا الرسول اذی الامر منکم یعنی خدا اور رسول امر والوں کی طاعت کرو اور وہ علمائے حقانی
 ہیں خصوصاً مجتہدین لے وہابی تقلید متخلفہ کی شرک ہے اور مشرک کلمہ حدیث معتبر نہیں حالانکہ مسلم اور ترمذی
 وغیرہ تمام محدثین مقلد ہی ہیں تو ان میں سے کسی کی روایت معتبر نہیں ہونی چاہیے امام بخاری بہت سے حنفی
 محدثین کے شاگرد ہیں دیکھو عینی شرح بخاری اور دیگر محدثین امام بخاری کے شاگرد تو با واسطہ تقریباً
 تمام محدثین حضرت امام اعظم کے شاگرد ہوئے لہذا حضرت امام کا لقب ہے سراج الامت یعنی امت
 کے چراغ جو کوئی بغیر چراغ کے حدیث پڑھے گا۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکے گا۔ مولوی ثناء اللہ نے تفسیر لکھی
 جس میں کفریات بھر بیٹے خود غیر مقلدین نے اس پر فتوے دیئے یہ تقلید نہ کرنے کی برکت ہے ۰

۳۰ (۳۰) اِتِّجَا

معروضہ بیارگاہ سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک خاص مصیبت پہ عرض کیا گیا
اور اللہ کے فضل سے فوراً مصیبت ٹل گئی

ہو گیا یا غوث ہیں بر باد ہوتے آپ کے
گھوم پھر کر دیکھا سب دروازے مجھ پر بند ہیں
کر بلا والوں کا صدقہ مجھ ڈکھی پر رحم کر
دیس چھوٹا سا سے ماٹھی چل دیئے منہ موڑ کر
سید بغداد والے یہ مدد کا وقت ہے
تم سخی ابن سخی ابن سخی ہو خسروا!
تم نشہ بغداد مولا میں غلام خانہ زاد
عبید قادر آپ ہیں ہر شئی پہ قادر آپ ہیں
رہ گیا میں بکس و ناشاد ہوتے آپ کے
اب کدھر جاؤں نشہ بغداد ہوتے آپ کے
اب کہاں جا کر کروں فریاد ہوتے آپ کے
رہ گیا پردیس میں ناشاد ہوتے آپ کے
مجھ پہ کیسی پڑ گئی افتاد ہوتے آپ کے
یہ گدا کس کو کرے پھر یاد ہوتے آپ کے
رنج و غم سے کیوں ہوں آزاد ہوتے آپ کے
پھر کہوں کس سے پیئے امداد ہوتے آپ کے
آپ کا ارشاد ہے سرچیدی کا تخت
رنج میں ہے سالک ناشاد ہوتے آپ کے

۳۱ (۳۱) قَصِيْدَا

یہیں میرے پیر لاثانی محی الدین جبیلانی
علی کے لاڈلے نورنگاہ حضرت زہرہ
لقب ہے قطب ربانی ثروت محبوب سبحانی
بلاد اللہ ملکی تخت حکمی سے ہوئی ثابت
نبی کی شمع نورانی محی الدین جبیلانی
رسول اللہ کے جانی محی الدین جبیلانی
ہے رخ فتیل نورانی محی الدین جبیلانی
جہاں ہیں تیری سلطانی محی الدین جبیلانی

عزوم قاتل عند القاتل تسان عالی ہے
 بجز تیرے شہر لہجہ کوئی اور کیا جانے
 فقیر قادری میں بادشاہ قادری تم ہو
 خوشی سے کہہ دو مثل در میرے غنچہ دل کو
 تمہارا اک اشارہ ہو تو میرا کام بن جائے
 مدد کا وقت ہے مشک کشتائی کے لئے آؤ
 غلام درگہ والا ہے سالک پھر کہہ جائے

نہیں کوئی تیرا ثانی محی الدین حبیلانی
 میرے دل کی پریشانی محی الدین حبیلانی
 ہو درد دل کی رمانی محی الدین حبیلانی
 پیٹے سلطان سمنانی محی الدین حبیلانی
 رفع ہو ساری حیرانی محی الدین حبیلانی
 ہے بجز غم میں طعنیاتی محی الدین حبیلانی
 سنانے رنج نہ پانی محی الدین حبیلانی

قصیدہ (۳۲)

معروضہ بیارگاہ مرشد حضرت مولانا محمد نعیم الدین حبیب آبادی

اے باغ بہار ایمان مرچبا صد مرچبا
 تم سے رونق دین کی تم سے بہار ایمان کی
 بے گماں جان رسول اللہ سے اللہ کو
 آپ کی تقریب ہے بے شبہ تفسیر حدیث
 آپ کے سایہ میں گراؤں گے غم سے ہما
 کیوں نہ ہو تم پہ تصدق اہل دل اہل نظر
 اے چراغ بزم عرفان مرچبا صد مرچبا
 حامی دین نبی ہوا اہل دین کے ندعا
 رہبری سے تیری پایا ہم نے باب مصطفیٰ
 آپ کی تحریر ہے ہماری دل کی دوا
 آپ کی چشم کرم سے مس بھی بن جائے طلا
 جانشین مصطفیٰ ہو نور چشم مصطفیٰ
 تم نعیم دین ہو سالک فقیر دین ہے !
 حق تعالیٰ نے تمہیں منعم کیا اس کو گدا

اے خود میرا اپنا واقعہ ہے کہ جب میں مہینہ سے مراد آباد پڑھنے آیا تو نہ دین و نہ دیکھتا تھا نہ اعمال کیونکہ
 دیوبندیوں کی صحبت ملی تھی۔ اسی ذات کے صدقہ سے مجھے ایمان ملا اور علم سے قلب منور ہوا۔
 دام ظلم علیہ حضرت مرشد برحق بید بھی تھے اور بے مثل عالم دین بھی۔ اہلکے دین جانشین
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور سید اولاد

قصیدہ (۳۳)

معرضہ بیارگاہِ مرشد برحق ناصر ملت لانا سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ اور آبادی

جس نے دکھایا طبیعہ و قبلہ تمہی تو ہو
اہل نظر کے تم ہی تو موطح نظر
تم دارتِ علومِ جلیب اللہ ہو
اس گلستانِ دین کی تم ہی بہار ہو
دین کے نعیم، منظرِ شانِ معین ہو
سب اہل عقل صدرِ افاضل نہ کیوں کہیں
سے نجدیوں کے قلب میں آرائہاری ذات
تقریر جس کی قمر الہی عدو ہے
جس کا قلم کہ نیزہ باطلِ تسکن بنا
ہم سب نکتے جہل کی شبِ تاریک میں پھنسنے

جس میں نبی کو دیکھا وہ شبیشہ تمہی تو ہو
اور اہل دل کے دل کی تمت تمہی تو ہو
اور ناصر شریعت بیضا تمہی تو ہو
اور بزمِ سنت کا احبالا تمہی تو ہو
مکرور و بے نوا کا سہارا تمہی تو ہو
وہ سب ہیں خاتم ان کے نگینہ تمہی تو ہو
اور سنیوں کی آنکھ کا تارا تمہی تو ہو
اور اہل دین پر رحمتِ مولا تمہی تو ہو
اور دینِ مصطفیٰ کا ہے پایہ تمہی تو ہو
شب جس سے کٹ گئی وہ سویرا تمہی تو ہو

دل کی مراد آپ کی خوشنودی مزاج
اور سلاک فقیر کے منت تمہی تو ہو

قصیدہ (۳۴)

دیگر معرضہ بیارگاہِ مرشد کامل استاد العلماء صدرِ افاضل اور آبادی

نعیم دین ولت ناصر شرع میں تم ہو
لقب صدرِ افاضل آپ نے پایا زمانہ میں
ہو بلجا اہل دین کے اور ماوی اہل ملت کے
معین اہل سنت ناشرِ احکام دین تم ہو
امام اہل سنت دین کے جبلِ متین تم ہو
وہابی کا جگر ہو جس سے عشق وہ سبقتیں تم ہو

قنادم سے تمہارے کا سر اعداد دین تم ہو
 پناہ اہل دین اور تمام کفر میں تم ہو
 دل و جان سے معین دین ختم المرسلین تم ہو
 قرار بقرار اہل اور راحت قلب حزین تم ہو
 سراج بزم عرفاں صاحب علم البقیۃ تم ہو
 امثال خاتم دین اور خاتم کے نگین تم ہو
 مگر کیا خوف ہو سالک کو جب اسکے معین تم ہو

وہابی دیوبندی قادیانی بنچری سارے
 مٹایا کفر کو تم نے بجایا دین کا ڈنکا
 گذاری عمر ساری خدمت دین محمد میں
 تمہاری دید تم سب خادموں کی عید ہے آقا
 منور آپ سے ہے بزم ایمانی و ایقانی
 نہ کیوں اہل زباں فخر الامثال آپ کو مانیں
 ہوا گو ہے مخالفت اور ہیں اعدائے دین پیے

دُعا (۳۵)

نہ یا قوت و لعل و گوہر چاہیے
 فقط تیری سیدھی نظر چاہیے
 مجھے صرف دردِ جگر چاہیے
 وہ دل وہ جگر اور وہ سر چاہیے
 مجھے تیرے پیک کے در چاہیے
 الہی مجھے وہ مہر چاہیے
 خبر کے لئے بے خبر چاہیے
 نبی کی سلامی مگر چاہیے

نہ مجھ کو خدا مال و زر چاہیے
 نہ کوئی رسوخ و اثر چاہیے
 زمانہ کی خوبی زمانے کو سے
 رہے جس میں عشقِ جلیبِ خدا
 کوئی راج چاہے کوئی تخت و تاج
 بتے جس میں تقدیر بگڑی ہوئی
 ہیں دستیاب میں لاکھوں لبشر پر وہاں
 خزانے سے رب کے جو چاہو سولو

دعا نہیں تو سالک بہت ہیں مگر

اثر کے لئے چشم تر چاہیے

شاہزادی اسلام مالکہ دارالسلام حضرت فاطمہ ہزار رضی اللہ عنہا کا نکاح

گوششِ دل سے مومنوں کو ذرا
 پندرہ سالہ نبی کی لاڈلی
 ہے یہ قصہ فاطمہ کے عقد کا
 اور تھی بائیس سال عمر علی

مصطفیٰ نے مرحبا ابلاً کہا
دوسرا سن ہجرت شاہ عرب
ظہر کے وقت آئیں سارے خاص عام
کوچہ و بازار میں غل سامیا
آج ہے اس نیک اختر کا نکاح
آج ہے بے ماں کی بچی کا نکاح
مسجد نبوی میں مجمع ہو گیا
اک طرف عثمانؓ بھی چہیلوہ گر
درمیاں میں احمد و مختار ہیں
حیدر کدرا شاہ کافقہ
یا کہ قدسی آگے ہیں فرش پر
سید الکوینین نے خطبہ پڑھا
عقد زہرا کا علی سے کر دیا
وزن حسن کا ڈبڑھ سو تولہ ہوا
ماسوا اس کے نہ تھا کوئی طعام
اور ہر اک نے مبارکباد دی
والدہ کی یاد میں رونے لگیں
اور شرابا شہ ابرار نے
میکہ و سسرال میں اعلیٰ ہو تم
اور شوہر اولیاء کے پیشوا
تب علی کے گھر میں اک دعوت ہوئی
کچھ پنیر اور تھوڑے خرمے بیگیاں
اور یہ دعوت سنت اسلام ہے

عقد کا پیغام حیدر نے دیا
پیر کا دن شہ ماہ رجب
پھر مدینہ میں ہوا اعلان عام
اس خبر سے شور برپا ہو گیا
آج ہے مولے کی دختر کا نکاح
آج ہے اس پاک و سچی کا نکاح
خیر سے جب وقت آیا ظہر کا
ایک جانب ہیں ابو بکرؓ و عمرؓ
ہر طرف اصحاب اور انصار ہیں
سامنے نوشتہ علی مرتضیٰ
آج گویا عرش آیا ہے اتر
جمع جب یہ سارا مجمع ہو گیا
جب ہوئے خطبے سے فارغ مصطفیٰ
چار سو مثقال چاندی مہر تھا
بعد میں خرمے لٹائے لا کلام
ان کے حق میں پھر دعائے خیر کی
گھیر سے رخصت جس گھڑی ہر پہن
دی سستی احمد مختار نے
فاطمہ ہر طرح سے بالا ہو تم
باپ تمہارے امام الانبیاء
ماہ ذی الحجہ میں جب رخصت ہوئی
جس میں تھیں دس سیر جو کی وٹیاں
اس ضیافت کا ولیمہ نام ہے

سب کو ان کی راہ چلنا چاہیے اور بری رسموں سے بچنا چاہیے

جہیز

فاطمہ زہرا کا جس دن عقد تھا
ایک چادر ستّرہ پیوند کی
ایک توٹسک جس کا چمڑے کا غلاف
جس کے اندر اون نہر شمیم رونی
ایک چکی پیسنے کے واسطے
ایک لکڑی کا پیالہ ساتھ میں
اور گلے میں ہار ہاتھی دانت کا
شاہ زادی سیدالکونین کی
واسطے جن کے بنے دونوں حیاں
اس جہیز پاک پر لاکھوں سلام

سن لو ان کے ساتھ کیا کیا نقد تھا
مصطفیٰ نے اپنی دختر کو جو دی
ایک تکیہ ایک ایسا ہی لحاف
بلکہ اس میں چھال خرّمے کی بھری
ایک مشکیزہ تھا پانی کے لئے
نقرئی کنگن کی جوڑی ہاتھ میں
ایک جوڑا بھی کھڑاؤں کا دیا
بے سواری ہی علی کے گھر گئی
ان کے گھر میں سدھی سادی شایاں
صاحب لولاک پر لاکھوں سلام

شاہزادی کونین کی زندگی پاک

آئیں جب خاتونِ جنت اپنے گھر
کام سے کپڑے بھی کالے پڑ گئے
وہی خبر زہرا کو اس اللہ نے
ایک لونڈی بھی اگر ہم کو ملے
سن کے زہرا آئیں صدیقہ کے گھر
پر نہ تھے دولتگردہ میں شاہ دین

پڑ گئے سب کام ان کی ذات پر
ہاتھ میں چکی سے چھلے پڑ گئے
بانٹے ہیں قیدی رسول اللہ نے
اس مصیبت سے تمہیں راحت ملے
تاکہ دیکھیں ہاتھ کے چھلے پر
والدہ سے عرض کر کے آگئیں

گھر میں جب آئے حبیب کبریا
فاطمہ چھالے دکھانے آئی تھیں
آپ کو گھر میں نہ پایا شاہِ دیں
ایک خادم آپ اگر ان کو بھی دیں
سُن لیا سب کچھ رسول پاک نے
شب کو آئے مصطفیٰ زہرہ کے گھر
ہیں یہ خادم ان تنبیوں کے لئے
تم یہ سایہ ہے رسول اللہ کا
ہم تمہیں تَبِیحِ اک الیسی بتائیں
اولاً سبحان ۳۴ بار ہو
اور ۳۴ بار ہو تکبیر بھی
پڑھ لیا کرنا سے ہر صبح و شام
خلد کی محنت راضی ہو گئیں

والدہ نے ماجرا سارا کہا
گھر کی تکلیفیں سنانے آئی تھیں
مجھ سے سب دکھ درد اپنا کہہ گئیں
چکی اور چوڑھے کے وہ دکھ سے بچیں
کچھ نہ سنا یا شہِ لولاک نے
اور کما دخر سے اے جانِ پدر
باپ جن کے جنگ میں ماسے گئے
آسرا رکھو فقط اللہ کا
آپ جس سے خادموں کو بھول جائیں
اور پھر الحمد اتنی ہی پڑھو
تا کہ سنتو ہو جائیں یہ بل کر سبھی
ورد میں رکھنا سے اپنے دام
سُن کے یہ گفتار خوش خوش ہو گئیں

سالک ان کی راہ جو کوئی چلے

دین و دنیا کی مصیبت سے بچے

مُناجَات

کہاں ہو یا رسول اللہ کہاں ہو؟
گردا بن کر میں ڈھونڈوں تم کو در در
اگر میں خواب میں دیدار پاؤں!
تمنا ہے تمہارے دیکھنے کی
بسودل میں سما جاؤ نظر میں
مری آنکھوں سے کیوں ایسے تہاں ہو
مرے آقا مجھے چھوڑا ہے کس پر
لپٹ قدموں سے بس تیراں جاؤں
نہیں ہے اس سے بڑھ کر کوئی نیکی
ذرا آ جاؤ اس دیرانہ گھر میں

نکالو کج بر غم سے یہ سفینہ
میں سب اچھوں کے بد کو تم بھاؤ
مری سوئی ہوئی قسمت جگا دو
ہمارے آپ ہی اک آسرا ہیں
دے آرام مجھ گندے بشر کو
کٹھن منزل تمہارا ہے بھروسہ
رہے پردہ مرا محبوب داور
مگر ان کا ہوں وہ ہیں میرے مالک

بنا دو میرے سینہ کو مدینہ
چھپڑا لو غیر سے اپنا بناؤ
مری بگڑی ہوئی حالت بنا دو
تمہارے سینکڑوں ہم سے گدا ہیں
کھلائیں نعمتیں مجھ بے ہنر کو
نہیں ہے ساتھ میرے کوئی توشہ
کھلیں جب روزِ محشر میرے دفتر
میں بے زربے بہتر بے پردہ ہوں سالک

عرض گدا بوقتِ وداع

تیسرے حج پر مدینہ منورہ سے رخصت وقت عرض کی گئی

الفراق! اے رحمتِ للعالمین
الفراق! اے خلق کے مشکل کشا
الفراق! اے حبیبِ وحی خدا
اے درو دیوارِ شہرِ مصطفیٰ
ہے یقین دل کو بہت نڑبائیگی
لو غلاموں کا سلامِ آخری
عرض کرنے کو غلامانہ سلام
یہ تو فرماؤ کہ بلواؤ گے کیب؟
رکھنا اپنے سائے میں ہم کو سدا
دامنِ محبوب میں پھولو پھیلو

الوداع اے سبز گنبد کے بکین
الوداع اے مظہرِ ذاتِ خدا
الوداع اے شہرِ پاکِ مصطفیٰ
جا رہا ہے اب ہمارا قافلہ
یاد تیری جس گھڑی بھی آئیگی
اے دلوں کے چین اے پیارے نبی
دور سے آئے تھے پر ایسی غلام
آستانہ سے وداع ہوتے ہیں اب
چشمِ رحمت سے نہ تم کرنا جدا
اے مدینہ والو تم سب خوش رہو

عرض اتنی ہے مگر اے دوستو! . یاد ہم کو بھی کبھی کر لیجیو
 آحسری دیدار ہے اے زائر و خوب جی بھر کر یہ گنبد دیکھ لو
 کیا خبر ہے خوب دل میں سوچ لو پھر مفسد ر میں ہو آنا یا نہ ہو
 یہ کوئی دم میں چھپا جاتا ہے اب فاصلہ کو سول ہوا جاتا ہے اب
 پھر کہاں تم اور کہاں یہ دوستو دید آحسر کو غنیمت جان لو!

مے دعا سالک کی اے بارِ خدا
 زندگی میں پھر مدینہ دے دکھا

مختلف اشعار

اے کریم ازما جفا از تودت . اے رحیم از ما خطا از تو عطا
 کارِ ما بدکاری و شرمندگی . کارِ تو ستاری و بخشندگی

الہی بہ عصیاں شدم در وصل . بہ جرمم گرفتی بہ عفتوت بہ ہل

شدم تبیدی بہ جرم و بے حیائی . رہائی پیاد رسول اللہ رہائی
 رہا کردی غزالے رازدانی . عطا کن تریں بلا مارا رہائی

وا حسرتنا

اہل سنت بہر قوالی و عرس . دیوبندی بہ تصنیفات و درس
 خرچ سنی بر قبور و خانقاہ . خرچ نجدی بر علوم و درسگاہ!



قصیدہ در شانِ غوثِ پاک

غوثِ اعظم دستگیر بے کساں
 غوثِ اعظم بکسیوں کے ادراک
 غوثِ اعظم گلشنِ زمہرا کے پھول
 غوثِ اعظم فرد و بتوں کے ناخدا
 غوثِ اعظم واقفِ اسرارِ ہو
 غوثِ اعظم شاہِ بازِ لامکاں
 غوثِ اعظم صاحبِ یوانِ تخت
 غوثِ اعظم منقہ ہر آن میں
 غوثِ اعظم کی نگاہِ لطف سے
 غوثِ اعظم رہنمائے گمراہاں
 غوثِ اعظم خلق کے فریادرس
 غوثِ اعظم قرۃ عین رسول
 غوثِ اعظم محی دین مصطفیٰ
 غوثِ اعظم سرِ قدرت مومبو
 جن کی نظروں میں زمین و آسمان
 جس نے چورں کو بنا یا قطبِ وقت
 چھوڑا ماں کا دودھ بھی رمضان میں
 نکلے بارہ سال ڈوبے ہوئے

غوثِ اعظم اب مدد کی بار ہے
 سالک خستہ نجیف و زار ہے

تزمیم شدہ شعر

غوثِ اعظم درمیانِ اولیاء
 چوں جنابِ مصطفیٰ در انبیاء

نظم

جب حضرت حکیم الامت گجرات نشر لائے تو گجرات میں
 بہت جہالت کی رسمیں قائم اور وہاں بیت عروج پر تھی۔ آپ کی تبلیغ کی
 برکت سے جہاں گجرات کا علاقہ علم و عرفان کا گوارہ بنا وہاں وہاں بیت
 کے زور ٹوٹنے کے ساتھ ساتھ جاہلانہ رسموں کی بھی سخت مخالفت ہوئی۔
 اور بہت سے لوگ شادی بیاہ کی فضول اور خلاف شرع رسومات سے
 نایب ہوئے۔ لالہ فضل مرحوم پگانوالہ آپ ہی کے درس قرآن سے
 متاثر ہو کر برادری کی بڑی رسومات کے خلاف عملی جہاد میں مشغول ہوئے۔
 سب برادری کو ناراض کر کے اللہ رسول کو راضی کیا اور اپنی پہلی بیٹی لخت جگر
 کی شادی ایسی سادگی سے کی کہ دو صحابہ یاد آگیا۔ اور ایسی لذت آئی کہ
 کئی مسلمانوں نے ان کی پیروی کی اسی پر نور شادی کا نقشہ خود حکیم الامت
 نے بصورتِ نظم کھینچا ہے :

مبارک فضل بھائی کو عجب ہی نور چھپایا ہے !
 شبِ اسرا کے دو لہانے انہیں دو لہا بتایا ہے
 جگایا تم نے عزت کو مٹایا تم نے بدعت کو
 لہذا سو شہیدوں کا اجر و ثواب پایا ہے
 کیا ناراض سب کو اور راضی کر لیا رب کو
 غرض کہ اس تجارت میں نفع کافی کمایا ہے
 رسول اللہ تم سے خوش ہیں اور اللہ بھی راضی

عمل سے تم نے امت کو سبق اچھا پڑھایا ہے
 یہ شادی خانہ آبادی مبارک ہو مبارک ہو
 کہ اس شادی میں حضرت فاطمہ زہرا کا سایہ ہے
 وہ آگے نعت خوانی اور درود پاک کی کثرت
 خدا و مصطفیٰ کے ذکر سے شیطان بھگایا ہے
 یہ آوازیں یقیناً سبز گنبد میں بھی پہنچی ہیں
 احادیث نبوی نے ہم کو یہ مژدہ سنایا ہے
 جہیزِ مختصر سے فاطمہ کی یاد تازہ کی
 ولیمہ کی ضیافت میں عجب ہی لطف آیا ہے

دعا سالک کی یہ ہے فضلِ فضلِ الہی ہو؟
 ہے یہ درسِ قائمِ حسن سے سب سے فیض پایا ہے



بکتابت سیدنا فضل شاہ انور قلمکار

گجرات

۲/۷۵

محمد تہرگردش چار اختر
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر

اس رسالہ میں نبی پاک کے نور ہونے اور جسم نثر لہجے بے سایہ ہونے کا ثبوت ہے

رسالہ نور

مع

اضافاتِ جدیدہ و افاداتِ عیدہ

مصنف

حضرت حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب

ناشر

صابزادہ افتداری خاں

ضلعی کتب خانہ گجرات پنجاب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنْ كَانَ نَبِيًّا وَادَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ وَأَصْحَابِهِ
الطَّاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ۝

جاننا چاہیے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لاکھوں
خصوصی صفات بخشے ویسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خصوصیت بھی عطا کی کہ
انہیں اپنے نور سے بنایا اور اسے عالم کو ان سے ظاہر فرمایا۔ یعنی انہیں کے سر پر
اولیت کا تاج رکھا اور ان ہی کی پیشانی پر آخرت کا سرابا ندھا اور انہی کو آخری
نبی بنا کر بھیجا اور انہی کو معراج کی رات میں اگلے سائے پیغمبروں کا امام بنایا۔

نمازِ اسری میں تھا یہ ہی سرعیاں ہوں معنی اول آخر

کہ دست بستہ ہوں چھپے حاضر جو سلطنت پہلے کہ گئے تھے

تخم درخت سے پہلے ہوتا ہے پھر اسی تخم پر درخت کی تکمیل اور انتہا ہوتی ہے۔ یہ
وہ عقیدہ ہے جس پر آج تک ساری امت گواہ اور اسلام کا دعویٰ کرنے والے متفق رہے
خود علمائے ربوبند کا بھی یہی عقیدہ رہا جیسا کہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ مگر
موجودہ زمانے کے نئے دیوبندی و ہابی جہاں حضور کے اور اصنافِ خصوصی کے
انکاری ہو گئے ہیں جن پر اہل اسلام ناز کرتے تھے۔ وہاں حضور کے نور ہونے کے
بھی منکر ہو گئے اب یہ حال ہو گیا ہے کہ حضور کے نور ہونے کے انکار کے لئے جلسے
ہور رہے ہیں۔ عام دیوبندی عالموں کے لباس میں دن رات دھواں دھار تقاریب
کر رہے ہیں۔ اور گمراہ کن طریقوں سے حضور کی نورانیت کا انکار کر رہے ہیں۔ طرفیہ
کلام اتنا بدہنڈی گستاخی کا ہے کہ پتہ نہیں لگتا کہ کوئی سکھ۔ عیسائی۔ آریہ بول
رہا ہے یا کلمہ گو مدعی اسلام ۞

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمک کھا یا ہے۔ ان کے نام پلا ہوں۔ ان کے دروازوں کے ٹکڑوں سے گزارہ کر رہا ہوں۔ ان کی غلامی سے عزت ملی ہے۔ نمک حلال نوکر کو اپنے آقا کی توہین یا ان کے کمال کا انکار برداشت نہیں ہوتا۔ مجھے اس سے دکھ پہنچا۔ صرف چوب قلم ہاتھ میں ہے۔ یہ تو میسٹر نہ ہوا کہ بدر و حنین کا میدان ہوتا اور ان پر جان چھا در کرتے ہوئے کفار کے نیر و تلوار اپنی اوپر لیتے۔ جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے ذرموں سے لیتے اترن مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

اگر وہ نصیب نہ ہوا تو کم از کم چوب قلم سے بدگوئیوں کا مقابلہ کریں اور دشمنوں کے لسانِ قلم کو اپنے پر جھبیلیں۔ شاید اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور غازیانِ بدر و حنین کے غلاموں میں حشر نصیب فرماوے اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے نعلین برداروں میں قیامت کے دن اٹھائے۔

یہ مد نظر رکھتے ہوئے فقیر نے اس رسالہ کے لکھنے کی ہمت کی۔ جس میں ثابت کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں اور سارے عالم کا ظہور حضور کے نور سے ہے۔ اس رسالہ کا نام ”رسالہ نور“ رکھنا ہوں اور اس کا بھی وہی طریقہ ہوگا۔ جو ”جاء الحق“ اور ”ساطنتِ مصطفیٰ“ وغیرہ کتابوں کا ہے کہ اس رسالہ کے دو باب کیے جائیں گے۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت قرآنی آیات احادیثِ شریفہ۔ بزرگانِ دین کے اقوال اور خود دیوبندی پیشواؤں کے کلام سے ہوگا۔ دوسرے باب میں اسی مسئلہ پر اب تک جس قدر اعتراض ہو چکے ہیں اور میرے علم میں آچکے ہیں ان کے جوابات۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ التَّوَكُّلُ وَالْبِئْسَ الْمَأْتَبُ

احمد یار خاں بدایونی

مقدمہ

رسالہ شروع کرنے سے پہلے چند قواعد خیال میں رکھنا چاہئیں :

- ۱۔ نور کے لغوی معنی ہیں روشنی۔ چمک دمک اور اجالا۔ مگر کبھی اس کو بھی نور کہہ دیا جاتا ہے جس سے روشنی اور اجالا نمودار ہو۔ اس معنی میں سورج کو نور کہا جاتا ہے۔ بجلی۔ چراغ۔ لاطین کو نور یا روشنی کہہ دیتے ہیں یعنی مسبب بول کر سب مراد لیتے ہیں۔
- ۲۔ نور دو طرح کا ہوتا ہے۔ نور حسّی اور نور عقلی۔ نور حسّی وہ جو آنکھوں سے دیکھتے ہیں آئے جیسے دھوپ۔ چراغ۔ بجیر وغیرہ کی روشنی۔ نور عقلی جس کو آنکھ تو محسوس نہ کر سکے مگر عقل کہے کہ یہ نور ہے۔ روشنی ہے۔ اس معنی سے اسلام کو قرآن کو ہدایت کو۔ علم کو نور کہا جاتا ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں :-

(۱) اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يٰۤاَخِرُ جَهْدًا
مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔

اللہ مددگار ہے مومنوں کا انہیں اندھیروں سے
روشنی کی طرف نکالتا ہے۔

اس آیت میں گمراہی کو اندھیری اور ہدایت کو روشنی اور نور فرمایا گیا ہے۔

(۲) وَاَنْزَلْنَا لَكُمْ نُورًا مُّبِيْنًا۔

اور ہم نے تمہاری طرف کھلی روشنی اتاری۔

اس آیت میں قرآن کو نور فرمایا گیا۔

(۳) مَثَلُ نُورٍ كَمِثْلِ نَارٍ فِيْهَا
مِصْبَاحٌ۔

رب کے نور کی مثال اس طاق کی طرح
ہے جس میں چراغ ہو۔

اس آیت میں رب نے اپنی ذات کو بیا اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا۔

(۴) وَمَنْ كَانَ مِيْنًا فَاجِيْبًا هُوَ
جَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِيْ فِيْهِ
فِي النَّاسِ۔

تو کیا وہ جو مردہ تھا۔ پھر ہم نے اُسے
زندگی بخشی اور اس کے لیے نور بنایا۔
جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے۔

(۵) اَقْمِنِّيْ رَحْمَةً اللّٰهِ صِدْرًا
تو کیا وہ شخص جس کا سینہ ہم نے اسلام

کے لئے کھول دیا ہے پس وہ اپنے
رب کی طرف سے نور پر ہے۔

اسے رب ہمارے ہمارا نور پورا فرما
اور ہماری مغفرت فرما۔
اور ہم نے توریت اناری جس میں ہدایت
اور نور ہے۔

لِإِسْلَامٍ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ
مِّن رَّبِّهِ۔

(۶) رَبَّنَا آتِنَا نُورَنَا
وَافْعِرْنَا۔

(۷) وَآتَيْنَا التَّورَةَ فِيهِ
هُدًى وَنُورًا۔

امام شافعی فرماتے ہیں :

فَاتَّ الْعِلْمَ نُورًا مِّنَ الْإِلَهِ
وَإِنَّ النُّورَ لَا يُعْطَىٰ لِعَاصٍ

بے شک علم رب کا نور ہے اور نور
گنہ گار کو نہیں ملتا۔

۳۔ نور کی تعریف یہ ہے کہ نور وہ ہے جو خود ظاہر ہو دوسروں کو ظاہر کرے
یعنی ظاہر بالذات۔ مظهر للغير۔ یہ ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا بھی دو طرح کا ہے
حسی اور عقلی۔ چاند سورج۔ بجلی گیس وغیرہ حسی طور پر ظاہر اور منظر ہیں اور علم۔
ہدایت اسلام۔ قرآن وغیرہ عقلی طور پر خود ظاہر ہیں اور دوسروں کو ظاہر کرتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ حقیقتہً ازلی ابدی ذاتی نور ہے کہ خود ظاہر ہے اور جسے اس نے ظاہر
فرمادیا وہ ظاہر ہو گیا۔ باقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن شریف یا اسلام یا فرشتے
عطائی طور پر رب کے بنانے سے نور ہیں۔ کہ اسی نے انہیں نور بنایا یہ نور بن گئے۔
جیسے رب تعالیٰ حقیقی طور پر ازلاً ابداً سمیع۔ بصیر۔ حی۔ علیم۔ خبیر ہے اور دوسری
مخلوق اس کے بنانے سے عطائی طور پر سمیع بھی ہے بصیر بھی ہے۔ علیم بھی ہے خبیر بھی
ہے۔ اپنے لئے فرماتا ہے :

بَشِيرٌ رَّبُّ سُنَّةٍ وَالْأَدْبُجِيَّةِ وَالْأَلْفِ

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔

اس آیت میں رب نے اپنے آپ کو سمیع بصیر فرمایا۔ دوسری آیت میں انسان

کے بارے میں فرماتا ہے :

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ لُطْفَةٍ
أَمْشِجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَا لَهٗ سَمِيعًا
لَبِئْرًا -

ہم نے انسان کو مخلوقِ لطف سے پیدا
فرمایا۔ آزمائش کو۔ پھر اسے سمیع
و بصیر فرمایا۔

تمام صفات یہ ہی حال ہے کہ رب تعالیٰ بذاتِ خود بغیر کسی کی عطا کے ان
صفات سے موصوف اور دوسری مخلوق عطا فی طور پر رب تعالیٰ کے بنانے سے ان
صفات سے عارضی موصوف ہے لفظ مشترک ہیں مگر معنی میں بڑا فرق ہے۔

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کا نور ہونے کے نہ تو یہ معنی ہیں کہ حضور خدا
کے نور کا ٹکڑا ہیں نہ یہ کہ رب کا نور حضور کے نور کا مادہ ہے نہ یہ کہ حضور علیہ
السلام خدا کی طرح ازلی ابدی ذاتی نور ہیں۔ نہ یہ کہ رب تعالیٰ حضور میں سراپت
کر گیا ہے تاکہ شرک و کفر لازم آئے۔ بلکہ صرف یہ معنی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
بلا واسطہ رب سے فیض حاصل کرنے والے ہیں اور تمام مخلوق حضور کے واسطے سے
رب کا فیض لینے والی۔ جیسے ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلا کر پھر دوسرے چراغ
سے ہزاروں چراغ لگا لو۔ یا ایک شیشہ سوج کے سامنے رکھو کہ وہ چمک جاوے پھر
اسے ان شیشوں کی طرف کر دو جو تار یک کو ٹھہری ہیں ہیں تو اس کے عکس سے تمام
شیشے جگمگا جاویں گے۔ ظاہر ہے کہ پہلے شیشے میں نہ تو سوج اتر کر آ گیا نہ اس کا
ٹکڑا کٹ کر شیشہ میں سما گیا۔ بلکہ صرف یہ ہوا کہ پہلے شیشے نے بلا واسطہ سوج سے
روشنی حاصل کی اور باقی تمام نے اس شیشہ سے۔ کہ اگر یہ پہلا شیشہ درمیان میں
نہ ہو تو ساری کو ٹھہری والے شیشے تار یک اور اندھیرے رہ جائیں۔ اس کی مثال یہ
سمجھو کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس میں فرمایا :

اور جب میں انہیں درست کر دوں اور ان
میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب
ان کے لئے سجدے میں گر جانا۔

وَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ
رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ -

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس میں فرمایا :

دَرُوحٌ مِّنْهُ | وُدِّ عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَرُوحِ اللَّهِ كَمَا جَاءَتْهُ - اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدم و عیسیٰ علیہما السلام اللہ کی روح کا ٹکڑا یا جزء ہیں یا خدا نے ان میں سرایت کی ہے۔ بلکہ بلا واسطہ ماں باپ یا بلا واسطہ اب انہیں رب نے روح بخشی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اللہ ہونے کے معنی یہ ہی ہیں کہ بلا واسطہ مخلوق رب سے فیض پانے والے۔

۱۔ ایک ہے شخص محمدی۔ دوسری ہے حقیقتہ محمدیہ شخص محمدی اس صہم اطہر کا نام ہے جو آدم علیہ السلام کی اولاد میں بی بی آمنہ خاتون سے ہے تمام نبیوں کے بعد دنیا میں جلوہ گر ہوا۔ جو اس عالم میں تمام رشتوں سے منسک ہے۔ بی بی آمنہ خاتون کا نور نظر ہونا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا سرناج ہونا۔ حضرت ابراہیم طیب و طاہر و فاطمہ زہرا کا والدنا مدار ہونا یہ تمام رشتے اس شخص محمدی کی صفات ہیں۔ حقیقت محمدیہ صوفیا کی اصطلاح میں ذاتِ مطلقہ کے پہلے تعین کا نام ہے بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ مصدر کے پہلے تعین کا نام ماضی مطلق ہے جو مصدر سے بنا۔ پھر تمام مشتقات اس ماضی مطلق سے بنے تو ماضی مطلق مصدر کا پہلا تعین ہے اور باقی تمام مشتقات بعد کا تعین رب تعالیٰ مصدر تجلیات ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماضی مطلق یعنی رب کی پسلی تجلی اور باقی مخلوقات بعد کی تجلیوں کے منظر شخص محمدی کے بارے میں فرمایا گیا۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ | فرما دو میں تم جیسا بشر ہوں۔

اور حقیقت محمدیہ کے بارے میں خود حضور علیہ صلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطَّيْنِ | ہم اس وقت میں نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔

حقیقت محمدیہ نہ اولادِ آدم میں سے ہے نہ بشر ہے نہ مثلمکہ ہے نہ کسی کی یاب۔ نہ کسی کی اولاد۔ بلا سائے عالم کی اصل ہے۔ ظاہر ہے کہ بشریت

کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہے اور حضور اس وقت بھی ہیں جب آدم علیہ السلام کا خمیر بھی تیار نہیں ہوا۔ اگر اس وقت اور اس حالت میں حضور بشر ہوں۔ تو نہ آدم علیہ السلام بشر ہوتے ہیں نہ ابوالبشر۔

اب جو نبی کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ نبی وہ انسان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرعی احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا۔ یہ شخص نبی کی تعریف ہے حقیقت نبی کی نہیں حضور نبوت سے اس وقت مرصوف ہیں جب انسانیت کا نشان بھی نہ تھا کیونکہ ابھی پہلے انسان اور تمام انسانوں کے والد حضرت آدم علیہ السلام پیدا نہ ہوئے تھے۔ بلکہ انسان کے لئے ضروری چیزیں وقت و جگہ بھی نہ بنے تھے حضور کی نبوت مکان و مکین سے پہلے کی ہے۔

بادام کا پوست بھی بادام کے نام ہی سے پکارا جاتا ہے۔ اور مغز بھی مگر پوست کے اور احکام ہیں۔ اور مغز کے دوسرے احکام۔ پھر مغز پوست میں ہے اسی طرح حقیقت محمدیہ یہ شخص محمدی میں جلوہ گر ہے۔ نور ہونا۔ برہان ہونا۔ رب کی دلیل ہونا۔ اسی حقیقت محمدیہ اور اسی کے صفات ہیں۔ اس مضمون کو مثنوی شریف میں بہت شرح و بسط سے بیان فرمایا۔ اور مولوی اثرت علی صاحب نے نشر الطیب میں خوب اچھی طرح ثابت فرمایا ہے۔ تفسیر روح البیان سورہ اعراف پارہ ۹ میں زیر آیت **هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ** فرمایا کہ تمام روحیں روح محمدی سے پیدا ہوئیں۔ لہذا حضور ابوالارواح ہیں۔

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم شریف کی نورانیت حسنی بھی تھی کہ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات نے اسی نورانیت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ چنانچہ ترمذی شریف نے شمائل شریف میں ہند ابن ابی ہالہ سے ایک لمبی حدیث نقل کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عظمت والے وجاہت والے تھے آپ کا چہرہ نور ایسا جگمگاتا تھا۔ جیسے چودھویں شب کا پورا چاند۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا يَتَلَاوُ وَجْهَهُ كَتَلَا لَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ

دارمی نے حضرت ربیع بنت معوذ بن صفر سے روایت کی :

تَأَلَّتْ يَابُنِيَّ لَوْ رَأَيْتَهُ
رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَائِعَةً

اے میرے بیٹے اگر تم ان محبوب صلی اللہ
علیہ وسلم کو دیکھتے تو سوچ طلوع ہونا دیکھتے۔

اسی دارمی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

كَانَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَفْلَحَ الثَّنَدِيَّ مِّنْ إِذَا تَكَلَّمَ
رُفِي كَالنُّورِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَائِيَا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے دندان مبارک
کے درمیان کھڑکی تھی جب کلام فرماتے تو
دندان دانتوں سے روشنی نکلتی تھی۔

بعض روایت میں ہے کہ اس روشنی سے رات میں سوئی تلاش کر لی جاتی تھی شعر ہے

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے

رات کو صبح بنانا ہے اوجبالا تیرا

ترمذی احمد بیہقی ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

كَانَ الشَّمْسُ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ

گو یا سوچ آپ کے چہرے میں چمکتا تھا۔

مواہب لدنیہ جلد اول ص ۲۵۱ میں نہایہ شریفیہ سے نقل کیا ہے۔

وَكَانَ الْجِدَارُ نَدَا حَيْكُ وَجْهِهِ

آپ کے چہرہ انوار میں دیوار منعکس نظر آتی تھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوة جلد اول ص ۱۱۸ میں فرمایا :

وہی اوقناد آل حضرت راسا یہ برہ زمین۔ حضور کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم اطہر کی نورانیت صحابہ کبار کو محسوس ہوتی

تھی حضور کے چہرہ انور کو اسی لئے وہ سوچ چاندیتا کر سمجھاتے تھے اسی طرح جسم کا سایہ

نہ ہونا۔ جسم اطہر سے ایسی خوشبو طاہر ہونا کہ کوچے اور گلیاں مہک جاویں یہ بھی

نورانیت ہی کے باعث ہے۔ معراج شریف میں جسم شریف کا آگ اور زہریر کے

گرہ سے گزر جانا اور کچھ اثر نہ ہونا۔ آسمانوں کی سیر فرماتا۔ جہاں ہوا نہیں پھر زندہ رہنا

یہ اسی وجہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور یہ نورانیت حسنی بھی ہے عقلی

بھی۔ اسی طرح شرح صدر کے وقت سینہ مبارک سے دل نکال کر فرشتوں کا اسے دھونا

اور پھر حضور کا زندہ رہنا اسی وجہ سے ہے کہ حضور نور ہیں ورنہ دل پر تھورا اثر موت کا سبب ہوتا ہے۔ اب بھی بعض اولیاء اللہ حضور کے نور کو چشم سر دیکھتے ہیں جس کے بہت سے فتواید موجود ہیں۔

اگر ان قواعد کا لحاظ رکھا گیا تو بہت فائدہ ہوگا اور اصل مسئلہ کے سمجھنے میں آسانی ہوگی آج کل مخالفین یہ کہہ کر لوگوں کو بہکاتے ہیں کہ اللہ نور ہے اگر حضور بھی نور ہوں تو آپ بھی ریشہ ہو گئے۔ کبھی کہتے ہیں کہ تم جو کہتے ہو کہ حضور اللہ کے نور سے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ حضور میں سما گیا۔ یا اللہ کے نور کا ٹکڑا کٹ کر حضور کی ذات تیار ہوئی۔ کبھی کہتے ہیں کہ عیسا یوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانا اور تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا نور مانا۔ بیٹا ماننا اور نور ماننا ایک ہی ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ اگر حضور نور ہیں تو آپ کی ساری اولاد نور ہونی چاہیے۔ کوئی سید انسان نہ ہونا چاہئے۔ اگر یہ قواعد خیال میں رہیں تو تمام سوالات خود بخود اٹھ جائیں گے۔

اس رسالہ کے دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا۔ دوسرے باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے سایہ ہونا (

پہلا باب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور ہونے کے ثبوت میں۔ اس باب میں دو فصلیں ہیں: پہلی فصل میں مسئلہ نور کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات کے جوابات

پہلی فصل

حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں اور تمام مخلوق حضور کے نور سے ہے۔ اس پر قرآنی آیات۔ احادیث شریفہ۔ علماء دین کے اقوال خود دیوبندی و پارسوں کے اقوال گواہ ہیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب۔

رب کے نور یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک چمکتا ہوا تارا ہے۔

۱۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُبِينٌ (سورہ مائدہ پ ۱)
۲۔ مَثَلُ نُورٍ كَمِشْكُوَةٍ نَبِيهَا مِصْبَاحٌ أَلْمِصْبَاحُ كَالزُّجَّاجَةِ وَالزُّجَّاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ -

(سورہ نور پارہ ۱۸)

پہلی آیت میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے بغیر روشنی کتاب نہیں پڑھی جاسکتی ایسے ہی حضور کے بغیر قرآن نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور وہ رب کا نور ہیں کہ کسی

کے بچھائے بچھ نہیں سکتے جیسے سوچ چاند وغیرہ۔ نیز ان کے نور کی پیمائش یا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ جیسے سمندر کا پانی یا میوا۔

دوسری آیت میں بھی اللہ کے نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ رب تعالیٰ کی مثال نہیں ہو سکتی خود فرماتا ہے۔ **كَيْسٍ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ**۔

اور یہاں اسی نور کی مثال دی جا رہی ہے۔ تو اس سے مراد حضور انور ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اے نبی! بیشک ہم نے تم کو بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دینا اور ڈر سنانا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکانے والا سوچ۔

۳۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاحِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا**۔ (سورہ احزاب پارہ ۲۲)

قرآن شریف نے سوچ کو بھی دوسری جگہ سراج مینر فرمایا ہے کیونکہ وہ چمکتا بھی ہے اور چمکاتا بھی ہے اور چاند ناسے وغیرہ کو نور بھی بناتا ہے۔ کہ وہ سب سوچ ہی سے چمکاتے ہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سراج مینر فرمایا کہ حضور خود چمک رہے ہیں۔ اور صحابہ کرام اولیاء اللہ کو نور بنا رہے ہیں کہ وہ سب حضور ہی سے چمکاتے ہیں۔

کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کو بچھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے۔ اگرچہ کفار ناپسند کریں۔

۴۔ **يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَقْوَامِهِمْ وَاللَّهُ مُنِيرٌ نُّورِهِ وَكَوَكِيلًا الْكَافِرُونَ**۔

(سورہ صف پارہ ۲۸)

کفار یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (محمد مصطفیٰ اللہ علیہ وسلم) کو اپنے منہ سے بچھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا۔

۵۔ **يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَقْوَامِهِمْ وَيَأْتِيَ اللَّهُ نُورَهُ**

(سورہ توبہ پارہ ۱۰)

ان آخری آیتوں میں اللہ کے نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو سکتے ہیں کفار نے چاہا کہ حضور کو ختم کر دیں مگر رب تعالیٰ نے حضور کے ہر کام کو پورا فرمایا بلا علی قاری نے موضوعات کبیر میں فرمایا کہ ان آیات میں اللہ کے نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک کا نور ہے۔

حضرات مفسرین کے ارشادات

(۱) تفسیر جلالین شریف میں آیت نمبر کے ماتحت فرمایا یعنی قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ -

ہو نور النبی صلی اللہ علیہ وسلم | نور سے مراد نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم -

(۲) تفسیر صادی شریف میں اس آیت کے ماتحت ہے -

قَوْلُهُ هُوَ النَّبِيُّ - أَيُّ سَمِي نُورٌ
لِأَنَّهُ يُنَوِّرُ الْبَصَائِرَ وَيَهْدِيهَا
الرِّشَادَ لِأَنَّهُ أَصْلُ كُلِّ نُورٍ
حِسِّيٍّ وَمَعْنَوِيٍّ -

رب نے اس آیت میں حضور کو نور اس لئے
فرمایا کہ حضور بصارتوں کو نورانی کرتے ہیں
اور کامیابی کی طرف ہدایت دیتے ہیں اور
حضور ہر حسّی اور معنوی نور کی اصل ہیں -

(۳) تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے -

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ يَعْنِي
مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا
سَمَّاهُ اللَّهُ نُورًا لِأَنَّهُ يَهْتَدِي
بِهِ كَمَا يَهْتَدِي فِي الظُّلَمِ بِالنُّورِ
يعني اس آیت میں نور محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم ہیں رب نے انہیں نور اس لئے
فرمایا کہ حضور سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے
جیسے کہ اندھیری میں نور سے ہدایت لی
جاتی ہے -

(۴) تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے -

وَقِيلَ يُرِيدُ بِالنُّورِ مُحَمَّدًا
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں
نور سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں -

(۵) تفسیر دارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے -

أَوِ النُّورِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لِأَنَّهُ يَهْتَدِي بِهِ كَمَا سَمِي
سِرَاجًا -

نور سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
ہیں اس لیے کہ حضور سے ہدایت ملتی ہے -
جیسے کہ رب نے انہیں سراج فرمایا -

(۶) تفسیر ابن عباسؓ تنویر المتقیاس میں اسی آیت کے ماتحت ہے :

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَرَسُولٌ
لِعَيْنِي مُحَمَّدٌ -

بے شک تمہارے پاس اللہ کا نور یعنی محمد
صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔

(۷) تفسیر روح البیان شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالْأَوَّلِ هُوَ الرَّسُولُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالثَّانِي
الْقُرْآنُ -

کہا گیا ہے کہ اول یعنی نور سے مراد حضور
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے
مراد قرآن ہے۔

(۸) اسی روح البیان میں آیت ۳

هُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّهُ لَكَ نُورًا
فَأَسَلْنَا إِلَى الْخَلْقِ -

سراجاً منیراً کے تحت فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے حضور کو نور بنایا۔ اور
خلق کی طرف بھیجا۔

(۹) تفسیر بیضاوی نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا۔

وَيُقْتَبَسُ مِنْ نُورِهِ الْأَنْوَارُ
الْبَصَائِرِ -

حضور کے نور سے بصیرت کے نور
حاصل کیے جاتے ہیں۔

اسی کے قریب تفسیر خازن وغیرہ میں بھی ہے۔

(۱۰) تفسیر خازن نے آیت ۴ کے ماتحت مثل نورہ کی تفسیر میں فرمایا :

وَقِيلَ قَدْ آتَى هَذَا التَّمثِيلَ لِلنُّورِ
مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَكْعَبُ الْأَخْبَارِ
أَخْبُونِي عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى مَثَلِ نُورِهِ
كَمِشْكُوَةٍ نِيهَا بِصَبَاحٍ قَالَ كَعْبٌ
هَذَا مَثَلُ ضَرْبِهِ اللَّهُ تَعَالَى
لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَ
لِمِشْكُوَةٍ صَدْرًا وَالزَّجَاجَةُ قَلْبُهُ

کہا گیا ہے کہ اس آیت میں حضور کے
نور کی مثال دی گئی۔ عبد اللہ ابن عباس
نے کعب اخبار سے اس آیت مثل نورہ الخ
کے بارے میں پوچھا تو کعب اخبار
نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال
اپنے نبی کی دی ہے۔ پس طاق تو
حضور کا سینہ ہے اور فانوس
حضور کا دل مبارک اور اس میں

چراغ نبوت ہے اور شجرہ مبارکہ نبوت کا درخت ہے۔ یعنی قریب ہے کہ نور محمدی چمک جاوے۔ لوگوں پر ظاہر ہو جاوے۔ اگرچہ حضور کلام بھی نہ کریں۔

والمصباح فيه النبوة توفته
من شجرة مباركة هي شجرة النبوة
يكاد نور محمد صلى الله عليه
وسلم وامرؤا يتبين للناس و
لو لم يتكلم۔

(۱۱) تفسیر روح البیان شریف میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے۔ عرض کیا کہ یہ تو مجھے خبر نہیں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک نارہ سنتر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا اس کو میں نے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا تو فرمایا کہ اسے جبرئیل قسم رب کی وہ نار ہم ہی ہیں۔ اور رب نے حضور کا نور حضرت آدم کی پشت میں امانت رکھا۔ تفسیر روح البیان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نور محمدی حضرت جبرئیل سے پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ جبکہ آسمان و زمین چاند و سورج کچھ نہ تھے۔

احادیث شریفہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کا نور ہونے پر بے شمار احادیث وارد ہیں جن میں سے کچھ بطور اختصار پیش کی جاتی ہیں :

(۱) عبدالرزاق نے اپنی مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا پیدا فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الہی سے جہاں اللہ کو منظور ہوا اسیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم نہ جنت نہ دوزخ نہ فرشتے تھے۔ نہ آسمان و زمین نہ چاند تھا نہ سورج نہ جن تھے نہ آسمان۔ پھر جب رب تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے

کئے۔ ایک حصہ سے قلم دوسرے لوح محفوظ تیسرے سے عرض وغیرہ پیدا فرمایا۔ یہ حدیث بہت دراز ہے یہ حدیث امام بیہقی نے دلائل النبوة میں روایت کی اور بڑے ائمہ دین نے اس حدیث کی اسناد پر اعتماد کیا۔ جسے امام غسقلانی نے مواہب میں امام ابن حجر مکی نے فہم القری میں اور علامہ قاسمی نے مطالع المسرات میں اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اور علامہ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوة میں

(۲) احمد اور بیہقی اور حاکم نے صحیح اسناد سے حضرت عریاض ابن ساریہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں رب تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا۔ حالانکہ ابھی آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں جلوہ گر تھے۔ (مشکوٰۃ)

(۳) ترمذی شریف امام احمد۔ حاکم اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابو نعیم نے علیہ میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا کہ ایک بار صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہوئی۔ فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(۴) احکام ابن القحطان نے حضرت امام زین العابدین سے انہوں نے اپنے والد امام حسین سے انہوں نے اپنے والد حضرت علی ابن ابی طالب سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے رب کے حضور میں ایک نور تھے۔

(۵) ابو سہیل قطان نے اپنی کتاب امالی میں سہل ابن صالح ہمدانی سے روایت کی کہ میں نے ابو جعفر محمد ابن علی (یعنی امام باقر رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو آخر میں مبعوث ہوئے سب نبیوں پر مقدم ہونا کیسے ہوا تو امام محمد باقر نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو میثاق کے دن نکالا اور سب سے پہلے جواب میں بکی حضور نے فرمایا۔

(۶) حضرت عباس نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ مجھے کچھ نعت شریف پڑھنے کی اجازت دیجئے۔ سرکار نے فرمایا۔ ہاں پڑھو تو انہوں نے ایک نعت قصیدہ پڑھا جس

جس میں دو شعر یہ بھی تھے ۵

وَأَنْتَ لَمَّا وَلَدْتِ اشْرَقْتَ الْأَرْضَ وَضَاعَتْ بِتُورِكَ الْأَفْقَ
جَبَّ آبٌ بِبَدَايِهِ تَوَّابٌ كَيْ نُورِ سَمَاءٍ زَيْنٍ أَوْ كُنَّارِهِ أَسْمَانٍ جَمَكُ كَيْ
فَكَتَحَنُّنِي فِي ذَلِكَ الضِّيَاءِ وَفِي التُّورِ سَبِيلِ الرَّشَادِ تَحْتَوِقُ

تو ہم اسی نور اور روشنی میں ہیں اور اس سے ہر ایت کے راستے طے کر رہے ہیں

ان تمام روایات کو مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب انشر الطیب میں بہت

وضاحت اور شرح سے نقل کیا ہے مواہب لدنیہ شریف میں بھی ان روایات کو نقل فرمایا ہے

(۷) مواہب لدنیہ شریف ص ۵۵ جلد اول میں ہے کہ امام ابو سعید خدری نے کہا اللہ جبار

سے روایت کی کہ جب نور محمدی عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ملا تو ان کے جسم سے مشک کی

خوشبو آتی تھی۔ اور نور محمدی ان کی پیشانی سے چمکتا تھا۔ حضرت عبدالمطلب اس وقت

ایسے مقبول الدعائے کہ مکہ والے ان کو سامنے رکھ کر بارش کی دعا کرتے تو فوراً

بارش آتی تھی۔ اس نور کی وجہ سے ابرہہ کے ہاتھیوں نے عبدالمطلب کو سجدہ کیا۔

(۸) ابو نعیم نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ثب و لادت

آمنہ خاتون کا گھر حوران ہنستی سے بھر گیا۔ حضرت آسیہ اور بی بی مریم بھی حاضر ہوئیں اور

آمنہ خاتون نے پیدائش پاک کے وقت ایسا نور محمدی دکھیا کہ مشرق و مغرب ان پر

ظاہر ہو گئے پھر حضور پیدا ہوئے۔ اور پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا۔

(مواہب لدنیہ شریف ص ۲۱)

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا بہت ہی احادیث سے ثابت ہے

یہاں بطور نمونہ بہت تھوڑی پیش کی گئیں اور کچھ احادیث مقدمہ میں عرض کی جا

چکی ہیں ❖

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے منہج

علمائے اسلام کے ایشادات

ہمیشہ سے امت مسلمہ کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب کا نور ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہ ہوا اکابر امت کے کچھ اقوال بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں :-

- (۱) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اشعار ہم احادیث کے سلسلہ میں عرض کر چکے ہیں جس میں انہوں نے حضور کو نور فرمایا اور وہ اشعار خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یارگاہ شریفین میں پڑھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بجماعت عرض نہ فرمایا۔
 - (۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کا قول ہم مقدمہ میں عرض کر چکے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور میں سورج جیسی چمک تھی۔
 - (۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی مقدمہ میں عرض کیا جا چکا کہ حضور کے دانت مبارک سے نور نکلتا ہوا معلوم ہوا تھا۔
 - (۴) حضرت ہند ابن ابی ہالہ کا قول بھی مقدمہ میں گزر چکا کہ حضور کا چہرہ انور ایسا منور تھا جیسے چودھریں رات کا چاند۔
 - (۵) حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کا قول بھی مقدمہ میں گزر چکا کہ وہ فرماتی ہیں اگر تم انہیں دیکھتے تو ایسا معلوم کرتے کہ سورج نکل رہا ہے۔
 - (۶) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوة جلد اول باب پنجم ص ۱۱۸ میں فرماتے ہیں :
- وچوں آں حضرت عین نور باشد نور
راسا بہ نمی باشد -
- چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بالکل سراپا نور تھے
تو نور کا سایہ نہیں ہوتا۔
- (۷) مولانا علی قاری موضوعات کبیرہ میں ص ۸۶ پر فرماتے ہیں :

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور وہ مشرق
و مغرب میں انتہائی طور پر چمک رہا ہے
اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی کتاب میں نور
فرمایا۔

وَأَمَّا نُورٌ كَأَنَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَهُوَ
فِي غَايَةِ مِنَ الظُّهُورِ شَرَقًا
وَعَرَبًا وَأَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورَهُ
وَسَمَّاهُ فِي كِتَابِهِ نُورًا -

(۸) یہ ہی ملا علی قاری رحمۃ اللہ الباری اسی موضوعات میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اللہ آسمانوں
اور زمین کا نور ہے اس اللہ کے
نور کی مثال یہ اللہ کا نور حضور کا دل ہے۔

قَالَ تَعَالَى اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ عَلَى مِثْلِ نُورِ
قَلْبِ مُحَمَّدٍ -

(۹) امام بو صیری رحمۃ اللہ تعالیٰ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں :

یا حبیب اللہ آپ بزرگی کے شعور ہیں
اور سارے نبی حضور کے ناسے ہیں جو حضور کا
ہی نور اندھیر لوہی میں لوگوں میں پھیلے ہیں۔

إِنَّا نَكْتُبُ شَمْسٌ فَضْلِي هُمْ
كَمَا كَيْهَا يُظهِرُونَ أَنْوَارَهَا
لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ -

(۱۰) امام جلال الدین رومی قدس سرہ العزیز مثنوی شریف میں فرماتے ہیں :

اللہ کے نور کا سایہ بھی نور ہوتا ہے۔
جو خدا سے دور ہوں انکا سایہ بھی دور ہے
جو ہم کھاتے ہیں اس سے پلیدی نکلتی ہے
جو حضور کھاتے ہیں وہ سب خدا کا نور بنتا ہے

عکس نور حق ہمہ نوری بود
عکس دُرد از حق ہمہ دردی بود
اين خورد و گردد پلیدی زین جدا
آل خورد و گردد ہمہ نور خدا

(۱۱) امام احمد ابن محمد سنفلانی قدس سرہ مواہب لدنیہ شریف جلد اول میں فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم اپنا سراٹھاتا تو انہوں
نے اپنا سراٹھایا تو عرش کے پردوں میں
ایک نور دیکھا عرض کی اے مولایہ نور
کیسا ہے فرمایا یہ نور ایک نبی کا ہے جو
تمہاری اولاد میں سے ہوں گے ان کا نام

قَالَ تَعَالَى يَا آدَمُ ارْفَعْ سَرَايَكَ
فَرَفَعَ لِأَسَدٍ فَرَأَى نُورًا مَحْسَدٍ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
شَرَادِقِ الْعَرْشِ فَقَالَ يَا رَبِّ
مَا هَذَا النُّورُ قَالَ هَذَا نُورُ

نَبِيٍّ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ اسْمُهُ فِي
السَّمَاءِ أَحْمَدٌ وَفِي الْأَرْضِ
مُحَمَّدٌ لَوْلَا مَا خَلَقْتَهُ
وَلَا خَلَقْتَ سَمَاءً وَلَا أَرْضًا

آسمان میں احمد اور زمین میں محمد
ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ ہم
تمہیں پیدا کرتے نہ آسمان و
زمین کو۔

(۱۲) یہی امام احمد ابن محمد قسطلانیؒ اسی مواہب لدنیہ میں ص ۱۰ پر فرماتے ہیں۔

ان الله تعالى لما خلق نورا
نبيًا محمدٍ صلى الله عليه
وسلم امره ان ينظر الى
النوار الا نبيا فغشم من
نوراه فاطق هم الله به
فقالوا يا ربنا من غشينا
نوراه فقال الله تعالى هذا
نور محمد بن عبد الله
ان امتد به جعلتكم
انبياء -

اللہ تعالیٰ نے جب نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا تو اس نور کو
حکم دیا کہ تمام انبیاء کے نوروں کو
دیکھیں چنانچہ رب نے حضور کے نور
سے تمام کے نور کو ڈھانپ لیا انہیں
رب نے گویائی بخشی تو وہ تمام کمنے لگے۔
خدا کس کے نور نے ہم کو ڈھانپ لیا تو
رب نے فرمایا کہ یہ محمد ابن عبد اللہ کا نور ہے
(صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم ان پر ایمان لے آؤ
تو میں تم کو نبی بناؤں۔

(۱۳) علامہ زرقانی علیہ الرحمۃ حدیث جابر کی تشریح میں فرماتے ہیں :-

من نوراه ای من نور هو
ذاتہ -

اللہ نے حضور کو اس نور سے پیدا
کیا جو عین ذات الہی ہے۔

(۱۴) امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ تشریح میں فرماتے ہیں :-

لما تعلقت ارادة الحق
تعالى بايجاد خلقه ابرز
الحقيقة المحمدية من
النوار الصمدية في الحضرة

جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو
پیدا کرنا چاہا تو صمدی نوروں سے
ذات خاص نے حقیقت محمدیہ کو
ظاہر فرمایا۔ پھر اس سے تمام

عالم علوی و سفلی نکالے۔

الاحدیة ثم سلخ منها
العولمة كلها علوها وسفلها۔

(۱۵) مطالع المرآت شرح ولأئبل الخیرات میں ہے۔

امام ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نور ہے مگر دوسرے نوروں کی طرح نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح شریعت اس نور کی تابش ہے اور فرشتے ان نوروں کے پھول ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے اللہ نے میرا نور بنایا۔ اور میرے نور سے ہر چیز پیدا فرمائی۔

قَدْ قَالَ الاشعري انه تعالى نور ليس كالانوار وروح النبوية القدسية معه من نورا والملائكة انوار تلك الانوار وقال صلى الله عليه وسلم اول ما خلق الله نوري ومن نوري خلق كل شيء وغيره مما في معناه

اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں جن کا مضمون ایک ہی ہے۔

(۱۶) علامہ شاہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں :-

ہر چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنائی گئی۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا۔

قَدْ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ نُورِي
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا
وَرَدَّ بِهِ الْحَدِيثَ الصَّحِيحَ

خود علماء دیوبند کے اقوال

(۱) دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اپنی کتاب نشر الطیب

کے مضمون کو اس طرح شروع فرماتے ہیں :

پہلی فصل نور محمدی کے بیان میں۔ اس فصل میں نور کی وہ تمام حدیثیں تحریر فرماتے

ہیں جو ہم احادیث میں بیان کر چکے ہیں۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں :

(۴) اس حدیث سے نور محمدی بنا اول المخلوق ہونا یا اولیت حقیقت ثابت ہوا کیونکہ جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے۔

ان اشیاء کا نور محمدی سے تاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔ (انتہی)
اس میں مولوی صاحب موصوف نے دو چیزیں تسلیم کیں۔ ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا۔ دوسرے حضور کے نور کا تمام مخلوق سے پہلے ہونا اور ہر چیز کا آپ کے نور سے نور بنتا بھی مولوی صاحب مذکور نے اس کتاب میں اس جگہ تسلیم کیا ہے دیکھئے موجودہ دیوبندی وہابی اپنے ان پیشوا پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں۔

یہ ہی مولوی اشرف علی صاحب اپنی کتاب تلح الصدور میں فرماتے ہیں :
در شعاع بے نظیرم لا شوید | میری ہم مثال شعاع کے آگے فنا ہو جاؤ
ورنہ پیش نور من رسوا شوید | نہیں تو میرے نور کے آگے رسوا ہو جاؤ گے
یہ ہی مولوی اشرف علی صاحب اپنی کتاب تلح الصدور میں دوسری جگہ
خود فرماتے ہیں۔ شعر

نبی خود نور اور قرآن ملا نور | نہ ہو پھر نکلے کیوں نور علی نور
شاہ عبدالرحیم صاحب یعنی شاہ ولی اللہ صاحب کے والد ماجد اپنی کتاب
انفاس رحیمیہ میں فرماتے ہیں۔

از عرش تا بقرش و ملائکہ علوی و جنس سفلی ہمہ ناشی ازاں حقیقتہ
محمدیہ است و قول رسول مقبول اول
ما خلق اللہ نوری و خلق اللہ ما
خلق اللہ من نوری و قول لولاک لما
خلقنا الا فلاک و قولہ لولاک لما
اظهرت ربوبیتی۔
فرش سے عرش تک اور اعلیٰ فرشتے اسفل
کی جنس سب کی سب حقیقتہ محمدیہ سے پیدا
ہیں۔ حضور کا فرمان ہے سب سے پہلے اللہ
نے میرا نور پیدا کیا۔ اور اگر آپ نہ ہوتے
تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ اگر آپ
نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو
ظاہر نہ کرتا۔

امام طائفہ دیوبندیہ و ہادیہ مولوی اسماعیل دہلوی اپنی کتاب منصب امامت

میں فرماتے ہیں ص ۱۷۱

کہ اسے کبیکہ بے لبراست الیتہ
از نورافشان او بے خبراست -

ہاں جو اندھا ہے وہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے نورافشاں سے بے خبر ہے

یہ ہی مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اپنی اسی کتاب منصب امامت میں دوسری

جگہ فرماتے ہیں :

اما نزول برکت پس بیانش آنکہ وجود
انبیاء بمشابه آفتاب عالم تاب
است کہ چون نور او در تمام
عالم منتشر شود - لابد ظلمت شب
بدر رود -

لیکن برکت کا نازل ہونا تو اس کا بیان
یہ ہے کہ حضرت انبیاء کا وجود دنیا کو
چمکانے والے سورج کی طرح ہے کہ
جب اس کا نور دنیا میں پھیلتا ہے تو
رات کی تاریکی دور ہو جاتی ہے -

مولوی حسین احمد صاحب اپنا اور اپنے تمام دیوبندی علماء کا عقیدہ

اپنی کتاب الشبہات الثاقب میں صفحہ پر اپوں بیان فرماتے ہیں :

ہم سے حضرات اکابر کے اقوال و عقائد کو ملاحظہ فرمائیے یہ جملہ حضرات ذات
حضور پر نور علیہ السلام کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضات الہیہ و سراپ
رحمت غیرتناہیہ اعتقاد لیے بیٹھے ہوئے ہیں - ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے
اب تک جو جو جہتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی عام ہے کہ وہ نعمت و وجود کی ہو
یا اور کسی قسم کی ان سب میں آپ کی ذات پاک اسی طرح پر واقع ہوئی ہے کہ پہلے
آفتاب سے نور چاند میں آیا - اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں غرضیکہ حقیقت
محمدیہ واسطہ جملہ کمالات عالم و عالمیان ہے غرضیکہ حقیقت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ
والسلام والتجیہ واسطہ جملہ کمالات عالم و عالمیان ہے یہی معنی لولاک لما خلقت
الافلاک اور اول ما خلق اللہ نوری اور انانی الانبیاء کے ہیں -

(۲) دیوبندیوں کے پیشوا و مطلق مولوی رشید احمد صاحب اپنی امداد السلوک

کے صفحہ ۱۷۱ پر فرماتے ہیں -

ازیں جا است کہ حق تعالیٰ در شانِ
حبیبِ خود صلے اللہ علیہ وسلم فرمودہ
کہ البتہ آمدہ نزدِ شما از طرفِ حق
تعالیٰ نور و کتابِ مبین و مراد از
نور ذاتِ پاکِ حبیبِ خدا صلے اللہ
علیہ وسلم است و نیز او تعالیٰ
فرماید کہ اے نبی صلے اللہ علیہ
وسلم ترا شاہد و مبشر و نذیر
و داعی الی اللہ تعالیٰ و سراجِ منیر
فرستادہ ایم و منیر روشن کنندہ و
نور دہندہ را گویند *

اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے
حبیبِ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں
فرمایا۔ کہ تمہارے پاس حق تعالیٰ کی طرف
سے نور اور کتابِ مبین آئے۔ نور سے
مراد حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذاتِ پاک ہے۔ نیز حق تعالیٰ فرماتا
ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے
آپ کو گواہ اور مبشر و نذیر اور اللہ کی
طرف بلانے والا اور چمکانے والا سراج
بنا کر بھیجا۔ منیر روشن کرنے والے
اور نور دینے والے کو کہتے ہیں۔

اس عبارت میں مولوی رشید احمد صاحب نے نین باتیں فرمائیں : ایک
یہ کہ حضور نور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت کہ یہ
قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُبِينٌ ۝ میں نور سے مراد حضور
صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تیسرے یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم صرف نور ہی نہیں
بلکہ منیر یعنی نور گر ہیں۔ کہ اپنے متبعین غلاموں کو نور بنا دیتے ہیں۔ حضور
سراج ہیں کہ رات میں چاند تاروں کو اور دن میں ذروں کو چمکا دیتے ہیں۔ اب
کسی دیو بندی کو حق نہیں کہ ان نین چیزوں کا انکار کرے۔ کیونکہ ان کے
پیشوا یا دی مطلق برحق نے یہ سب کچھ مان لیا۔

(۳) یہ ہی مولوی رشید احمد صاحب اپنی کتاب امداد السلوک کے صفحہ

۸۶ پر فرماتے ہیں :

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ
اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا فرمایا

و حضرات صلوٰۃ اللہ علیہ فرمودہ کہ
حق تعالیٰ مرا از نور خود پیدا فرمود۔

و مومنین از نورِ من پیدا فرمود | اور مسلمانوں کو میرے نور سے پیدا فرمایا۔
(۴) یہ ہی مولوی رشید احمد صاحب امداد السلوک کے اسی ص ۸۶ پر
کچھ آگے یوں فرماتے ہیں :

آل ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہم از جملہ اولادِ آدم اند مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود را چنان مطہر فرمود کہ نورِ خالص گشتہ و حق تعالیٰ آنجناب را نور فرمود و بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نداشتند و ظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل می دارند۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت آدمؑ کی اولاد سے ہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو اس طرح پاک فرمایا کہ آپ خالص نور ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور فرمایا یہ حدیث تواتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام جسم سایہ رکھتے ہیں۔

اس عبارت میں مولوی صاحب نے دو چیزیں مابین ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ رب نے انہیں نور کہا۔ دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اظہر کا سایہ نہ تھا۔ یعنی ان کی نورانیت بعض وجوہ سے محسوس بھی تھی۔ حضور کے نور ہونے پر اور بہت سے دلائل قائم کئے جاسکتے ہیں۔ مگر میں اسی پر قناعت کرتا ہوں ماننے والے کو اتنے ہی کافی ہیں۔ ضدی کے لئے دفتر بھی کافی نہیں۔

عقلی دلائل

عقل بھی چاہتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود رب تعالیٰ کا نور ہیں آپ کا ہر عضو شریف نور۔ آپ کا ہر حال شریف نور ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں :

(۱) نور وہ نور ہے جو خود ظاہر ہو دوسروں کو ظاہر کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تو ایسے ظاہر کہ انہیں بجز پریشک و نر۔ شجر و حجر۔ آسمان کا ہر تارہ زمین کا ہر ذرہ

پہچانتا ہے انسان انہیں جانیں۔ جانور انہیں پہچانیں۔ لکھن ان کا کلمہ پڑھیں۔ پتھر ان کی گواہی دیں۔ غرضیکہ خود ایسے چمکے کہ کسی سے چھپ نہ سکے۔ اور دوسروں کو ایسا چمکایا کہ جس کو ان سے نسبت ہو گئی وہ چمک گیا۔ مدینہ منورہ کی گلیاں حضور سے چمکیں مگر معظّمہ کے کوچہ بازار۔ کعبہ معظّمہ کے در و دیوار نقوش نگاران سے چمکائے۔ انہیں کے صدقہ سے حلیمہ دانی کی عظمت کے دنیا گیت گارہی ہے۔ انہیں کے طفیل سے حضور کی نسل کی بزرگی کے خطے پڑھے جا رہے ہیں۔ بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے جن کو حضور نے ظاہر کیا وہ تو ظاہر ہو گئے۔ باقی تمام چھپ گئے۔ بلکہ خود خدا تعالیٰ کی ذات صفات کو ہم نے حضور ہی سے پہچانا۔ ہماری عقول کی رسائی اس تک ناممکن تھی۔ غرضیکہ نور کے معنی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کامل طور پر موجود ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کامل نور ہیں۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں یقیناً قبول ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے :
 وَ لَسَوْتَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ رَبُّكَ فَاِذَا دَعَاكَ رَبُّكَ فَاجَبْ وَ اجَابْ
 اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ دعا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ نُورًا خَدَايَا
 مجھے نور کرے۔ بناؤ یہ دعا قبول ہوئی یا نہیں ضرور ہوئی تو لامحالہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم نور ہوئے۔

(۳) انسان کا جسم خاکی ہے اور روح نوری۔ رب فرماتا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ
 اَمْرِ رَبِّيْ رَبُّنِيْ اِسْرَائِيْلَ پارہ ۱۵۱) فرمادو کہ روح رب کے امر سے ہے یعنی
 عالم امر کی ایک مخلوق ہے۔ اور عالم امر نور ہے۔ مقبولوں کے روح کی نورانیت اس
 قدر بڑھ جاتی ہے کہ جسم نور بن جاتا ہے اس لئے بعض اولیاء اللہ کے جسم میں بعض
 وقت تلوار نے اثر نہ کیا۔ آر پار ہو گئی۔ بعض اولیاء نے کسی ماہ تک کھانا پانی
 استعمال نہ کیا۔ فتاویٰ حدیثیہ باب النصوص میں علامہ ابن حجر حضرت محی الدین ابن
 عربی قدس سرہ العزیز کے منعلق فرماتے ہیں :

حَتّٰى اَنَّ مَلَكًا عَلِيًّا ثَلَاثَةَ اَشْهُرٍ | اٰتٰىنِ مَبِيْنَةَ تَكْسَا اِيْكَ هٰى وَضُوْءٍ

عَلَىٰ وَضُوئِهِ وَاحِدًا - | رہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مبارک جماعت کے سردار اور پیشوا ہیں۔ حضور کا نور روحانی جسمیت پر ایسا غالب ہے کہ جسم اطہر بھی نوری ہو چکا ہے۔ (۴) روایات سے ثابت ہے کہ حضور کے جسم اطہر کا سایہ نہ تھا جیسا کہ دوسرے باب میں انشاء اللہ آوے گا۔ اور کثیف چیز کا یقیناً سایہ ہوتا ہے پتہ لگا کہ حضور نور ہیں۔ کثافت حضور کے قریب بھی نہیں۔

(۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات آگ کے کرہ اور زمہریسے گزے اور پھر وہاں پہنچے جہاں مکاں بھی ختم ہو چکا تھا یعنی لامکان کے بکین ہوئے اور ظاہر ہے کہ جسم آگ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور مکان کا ختم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ اس رات نورانیت کی جلوہ گری تھی۔

(۶) کوئی انسان بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور معراج کی رات حضور انور جہاں تشریف لے گئے وہاں ہوا کا نشان نہ تھا۔ پھر وہاں زندہ رہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور نور ہیں۔

(۷) اگر انسان کے دل پر ذرا سی ٹھیس لگ جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے مگر فرشتوں نے حضور کے دل مبارک کو سینہ انور سے نکالا اسے چیر کر نور سے بھرا مگر زندگی تشریف باقی رہی۔ معلوم ہوا کہ حضور نور ہیں اور آپ کی زندگی میں نورانیت ہے۔ (۸) وصال کے روز سے حضور نے متواتر کئی کئی روز تک اس طرح رکھے کہ بیچ میں بالکل اظارہ نہ فرمایا۔ اس کے باوجود بھوک پیاس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اگر ان کی زندگی تشریف ہماری طرح بالکل جسمانی ہوتی تو کھانے پینے سے ایسے ہی نیا زہ ہوتے۔ حضور کا نور اب بھی بعض اولیاء کرام دن رات ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ مولانا جامی فرماتے ہیں

گرچہ صد مرحلہ دورم ز بہ پیش نظر م
وَجْهَةً فِي نَظْرِي كُلَّ عَدَاتٍ وَعَشِي

بعض اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک آن میں آپ کا نور نہ دیکھوں تو اپنے آپ کو

مرتد ہونے کا فتویٰ دے دوں اور بیت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھتے مگر آنکھ والوں سے سُن کر سوچ اور اس کے نور کو مان لیتا ہے۔ ہم کو بھی چاہیے کہ اگر حضور کا نور اپنی کمزوری سے ان آنکھوں سے نہ دیکھ سکیں تو کان سے سُن کر مان لیں۔

(۹) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات ہزاروں سال کا سفر ایک آن میں طے فرمایا۔ یہ جسم کیفیت اتنا دور دراز سفر اتنی تھوڑی مدت میں طے نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ حضور نور ہیں اور جیسے کہ نور نظر یا ہمارا نور خیال آنا فنا بڑی سے بڑی مسافت ایک آن میں طے کر لیتا ہے ایسے ہی حضور نے اتنا دراز فاصلہ ایک آن میں طے فرمایا۔

(۱۰) قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرماتا ہے :

عَزِيزٌ عَلٰی مَا
تَهَارَىٰ مَشَقَّتْ اَنْ يُّبْهَرٰى اَوْر
عَنِتَّةً۔ | ناگوار ہے۔

معلوم ہوا کہ جیسے روح اپنی نورانیت کی وجہ سے جسم کے ہر عضو کے ہر درد سے خبردار ہے کہ پاؤں میں چوٹ لگے تو روح کو خبر۔ سر دکھے تو روح کو خبر۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور ہیں اور اپنے ہر امتی کے ہر حال سے باخبر ہیں۔

(۱۱) قانون قدرت ہے کہ کثرت کی ابتدا وحدت سے ہوتی ہے۔ اور کثرت کو فیض وحدت سے ملتا ہے۔ گویا وحدت کے لئے مبداء فیاض ہوتی ہے۔ دیکھو آسمان کس بے شمار تارے ایک سوچ سے نور لیتے ہیں۔ درخت کے تمام پتے۔ شاخیں پھول پھل۔ ان سب کی ابتداء ایک جڑ سے ہے اور تمام کو فیض بھی اسی ایک جڑ سے ہے۔ تمام انسانوں کی جسمانی ابتداء ایک آدم علیہ السلام سے ہے بدن کے سارے اعضاء کو فیض ایک دل سے ہے غرضیکہ ہر کثرت میں وحدت کا فیض ہے تو چاہیے کہ عالم کثرت یعنی جو اللہ کے سوا ہے اس کی ابتداء بھی ایک سے ہی ہو اس کثرت میں بھی کوئی ایک فیض رساں ہو۔ اس مبداء فیاض ایک کا نام حقیقت محمدیہ اور نور

محمدی ہے ورنہ بتاویہ کثرتیں کس وحدت کی شاخیں ہیں اور کون سی وحدت اس میں کار فرما ہے۔ بہر حال یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ حقیقت محمدیہ عالم کی اصل ہے اور سارا عالم اسی سے ہی فیض لیتا رہا ہے اور لیتا رہے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اعتراض نمبر ۱

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں تو خدا کا نور ٹکڑے ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا جزین گئے اور حضور میں خدائی آگئی یہ عقیدہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مشابہ ہے۔ کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام میں الوہیت حلول مان لی۔

جواب : ان سوالوں کا منشا یہ ہے کہ معترض اسے سمجھا نہیں۔ اللہ کا نور ہونا۔ اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلا واسطہ رب سے فیض لینے والے ہیں اور تمام خلقت نے حضور کے واسطے سے فیض ربانی حاصل کیا جیسے آئینہ سورج کے سامنے ہو تو سورج کا عکس اس آئینہ کو چمکا دیتا ہے۔ پھر یہ آئینہ دوسرے حجاب والے آئینوں کے مقابل کر دو۔ تو وہ تمام اس آئینہ سے جگمگا جاتے ہیں تو پہلا آئینہ نہ سورج کا ٹکڑا ہے نہ عین سورج بلکہ بلا واسطہ اس سے تجلی حاصل کر رہا ہے اور دوسرے آئینے اس کے ذریعے سے۔ یہ نسبت ایسی ہے جیسے قرآن کریم نے صالح علیہ السلام کی اوٹھی کو ناقۃ اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کو روح منہ۔ اللہ کی روح فرمایا۔ یعنی بلا واسطہ والدین رب کے پیدا کئے ہوئے۔

اعتراض نمبر ۲ :

حضور نور نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا :

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (کہف پنا) | فرادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔

جب حضور بشر ہوئے تو نور نہ ہوئے بشریت اور نوریت جمع نہیں ہو سکتی۔
جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ یعنی نوری بشر ہیں۔
 حقیقت حضور کی نور ہے۔ اور لباس بشری ہے رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کے
 بارے میں فرمایا:

فَارُسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا
 بَشَرًا سَوِيًّا -

سورۃ مریم پارہ ۱۶

پس بھیجا اس کی طرف ہم نے روح وہ
 اس کے سامنے ایک تندرست
 آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

حضرت جبریل علیہ السلام فرشتہ ہیں نور ہیں اور حضرت مریم کے پاس
 بشری شکل میں ظاہر ہوئے۔ اس وقت اس بشری شکل کی وجہ سے نورانیت سے
 علیحدہ نہیں ہو گئے۔ صحابہ کرام نے حضرت جبریل کو بشری شکل میں دیکھا۔ سیاہ
 زلفیں سفید لباس۔ آنکھ۔ ناک۔ کان وغیرہ سب موجود ہیں۔ اس کے باوجود
 بھی وہ نور تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم۔ حضرت لوط۔ حضرت داؤد علیہم السلام
 کے خدات میں فرشتے شکل بشری میں گئے۔ رب فرماتا ہے:

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثٌ ضَلِيمٌ
 إِبْرَاهِيمَ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ
 فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ
 قَوْمٍ مُّكَرِّمِينَ -

کہا تم کو ابراہیم کے مہمانوں کی خبر
 پہنچی جب وہ مہمان ان کے پاس
 گئے اور کہا سلام آپ نے فرمایا یہ
 سلام اجنبی قوم سے ہے۔

اور کہا تمہیں اس دعوے والوں کی
 بھی خبر آئی جب وہ دیوار کو دکر داؤد
 پر داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گیا۔
 انہوں نے عرض کیا ڈریے نہیں ہم دو
 فریق ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی
 کی ہے۔

(۲) هَلْ أَتَاكَ تَبْوَاتُ الْمَخَلِّمِ
 إِذْ يُسْوِرُونَ الْمِرْيَابَ إِذْ دَخَلُوا
 عَلَى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا
 لَا تَخَفْ خَصُّنَ بَنِي بَعْضِنَا
 عَلَى بَعْضٍ -

سورہ صی پارہ ۲۳

(۳) وَ لَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا
لُوطًا سِئِي بِهِمْ وَ ضَاقَ
بِهِمْ ذُرْعَاهُ وَ قَالُوا لَا تَخَفْ وَ
لَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنْجِيُكَ إِكْرَامًا
إِمْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنْ
الْغَابِرِينَ ۝

رعنکبوت پارہ ۲۰

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس
آئے ان کا آنا اُسے ناگوار ہوا اور
ان کے سبب دل تنگ ہوا۔ انہوں
نے کہا کہ نہ ڈریئے اور نہ غم کیجئے۔
بیشک ہم آپ کو اور آپ کے گھر
والوں کو نجات دیں گے مگر آپ کی عورت
رہ جانے والوں میں ہے۔

ان تمام آیتوں سے معلوم ہوا کہ فرشتے انبیاء کرام کی خدمت میں انسانی شکل
بشری صورت میں حاضر ہوتے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ نور بھی ہوتے تھے۔ غرضیکہ
تورائیت و بشریت ضدیں نہیں ہیں۔

اعتراض نمبر ۳

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو چاہیے کہ کسی
جگہ اندھیرا نہ ہو اگرے۔ ہر جگہ روشنی ہو۔ لہذا یا تو حضور نور نہیں یا ہر جگہ حاضر
ناظر نہیں۔

جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں ایک جواب الزامی دوسرا جواب تحقیقی۔
جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نور ہے اور ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ مگر ہر
جگہ روشنی نہیں ہوتی۔ فرماتا ہے:

(۱) اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ -

رسورد نور پارہ ۲۸

(۲) وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ -

رسورد واقعہ پ ۲۴

(۳) تَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ -

وَلَكِنْ لَا تَبْصُرُونَ (واقعہ پ ۲۴)

اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا نور ہے۔

اور وہ رب تمہارے ساتھ ہے تم
جہاں بھی ہو۔

ہم بمقابلہ تمہارے اس سے زیادہ قریب
ہیں۔ مگر تم دیکھتے نہیں۔

(۴) نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ

الْوَرِيدِ -

ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ
قریب ہیں۔

(۵) إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

(سورہ بقرہ ۲)

بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ
ہے۔

نیز قرآن نثر لہجہ نور ہے اور ہر گھر میں رہتا ہے۔ مگر روشنی نہیں ہوتی۔ فرشتے
نور ہیں اور ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ مگر ان کی روشنی نہیں پڑتی۔ رب تعالیٰ فرماتا
ہے :

(۶) وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا

(سورہ نساء پارہ ۶)

اور ہم نے تمہاری طرف ظاہر نور
اتارا۔

(۷) قُلْ دَيُّوْكُمْ مَمْلَكَ الْمَوْتِ

الَّذِي وَكَلَّ بِكُمْ -

فرما دو۔ تم کو وہ موت کا فرشتہ
وفات دے گا۔ جو تم پر مقرر
ہے۔

(سورہ سجدہ پارہ ۳)

اب بناؤ کہ یا تو رب تعالیٰ ہمارے ساتھ نہیں ہے یا وہ نور نہیں۔ اسی طرح یا تو فرشتے
اور قرآن ہمارے پاس نہیں رہا یا وہ نور نہیں۔ جو اب تحقیقی یہ ہے کہ نور دو قسم کا ہے
نور حسی اور نور معنوی۔ نور حسی کے لئے محسوس ہونا ضروری ہے مگر نور معنوی کے دیکھنے
کو قوت قدسیہ والی آنکھیں چاہئیں۔ اگر اندھا آفتاب کو نہ دیکھے تو اسے چاہیے کہ
دیکھنے والوں سے سن کر اسے نور مان لے۔ اسی طرح قوت قدسیہ والے اولیاء اللہ نور
محمدی کو دیکھتے ہیں۔ محسوس کرتے ہیں۔ ان سے سن کر قرآن کو مان کر حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کو نور مان لے۔

اعتراض

اگر حضور نور ہیں تو کھاتے پیتے کیوں ہیں۔ ان کے اولاد کیوں ہوتی ہے اور چاہئے
کہ ہمارے بچے نور ہوں کیونکہ انسان کا بچہ انسان۔ گھوڑے کا بچہ گھوڑا۔ شیر کا بچہ شیر
ہوتا ہے۔ تو چاہئے کہ نور کی اولاد نور ہو (وہابی)

جواب: کسی آیت یا حدیث میں نہیں کہ نور کی اولاد نہیں ہوتی اگر ہے تو پیش کرو۔ فرشتوں کے اولاد نہ ہونا۔ اس لئے ہے کہ فرشتہ ہے۔ فرشتوں کے اولاد نہیں ہم حضور کو نور مانتے ہیں۔ فرشتہ نہیں مانتے۔ تمہاری یہ بیہودہ گفتگو محض بے کار ہے۔ یہ تمام سوالات اس صورت میں ہو سکتے تھے۔ جب حضور کی بشریت کا انکار کیا جاتا۔ حضور نور بھی ہیں۔ بشر بھی ہیں۔ اور یہ تمام عوارض انسانی بشریت کے ہیں۔ نورانیت کے نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہزاروں برس سے ہیں کھانے پینے سونے اور اولاد وغیرہ سے پاک ہیں۔ کیونکہ وہاں نورانیت کی جلوہ گری ہے۔ جب دنیا میں آئیں گے۔ تو پھر کھانا پینا نکاح وغیرہ سب کچھ کریں گے۔ تب بشریت کی جلوہ گری ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں ہزاروں سال کا سفر طے کیا۔ اس وقت نورانیت کی جلوہ گری تھی۔ کھانے پینے کی حاجت نہ ہوئی۔ جب سرکار صوم وصال رکھتے تھے تو مسلسل روزے بغیر افطار کے رکھتے۔ اور مطلقاً بھوک کا احساس نہ ہوتا تھا۔ لیکن دوسری حالت میں اگر کھانا ملاحظہ نہ فرماتے تو آثار بھوک نمودار ہو جاتے تھے۔ روزے کی حالت میں نورانیت کا ظہور ہے اور دوسرے وقت بشریت کی جلوہ گری۔

ہاروت دماروت فرشتے ہیں۔ نور ہیں۔ مگر جب انہیں بہ لباس بشری دنیا میں بھیجا گیا تو وہ کھانے پینے بھی تھے۔ بلکہ صحبت بھی کر سکتے تھے۔ اس ہی کھانے پینے اور صحبت کی قوت کی بنا پر ان پر عتاب والا واقعہ پیش آیا۔ ان کا یہ کھانا پینا اور قوت جماع اسی لباس بشری کے احکام تھے۔

حضرت بلک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بشری شکل میں آئے تو موسیٰ علیہ السلام کے تھپیڑ سے ان کی آنکھ جاتی رہی یہ آنکھ جانا بشریت کے احکام سے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا جب سانپ بن جانا تو کھانا پینا بھی تھا یہ اس کا کھانا پینا۔ اس کی اس شکل کے عوارض تھے۔ رب فرماتا ہے :

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی

رَاوَادِجِنَا اِلٰی مُوسٰی اَلْحَقِ

عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا
يَأْكُرُونَ - (اعراف ۹)

کہ اپنی لاٹھی ڈالو تو وہ نکل گئی اُسے
جو وہ گرٹھتے تھے۔

(۲) وَأَلْقَ مَا فِي يَمِينِكَ
تَلْقَفَ مَا صَنَعُوا رَسُولَهُ طه پارہ ۱۶)

اپنے ہاتھوں کی چیز پھینکوان کی
مصنوع کو نکل جاوے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشریت میں آدم علیہ السلام کی فرخ اور ان کی
اولاد ہیں اور نورانیت میں آدم علیہ السلام کی اصل ہیں۔ نور میں تو والد و نواسل نہیں
ایمان نور ہے۔ مومن نورانی ہے۔ عالم نورانی ہے۔ نبوت نور ہے۔ نبی نورانی ہیں اس
کے باوجود مومن کی اولاد کافر۔ عالم کی اولاد جاہل۔ نبی کی اولاد کافر بھی ہو جاتی ہے۔
جنتی لوگ نورانی ہوں گے۔ حوریں نور ہیں۔ مگر حدیث شریف سے ثابت ہے کہ بعض
جنتی اولاد کی خواہش کریں گے اور انہیں اولاد ہوگی۔ قرآؤ۔ اگر نور کے اولاد نہیں ہو
سکتی تو ان جنتی لوگوں کے اولاد کیسی ہوگی۔

اعتراض نمبر ۵

آیۃ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ وَأَعْطَفَ تفسیری
کے لئے ہے اور نور سے قرآن شریف مراد ہے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جسے کتاب
مبین بتا رہی ہے۔

جواب: محققین مفسرین کے نزدیک نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
جیسے امام جلال الدین سیوطی اور تفسیر حازن۔ مدارک تفسیر ابن عباس تفسیر صادی۔
وغیرہ۔ نیز اس آیت کی ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف ہے کہ رَبِّ فَرِّقْ بَيْنَهُمَا:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ
رَسُولُنَا بَيِّنٌ لَكُمْ كَثِيرًا
مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ
وَيَعْقُوا هُنَّ كَثِيرٌ ه
قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ

اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس
ہمارے رسول تشریف لائے جو تم پر
ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو
تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت
کو معاف فرماتے ہیں بدیک تمہارے پاس

رسورہ مائدہ پیا | اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب
اس اوپر والی آیت نے بتایا کہ نور سے مراد وہ ہی رسول ہیں جن کا ذکر آچکا نیز
واو کو عطف تفسیری ماننا گویا معنی مجازی مراد لینا ہے اور بلا ضرورت معنی مجازی نہیں
لینا چاہیے۔ کیونکہ عطف معطوف الیہ میں معاشرت چاہتا ہے۔ تو چاہیے کہ نور اور ہو
کتاب کچھ اور۔ نیز عطف تفسیری میں کتاب مبین تجدید ہے اور پہلی صورت میں کتاب
مبین میں تائیس اور تائیس تجدید سے بہتر ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ دوسری عبارت
کچھ نئی بات بتائے نہ یہ کہ پہلی بات کو دوبارہ کہے نیز اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے۔
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ
بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝

اس آیت نے صاف طور پر حضور کو نورانی سوچ فرمایا۔ اور خود قرآن کی تفسیر
دوسری تفسیر سے اعلیٰ ہے نیز اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے جسے مولوی اثرت علی
صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب میں بحوالہ عبد الرزاق حضرت جابر سے نقل فرمایا۔
يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورًا نَبِيَّكَ مِنْ نُورِهِ ۝ -
اور قرآن کی تفسیر جو خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں وہ اعلیٰ
کتاب ہے۔ نیز کتاب کے لئے نور کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ پڑھی جاسکے جیسے
عبارت قرآن کے لئے اس ظاہری نور کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی قرآنی مہارت
کے لئے نور روحانی کی حاجت ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اعتراض نمبر ۶

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود قرآن تذکرہ یعنی نصیحت یا اگلی بھیلی
باتوں کو یاد دلانے والا ہے۔ قرآن نور ہے۔ قرآن ہدایت ہے۔ قرآن برہان
ہے۔ قرآن شفا ہے۔ رحمت ہے۔ جب قرآن میں یہ ساری صفات موجود ہیں۔
تو اب دوسرے نور یا دوسری ہدایت کی ضرورت نہیں آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ لِمَنْ | وہ آیات نصیحت ہیں تو جو چاہے اپنے

ثُمَّ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (زلزلہ ۳۹)

(۲) وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا

مُبِينًا۔ (نساء پارہ ۶)

(۳) ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ قِيَدٍ

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (بقرہ ۱)

(۴) وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مَا

كُورًا شِفَاءً وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ

(بنی اسرائیل ۱۵)

(۵) قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ

رَبِّكُمْ (نساء پارہ ۷)

اعتراض نمبر

چونکہ یہ تمام خوبیاں قرآن سے حاصل ہو چکیں اور تحصیل حاصل ناممکن ہے لہذا نبی میں ان میں سے کوئی صفت نہیں مانی جاسکتی (دیوبندی و چکڑالوی) جواب: جیسے قرآن آخری کتاب ہے اور سارے عالم کے لئے اور ہمیشہ کیلئے آئی ہے اس لئے اس میں یہ تمام خوبیاں موجود ہیں کہ غافلوں کے لئے تذکرہ عاقلوں کے لئے نور۔ گمراہوں کے لئے ہدایت۔ جسمانی یا روحانی بیماریوں کے لئے شفا۔ مومنوں کے لئے رحمت۔ محققین کے لئے برہان ہے ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور سارے عالم کے لئے اور ہمیشہ کے لئے۔ لہذا ان میں بھی تمام خوبیاں ہونی چاہئیں کہ ہر قسم کی مخلوق حضور سے فیض حاصل کر سکے۔ اس لیے رب تعالیٰ نے حضور کے وہ تمام صفات بیان فرمائے۔ جو قرآن کریم نے بیان فرمائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مذکور یعنی نصیحت فرمانے والے یا اگلی کھپلی باتیں یاد دلانے والے بھی ہیں۔ حضور برہان یعنی دلیل بھی ہیں۔ حضور شفاء بھی ہیں۔ حضور رحمت بھی ہیں آیات ملاحظہ ہو۔

(۱) فَذَكَرْنَا لَكُمْ آيَاتِنَا مَذَكَّرًا (غاشیہ ۳۰) | تو انہیں یاد دلاؤ تم یاد دلانے والے ہو۔

رب کا راستہ اختیار کرے۔

اور ہم نے تمہاری طرف نور کھلا ہوا

اتارا۔

یہ کتاب ہے کہ اس میں شک نہیں

پر ہر گاروں کی ہادی۔

ہم قرآن کی وہ آیتیں اتارتے ہیں

جو شفا ہیں۔ اور مومنوں کے لئے

رحمت۔

بے شک تمہارے پاس ہمارے رب

کی طرف سے دلیل آچکی۔

بے شک تم بیدھے راستے کی ہدایت کرتے ہو۔

اے لوگو! تمہارے رب کی دلیل آگئی اور تمہاری طرف ہم نے روشن نور اتارا۔

اور ہمیں بھیجا ہم نے تم کو نگر جہانوں کے لئے رحمت۔

(۲) إِنَّكَ تَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (شوریٰ پارہ ۲۵)

(۳) يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا (نساء پارہ ۷۷)

(۴) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ (انبیاء پارہ ۷۱)

غرضیکہ نہ قرآن کی صفات کی حد ہے نہ صاحب قرآن کی صفات کی انتہا۔ بلکہ کعبہ اجسام کا قبیلہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دل و ایمان و جان کا قبیلہ ہیں۔ اس میں تحصیل حاصل لازم نہیں کیونکہ ہم دنیا میں دو نوروں کے جاہنمند ہیں ایک آنکھ کا نور۔ دوسرے سورج یا چراغ کا نور۔ اگر آنکھ روشن ہو مگر چراغ وغیرہ کی روشنی نہ ہو تو بھی نظر نہیں آتا۔ اور اگر چراغ وغیرہ کی روشنی تو ہو مگر آنکھ میں نور نہ ہو تو بھی کچھ نہیں سوچ سکتا۔ اسی طرح قرآن گویا چراغ یا سورج ہے۔ اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم گویا نور نظر ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج و چاند ہیں تو قرآن کریم نور نگاہ۔ غرضیکہ ہم کو نور قرآن کی بھی ضرورت ہے اور نور نبوت کی بھی۔ نماز قرآن سے ملی۔ مگر نماز کی تعداد۔ رکعتوں کی مقدار۔ نماز کا طریقہ حضور سے حاصل ہوا۔ اسی طرح زکوٰۃ و حج وغیرہ قرآن نے دیا۔ مگر ان کی ادائیگی کا طریقہ حضور نے سکھایا۔ نہ اس میں تحصیل حاصل ہے نہ کوئی دوسری تباہت۔ بلکہ نور نبوت کی حاجت نور قرآنی سے پہلے ہے۔ اسی لئے کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں نہ کہ قرآن پڑھا کر۔ بچہ کے کان میں اذان کہتے ہیں قرآن نہیں پڑھاتے۔

اعتراض نمبر ۸

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا۔ اور آخر میں آتا ہے وَاجْعَلْنِيْ نُوْرًا۔ یعنی اے اللہ

میری آنکھ میں۔ کان میں۔ گوشت میں۔ ہڈی میں نور کر اور مجھے نور بنا دے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود پہلے ہی نور تھے تو اس دعا کی کیا وجہ تھی۔ نور تو وہ بنایا جاتا ہے جو پہلے سے نور نہ ہو۔

جواب : اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ آپ ہمیشہ دعائیں مانگتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ اے اللہ ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے تو کیا آپ اس وقت گمراہ تھے۔ جب آپ پہلے ہی ہدایت پر ہیں پھر ہدایت کیوں مانگ رہے ہیں۔ رب فرماتا ہے :

(۱) هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ -

(سورہ بقرہ پارہ ۱)

والا ہے۔

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

آمِنُوا - (سورہ نساء پارہ ۵)

لاؤ۔

بناؤ جو پہلے ہی پرہیزگار بن چکے۔ انہیں ہدایت دینے کے کیا معنی۔ اور جو پہلے ہی ایمان لایچکے۔ ان کے ایمان لانے کے کیا معنی۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعائیں مانگنا کہ خداوند امیرے آنکھ۔ کان وغیرہ میں نور دے۔ امت کو تعلیم دینے کے لئے ہے نورانیت پر قائم رہنے کا دعویٰ ہے

اعتراض نمبر ۹

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہنا حضور کی بے ادبی ہے بلکہ حضور کی عزت اسی میں ہے کہ آپ خاک سے ہوں۔ کیونکہ خاک نور سے افضل ہے اس لئے کہ فرشتے تو ہیں اور آدم علیہ السلام خاکی بشر اور فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا نہ کہ آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو حضور کو نور ماننا گویا آپ کی توہین کرنا ہے۔ نور سا حد ہے اور خاک سے

جواب : اس کا جواب بھی دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر خدا تعالیٰ کو نور کہنا خدا کی اور قرآن کی بے ادبی ہوئی۔ تعجب ہے کہ حضور کو نور کہنے میں تو آپ کو حضور کی بے ادبی معلوم ہو اور خدا تعالیٰ کو

نور کہتے ہیں یہ ساری بے ادبی کا نور ہو جائے۔ ماشاء اللہ دیوبندی وہابی بھی ادب اے بن گئے جنہوں نے حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کھلی گستاخیاں کیں جو کھلا کافر بھی نہ کر سکے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ سجدہ آدم علیہ السلام کے صرف خاکی جسم تشریف کو نہ تھا۔

بلکہ اس نورانی روح کو تھا جو جسم تشریف کو پھونکی گئی۔ رب فرماتا ہے :

پھر جب میں ان کو درست کر دوں اور ان میں
اپنی روح پھونک دوں تب تم ان کے
لئے سجدے میں گر جانا۔

فَاِذَا سَوَّيْتَهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُوْحِيْ
فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ -

(سورہ حجر پارہ ۵۷)

معلوم ہوا کہ سجدہ روح آدم علیہ السلام کو ہے چونکہ جسم تشریف اس روح کی تجلی کاہ پن چکا تھا اس لیے سجدہ اُسے بھی ہوا۔ اور آدم علیہ السلام کی روح نور مصطفوی کی ایک تجلی تھی ورنہ آدم علیہ السلام کا جسم تشریف نور روح پھونکتے سے چالیس سال پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ اگر صرف جسم ہوتا تو اب تک توقف نہ کیا جاتا۔ اس سے پہلے سجدہ ہو چکا ہوتا نیز ابلیس کو خاک پر خاک میں خاک کی طرف سجدہ کرنے میں کبھی عذر نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے خاک کے ہرزہ پر سجدے کر چکا تھا۔ آج یہ ایک سجدہ بھی کر لیتا۔ اب جو سجدے سے انکار کر رہا ہے وہ درحقیقت اس نورانیت کا منکر ہے جو سجدہ کا باعث ہے۔ نیز اگر فقط خاک خاک ہی کو سجدہ کرانا تھا تو خاک کے ڈھیر۔ ٹیلے ہزار ہا موجود تھے۔ ان میں سے کسی کی طرف سجدہ کر دیا جاتا۔ معلوم ہوا کہ خاک مسجود نہ تھی بلکہ وہ نور مسجود تھا۔ جو آدم علیہ میں ودیعت تھا۔

زبانِ حال سے کہتے تھے آدم !
جسے سجدہ ہوا ہے میں نہیں ہوں

اعتراض نمبر ۱۰۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں تو آپ اولاد آدم کیسے ہوئے نور کسی کی اولاد نہیں ہوتا۔ حضور کو اسی لئے آدم کہا جاتا ہے یعنی آدم والے۔

جواب : ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی ہیں اور نور بھی

یعنی نورانی بشر ہیں۔ ظاہری جسم بشری ہے اور حقیقت نور ہے اولادِ آدم ہونا اس جسم بشری کی صفت ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے حضور سائے عالم کی اصل ہیں اور

سارا عالم حضور سے ہے۔ رب فرماتا ہے :

(۱) قُلْ إِن صَلَاتِي وَنُفْسِي وَ
هَيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
لَا شَرِيكَ لِي وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ
وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

(اعراف پارہ ۷)

(۲) قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ

الْعَابِدِينَ (سورہ انبیاء پارہ ۷)

(۳) وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ

بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ

تَسْبِيحَهُمْ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵)

فرمادو کہ میری نماز میری قربانی میری
زندگی میری وفات اس اللہ کے لیے ہے
جو جہانوں کا پالنے والا ہے اس کا کوئی
سا جھی نہیں ہے۔ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔
اور میں ساری اطاعت کرنے والوں میں پہلا ہوں

فرمادو کہ اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو اس کا
پہلا عابد میں ہوتا۔

نہیں ہے کوئی چیز مگر رب کی رحمت کے ساتھ
اس کی تسبیح کرتی ہے۔ لیکن تم ان کی
تسبیح سمجھتے نہیں۔

ان آیات سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ ہر ذرہ ہر حصہ آسمان کا ہر چیز تسبیح
خوان ہے۔ اور رب کا عابد ہے دوسرے یہ کہ ان تمام سے پہلے حضور رب کے عابد تھے۔
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کے عابد ہیں۔ جب نہ فرشتے تھے نہ آسمان نہ زمین
نہ عالم کی کوئی چیز۔ کیونکہ اگر کوئی چیز حضور سے پہلے پیدا کی چکی ہوتی تو پہلی عابد وہ
ہوتی نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہے۔ اگر حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام اس اولیت کی حالت میں بشر تھے تو آدم علیہ السلام اول بشر اور
ابو البشر نہ ہوتے۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ حضور اس اولیت میں یقیناً نور ہیں اور اس جسمانی حالت
میں بشر ہیں۔ یہ تمام رشتے اس حسیم اقدس کے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے
ایک رسالہ التالیف قلب الالیف بکتابتہ فرس التوالیفات کے شروع میں فرماتے ہیں کہ

عالم اِزّاح میں سارے پیغمبروں نے حضور کی رُوح پر فتوح سے فیض لیا۔ اس سے علم حاصل کیا اور حضور سے سیکھ کر آدم علیہ السلام اسماء کے عالم ہوئے۔ حضور اسی عالم میں نبیوں کے بھی نبی ہیں جس پیغمبر نے جو سیکھا ہے سب حضور کے شاگرد اور حضور ان تمام کے استادِ اول ہیں۔ حضور خود فرماتے ہیں کہ کُنْتُ بَدِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالجَسَدِ بلکہ تمام ملائکہ اور تمام عالم انوار والے جو کچھ جانتے ہیں۔ حضور کے بتانے سے جانتے ہیں۔ عبارت یہ ہے :

اس دنیا سے آنز کر سارے پیغمبر حضور کے مدرسہ میں حاضر ہوئے اور آپ کے مکتب میں شاگرد بنے۔ ہر ایک نبی نے علم کی ایک کتاب اور دین کا ایک ایک باب حضور سے پڑھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر دنیا کو فیض دینے کی مسند پر جا گزیں ہوئے اور اللہ کے احکام کی مخلوق کو تعلیم دی ان پیغمبروں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام تھے جو والد ہونے کے باوجود اپنے اس سچے فرزند کے مدرسہ میں یاد دہانہ دونا نو بیٹھے تمام زبانیں اور چیزوں کے نام حضور سے سیکھے پھر خلافتِ الیمیہ کے مسند پر جا گزیں ہوئے اور ملائکہ مقررین کو تعلیم و تربیت فرمانے لگے جس سے آدم علیہ السلام کا حق استادی سارے فرشتوں پر ثابت ہوا اور آخر کار ان کے مسجود ہوئے۔

وصل اول بعد از نزول و انتقال ازاں عالم حضرت انبیاء حاضران مجلس علم و شاگردان حوزہ۔ درس اوہر یکے کتابے از علم و بابے از دین خواندہ و تحصیل نمودہ بود۔ و ہر مسند افاضہ شمسہ کلمات اللہ بر خلق افادہ و افاضہ فرمود۔ منقلم البشای آدم صفی اللہ آمد کہ با وجود نسبت ابوت در درس آل خلت صدق زانوادب زودہ صحاح لغات و اسماء تعلیم نمودہ بود۔ بر مسند خلافت تکبیر زودہ ساکمان ملائع اعلیٰ را تعلیم و تاقین نمود۔ و حق استادی برایشان ثابت گردانیدہ مخدوم و مسجور البشای گشت

اعتراض نمبر ۱۱۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا نور ہیں تو آپ بھوک میں بیٹھ کر پتھر کیوں باندھتے تھے۔ اور آپ کو بھوک کے زہر نے کیوں اثر کیا۔ آپ پر جادو کیوں چل گیا۔ بعض پیغمبروں کو کفار نے قتل کیسے کر دیا۔ جنگ احد میں حضور کا دانت شریف کیوں شہید ہوا۔ کیا نور بھی بھوکا ہو سکتا ہے۔ کیا نور پر زہر اثر کر سکتا ہے؟

جواب: یہ اور اس قسم کے صدہا اعتراضات جب پڑ سکتے تھے کہ ہم

ان کی بشریت کا انکار کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں۔ اور بشر بھی۔ کبھی بشریت کے صفات آپ پر ظاہر ہوتے ہیں کبھی نورانیت کے رب تعالیٰ نے آپ کو تمام صفات کا جامع بنا کر بھیجا۔ اگر عادتاً کھانا نہ ملاحظہ کریں تو شکم مبارک پر پتھر بھی باندھیں گے۔ اور بھوک کے آثار بھی نمودار ہونگے۔ لیکن اگر روزہ وصال میں روزہ کی تبت سے کھانا چھوڑیں۔ تو خواہ مہینوں نہ کھائیں کوئی اثر نہیں۔ وہاں بشریت کا ظہور تھا۔ اور یہاں نورانیت کی جلوہ گری ہے۔ یہاں بھوک کے زہر۔ تلوار اور آگ نے اثر دکھا دیا۔ مگر معراج کی رات دوزخ کی سیر فرمائی۔ وہاں آگ۔ سانپ۔ بچھوسب کچھ موجود۔ مگر کسی کا اثر نہ ہوا وہ بشریت تھی یہ نورانیت ہے۔ آج عیسیٰ علیہ السلام صدہا سال سے آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ جہاں نہ ہوا ہے نہ کھانا نہ پینا۔ مگر زندہ ہیں یہ زندگی نورانیت کا ظہور ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع اور اعلیٰ ہے ان کے غلام بعض ادلیاंना اللہ پر کبھی ایسا وقت آتا ہے کہ مہینوں تک کھاتے پیتے نہیں۔ ان کے جسموں پر تلوار اثر نہیں کرتی۔ دجال کے ظاہر ہونے پر مومنوں کو اللہ کے ذکر میں بھوک پیاس سے امن ملے گا۔ ایک بزرگ جن کو ایک دفعہ دجال مار کر زندہ کر دے گا۔ پھر جب دوبارہ قتل کرنا چاہے گا تو ان کے حلق پر چھری کام نہ کرے گی۔ یہ اس آفتاب نبوت کے زبت ہیں پھر آفتاب کا کیا

کہنا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فیصلہ فرمایا۔ فرماتے ہیں ۵
 گے یا حفصہ وزینب پیرداختے کبھی اپنی ازدواج پاک کیساتھ مشغول ہوتے
 دگا ہے یا جبرئیل و میکائیل نہ سناختے اور کبھی جبرئیل و میکائیل کی بھی آپ
 تک رسائی نہ ہوتی۔

اختلافات حالات سرکار کی مختلف تجلیاں ہیں۔ کیا نہیں سنا کہ
 ابراہیم علیہ السلام پر آگ نے اسمعیل علیہ السلام پر چھری نے اثر نہ کیا۔ یہ ان
 بزرگوں کی نورانیت کی جلوہ گری ہے۔

غرضیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب کا نور ہیں۔ آپ کی بشریت نورانی ہے
 بلکہ آپ کی نورانی بشریت حضرت جبرئیل کی نورانیت سے کہیں ارفع و اعلیٰ بلند و
 بالا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۵

اسے ہزاراں جبرئیل اندر بشر
 بہر حق سوئے غریباں یک نظر

اخترا نس نمبر ۱۲

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہوتے تو حضور کی ساری اولاد یعنی قیامت تک
 سید نور ہوتے۔ کیونکہ اولاد اپنے ماں باپ کی جنس سے ہوتی ہے انسان یا بچہ انسان
 شیر کا بچہ شیر۔ ایسے ہی چاہیے کہ نور کی اولاد نور ہو۔ جب سکہ سید نور نہیں۔
 تو حضور بھی نور نہیں۔

جواب: اس کا جواب پہلے گزر گیا کہ حضور کے تمام یہ رشتے بشریت کے
 ہیں۔ نورانیت میں کسی سے کوئی رشتہ نہیں۔ حضور اس نورانیت میں نہ کسی کی اولاد
 ہیں نہ کسی کے والد نہ کسی کے قرابت دار نہ رشتے والے۔ عالم نورانیت تو
 بہت اعلیٰ ہے۔ کوئی رُوح کسی کی نسل یا اصل نہیں۔ اس لئے اولاد روحانی
 اوصاف میں ماں باپ کے خلاف بھی ہو جاتی ہے۔ نبی زادہ کافر۔ عالم کی اولاد
 جاہل۔ جاہل کی اولاد عالم ہو جاتی ہے غرضیکہ ولادت بشریت کی ہے نورانیت کی نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۳

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت سے پہلے ایمان و قرآن کی خبر بھی نہ تھی اور وحی سے پہلے آپ کو اپنے نبی بننے کی امید بھی نہ تھی۔ پھر یہ کیسے درست ہے کہ آپ عالم ارواح میں نبی تھے اور سائے پیغمبر آپ سے فیض لیتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ
إِلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا رَحْمَةً
مِّن رَّبِّكَ (قصص پارہ ۲۰)

(۲) وَمَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ
وَالْإِيمَانُ (شوریٰ پ ۲۵)

تم کو امید بھی نہ تھی کہ تم پر کتاب بھیجی جاوے گی مگر آپ کے رب کی رحمت سے۔

اور آپ جانتے نہ تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔

جب حضور کو ایمان کی بھی خبر نہ تھی تو پیدائش کے پہلے نبوت کے کیا معنی۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا حقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر تو عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں بڑھ چڑھ

کر ہوئے کہ آپ نے ماں کی گود میں پیدائش سے چند گھنٹہ کے بعد قوم سے فرمایا:

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابُ
وَجَعَلَنِي نَبِيًّا۔ (مریم پارہ ۱۶)

اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی حضور سے بڑھ جاویں گے۔ کیونکہ ان کے متعلق رب نے فرمایا:

وَآتَيْنَاهُ الْكِتَابَ صَبِيًّا۔
(مریم پ ۱۶)

ہم نے انہیں بچپن میں علم یا نبوت بخشی۔

بلکہ لازم آئے گا کہ کفار بھی حضور سے علم میں بڑھ جاویں کیونکہ وہ حضور کے بچپن سے جانتے تھے۔ کہ حضور نبی ہیں۔ بحیرہ راہب نے حضور کے بچپن میں حضور کی نبوت کی گواہی دی۔ کیونکہ اس نے شجر و حجر کو کلمہ پڑھتے سنا۔ قرآن کریم

فرماتا ہے:-

يَعْرِفُونَہَ كَمَا يَعْرِفُونَ ابْنَاءَهُمْ

(بقرہ ۱۱۰)

یہ کفار حضور کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنی

اولاد کو۔

یعنی جیسے اولاد کو باپ اس کے بچپن بلکہ پیدائش کے وقت سے پہچانتا ہے ایسے

ہی کفار حضور کی پیدائش کے وقت سے حضور کو پہچانتے ہیں۔ فرماتا ہے:

وَكَانُوا يَسْتَفْتُونَ عَلَى الَّذِينَ

(بقرہ ۱۱۱)

اہل کتاب حضور کی طفیل کفار پر جنگ میں

فتح و نصرت کی دعائیں کرتے تھے۔

كَفَرُوا ۱-

نیز بخاری شریف میں ہے کہ پہلے وحی کے وقت حضور غار حرا میں عبادت فرما رہے

تھے۔ اور پہلے ہی سے اطمینان شروع فرمادیتے تھے۔ اگر حضور کو ایمان کی خبر نہ تھی تو یہ

عبادت کس کی کر رہے تھے اور کیسے کر رہے تھے ؟

نیز معراج کی رات حضور نے بیت المقدس میں تمام انبیاء کو نماز پڑھائی بتا دیا

وہ کون سی نماز تھی کیونکہ ابھی تو نماز فرض ہی نہ ہوئی تھی۔

جواب تحقیقی چند ہیں۔ ایک یہ کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس میں

بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور درحقیقت خطاب حضور کے دین

والوں سے ہے۔ تفسیر مدارک اور تفسیر خازن میں آیت **عَلَّمَا كُنْتَ تَرْجُو الْخَلْقَ**

تحت ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْمُخَاطَبُ فِي

الظَّاهِرِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ وَالْمُرَادُ بِهِ أَهْلُ دِينِهِ

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ بظاہر یہ

خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور

مراد حضور کی امت ہے۔

دوسرے یہ کہ اس آیت میں **مَا كُنْتَ تَرْجُو** کی نفی **إِلَّا رَحْمَةً** سے

ٹوٹ گئی۔ اور معنی یہ ہوئے کہ آپ کو ظاہری اسباب کے لحاظ سے یہ امید بھی نہ تھی کہ

بغیر رحمت الہی آپ پر وحی ہوگی اور ظاہر ہے کہ حضور کو نبوت محض رب کے فضل سے

ملی نہ کسی نبی کی دعا سے ملی نہ کسی نبی کی وراثت سے حاصل ہوئی۔ جیسے حضرت باران

کی نبوت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے تھی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت سے اور حضرت سلیمان کی نبوت حضرت داؤد کی میراث سے تھی۔ رب فرماتا ہے:

حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے۔

۱۷، وَ وِرَاثَ سُلَيْمَانَ دَاوُدَ

رسورہ نمل پارہ ۱۹

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ مولے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔

(۲) وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ اَهْلِي

هَارُونَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖ

اَذْرٰحِي رطہ پارہ ۱۶

مگر حضور کی نبوت میں کسی کی دعا یا وراثت کا واسطہ نہیں اور حضور پر کسی کا احسان نہیں۔ اس آیت علیہ میں وَ مَا كُنْتُ تَدْرِى مَا اَلِكِتَابِ الْخُرٰىءِ درایت کی نفی ہے درایت کہتے ہیں عقل و اہکل سے جاننے کو یعنی آپ نبوت کے ظہور سے پہلے ایمان اور کتاب محض اہکل یا قیاس سے نہ جانتے تھے۔ کیونکہ اہکل کا علم کبھی غلط بھی ہوتا ہے بلکہ الہام ربانی سے جانتے تھے۔ جس میں غلطی و خطا کا احتمال نہیں یا اس سے مراد کتاب ایمان کے تفصیلی احکام ہیں یا ایمان سے مراد اہل ایمان ہیں۔ غرضکہ اس کے بہت سے جواب ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۲۔

شروء بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب غار حرا میں حضور پر پہلی وحی اقراء باسم ربك آئی تو حضور حضرت جبریل کو پہچان نہ سکے۔ ورتہ ابن نوفل کے بتانے سے پہچانا۔ کہ یہ جبریل ہیں۔ پھر یہ کہیے درست ہوا کہ حضور اپنی نبوت پہلے ہی سے جانتے تھے۔

جواب: یہ غلط ہے بخاری شریف کی اس روایت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کے معنی یہ ہوں کہ حضور نے حضرت جبریل کو نہ پہچانا۔ اگر حضور حضرت جبریل کو نہ پہچانتے تو یہ آیت اقراء باسم ربك قطعاً نہ رہتی۔ کیونکہ آیت قطعی نہ

رہتی کیونکہ آیت تطعی جب ہوگی جب اس کے کلام الہی ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہ رہے اور اگر حضور کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ یہ شخص فرشتہ ہے یا کوئی اور تو یہ پتہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ رب کا کلام ہے۔ اور جب حضور ہی کو اس آیت کے کلام الہی ہونے میں شک ہوا تو ہم کو اس کا یقین کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہمارا یقین تو حضور کے یقین پر قائم ہے۔ اسی لئے اس وقت حضور انور نے حضرت جبرئیل سے یہ نہ پوچھا کہ تم کون ہو اور مجھے کیا پڑھانا چاہتے ہو۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جانتے پہچانتے تھے۔ کیوں نہ پہچانتے کہ حضرت جبرئیل اور سارا عالم حضور ہی کے نور سے بنا۔ اور حضور کا نور ان سب سے پہلے پیدا ہوا۔ رب ورتہ ابن نوفل کے پاس تشریف لے جانا اور درتہ کا یہ عرض کرنا دوسروں کی نسبت کے لئے تھا کہ سننے والے درتہ کی یہ گفت گو سن کر حضور کی نبوت پر زیادہ مطمئن ہو جائیں۔ کیونکہ درتہ تویت ک بڑے عالم تھے۔ کیا اے ان کے علم و عزم کے قائل تھے۔ اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بی بی خدیجہ الکبریٰ کے ساتھ درتہ ابن نوفل کے پاس جانا اپنے علم کے لئے نہیں بلکہ ان سے تصدیق کرانے کے لئے تھا۔ تا کہ حضرت خدیجہ کو حضور کی نبوت کا عین یقین حاصل ہو جائے اور دوسروں کو علم الیقین۔ جیسے حضور کا پتھروں سے کلمہ پڑھانا۔ درختوں سے گواہی دلوانا۔ اپنے علم کے لیے نہیں۔ دوسروں کے بتانے کے لیے ہے۔

اعتراض نمبر ۱۵۔

نور سے بشر انفس ہے۔ دیکھو آدم علیہ السلام کو جو بشر تھے۔ نوری فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اور معراج میں حضور بشر ہو کر عرش سے بھی دراء پہنچے۔ جہاں وہاں کہاں سب ختم ہو گیا۔ اور نوری جبرئیل سدرہ پر رہ گئے۔ لہذا حضور کو نور کہنا حضور کی شان گھٹانا ہے۔

جواب :

اولاً تو یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ بشر نور سے مطلقاً انفس ہے۔

ورنہ پھر چاہیے۔ کہ تم بلکہ ابو جہل وغیرہ بھی فرشتوں سے افضل ہوں
دوسرے یہ کہ اعتراض تباہ دست تھا۔ جب ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
کی بشریت کا انکار کرتے۔ حضور نور بھی ہیں۔ بشر بھی۔ محض بشر اور محض نور
سے وہ افضل ہے جو نور بھی ہو اور بشر بھی۔

خیال رہے کہ کافر انسان کتنے بلے سے بدتر ہے۔ رب فرماتا ہے :-

أُولَٰئِكَ هُم شَرُّ الْبَرِيَّةِ



دوسرا باب

تن بے سایہ | اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور صدر ہا
معجزے بخشے۔ وہاں یہ معجزہ بھی عطا فرمایا کہ حضور کے جسم شریف
کو بے سایہ بنایا۔ دھوپ چاندنی چراغ وغیرہ کی روشنی میں آپ کے جسم اطہر کا
بالکل سایہ نہ پڑتا تھا بلکہ جو لباس حضور پہنتے ہوتے تھے وہ لباس بھی بے سایہ ہو
جاتا تھا۔ اس پر آیات قرآنیہ احادیث صحیحہ اقوال فقہا بلکہ خود فرقہ دیوبندیہ و اہل بیہ
کے اقوال گواہ و شاہد ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے :

حضور کے بے سایہ ہونے کا قرآنی آیات سے ثبوت

اسے لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور
(محمد مصطفیٰ) اور روشن کتاب تشریف لائے
اسے نبی ہم نے تم کو بھیجا حائراً و ناظر
اور خود شجرہ سنا تا ڈراتا، اللہ کی طرف سے
کے حکم پر بلانا ہوا اور چمکانے والا سورج
اللہ کے نور محمد مصطفیٰ کی مثال
ایسی ہے جیسے طاق جس میں چراغ
چمپنی میں ہو۔

۱) قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ
وَ كِتَابٌ مُبِينٌ -
۲) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ
شَاهِداً وَ مَبَشِيراً وَ نَذِيراً وَ
دَاعِياً إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَ سِيراً مُبِيناً
۳) مَثَلُ نُورِهِ كَمِثْلُ نَوْءٍ فِيهَا
مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي
الذُّجَانَةِ -

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں حضور کو نور فرمایا۔ دوسری آیت میں سورج کہا۔
تیسری آیت میں حضور کی ذات کو نور اور سینہ پاک کو چراغ کی مینی۔ اور ظاہر ہے کہ
نہ نور کا سایہ ہوتا ہے نہ سورج کا اور نہ عمارت مینی کا۔ ان آیات سے ظہور بے سایہ ہونا ثابت ہے
تفسیر مدارک تشریف پارہ اٹھارہ سورہ نور میں زیر آیت لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ إِكْبَاحٌ

واقعه زینت ذریا ایک لوگوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کو نہمت لگائی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام سے اس کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت ذوالنورین عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبالیہ میں یوں عرض کیا :

جناب عثمان نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ رب نے آپ کا سایہ زمین پر نہ ڈالا تا کہ کوئی شخص اس سایہ پر قدم نہ رکھ سکے تو جب رب تعالیٰ نے کسی کو آپ کے سایہ پر قدم رکھنے کا موقع نہ دیا تو کسی کو یہ قدرت کیسے دے گا کہ آپ کی زوجہ پاک کی عصمت پر داغ لگائے۔

وَقَالَ عُمَانُ إِنَّ اللَّهَ مَا
وَقَعَ ظِلُّكَ عَلَى الْأَرْضِ بِعَدَا
يَقَعُ إِنْسَانٌ قَدُمَهُ تَحْتِي ذَالِكِ
الظِّلِّ فَلَمَّا لَمْ يَبْكَرْ أَحَدًا مِنْ
وَضَعَ الْقَدَمِ عَلَى ظِلِّكَ
كَيْفَ يُبْكَرُ أَحَدًا مِنْ تَلَوِيثِ
عَرَضِ زَوْجَتِكَ

اور حضرت بلقیس امیر المؤمنین شمر رضی اللہ عنہ نے یوں عرض کیا :

عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کو منافقوں کے جھوٹے ہونے کا یقین ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم پاک کو کبھی بیٹھنے سے محفوظ رکھا۔ کیونکہ کبھی گندگیوں پر چڑھتی ہے جس میں وہ لٹھڑ جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر گندگی سے بچایا ہے۔ تو اس بیوی کی صحبت سے کیوں نہ بچائے گا۔ جو ایسی بُرائی میں لٹھڑے۔

إِنَّهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَنَا قَاطِعٌ بِكَدِّ بِي
الْمَنَافِقِينَ لِأَنَّ اللَّهَ عَصَمَكَ
مِنْ وَقُوعِ الذَّبَابِ عَلَى
جِلْدِكَ لِأَنَّهُ يَقَعُ عَلَى
النَّجَاسَاتِ فَيَتَلَطَّحُ بِهَا
فَلَمَّا عَصَمَكَ مِنْ قَائِلِكَ
الْقَدَرِ مِنَ الْقَدَرِ فَكَيْفَ لَا
يُعْصِمُكَ مِنْ صُحْبَةِ مَنْ
تَكُونُ مَتَلَطَّحَةً بِمِثْقَلِ هَذِهِ
الْفَاحِشَةِ -

حضرت عثمان کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضور انور کا جسم اطہر بے سایہ ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ آپ کے جسم پاک پر کبھی یہ عام کھٹی نہ بٹھتی۔ جسم انور کا بے سایہ ہونا بھی معجزہ ہے۔ اور جسم اطہر پر کبھی نہ بٹھنا بھی معجزہ ہے۔

حکیمہ زندی نے اپنی کتاب "نوار الایضواء" میں حضرت زکوان رضی اللہ عنہ

سے روایت کی۔

عَنْ زَكْوَانَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُدَالَهُ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ۔

روایت ہے کہ حضرت زکوان سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں نظر آتا تھا نہ چاند میں۔

سیدنا عبداللہ ابن مبارک اور حانظ علامہ ابن جوزی حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔

(۶) قَالَ لَمْ يَكُنْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ وَلَمْ يَقُمْ مَعَ شَمْسٍ إِلَّا غَلَبَهُ ضَوْؤُهَا وَضَوْؤُهَا مَعَ السَّمَاءِ إِلَّا ضَوْؤُهَا ضَوْؤُهَا۔

یعنی فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور نہ کھڑے ہوتے آپ آفتاب کے سامنے مگر آپ کا نور آفتاب کے نور پر غالب آجاتا۔ اور نہ کھڑے ہوتے آپ چرخ کے سامنے مگر آپ کا نور چرخ کے نور کو دبا لیتا۔

بیہقی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عقیب سے روایت کی۔

قَالَ حَجَبْتُ حُجَّةَ الْوُدَاعِ فَدَخَلْتُ دَامًا بِمَكَّةَ فَرَأَيْتُ فِيهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْهَهُ كَدَائِرَةِ الْقَمَرِ۔

فرمایا کہ میں حج دواع میں شریک ہوا تو میں مکہ معظمہ میں ایک کھڑے گیا۔ میں نے اس میں رسول اللہ کو دیکھا آپ کا چہرہ انور چاند کی کئی کی طرح چمکتا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ شریف میں حدیث
ذکر ان جوا بھی ذکر کی گئی۔ اسی کے متعلق ایک باب باندھا۔ اسی باب میں فرمایا :

ابن سميع نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی خصوصیات میں سے یہ
ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ
پڑتا تھا۔ اور آپ جب دھوپ یا
چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ
دیکھا جاتا تھا۔

قَالَ ابْن سَمِيعٍ مِنْ فَضْلِ مَا تَلَّهُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ ظِلَّهُ
كَانَ لَا يَقَعُ عَلَى الْأَرْضِ وَإِنَّهُ
كَانَ نُورًا فَكَانَ إِذَا مَشَى
فِي الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَا يَنْظُرُ
لَهُ ظِلٌّ۔

کتاب مستطاب الفوز الجیب فی خصائص الجیب باب دوم فصل

چہارم میں فرماتے ہیں۔

حضور کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا
تھا اور آپ کا سایہ دھوپ میں دیکھا
گیا نہ چاندنی میں۔

(۸) لَمْ يَقَعْ ظِلُّهُ عَلَى الْأَرْضِ
وَلَا دُعِيَ لَهُ ظِلٌّ فِي
شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ۔

حضرت تیسری ریاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں :

یہ جو ذکر کیا گیا کہ حضور کے جسم
انور کا سایہ نہیں دھوپ میں چاندنی
میں یہ اس لئے ہے حضور نور ہیں۔

(۹) وَمَا ذَكَرْنَا مِنْ أَنَّ لَا
ظِلٌّ لِشَخْصِهِ فِي شَخْصٍ وَ
لَا قَمَرًا لِأَنَّهُ كَانَ نُورًا۔

حضرت امام ابوالدین خفاجی اس کی تشریح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت
کی ریلور، میں سے وہ ہے جو ذکر
کیا گیا۔ کہ حضور کے جسم لطیف کا سایہ
نہ تھا۔ جب کہ آپ دھوپ یا چاندنی
میں ہوتے کیونکہ حضور نور ہیں۔

(۱۰) وَمِنْ ذَلِكَ، نَبْوَتِهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ذَكَرْنَا مِنْ
أَنَّهُ لَا ظِلُّ لِمَنْ شَخْصِهِ إِذَا
جَسَدًا الشَّرِيفِ اللَّطِيفِ
إِذَا كَانَ فِي شَمْسٍ أَوْ قَمَرٍ۔

لَا يَأْتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ نُورًا وَالْأَنْوَارُ شَفَاقَةٌ
لَطِيفَةٌ لَا تُحْيِي بِغَيْرِهَا وَ
إِلَّا الْأَنْوَارُ لَا ظِلَّ بِهَا كَمَا
تَشَاهَدُ فِي الْأَنْوَارِ الْحَقِيقَةِ
وَهَذَا تَرَوَاهُ صَاحِبُ الْوَفَاءِ
عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ
لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ ظِلٌّ وَلَمْ يَقْدَمْ مَعَ
شَمْسٍ إِلَّا غَلَبَ ضَوْؤُهُ ضَوْءَهَا
وَلَا مَعَ السِّرَاجِ إِلَّا غَلَبَ ضَوْؤُهُ
ضَوْءَهُ وَقَدْ تَقَدَّمَ هَذَا
وَالكَلَامُ فِيهِ وَقَدْ نَطَقَ
الْقُرَّانُ بِأَنَّهُ النُّورُ الْمُبِينُ
وَكَوْنُهُ بَشْرًا لَا يَأْتِي فِيهِ
كَمَا تَرَوَهُمْ فَإِنْ فَهَمْتَ فَهَوِ
نُورًا عَلَى نُورٍ فَإِنَّ النُّورَ
هُوَ الظَّاهِرُ بِنَفْسِهِ الْمُظْهِرُ
بَعْدَهُ وَتَفْصِيلٌ فِي الْمَشْكُوتِ
الْأَنْوَارِ -

رخصاً

رخصاً

اور انوار شفاف و لطیف ہیں۔ کسی
کے لئے آڑ نہیں بنتے۔ نوروں کا
سایہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حقیقی نوروں
میں دیکھا جاتا ہے۔ کتاب النور والے
نے حضرت ابن عباس سے روایت
کیا۔ فرماتے ہیں۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا سایہ نہ تھا۔ اور نہ کھڑے ہوتے
تھے۔ آپ سورج یا چراغ کے
سامنے مگر آپ کی چمک ان کی
چمکوں پر غالب آتی تھی۔ یہ گفتگو
اور اس میں کلام گذر چکا۔ قرآن
کریم فرما رہا ہے۔ کہ حضور کھلا ہوا
نور ہیں۔ اور آپ کا بشر ہونا اس
کے خلاف نہیں جیسا کہ وہم کیا
گیا ہے۔ تو اگر تم سمجھو تو حضور
نور علی نور ہیں۔ کیونکہ نور وہ ہوتا ہے۔
جو خود ظاہر ہو۔ دوسرے کو ظاہر کرے
اس کی تفصیل مشکوٰۃ الانوار
میں ہے۔

رخصاً

رخصاً

حضرت مولوی جلال الدین رومی قدس سرہ ثنوی شریف میں فرماتے ہیں
چوں فناشی از فقر پیرایہ بود
او محمد دار بے سایہ بود
جو فقیر حضور کی ذات میں فنا ہو وہ
محمد کی طرح بے سایہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبد العلی بجر العلوم شرح ثنوی میں اسی شعر کی شرح میں فرماتے ہیں -
 مصرع ثانی بمعجزہ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم
 علیہ وسلم کہ آل سرور صلی اللہ علیہ وسلم
 راسیہ نمی افتاد -
 دوسرے مصرع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 وسلم کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ
 آپ کا سایہ نہ پڑتا تھا۔

امام احمد بن محمد خطیب، قسطلانی، مواہب لدنیہ تشریف میں فرماتے ہیں -
 حضور کا سایہ نہ تھا نہ دھوپ
 میں نہ چاندنی میں جیسا کہ ترمذی
 تشریف نے حضرت ذکوان سے روایت کیا۔
 رواہ الترمذی عن ذکوان -

علامہ حسین ابن محمد دار بکری اپنی کتاب الخمسین فی احوال الخمس النفس میں فرماتے ہیں
 حضور کا سایہ زمین پر نہ پڑا اور
 آپ کا سایہ دیکھا نہ گیا۔ نہ دھوپ
 میں نہ چاندنی میں۔
 لَمْ يَكُنْ لَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَلَا فِي قَمَرٍ
 وَلَا رَدْعَى لَهْ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَ
 لَا فِي قَمَرٍ -

۱۴) کتاب نور الابصار فی مناقب آل النبی الاطهار میں فرماتے ہیں -
 حضور کا سایہ زمین پر نہ پڑا اور
 نہ آپ کا سایہ دھوپ میں دیکھا گیا۔
 نہ چاندنی میں۔
 لَمْ يَقْطَعْ ظِلُّهُ عَلَى الْأَرْضِ
 وَلَا رَدْعَى لَهْ ظِلٌّ فِي شَمْسٍ وَ
 لَا فِي قَمَرٍ -

کتاب فضل القری میں امام ابن حجر کی رحمتہ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں -
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہو
 جانے کی تائید کرنے والے دلائل میں
 سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ جب دھوپ
 اور چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ ظاہر
 نہ ہوتا۔ کیونکہ سایہ صرف کثیف چیز کا ہوتا
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ساری
 (۱۵) وَمِمَّا يُؤَيِّدُ آتَتْهُ صَلَّى
 اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَارًا
 نُورًا إِذْ كَانَ إِذَا مَشَى فِي
 الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَا يُظْهِرُ لَهُ
 ظِلًّا لِأَنَّهُ لَا يُظْهِرُ لَهُ ظِلٌّ
 لِأَنَّهُ لَا يُظْهِرُ إِلَّا بِكثِيفٍ وَهُوَ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَدَّ
خَلَصَهُ اللَّهُ مِنْ سَائِرِ الْكُتَّافَاتِ
الْبِحْسَامِيَّةِ وَصَيِدَةَ نُومًا صَرَفًا
لَا يَطْهَرُ لَهُ ظِلٌّ أَصْلًا -

جسمانی کثافتوں سے صاف فرما دیا
آپ کو خالص نور بنا دیا۔ لہذا آپ
کا سایہ بالکل ظاہر نہ ہوتا
تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اپنی کتاب مدارج النبوة میں فرماتے ہیں :-
(۱۶) ونبود مرآں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم را سایہ در آفتاب نہ
در قمر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ
نہ تھا نہ دھوپ میں نہ چاندنی
میں۔

رواہُ المحکم الترمذی عن
ذکوان فی نوادر الاصول

اسے حکیم ترمذی نے حضرت ذکوان سے
نوادر الاصول میں روایت کیا۔

(۱۷) حضرت مجدد الف ثانی قطب ربانی قدس سرہ مکتوبات شریف جلد تیسری
مکتوبات نمبر ۱۰۰ میں فرماتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا عالم
شہادت میں ہر جسم کا سایہ جسم سے
زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ جب حضور
صلی اللہ علیہ وسلم سے لطیف دنیا میں
کوئی چیز نہیں تو آپ کے سایہ کی
کیا صورت ہو سکتی ہے۔

ادرا صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نبود۔
در عالم شہادت سایہ ہر شخص از
شخص لطیف تر است چون لطیف تر
از وی صلی اللہ علیہ وسلم در عالم
نباشد۔ اورا سایہ چه صورت
دارد۔

(۱۸) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ تفسیر عزیزی پارہ تیسواں
سورہ داعی کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

حضور کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔

سایہ ایشان بر زمین نمی افتاد

(۱۹) مجمع البحار میں نثی کی رمز میں بحوالہ شرح شفا فرمایا :-
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں
مِنْ أَسْمَائِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَسَلَّمَ اَنْوَارُ قَبِيلٍ مِنْ خَصَائِصِهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ
اِذَا امْسَى فِي الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ
لَا يُظْهِرُ لَهُ ظِلًّا -

میں سے نام شریف نور بھی ہے۔ کوسا
گیا ہے کہ حضور کی خصوصیات سے
یہ ہے کہ آپ جب دھوپ یا چاندنی
میں چلتے تو آپ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا

(۲۰) علامہ سبحان حملی فتوحات احمدیہ شرح ہمزبہ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَكُنْ لِرَسُولِ اللّٰهِ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ ظِلٌّ مَا يُظْهِرُ فِي
الشَّمْسِ وَلَا قَمَرٍ -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ
تھا جو دھوپ یا چاندنی میں ظاہر
ہوتا۔

(۲۱) جوہر البجارت شریف میں علامہ یوسف منہانی فرماتے ہیں جلد اول ص ۴۵

وَكَانَ إِذَا امْسَى فِي قَمَرٍ أَوْ
شَمْسٍ لَا يُظْهِرُ لَهُ ظِلًّا -

حضور جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے
تو آپ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا احادیث اور ارشادات علماء سے بخوبی ثابت ہوا کہ حضور انور
صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا سایہ قطعاً نہ تھا۔ نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں نہ
چراغ کی روشنی میں ۔

دیوبندی دیوبندی تائید

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم انور کا سایہ نہ ہونا علماء دیوبند و علماء
غیر مقلد بھی مانتے ہیں اس پر پُر زور دلائل پیش کرتے ہیں نہ معلوم موجودہ دیوبندیوں
پر کیا مار ہے کہ اپنے بڑوں کی بھی نہیں مانتے۔ اور اس مسئلہ کا انکار ہی کئے جاتے
ہیں۔ رب تعالیٰ سمجھ دے ہٹ دھرمی کے بجائے حق قبول کرنے کی توفیق دے
اب آپ دیوبندی علماء کے اقوال ملاحظہ فرماویں۔ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی
رشید احمد صاحب گنگوہی اپنی کتاب امداد السلوک میں ص ۸۶ پر فرماتے ہیں :-
بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت صلی اللہ

یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ حضور صلی

علیہ وسلم سایہ نداشتند۔ و ظاہر است
کہ سحر نور ہمہ اجسام ظل سے
داہند۔

اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور
ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ
رکھتے ہیں۔

دوستو! یہ ہے عقیدہ ان موادی رشید احمد صاحب کا جو تمام دیوبندیوں کے
بڑے عالم پیر بلکہ قطب وقت ہیں اور نہ جانے کیا کیا ہیں۔
غیر مقلد (اہل حدیث) کے سایہ ناز عالم حافظ محمد صاحب لکھوی اپنی تفسیر محمدی
ساتویں منزل ص ۲۲۹ پر لکھتے ہیں۔

جاں گری تخت ہوندی تاں سر پہ بدل سایہ کرا
تے او پر زمین نہ پوندا سایہ حضرت پتیردا
یہ ہے عقیدہ اہل حدیث حضرات کے بڑے بھاری عالم حافظ محمد صاحب لکھوی کا کہ
حضور کا جسم نور ہے سایہ ہے۔

عقلی دلیل | عقل کا بھی تقاضا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم نور کا سایہ
نہ ہو۔ کیونکہ عالم اجسام میں بعض محسوس اجسام ایسے ہیں جن کا سایہ
نہیں ہوتا یعنی وہ ہیں تو جسم مگر سایہ ندارد یا اس لئے کہ ان جسموں پر نور کی پالشی قدرت
نے کر دی ہے یا اس لیے کہ وہ ثقافات ہیں۔ دیکھو چاند سورج یا کسی جسم بھی محسوس بھی
ہیں مگر ان کا سایہ نہیں کیونکہ صرف اس لئے کہ ان پر نور کی پالشی ہے چاند تارے بذات
خود کائے ہیں۔ سورج کی شعاعوں سے منور ہو گئے ہیں۔ اس عارضی نورانیت کی وجہ سے
ان کا سایہ نہیں بہت صاف و ثقافات شیشہ کا سایہ نہیں پڑتا جب کہ بار بار مشاہدہ کیا گیا
ہے شیشہ نور نہیں صرف ثقافات ہونے سے اس کو بے سایہ بنا دیا۔ بعض حالات میں کثیف
جسم کا سایہ نہیں ہوتا۔ جب ہر چار طرف سے اس پر روشنی ڈالی جائے یا کوئی شخص بجلی
کے نیچے کھڑا ہو جاوے تو سایہ نہ ہو گا۔ کیونکہ اسے نور نے گھیر لیا۔ گرمیوں میں جب دوپہر
کے وقت سورج بالکل سر پہ ہوتا ہے تو جسم انسانی بلکہ کسی جسم کا سایہ نہیں پڑتا کیونکہ سورج
کا نور جسم کے ہر حصہ پر پڑتا ہے۔ اگر بجلی کا تیز بلب خود بھی روشن ہو اور اس کے اوپر دوسرے

تیز سب سے روشنی ڈالی جب سے تو یہ نور علی نور ہو گیا گا وہاں سایہ کے پڑنے کا سوال ہی نہ رہے گا۔ جب ان ظاہری اجسام کا عارضی انوار کی وجہ سے سایہ نہیں رہتا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں رب تعالیٰ نے مجسم نور فرمایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دعا کی اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي نُورًا خَدَايَا مَجْجے نور بنا سے اور رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں انہیں نور علی نور فرمایا کہ دیکھو سورہ نور شریف اگر اس جسم پاک کا سایہ نہ ہو تو کیا تعجب ہے۔ مذکورہ تمام اجسام کو بے سایہ مان لیا جاتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے سایہ ہونے کا کیوں انکار ہے ؟

دوسری فصل۔ اعتراضات جوابات

نہ بے سایہ کے مستانہ پر مخالفین کے پاس کوئی قوی اعتراضات نہیں صرف دو تین شبہات ہیں جو ہر جگہ مختلف پیرایوں میں بیان کرتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے :-

اعتراض نمبر ۱

مسند امام احمد بن حنبل میں بروایت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا ہے :-

فرماتی ہیں کہ ایک دن ٹھیک دوپہری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں حضور کے سایہ میں تھی۔

قَالَتْ بَيْنَمَا أَنِّي يَوْمًا بِنَصْفِ الشَّهَادَةِ إِذَا أَنَا بظِلِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مقبول)

دیکھو حضرت صفیہ فرماتی ہیں کہ میں حضور کے سایہ میں تھی اگر حضور کا سایہ نہ کھٹا تو آپ سایہ میں کس طرح ہو گئی تھیں۔ لفظ ظل پر غور کرو۔ ظل سایہ کو کہتے ہیں۔ غلطی سے کسی دیوبندی و ہابی کو حضور کا سایہ ثابت کرنے کے لئے اس حدیث کے سوا کوئی نہ مل سکی وہ اس کو بڑے فخر سے پیش کرتے ہیں۔ جواب ملاحظہ ہو۔

جواب: اس حدیث میں ظل سے مراد یہ معروف سایہ نہیں جو کثیف اجسام کا ہوتا ہے کیونکہ مدینہ منورہ میں گرمی کی ٹھیک دوپہری میں یہ سایہ پڑتا ہی نہیں اور اتنا دراز

سایہ کہ دوسرا آدمی اس میں چل سکے یہ تو گرمیوں میں دوپہر کے وقت ہمارے ہاں بھی نہیں پڑتا۔ اونڈیا یہاں بہ سایہ مراد نہیں عربی بلکہ اُردو میں بھی رحمت دہربانی و کرم اور پناہ کو مایہ کہتے ہیں عام طور پر بزرگوں کو لکھتے ہیں دامِ ظہم۔ ان کا سایہ ہمیشہ رہے یا نہ ظلمہ ان کا سایہ دراز ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت صاحبِ دن رات دھوپ و آگ میں اچھتے ہیں۔ اور ان کا سایہ پڑتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی ہر بانی رحمت پناہ ہمیشہ رہے۔ حدیث پاک میں ہے۔

عجز وانكسار والا عادل ياد ثمان الله
کا سایہ ہے۔

السَّاطِئَاتُ الْعَادِلُ الْمُتَوَاضِعُ ظِلُّ اللَّهِ
(جامع صغیر جلد دوم ص ۳۱)

نیز حدیث پاک میں ہے :

سات آدمی ہیں کہ اللہ انہیں اپنے
عرش کے سایہ میں رکھے گا۔

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ تَحْتَ
ظِلِّ عَرْشِهِ۔

دیکھو نہ خدا تعالیٰ جسم کثیف ہے کہ اس کا سایہ ہونے عرشِ عظیم سایہ دار جسم ہے یہاں دونوں جگہ سایہ سے مراد رحمت اور پناہ ہے نیز حدیث پاک میں ہے۔

جنت میں ایک درخت ہے جس
کے سایہ میں سوار سو برس چلے۔ تو
اسے طے نہ کر سکے۔

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجْرًا تَسِيرُ
الرَّكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ
لَا يَعْطُهَا۔ (باب صفة الجنة مسلم بخاری)

دیکھو جنت میں نہ دھوپ ہے نہ چاندنی۔ پھر طوبیٰ درخت کے سایہ کے کیا معنی وہاں بھی سایہ سے مراد پناہ یا اس کے نیچے ہونا ہے۔ تمہاری پیش کردہ حدیث میں اگر سایہ سے مراد بہ سایہ معروف ہو تو یہ حدیث ہماری پیش کردہ حدیث ذکوان کے بھی خلاف ہوگی اور ان آیات قرآنیہ کے بھی خلاف جو پہلے باب میں عرض کی گئیں۔
دوسرا اعتراض :

قرآن کریم میں رب تعالیٰ فرماتا ہے : يَنْفِيَا ظِلَالًا عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ۔
اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہر چیز خور بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے اور اس کا

سایہ بھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہو تو حضور دوسری مخلوق کے مقابلے میں کم عابد ہوں گے۔ تمام مخلوق کے دو سجدے حضور کا صرف ایک سجدہ۔ لہذا حضور کا سایہ ہونا تا کہ حضور انور کی عبادت بھی دو طرح کی ہو۔

جواب : اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا

تحقیقی۔

جواب الزامی تو یہ ہے کہ آپ کے اس سوال سے لازم آتا ہے۔ کہ جب کوئی دیوبندی صاحب سایہ میں نماز پڑھ رہے ہوں جہاں مولوی صاحب کا سایہ نہ پڑ رہا ہو۔ اور اس وقت کوئی جانور دھوپ میں کھڑا ہو تو جس کا سایہ پڑ رہا ہو۔ تو اسی وقت مولوی صاحب سے وہ جانور افضل ہو جاوے۔ کہ مولوی صاحب تو صرف اپنے آپ ہی سجدہ کر رہے ہیں سایہ نہیں کر رہا۔ اور وہ جانور بھی سجدہ کر رہا ہے۔ اس کا سایہ بھی جو تم اپنے متعلق دیاں جواب دو گے وہ ہی یہاں جواب دے لینا۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سجدہ تمام دنیا کی تمام عمر کی عبادات سے افضل ہے۔ جب حضور کے صحابی کا سوا سیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونا خیرات سے افضل ہوا تو حضور کی عبادات کا کیا پوچھنا ہے۔ کوئی چیز سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار حضور کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔

مولوی صاحب! آیتہ آپ اور آپ کی جماعت ہمیشہ دھوپ میں ہی نمازیں پڑھا کریں۔ تاکہ ڈبل سجدہ ہوا کرے آپ کا اور آپ کے سایہ کا بھی۔

تیسرا اعتراض

رب تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ | فرما دو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔

جب یہ حکم قرآنی حضور ہم جیسے ہیں اور ہم تو بے سایہ نہیں۔ بلکہ سایہ دار ہیں تو چاہیے کہ حضور بھی بے سایہ نہ ہوں۔ سایہ دار ہوں ورنہ مشککہ کا ظہور نہ ہوا۔

جواب : اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک التزامی دوسرا تحقیقی۔

جواب التزامی تو یہ ہے کہ پھر تو یوں کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے بشر ہیں اور ہم تو نہ نبی ہیں نہ رسول نہ شفیع المذنبین نہ رحمۃ اللعالمین تو نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ نبی نہ رسول نہ کسی اور صفت عالیہ سے موصوف ہوں۔ بشر مشککہ کی ای تفسیر سے نبوت و رسالت وغیرہ ہی کا انکار ہو گیا۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں مشابہت صرف اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے بندوں کی طرح نہ خدا ہیں۔ نہ خدا کی اولاد نہ خدا کے رشتہ دار بھائی وغیرہ اللہ کے خالص بندے ہیں آپ میں اولویت کا ثنائہ بھی نہیں۔

مخالفین کے پاس سایہ ہونے پر کوئی قوی دلیل نہیں۔ صرف عناد و ضد سے انکار کرتے ہیں۔ یوں ہی واہیات شبہات کو دلائل سمجھے بیٹھے ہیں۔ ہم نے تو اسی قدر آیات قرآنیہ احادیث نبویہ اقوال بزرگان دین عقلی دلائل تمہارے بزرگوں کے اقوال پیش کر دیئے۔ تم بھی سایہ ہونے پر کوئی آئینہ یا حدیث یا صحابی کا فرمان ہی پیش کرو۔ اگر نہیں پیش کر سکتے تو آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خداداد معجزے اور کمال کا کیوں انکار کرتے ہو۔ افسوس ہے کہ دوسری قومیں اپنے بزرگوں کے جھوٹے کمالات کے ڈھنڈوسے پیلتے ہیں اور تم اپنے رسول کے سچے کمالات ماننے کو تیار نہیں۔ اگر اس قسم کے لاکھوں کمالات رب تعالیٰ نے حضور کو دے دیئے۔

تو تمہارا کیا بگڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ وہ آنکھ عطا فرماوے جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات دیکھے۔ آمین !

آنکھ والا تیرے جلووں کا تماشا دیکھے !
دبیدہ کور کیا آئے نظر کیا دیکھے

دوستو! یہ ظاہری آنکھیں ظاہری سُرمہ سے تیز ہوتی ہیں۔ مگر دل کی آنکھ خاکِ درِ اولیاء سے منور ہوتی ہے۔ کسی بزرگ کے آئینہ کی خاکِ دل کی آنکھ پر ملو۔ تاکہ بصیرت تیز ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل نے صرف بصارت سے دیکھا۔ کافر ہی رہا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بصیرت سے بھی دیکھا۔ مومن صحابی ہوئے۔

سُرمہ کن در چشم خاکِ اولیاء
تا بہ بینی نہ ابتدا تا انتہاء



بکتابت
سید فضل شاہ انور قلم کار گجرات

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے جسم کا سایہ اس لئے نہ تھا کہ سایہ جسم سے لطیف ہوتا ہے۔ جیسے کہ دیوار درخت وغیرہ جسم کثیف اور ان کا سایہ لطیف ہوتا ہے۔ کائنات میں جسم پاک منصفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر آپ کا سایہ ہوتا تو آپ سے زیادہ لطیف ہوتا اور آپ کی صفتِ لطافت میں کمی ہو جاتی۔ حالانکہ آپ اپنی تمام صفات میں اکمل ترین ہیں۔ یہ تقابل رب العالمین کو پسند نہ تھا۔

سایہ پسند آیا نہ پروردگار کو !

بے سایہ کر دیا اس سایہ دیوار کو

آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بے سایہ ہونے کے اتنے دلائل و احوال ہیں۔ کہ اگر اس کو اجتماعی مسئلہ کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ نہ معلوم منکرین کو اس کے تسلیم کرنے میں کیا عذر درپیش ہے۔ یہ کوئی اچھے کی بات نہیں۔ نہ ہی بے سایہ ہونا نشان الوہیت ہے جو یہ عقیدہ شرک ہوتا۔ دنیا میں کروڑوں اشیا بے سایہ ہیں وہاں ان کو مانتے ہیں کوئی رکاوٹ نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورِ عَرْشِهِ وَرِزْوَانِهِ

عَرْشِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ

وَبَارِكْ وَسَلِّمْ



وَصَلَّىٰ عَلَيْنَا تَعَالَىٰ عَلَىٰ خَيْرِ خَلْقٍ مَا خَلَقَ نُوْرٌ عَرِشِيٍّ مَسِيْنًا مَحْمُودًا
المراد اصحابنا جمعنا جمعنا هو ارحم الراحمين



قصیدہ نور

از اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

صبحِ طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
بارھویں کہ چاند کا مجرا سے سجدہ نور کا
آئی بدعت چھانی ظلمت رنگ بدلا نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو کھڑا نور کا
بیرے ہی ماتھے رہا لے جان سہرا نور کا
پس گدا تو بادشاہ بھرے پیالہ نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عم سامہ نور کا
بیرے آگے خاک پر جھکتے ماتھا نور کا
پڑتی ہے نوری بھرن اٹھا ہے دریا نور کا
ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
مست بوہیں بلبلیں پڑستی ہیں گلہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک نشا نور کا
ماہِ سنت ہر طلعت لے لے بدلا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا ستارا نور کا
نوردن دونا تیرا سے ڈال صدقہ نور کا
سہر جھکانے ہیں الہی بول بالا نور کا
نور نے پایا تیرے سجدے سے سیما نور کا
سہر جھکا لے کشت کفر آتا ہے پیلہ نور کا
تم کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرا نا نور کا
اے رضایہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہو گئی تیری مغزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

سلطنتِ مصطفیٰ

وَسَلَّمَ
عَلَيْهَا
صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهَا

در

مملکتِ کبریا جل و علا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ مُحَمَّدٍ نَالِ الْمُصْطَفَى
وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَزْوَاجٍ الصِّدِّيقِ وَالصَّفَاءِ

دنیاوی بادشاہ اپنے درباروں کے آداب اور ان میں حاضری دینے کے ذرائع خود
بناتے ہیں اور اپنے مقررہ حاکموں کے ذریعہ رعایا سے ان پر عمل کراتے ہیں کہ جب تمہارے
دربار میں آؤ تو اس طرح کھڑے ہو۔ اس طرح بات کرو۔ اس طرح سلاشی دو پھر جو
کوئی آداب بجالاتا ہے اس کو انعام دیتے ہیں۔ جو اس کے خلاف کرتا ہے بادشاہ کی طرف
سے سزا پاتا ہے۔ پھر ان کے یہ سارے قاعدے صرف انسانوں پر ہی جاری ہوتے ہیں
جن فرشتے حیوانات وغیرہ کو ان سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان پر ان کی کوئی سلطنت
نہیں تو پھر یہ سارے آداب اس وقت تک رہتے ہیں جب تک بادشاہ زندہ ہے۔
اس کی آنکھ بند ہوئی وہ دربار بھی ختم۔ سارے آداب بھی فنا۔ اب تیار دربار ہے نئے
مہر کہ آمد عمارت نو ساخت رفت و منزل بہ دیگرے پرداخت
لیکن اس آسمان کے نیچے ایک ایسا دربار بھی ہے جس کے آداب اور جس میں حاضر ہونے

کے قاعدے سلام و کلام کرنے کے طریقے خود رب تعالیٰ نے بنائے۔ اپنی خلقت کو بتائے کہ اے میرے بندو! جب اس دربار میں آؤ تو ایسے ایسے آداب کا خیال رکھنا اور خود فرمایا کہ اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو تم کو سخت سزا دی جائے گی۔ پھر لطف یہ ہے کہ اب وہ شاہی دربار ہماری آنکھوں سے چھپ گیا۔ اس کی چہل پھل ہماری نگاہوں سے غائب بھی ہو گئی اس شہنشاہ نے ہم سے پردہ بھی فرمایا۔ مگر اس کے آداب اب تک وہی باقی۔ اس کا طمطراق اسی طرح برقرار ہے۔ اس دربار کے قوانین لفظ انسانوں ہی پر جاری نہیں بلکہ وسعت سلطنت کا یہ حال ہے کہ فرشتے بغیر اجازت وہاں حاضر نہ ہو سکیں۔ جنات جھپکتے ہوئے حاضر ہوں۔ جانور سجدے کریں۔ بے جان کتکرا اور درخت کلمے پڑھیں اور اشارہ پر گھومیں۔ چاند۔ سورج اشاروں پر چلیں۔ اس کے اشارے ابرو سے بادل آ کر برسیں اور دوسرا اشارہ پا کر بادل پھٹ جائیں۔ غرضیکہ ہر عرشی قرشی اس قابہ حکومت کے بندہ بے زر۔ مسلمانوں! معلوم ہے وہ دربار کس کا ہے؟ وہ دونوں جہاں کے مختار حبیب کردگار۔ کونین کے شہنشاہ، دارین کے مالک و مولیٰ، شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے۔ دوستو! آؤ ہم تم کو قرآن کی سیر کرائیں۔ اور دکھائیں کہ اس نے اس سچے شہنشاہ کونین کے دولہا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے کیا ادب سکھائے۔

کچھ لوگ زمانہ رسالت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی قربانی کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ رمضان سے پیشتر روزے رکھنا شروع کر دیتے ہیں تو اب فرماتا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱۵ اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سنتا ہے جانتا ہے۔ اس آیت نے ادب سکھایا کہ کوئی مسلمان اللہ کے حبیب علیہ السلام سے کلام میں چلنے میں غرض کسی بات میں حضور سے آگے نہ ہو۔ حتیٰ کہ راستے میں اگر حضور کے ساتھ جا رہا ہے تو آگے نہ چلے۔ ایک صحابی ہیں جن کا نام ہے حضرت قیس ابن شحاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو اونچا سننے کی بیماری تھی۔ جب بارگاہ

رسالت میں حاضر ہوتے تو بات کرتے ہیں آواز اونچی ہو جاتی۔ بھلا رب کو یہ کب منظور تھا کہ کوئی میرے جیب کے حضور میں بلند آواز سے بولے۔ ارشاد فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ

اے ایمان والو! نبی علیہ السلام کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ چلاتے ہو کہ میں تمہارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ سبحان اللہ کیسا ادب سکھایا۔ کہ اس بارگاہ میں حاضری دینے والوں کو زور سے بولنے کی بھی اجازت نہیں۔

حضرت قیس ابن شحاس اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بوجہ خوف بارگاہ نبوت حاضر نہ ہوئے۔ سرکار نے ایک روز دریافت فرمایا۔ کہ کچھ روز سے قیس نہیں آتے لوگوں نے حضرت قیس کے گھر جا کر غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ فرمانے لگے میں جہنمی ہو گیا۔ کیونکہ میری آواز اونچی ہے۔ اور آیت کریمہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

یہ ماجرا بارگاہ رسالت میں عرض کیا گیا۔ تو فرمایا کہ وہ جنتی ہیں یعنی اب تک جو ہو گیا وہ معاف ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر و عمر و بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس قدر آہستہ آواز سے کچھ عرض کرتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کئی کئی بار پوچھتے تھے کہ کیا کہتے ہو ان کے حق میں یہ آیت کریمہ آئی۔ اَنَّ الَّذِينَ يَعْصُونَ أَوْأَتَاهُمْ عِنْدَ مَا سَوَّلَ اللَّهُ أَوْلِيَاءَ الَّذِينَ أَمْنَحْنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلنَّفُوسِ لَهُمْ مَعْنَرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ وہ بے شک وہ لوگ جو رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں اُپر کرتے ہیں یہ وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا۔ ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے سبحان اللہ معلوم ہوا کہ یہ وہ دربار ہے جہاں کسی کو سر اونچا کرنے کی ہمت نہیں ہے

اونچے اونچے یہاں جھکتے ہیں
سارے انہیں کا منہ ٹکتے ہیں

تقبیہ نبی تمیم کے کچھ لوگ دوپہر کے وقت بارگاہ رسالت میں پہنچے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں آرام فرما رہے تھے۔ ان لوگوں نے حجرے شریف کے باہر سے پکارنا شروع کر دیا۔ رب تعالیٰ کو پسند نہ ہوا کہ کوئی اس دولہا کو پکار کر بلائے جس کے گھر میں حضرت جبریل بے اجازت نہیں جاسکتے۔ فوراً آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ دُورٍ الْجُبُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۱۵۔ پیارے وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

اب رب تعالیٰ ادب سکھاتا ہے۔ وَكُوْنَالْهُدٰى صَبْرًا وَرَاحَتًا تَخْرُجُ اِلَيْهِمْ لَکَانَ خَبْرًا لِّهٖرَدَالِیْهِ غَفُوْرًا مَّرْحِیْمًا ۵ اور اگر یہ لوگ اتنا صبر کرتے کہ آپ ان کے پاس خود تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ادب سکھایا کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت آئے کہ میرے محبوب علیہ السلام دولت خانہ میں ہیں تو ان کو آواز دے کہ نہ بلاؤ بلکہ تشریف آوری کا انتظار کرو۔ جب وہ نازنین سلطان خود تشریف لائیں تب عرض و معروض کرو۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے نکاح کیا۔ ولیمہ کی عام دعوت فرمائی۔ عام مسلمان جماعتیں بنانے تھے اور کھاتے پیتے تھے آخر میں تین صاحب کھانے سے فارغ ہو کر اس ہی جگہ بیٹھ گئے تھے اور ان کی بات کا کچھ اسیا سلسلہ درازہ ہوا وہ بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ مکان تنگ تھا ان کے بیٹھنے سے حضور کو کچھ دشواری محسوس ہوئی مگر کرم کریمانہ کی وجہ سے ان سے نہ سنبھایا کہ چلے جاؤ۔

ان حضرات کو یہ محسوس نہ ہوا بھلا رب تعالیٰ کو یہ کب پسند تھا کہ کوئی زیادہ بیٹھ کر بلال کا سبب بنے بہت کریمہ انری۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بَیۡتَ النَّبِیِّۤیۡ اِلَّا اَنْ یُّوْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ خَیْرًا فَاَطْرِیۡنَ اِیَّاهُ وَلٰیۡکِنْ اِذَا دُعِیۡتُمْ فَاَدْخُلُوْا وَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانۡشُرُوْا وَلَا مَسۡتَاسِیۡنَ لِجَدِیۡتِ۔ اسے

ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک کھانا کھانے کے لیے بلائے نہ جاؤ نہ اس طرح کرو کھانا پکنے کا انتظار کرو ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو جاؤ اور جب کھا چکو تو چلے جاؤ بلٹھ کر باتوں سے دل نہ بہلاؤ۔

اس سے معلوم ہوا بارگاہِ نبوت میں دعوت کھانے کے آداب یہ ہیں کہ کھانا پکنے سے پہلے وہاں نہ پہنچو اور کھانا کھا کر پھر وہاں نہ بیٹھو کیوں؟ اس کی وجہ قرآن بیان فرما رہا ہے۔ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْتٰى النَّبِيَّ فَلَيْسَ تَحِيٌّ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ كَايَسَّ تَحِيٍّ مِّنَ الْحَقِّ تَمَارَے اس فعل سے میرے نبی کو ایذا ہوتی تھی۔ لیکن وہ غیرت والے محبوب تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرمانا۔

صحابہ کرام کا یہ طریقہ تھا کہ اگر محبوب علیہ السلام کے کسی لفظ کو نہ سمجھ سکتے۔ تو عرض کرتے رَاعِنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ يَا حَبِيبَ اللّٰهِ ہمارا لحاظ فرما دیجئے۔ یعنی اس لفظ کو دوبارہ فرما دیجئے۔ تاکہ ہم سمجھ لیں۔ لفظ راعنا یہود کی زبان میں گستاخی کا لفظ تھا۔ انہوں نے یہی لفظ دوسرے معنی کی نیت سے بولنا شروع کر دیا۔ اور دل میں خوش ہوئے کہ ہم کو بارگاہِ رسالت میں بکو اس بکنے کا موقع مل گیا۔ وہ بھیدوں کا جاننے والا اور نیتوں سے واقف رب ہے اس کو یہ کیسے پسند ہو سکتا تھا کہ کسی کو میرے محبوب کی جناب میں گستاخی کا موقع ملے آیت کریمہ آئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ اے ایمان والو! راعنا نہ کہنا بلکہ یوں عرض کر لیا کرو کہ اُنظُرْنَا یعنی رسول اللہ ہم پر نظر رکھیں اور کافروں کو دردناک عذاب ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ بارگاہِ ایسے ادب کی جگہ ہے جہاں ایسے لفظ بولنے کی بھی گنجائش نہیں جس سے کسی دشمن کو بدگوئی کا موقع مل جائے۔ ایک زمانہ میں ایسا اتفاق ہوا کہ مالدار مسلمان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی گفتگو کا سلسلہ اتنا دراز کرتے تھے کہ فقراء مسلمین کو کچھ عرض کرنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا تو آیت اتری

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ نَا جَيْئُكَمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْكُمْ

صَدَقَةٌ طے ایمان والو! جب تم اللہ کے رسول سے کچھ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ لے لیا کرو سبحان اللہ! اگر رب سے عرض و معروض کرنا ہو یعنی نماز پڑھنا ہو تو وضو کرنا کافی ہے مگر رب کے محبوب علیہ السلام سے عرض کرنا ہو تو پہلے صدقہ و خیرات کرو اس سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ پابندی لگانے سے غریب مسلمانوں کو بھی بارگاہ میں کچھ عرض کرنے کا موقع مل جائے گا۔ دوسرے یہ کہ دل میں اس بارگاہ کا ادب بیٹھ جائے گا جو چیز کچھ خرچ اور محنت سے حاصل ہو اس کی وقعت ہوتی ہے اگرچہ یہ آیت کریمہ بعد کو منسوخ ہو گئی مگر بارگاہ رسالت کی شان کا پتہ لگ ہی گیا۔ اپنے محبوب کو مکہ معظمہ میں نہ رکھا بلکہ وہاں سے تین سو میل کے فاصلہ پر مدینہ منورہ میں رکھانا کہ کوئی شخص حج کے طفیل زیارت نہ کرے بلکہ زیارت پاک کے لئے علیحدہ سفر کر کے حاضر ہونا کہ اس کو زیارت کی قدر ہو حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ إِيَّاهُ مِنَ الْبَيْتِ وَاللَّهُ وَالرَّسُولُ كَالْبَيْتِ حَاضِرًا

ہو جاؤ۔ آیت میں اس بارگاہ کا یہ ادب سکھایا کہ اسے حاضر ہتے والو! جس وقت تمہارے کان میں میرے محبوب کے بلانے کی آواز پہنچے تو تم جس حال میں بھی ہو فوراً حاضر ہو جاؤ۔

صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا اگر اس کی کچھ تفصیل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب ”نشانِ حبیب الرحمن“ کا مطالعہ کرو جس میں بتایا گیا ہے کہ کوئی صحابی نماز میں ہوتے اور حضور علیہ السلام ان کو پکارتے تو وہ نماز چھوڑ کر حاضر ہو جاتے تھے حتیٰ کہ ایک صحابی اپنی بیوی سے ہمبستری کر رہے تھے کہ انھوں نے حضور کا پکارنا سنا بغیر فراغت علیحدہ ہو گئے اور حاضر خدمت ہوئے ایسے بہت سے واقعات ہیں۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فرسوع ہیں

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

یہ چند آیات بطور نمونہ پیش کی گئیں جس میں بارگاہ عالی کے ادب سکھائے گئے

ہیں۔ اگر زیادہ تفصیل کی جائے تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں۔ اب یہ بھی قرآن ہی سے پوچھ لو۔ کہ باادب اور خوش نصیب لوگوں پر حق تعالیٰ کے کیسے انعام ہوئے وہ گزشتہ آیات میں ضمناً معلوم ہو گئے کہ ان کو تقویٰ کا ثمنہ دیا گیا اور مغفرت اور بڑے بڑے اجر کی خوش خبری دی گئی کہیں فرمایا گیا کہ خدا ان سے راضی وہ خدا سے راضی۔ غرض ان کی تعریف سے قرآن پُر ہے۔ بے ادبوں پر جو غضب الہی آیا اس کی بہت تفصیل نہیں کرتا صرف دو واقعے سناتا ہوں۔

ولید ابن معیرہ کا زنیہ ایک بار بکا تھا آپ مجنون یعنی دیوانہ ہیں۔ اس کی اس گستاخی سے دل مبارک کو صدمہ پہنچا۔ پھر کیا تھا غضبِ الہی کا دریا جوش میں آ گیا۔ سورہ قلم شریف میں اولاً تو اپنے محبوب کو ان کے فضائل اور خوبیاں سنا کر خوش کیا گیا۔ کہ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ كَمَا جُنُونَ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَكْنُونٍ ۝ دَانِكَ لَعَلِّي خُلِقَ عَظِيمٌ ۝ اے پیارے تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔ تمہارے لئے تو بے انتہا ثواب ہے اور بیشک تم بڑے ہی اخلاق والے ہو یعنی اے محبوب علیہ السلام اس کو بکنے دو۔ وہ کچھ بھی بکتا پھرے ہم تو تمہاری ایسی خوبیاں بیان فرما رہے ہیں۔ اس کی نہ سنو اپنے رب کی سنو۔ اب اس گستاخی پر توجہ غضب ہوتی ہے اس کے دس عیب ارشاد فرمائے گئے۔ وَلَا تَطْعُ كُلَّ حَاذٍ مَّهِينٍ هَمَّا ذُو مَنَشَاءِ بِمِيمٍ ۝ مَنَاعٍ لِلْغَيْرِ مَعْتَدٍ اَشْجَمٍ عَمَلٌ بَعْدَ ذَلِكَ رَنِيمٍ ۝ اے محبوب ایسے کی بات نہ سنو جو جھوٹی قسمیں کھانے والا، ذلیل، خوار، طعنہ باز، بڑا چغل خور، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، سخت گنہ گار، سخت دل۔ اس پر طرہ یہ کہ حرام کا بچہ ہے۔ جب ولید نے یہ آیت سنی تو اپنی ماں کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو میرے دل میں عیب فرمائے ہیں ان میں سے تو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں واقعی وہ عیب ہیں۔ مگر یہ تو بتا کہ میں حرامی ہوں یا حلالی؟ سچ بولتا۔ ورنہ تیری گردن مار دوں گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات جھوٹی نہیں ہوتی۔ اس پر اس کی ماں نے کہا کہ واقعی تو ہے تو حرامی۔ تیرا باپ نامرد اور بہت مالدار تھا مجھے

اندیشہ ہوا کہ میرے کوئی اولاد نہ ہوئی تو میرا مال غیر لے جائیں گے تو میں نے ایک چڑ ہے سے زنا کر دیا تو اس کا لطفہ ہے اس میں یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ جو شقی حضور علیہ السلام کی توہین کو اپنا پیشہ بنا لے اس کی اصل میں خطا ہوتی ہے ایسے بدگویوں کو چاہیے کہ اپنے لطفہ کی تحقیق کریں۔ پھر ارشاد ہوا سَنَسِمُهُ عَلَى الْخَطُومِ وَهَمَّ اس کی سوراکی سے تھو تھنی پر داغ لگا دیں گے یعنی اس کا چہرہ بگاڑ دیں گے۔ کہ اس کی بد باطنی چہرے سے نمودار ہوگی آخرت میں تو جو ہوگا وہ ہوگا دنیا میں بھی ولید کی شکل بگڑ گئی (خزائن و جلالین وغیرہ) اب بھی حضور کے گستاخوں کے چہروں پر ایمانی رونق نہیں ہوتی۔ بعض گستاخوں کے منہ پر کھیاں بھنکتی اور آخرت میں شکل بگڑتی دیکھی گئی نعوذ باللہ منہ۔

ایک بار ابولہب گستاخ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا۔ کہ تمہارا ہاتھ ٹوٹ جائے غضبِ الہی کا دریا جوش میں آیا اور ارشاد ہوا تَبَّتْ يَدَايِي لَهَبٍ وَ تَبَّ مَا عَنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَ مَا كَسَبَ ۗ سَيَصْلِيٰٓ نَاسًا اِذَا تَلَهَبَ وَ اَمْرًا نَّهَ حَمَالَةَ الْحَطَبِ فِي جَبَدٍ هَابِلٍ ۗ مِّنْ مَّصَدٍ ۗ ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں رٹوٹ جائیں اور وہ تباہ ہو بھی گیا۔ اس کو اپنا مال اور کمائی کچھ کام بھی نہ آئی۔ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں وہ بھی اور اس کی جو رو بھی پہنچیں گے۔ جو لکڑیاں کا بوجھ سر پر اٹھاتی ہے۔ اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسا ہے معلوم ہوا کہ اس بد نصیب نے ایک بدگونی کی اس کے جواب میں اس کو اور اس کی جو رو ام جمیل کو جو کچھ ستایا گیا۔ وہ معلوم ہو ہی گیا بلکہ بعد کو اس کی عورت اسی طرح مری کہ وہ حضور کی اینداز سانی کے لئے خود اپنے سر پر کانٹوں کا بوجھ لاد کر لاتی اور حضور کے راستے میں ڈالا کرتی تھی ایک دن کانٹوں کا بوجھ لا رہی تھی کہ تھک کر آرام کے لئے ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ ایک فرشتے نے اس کے پیچھے سے اس کا بوجھ کھینچا وہ گرا اور اس کی رسی سے ام جمیل کے گلے میں پھانسی لگ گئی اور مر گئی۔

اب نہ وہ ولید رہا نہ ابولسب نگر اس پیرات دن مشرق و مغرب میں لعنت پڑ رہی ہے کہ نمازی نماز میں قرآن پڑھنے والا تلاوت میں ان القاب سے ان کی تواضع کر رہے ہیں۔

ایک لطف اور ہے وہ یہ کہ اب ظاہری آنکھوں میں وہ دربار نہیں نہ وہ دعوت ولیمہ کی دھوم دھام ہے نہ وہ آواز مبارک کے نغمے۔ ہمارے نصیب کہاں تھے کہ ان مجلسوں کا نظارہ کرتے اور اپنے کانوں سے وہ خدا بھائی آواز سنتے سے جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لہٹ کے قدموں لینے اترن مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے ! لیکن اس بزم کے آداب اسی طرح لوگوں کے سامنے ہیں کہ سے ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

اگر لجد والوں کو وہ باتیں دیکھتا میسر نہ ہوئیں تو کم سے کم سن کر ایمان لائیں اور وجد میں آکر ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر پڑھ کر لطف حاصل کریں سے
ادب کا ہیست زبیر آسماں از عرش نازک تر ؛
نفس گم کردہ می آیزب سید و با نیزید این جا

انہیں کے رب کی قسم اس دربار کا نکالا ہوا کہیں بھی پتاہ نہیں پاتا۔ دنیا کے بادشاہوں کے مجرم مرکر حاکم کے عتاب سے چھوٹ جاتے ہیں مگر ان کا مجرم نہ زندگی میں عزت پائے نہ قبر میں چین نہ حشر میں آرام اور اس بارگاہ کا مقبول ہر جگہ عزت پاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے خوب لکھا ہے سے

تو جو لکارے آتا ہوا اٹھا پھر جائے تو جو چکارے لے ہر پھر کے ہو تیرا تیرا
دل پہ کتدہ ہو زانام کہ وہ دزور رحیم اٹھے ہی پاؤں پھر سے دیکھ کے طغرائے تیرا
بخاری جلد اول کتاب المناقب میں ہے کہ ایک شخص کاتب وحی تھا کہ وحی لکھنے کی خدمت اس کے سپرد تھی کچھ ایسی پھٹکار پڑی کہ وہ مرتد ہو گیا اور حضور علیہ السلام کو عیب لگانے لگا جب وہ مر گیا اور اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے اسے اپنے اندر سے

باہر نکال پھینکا دوست سمجھے کہ شاید اصحاب رسول اللہ نے اس کو نکال دیا ہے اور زیادہ گہرا گڑھا کر کے دفن کیا۔ مگر زمین نے پھر بھی قبول نہ کیا نکال کر پھینک دیا۔ غرض کئی بار دفن کیا مگر لعش باہر آگئی تو معلوم ہوا کہ یہ بارگاہِ مصطفیٰ کا نکالا ہوا ہے اس کو کوئی بھی قبول نہ کرے گا۔ اسی طرح مدارج النبوة میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ و کلثوم ابولہب کے دو بیٹیوں یعنی عتبہ و عتیبہ کے نکاح میں تھیں کیونکہ اس وقت تک مشرکین سے نکاح حرام نہ ہوا تھا جب سورہ تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے ان دونوں بیٹیوں سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دیدور نہ میں تم کو اپنی میراث سے محروم کر دوں گا چنانچہ عتیبہ نے تو بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر معذرت کر کے طلاق دی اور عتیبہ نے گستاخی سے طلاق دی۔ اللہ کے محبوب نے فرمایا کہ اے اللہ اپنے کسی کئے کو مقرر فرما جو اس کو سزا دے عتبہ یہ سن کر کانپ گیا آکر ابولہب سے کہا۔ ابولہب بولا اب میرے بیٹے عتبہ کی خیر نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا اس کے پیچھے پڑ گئی۔ ہر طرح اسکی نگرانی رکھنے لگا۔ یہ ہی عتبہ ایک بار تجارتی قافلہ کا سردار ہو کر شام کو چلا۔ ابولہب نے اپنے غلاموں کو وصیت کی کہ عتبہ کو اپنے بیچ میں سلایا کریں۔ ایک جگہ رات کو قافلے والے سو رہے تھے کہ جھاڑی سے ایک شیر نکلا ہر ایک کا منہ سونگھتا پھر اسب کو سونگھ کر چھوڑ دیا مگر عتبہ کا منہ سونگھ کر اس کو پھاڑ ڈالا۔ معلوم ہوا کہ اس بارگاہ میں بے ادبی کرنے والوں کے منہ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ جس کو جانور معلوم کر لیتے ہیں کہ گستاخ کا منہ یہ ہے۔

اب مقبولین بارگاہ کا حال بھی سنتے چلو۔ حضرت عقیقہ جو حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام تھے ایک بار کفار کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے کچھ روز بعد انہیں خبر ملی کہ لشکر اسلام اس علاقہ میں آیا ہوا ہے رات کو موقع پا کر حبیل خانہ سے نکل بھاگے۔ دوڑے جارہے تھے کہ اچانک جھاڑی سے ایک شیر نکلا۔ آپ نے اس سے کہا کہ اے شیر میں رسول اللہ کا غلام ہوں۔ راہ بھولا ہوا ہوں یہ سن کر

شیرِ دم ہلاتا ہوا آگے آگے ہولیا اور آستہ دکھا کر بلکہ لشکر تک پہنچا کر واپس ہوا۔
(دیکھو مشکوٰۃ باب الکرامات)

یہ دو تین واقعات اہل ایمان کی عبرت کے لیے کافی ہیں۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ عظمتِ رسول کے گیت گایا کریں۔ اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیں اور وہاں عظیم علماء کو چاہیے کہ مسلمانوں کو یہ باتیں سکھائیں۔ یقین کرو کہ حضور علیہ السلام کی عزت میں اسلام کی عزت ہے۔ کیونکہ مکان کی عزت مکان والے کی عزت سے اور کام کی وقعت کام والے کی وقعت سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سمجھو کہ ایک جلسہ میں ہندو عیسائی بیوردی اور مسلمان جمع ہوں۔ ہندو اٹھ کر کہے میرا چپن دروہ قوت والا ہے جس نے سینا سے شادی کرنے کے لئے ایک بھاری کمان کو دو ٹکڑے کر دیا۔ عیسائی اٹھ کر کہے کہ میرے زہب کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ شان تھی کہ انہوں نے مردوں کو زندہ کر کے اپنا کلمہ پڑھوا لیا۔ بیوردی اٹھ کر کہے کہ میرے بانی زہب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ شان تھی کہ انہوں نے پتھر میں عصا مار کر پانی کے چشمے نکال دیئے۔ مگر آپ اٹھ کر رہ کہیں جو مولوی اسماعیل اور مولوی خلیل نے لکھا کہ میرے نبی تو بندہ مجبور تھے ان کو تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا وہ تو ذرہ ناچیز سے بھی کم تھے۔ ان کا علم تو شیطان اور ماک المرت کے علم سے بھی کم تھے تو بتاؤ کہ تم نے اسلام کی تعظیم کی یا توہین؟ وہ لوگ سن کر یہی کہیں گے کہ ایسے اسلام کو ہمارا دور ہی سے سلام ہے جس کے پیشوا کی مجبوری یا بے کسی کا یہ عالم ہو۔ ہاں اس موقع پر کوئی مجھ جیسا فقیر نیاز مند ہو وہ ٹرپ کر کے گا کہ اے ہندو! اگر رام چندر نے ایک بھاری کمان کو توڑ ڈالا ہے تو زرا میرے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد قدرت کو تو دیکھو کہ انہوں نے انگلی پاک کے اشارے سے پورے چاند کو توڑ کر دو کمانیں کر دیا۔ اور اے عیسائی! اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بے جان مردوں میں جان ڈالی تو میرے محبوب علیہ السلام کی خداداد قوت دیکھو کہ جنہوں نے سوکھی لکڑیاں اور جنگل کے رختوں اور کنکروں سے اپنا کلمہ پڑھوا لیا اور اے بیوردی! اگر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر میں سے پانی نکالا تو میرے مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشان بھی دیکھ جنہوں نے انگلیوں سے پانی کے چشمے نکال لیے۔
انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ!

غرضکہ اسلام کی شوکت دکھانے کے لئے بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شوکت دکھانا از بس ضروری ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانے کے بعض مسلم نامرتدین اس رمز کو نہ سمجھے۔ شیطان نے ان کو یہ بتایا کہ انبیاء کی عزت بیان کرنے سے خدا کی توہین ہوگی۔ ان عقلمندوں نے ابلیسیٰ توحید کو اسلامی توحید سمجھا کہ توحیدِ خدا کے لئے تو ہیں مصطفیٰ ضروری ہے۔ یہی تو ابلیس نے کہا تھا حالانکہ حضور علیہ السلام کی عظمت رب کی قدرت کا مظہر ہے۔ شاگرد کی قابلیت سے استاد کی قابلیت کا پتہ چلتا ہے اور چیز کے جمال سے بنانے والے کا کمال معلوم ہوتا ہے جب اللہ کے محبوب کی عظمت کا خیال ہوگا تو یہی کہنا پڑے گا کہ اے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب کی قدرت کے قریبان کہ جس نے ایسے کمال والے کو پیدا فرمایا۔

اس بات کا لحاظ رکھتے ہوئے فقیر نے ایک کتاب ”شان حبیب الرحمن از آیات القرآن“ اور ایک کتاب ”جاء الحق لکھی بفضلہ تعالیٰ وہ ملک میں ایسی مقبول ہوئیں کہ مجھے اس قدر امید بھی نہ تھی۔ ہندوستان کے ہر خطے میں پہنچی اور اہل سنت نے اپنی محبت کا اظہار کیا اور خوشنودی کے خطوط لکھے دعائیں دیں کسی دیوبندی یا وہابی کو اعتراض کرنے کی ہمت و جرأت نہ ہوئی۔ بلکہ خدا کے فضل سے بہت سے دیوبندی ان کتابوں کو دیکھ کر دیوبندیت سے توبہ کر کے مسلمان ہو گئے الحمد للہ علی ذلک لیکن بعض اہل سنت کا اصرار ہوا کہ جاء الحق میں تقریباً تمام مسائل تو آگئے مگر تین مسئلے نہ آئے جن کی اس وقت ضرورت ہے۔ ایک تو سلطنتِ مصطفیٰ کیونکہ دیوبندی اور وہابی جہاں حضور کے تمام کمالات کے منکر ہیں وہاں اس کے بھی منکر ہیں اور قرآن شریف میں جو آیات بتوں کی مجبوری و مقہوری کے لیے آتی ہیں وہ

انبیاء پر چپ پاں کرتے ہیں اور بیت پرستوں کی آیات کو مسلمانوں کے لیے پڑھتے ہیں بلکہ ان کو سارے قرآن مجید میں صحت ہی آیت نظر آئی قُلِ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ دوسرے بیس رکعت تراویح۔ کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب نے اس پر جو کتاب لکھی المرامی لبعین اس سے اور مغالطہ پڑھتا ہے۔

تیسرے مسئلہ عصمتِ انبیاء کیونکہ کانپور سے ایک شخص برابر اس کے مخالف مضامین شائع کر رہا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ انبیاء کرام فعوذ باللہ گنہ گار بلکہ مشرک تھے بعد کو توبہ کی۔ میں نے ان مضامین کو اپنے رب کے کرم سے لکھ کر لیا مگر اس خیال میں رہا کہ جہاں الحق کے دُسرے ایڈیشن میں یہ مسائل بڑھا دیئے جائیں گے۔ لیکن میرے محترم دوست منشی احمد دین صاحب نے بہت زور دیا کہ سلطنتِ مصطفیٰ بہت جلد شائع کر دی جائے اس کی سخت ضرورت ہے اور بہت مانگ ہے لہذا نو کلاً علی اللہ اس کی تیاری کر دی۔ تیاری تو رہی مگر اپنی بے بسا عتی اور کم علمی پر نظر کرتے ہوئے ہمت ٹوٹی تھی لیکن اعلیٰ حضرت کے ان اشعار نے ہمت بندھا دی ہے

ٹوٹی اس بندھاتے یہ ہیں چھوٹی تھیں چلاتے یہ ہیں

ڈوبی ناؤ تراتے یہ ہیں ہلتی نیویں جساتے یہ ہیں

فیض جمیل خلیل سے پوچھو آگ میں باغ کھلاتے یہ ہیں

تو وہ کام میری طاقت سے ہوا اور نہ یہ میری قوت سے ہوگا بلکہ وہ محبوب جس چاہیں اپنا کام لے لیں

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بند پانک میں نبی کس کو بناؤں جو خفا تم ہو جاؤ

اس کتاب کا نام سلطنتِ مصطفیٰ درمکتب کبریٰ رکھتا ہوں اور اس کا بھی وہی طریقہ ہوگا جو جلالین

کا ہے کہ دو باب میں یہ مسئلہ بیان کیا جائے گا پہلے باب میں حضور علیہ السلام کی بادشاہی کا ثبوت

ہے دوسرے باب میں اس پر مخالفین کے اعتراضات و جوابات وہاں تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ وَهُوَ

حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۝

احمد یار خاں نعیمی انٹرنی او جھانوی

۲۲ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۶۲ھ

منتظم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات پنجاب

یومِ کبشینہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرکارِ ابدِ قرارِ صلی اللہ علیہ وسلم بحکم پروردگارِ کونین کے مالک و مختار ہیں زمان کے مالک آسمان کے مالک اپنے رب کی عطا سے جمیع کے مالک جہاں کے مالک رب کے احکام کے مالک انعام کے مالک ہے

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا !

دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ اختیار میں

جس کو چاہیں اپنے رب کی عطا سے عطا فرما دیں جس کو جس سے محروم کر دیں۔ اور جس کے لئے جو چاہیں حلال فرما دیں اور جو چاہیں حرام۔ غرضکہ دونوں جہاں کے شہنشاہِ کونین کے مالکِ دہمویٰ ہیں ہے

حکمِ نافذ ہے تبرا سیدت تری خامہ ترا

دم میں جو چاہے کرے ددر ہے شاہ تیرا

اس مضمون کو سن کر فیض اللہ تعالیٰ اہل سنت تو باغ باغ ہو جاتے ہیں اور ان کے ایمان تازہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہندو نہیں، عیسائی نہیں، دیگر کفار نہیں بلکہ مسلمانی کا دم بھرنے والے دیوبندی، دہلوی، جل کر خاک سیاہ ہو جاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ داتا سے اور بھنڈاری کا پیٹ پھٹے، بھلا کوئی ان عقلمندوں سے پوچھے رب دینے والا اس کے حبیب لینے والے تم جلنے والے کون ہے اب اولاً تو اپنے رب سے پوچھتا ہوں کہ مولانا ہے تو نے اپنے پیارے کو کیا دیا ہے پھر اس لینے والے محبوبِ علیہ السلام سے عرض کرتا ہوں کہ آقا تم نے اپنے سے کیا کیا لیا ہے نیز صحابہ کرام سے دریافت کرتا ہوں کہ اس عطا اور قبول کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ پھر ساری امت کے علماء سے دریافت کرتا ہوں کہ تمہارا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے پھر دیوبندیوں اور وہابیوں سے پوچھوں گا کہ تم بھی کچھ بولو۔ اس بارے میں کیا کہتے ہو۔ پھر عقلی دلائل قائم کروں گا۔ لہذا اس کتاب کے دو باب کرتا ہوں پہلے باب میں حضور علیہ السلام کی بادشاہی کا ثبوت اور دوسرے میں مخالفین کے سائے اعتراضات معہ جوابات

پہلے باب کی پانچ فصلیں ہیں۔ فصل اول میں حضور علیہ السلام کی سلطنت کا ثبوت قرآنی آیات سے دوسری فصل میں احادیث شریفہ سے تیسری فصل میں اقوال محدثین و مفسرین و علمائے امت سے چوتھی فصل میں مخالفین کے اقوال سے اس کی تائید و پانچویں فصل میں عقلی دلائل۔

نوٹ ضروری : حضور علیہ السلام کو دو جہاں ہونے کا نہ تو یہ مطلب ہے کہ رب تعالیٰ کسی چیز کا مالک نہ رہا اور نہ یہ مطلب کہ حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کی مثل مالک ہیں جس سے لازم آجائے کہ عالم کے دو مستقل مالک ہیں۔ بلکہ رب تعالیٰ کی ملکیت حقیقی قدیم اور ازلی وابدی ابدی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت عطائی اور حادثہ ہے جیسے دنیوی بادشاہ اپنی سلطنت کے مالک ہم لوگ اپنے گھر بار کے مالک ہیں حضرت سلیمان روئے زمین کے مالک ہوئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان چیزوں کا مالک نہ رہا بلکہ وہ حقیقی مالک ہے ہم مجازی اس کی ملکیت فانی ہے ہماری عطائی ہے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت خدا تعالیٰ کی نسبت سے ہے۔

پہلی فصل۔ قرآنی آیات بیان میں

وَمَا تَقْضُوا إِلَّا أَنْ أَعْتَبَهُمُ اللَّهُ وَرَسُوْلُهُمْ مِنْ قَضَائِهِمْ أَوْ نَبِيٍّ مِنْ بَرِّ لَكُمْ أَنْ كُو
اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا رہا (رکوع ۱۵) اس آیت سے معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو غنی اور مالدار فرماتے ہیں اور دوسروں کو غنی وہی کرے گا جو خود مالک ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ فضاہ کی ضمیر رسول کی طرف لوٹے کیونکہ یہی قریب ہے واللہ اعلم۔ سورۃ توبہ پ ۱۲ میں ارشاد ہوا۔

(۲) وَكَوْنَهُمْ رَضُوْا مَا أَثْبَهَ اللَّهُ وَرَسُوْلُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ط اور کیا اچھا ہونا اگر وہ اسی پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ اب ہمیں دے گا اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول اور ہمیں اللہ کی طرف رغبت ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا بھی ہے اور دیں گے

بھی اور دیتا و قیاس جس کے پاس خود بھی ہو حضور علیہ السلام کیا دیتے ہیں جو اللہ دیتا ہے۔
وہ حضور علیہ السلام دیتے ہیں کیونکہ اس آیت میں ایک دینے کو دو کی طرف نسبت کیا گیا
ہے یعنی اللہ سب کچھ دیتا ہے تو حضور بھی سب کچھ دیتے ہیں۔

(۱۳) اِنَّا اعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ اے محبوب علیہ السلام ہم نے آپ کو کوثرہ دیدیا۔ اس
آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو کوثرہ عطا فرمایا۔ کوثرہ سے مراد یا تو
حوض کوثرہ ہے یا بہت بھلائی یا بہت اُمت یا مقام محمود یا شفاعت کبریٰ یا بہت سے
معجزات یا زیادتی غلبہ یا ملکوں کی فتوحات یا ساری خلقت پر بزرگی یا عالم کثرت یعنی
اللہ کے ماسوا ساری مخلوقات کچھ بھی مراد ہو مگر معلوم ہوا کہ رب نے دیا اور بہت کچھ دیا۔
محبوب علیہ السلام نے لے لیا اور دینے والے سے لینے والے کا مالک ہونا لازم آیا۔ نیز
اَعْطَيْنَا مَاضِيًّا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عطا ہو چکی اور قبضہ دیا جا چکا۔ ثابت
ہوا کہ حضور مالک ہیں اور سائبہ کلیہ کی نقیض مؤیدہ جزئیہ ہے۔ لہذا تقویت الایمان کا یہ
کہنا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے ایک چیز کا بھی مالک و مختار نہیں اس ارشاد ربانی کے خلاف ہے۔
لطيفه : دنیا کی ساری نعمتوں کو رب تعالیٰ اقلیل فرماتا ہے یعنی بہت تھوڑی
مگر جو حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ وہ کثیر نہیں۔ اکثر نہیں بلکہ کوثرہ ہے۔ یعنی زیادہ نہیں
بلکہ بہت ہی زیادہ ہے دنیا تو میرے آقا کی ملکیت کا ایک کروڑواں حصہ بھی نہیں۔

(۱۴) اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ (بے شک) اے محبوب علیہ السلام ہم نے
تمہارے لئے روشن فتح فرمائی۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب نے حضور (علیہ السلام) کو فتح دی۔ اگر فتح سے
مراد ہو ملکوں کا فتح کرنا تو ظاہر ہے کہ فتح کرنے والا مفتوحہ ملک کا مالک ہوتا ہے۔
حضور کی باذتہابت ثابت ہوئی اور اگر فتح کا معنی ہے کھولنا تو آیت کا مطلب یہ ہے
کہ اے پیارے ہم نے تمہارے لیے بند دروازے کھول دیئے جس سے معلوم ہوا کہ جو
دروازے اوروں کے لئے بند تھے وہ حضور کے لئے کھول دیئے گئے اور جنت کا دروازہ
شفاعت کا دروازہ ہر نعمت کا دروازہ حضور کے لئے کھول دیا گیا۔

(۵) وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنِي (اے محبوب علیہ السلام) رب نے تم کو حاجتمند پایا۔ پس آپ کو غنی کر دیا۔

(۶) وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (اے محبوب علیہ السلام) تم کو تمہارا رب اتنا تک گا کہ پیائے تم راضی ہو جاؤ گے۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ رب نے ان کو اس قدر سے دیا کہ دونوں عالم سے وہ غنی ہو گئے اور وعدہ فرمایا گیا کہ اور بہت کچھ دیں گے۔ جب خدا سے چکا محبوب لے چکے تو ملکیت خود بخود ثابت ہو گئی پھر ان آیتوں میں یہ نہ فرمایا کہ کتنا دے کر غنی کر دیا اور کیا دے گا جس سے معلوم ہوا کہ سب کچھ دیا جا چکا اور دیا بھی جائے گا۔ جس قدر خلقت بڑھتی جائے گی عطا ہوتی جائے گی۔

(۷) وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (اے محبوب علیہ السلام) آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جو اقبال والا اور دولت مند ہو اس کو کہتے ہیں کہ فلاں پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اسی طرح رب فرما رہا ہے کہ اے محبوب آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ خیال رہے کہ رب نے ساری دنیا کو قبیل کہا یعنی تھوڑی ہے اور دنیا کے معنی یہی ادنیٰ (حقیر) چیز ہیں۔ رب نے ان پر عظیم (بڑا) فضل فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا تو ملکیت محبوب کا ایک کروڑ واں حصہ بھی نہیں۔ حضرت سلیمان کو ساری دنیا کی بادشاہت دی مگر رب نے ان کے متعلق یہ نہ فرمایا کہ ان پر بڑا فضل کیا جس سے معلوم ہوا کہ تخت و تاج سلیمان میرے آقا کی ملکیت اور سلطنت کا ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع ہے صلی اللہ علیہ وسلم اب یہ بھی ملاحظہ ہو کہ حضور مالک احکام ہیں اور کوئی عبادت بارگاہ الہی میں اس وقت تک قبول نہیں جب تک حضور علیہ السلام اس کو پسند نہ فرمائیں۔ اور حضور علیہ السلام حرام و حلال کے مالک و مختار ہیں۔ سنو رب فرما رہا ہے۔

(۸) خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ (اے محبوب ان کے مال میں سے صدقہ قبول فرما لو جس سے تم ان کو پاک و ستھرا فرما دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین

ہے۔ اس آیت کریمہ میں محبوب علیہ السلام کو وہ حکم دینے جا رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو نوبہ کرنے والے صحابہ کرام اپنے مال کا صدقہ آپ کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں اس کو قبول فرما لو اور ان کو پاک فرما دو۔ دوسرے یہ کہ ان کے لئے دعا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ جو عبادت ہے اس وقت قابل قبول ہے جب کہ حضور علیہ السلام قبول فرمائیں۔ اگر یہ پابندی نہ ہوتی صحابہ کرام کسی کو بھی دے دیتے۔ دوسرے یہ کہ کوئی بھی صرف عبادت سے پاک نہ ہوگا۔ بلکہ پاکی تو حضور کے کرم سے ملے گی کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ اس صدقہ سے آپ ان کو پاک کر دو تبسیر ہے کہ رب تعالیٰ بغیر حضور کی شفاعت کے کسی کو کچھ بھی رحمت نہیں فرماتا۔ فرما رہا ہے ان کے لئے دعا کرو۔ وہ تو اس پر بھی قادر تھا کہ بغیر حضور کی دعا کے ان کو سب کچھ دیدے مگر نہیں دیتا جب محبوب سے کہلا لیتا ہے تب دیتا ہے۔ چوتھے یہ کہ صحابہ کرام کو اپنے اعمال پر چین نہیں آتا۔ جب تک ان اعمال کی رجسٹری حضور نہ فرمائیں۔ اسی لئے قرآن فرما رہا ہے کہ تمہاری دعا سے ان کے دلوں کو چین ہوگا۔

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے

حاشا غلط غلط یہ ہوں بے بصر کی ہے

(۹) وَيَجْرِمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (وہ نبی، لوگوں پر گندی چیزوں کو حرام

فرماتے ہیں۔

(۱۰) وَلَا يُجْرِمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ۔ اور کفار ان چیزوں کو حرام نہیں

مانتے جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام فرمائیں۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حرام فرمانے

کا اختیار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور مالک احکام ہیں۔ دیکھو کتا، گدھا، بلی وغیرہ

کی حرمت قرآن میں ہم کو نہیں ملتی احادیث یعنی حضور کے فرمان ہی سے ملتی ہے۔

(۱۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ

يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔ نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو یہ

حق ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کچھ فرمائیں تو انہیں اپنے معاملے کا کچھ اختیار رہے۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت زبیر بن عارضہ جو حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضور کی خدمت میں رہتے تھے حضور نے ان کے نکاح کا پیغام حضرت زینب بنت جحش کو دیا۔ حضرت زینب بنت جحش خاندان قریش کی بڑی عزت والی بی بی تھیں۔ انہوں نے ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے اس کو منظور نہ کیا۔ کیونکہ وہ قریشی اور بیت باعزت تھیں اور حضرت زبیر قریشی نہ تھے اور نکاح میں کفو کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد ان سب کو راضی ہونا پڑا اور نکاح ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور مسلمانوں کی جان و مال اور اولاد کے مالک ہیں اور ایسے مالک کہ ان کے حکم کے مقابلے میں کسی کو اپنی جان و مال اور اولاد کا کچھ اختیار نہیں۔ دیکھو نکاح میں بالغ لڑکی کی اجازت اور ان کے اہل قرابت کی رضامندی سے یہ کیسا نکاح ہے کہ اس میں کسی کی ناراضی کا اعتبار نہ کیا گیا۔ وجہ یہی ہے کہ سارے مسلمان مرد حضور کے غلام ہیں اور مسلمان عورتیں لونڈیاں۔ مولا کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے لونڈی کا نکاح کرے۔

(۱۲) قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيَّ الْقَسِمَ لَآتُقْنَطُوا مِنِّي وَرَجَعْتُمْ إِلَىٰ رَبِّكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ الَّذِي تَدْعُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ عَزِيزٌ

اللہ رفرا دو اے محبوب علیہ السلام اے میرے وہ بنو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نا امید ہو) اس آیت کریمہ میں حضور کو اجازت دی گئی ہے کہ جہاں بھکرے مسلمانوں کی اپنا بندہ یعنی غلام فرمائیں۔

قُلْ يَا عِبَادِ - اللہ سب کو اپنا غلام وہی کہہ سکتا ہے جو سب کا مالک ہو۔

مثنوی شریف میں ہے بندہ خود بخود خود اسد در شاد

جبکہ عالم را بخوان قل یا عباد

(۱۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ فِي

ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ جب تم کو بلائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت اور ان کے بلانے پر حاضر

ہونا مسلمانوں پر بہ حال میں لازم ہے اور اطاعت کے واجب ہونے کی یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام سب کے مالک ہیں۔ اس آیت کی تفصیل مقدمہ میں اور پوری تفصیل نشانِ حبیب المرجمین میں کی جا چکی ہے۔

خاتمہ ص: عقل حیران ہے کہ اللہ کے محبوب علیہ السلام کی کیسی سلطنت ہے اور ان کی کیا شان کہ ان کے آنے سے زمانے میں انقلاب آگیا۔ دنیا بدل گئی رب نے اپنے قوانین حکومت کو بدل دیا۔ اس سے پہلے عالم میں حق تعالیٰ کی حبساری کا طور تھا اور حضور کی تشریف آوری کے بعد اس کی ستاری اور غفاری کی جلوہ گری ہے۔ غور تو کرو کہ پھیلی امتوں پر ایک ایک گناہ کرنے پر عذاب اتنا کسی قوم کی صورت مسخ کی گئی۔ کہیں پتھر برسے کسی کو پانی کے سیلاب سے تباہ کیا گیا کسی کا تختہ لٹا دیا گیا۔ کسی کو بندر اور سٹور بنا کر ہلاک کیا گیا۔ لیکن جب کفار مکہ نے کہا اے اللہ اگر اسلام سچا ہے تو ہم پر پتھر برسائے تو اس کے جواب میں پتھر نہ آئے عذاب نہ آیا اور یائے غضب کو جوشش نہ آیا۔ بلکہ یہ آیت آئی وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ قَبِيحٌ ظَالِمٌ اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب سے جب تک کہ ان میں تم ہو) سبحان اللہ معلوم ہوا کہ وہ تو اسی قابل تھے کہ ان پر عذاب آجاتا لیکن یہ اس رحمت والے کا لحاظ ہے کہ رب عذاب نہیں بھیجتا۔ اگر آج ہم اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ جو عیب پہلی امتوں میں ایک ایک کر کے تھے ہم میں وہ سب ملا کر ہیں۔ کم تولنا۔ لڑکوں سے اغلام کرنا۔ ڈکیتیاں کرنا۔ غرض سائے عیوب موجود ہیں مگر نہ صورتیں بگڑتی ہیں نہ پتھر برسے ہیں نہ اور کوئی عذاب آتا ہے یہ صدقہ ہے اس شہنشاہِ کریم کا کہ دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

دوسری فصل احادیث شریفہ کے بیان میں

(۱) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کھجیاں لائی گئیں اور مجھ کو سونپی گئیں۔ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور کو تمام خزانے زمین کی کھجیاں عطا فرمائیں اور کنجی مالک ہی کو دی جاتی ہے۔ بھلا خیال تو کرو کہ زمین کے خزانوں کی کھجیاں عطا فرمائیں اور کنجی مالک ہی کو دی جاتی ہے۔ بھلا خیال تو کرو کہ زمین کے خزانوں کی کوئی انتہا ہے، جو کچھ زمین پر ہے انسان حیوانات ہر قسم کے غلے ہر قسم کے پھل، سونا، چاندی، موتی، جواہرات لعل، زمرد وغیرہ یہ سب زمین کے خزانے ہیں اور حضور ان کے مالک۔

(۲) مشکوٰۃ شریف کے اسی باب میں ہے اُعْطِيَتْ الْكَنْزَيْنِ الْاَهْمَرَا وَالْاَبْيَضَيْنِ یعنی مجھ کو دو خزانے گئے ایک سرخ اور ایک سفید۔ معلوم ہوا کہ حضور کو تمام سونا چاندی عطا فرمایا گیا اور قبضہ بھی دے دیا گیا تاکہ ملکیت ثابت ہو جائے۔

(۳) مشکوٰۃ شریف باب اخلاق الہنی میں ہے لَوْ مَثَلْتُ لَسَارَتٍ مَعِيَ جِبَابٌ الْمَذْهَبِ (اگر ہم چاہیں تو ہمارے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں) معلوم ہوا حضور علیہ السلام ہر طرح مالک مختار ہیں مگر ظاہر کرنا منظور نہیں۔

(۴) مشکوٰۃ شریف کتاب العلم میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ ط یعنی اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور ہم بانٹتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز جب بھی جس کو خدا دیتا ہے وہ حضور ہی کی تقسیم سے ملتی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے دینے اور حضور کے تقسیم فرمانے کے بغیر قید بیان فرمایا گیا ہے نہ زمانہ کی قید نہ چیز کی نہ لینے والے کی یعنی حضور علیہ السلام کیا بانٹتے ہیں وہ جو خدا دیتا ہے اور خدا تو ہر چیز دیتا ہے۔ لہذا حضور ہر چیز بانٹتے ہیں اور ہر چیز بانٹے گا وہی جسے مالک نے ہر چیز دی ہو، حضور کی ملکیت اور قبضہ ثابت ہوا۔

(۵) مشکوٰۃ باب السجود وفضائہ میں ہے ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے حضرت ربیعہ ابن ابی کعب سلمی سے خوش ہو کر فرمایا "سَلِّ" کچھ مانگ لو۔ انہوں نے عرض کیا اَسْأَلُكَ مَا وَرَافَقْتَنِي فِي الْجَنَّةِ یعنی میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں ارشاد فرمایا اَوْ غَيْرَ ذَلِكِ کچھ اور مانگتا ہے؟ عرض کیا بس یہی۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر چیز کے مالک ہیں دو وجہ سے اول تو یہ کہ حضرت جابر کے یہاں دعوت میں ان کی اجازت کے بغیر مہانوں کو لے گئے۔ اس بڑھی عورت کا پانی اس کی بغیر اجازت لوگوں کو پلا یا۔ حالانکہ اور لوگ کسی کے گھر بغیر اجازت کسی کو نہیں لے جاسکتے اور بغیر مالک کی اجازت اس کی چیز کسی کو نہیں کھلا سکتے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر شخص کے مالک ہیں اور ہر شخص ان کا غلام۔ کیونکہ مالک کا حق ہے کہ اپنے غلام کا مال اس کے بغیر لپچھے خود کھائے اور دوسروں کو کھلائے۔ دوسرے اس طرح کہ غور تو کرو ان انگلیوں اور مشکیتے اور کنوئیں میں پانی کہاں سے آ رہا تھا؟ دراصل اس کا اس وقت کنکشن کوثر و سلسبیل سے فرما دیا اور دنیا ہی میں وہ پانی سب کو پلا دیا اسی لیے حضور کی انگلیوں کا یہ پانی آپ زمزم سے افضل مانا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور کو نبی کی نعمتوں کے مالک ہیں کہ اپنے غلاموں کو جس جگہ چاہیں جنت کی نعمتیں کھلا دیں۔

(۱۱) مشکوٰۃ شریف باب صلوة الخسوف میں ہے کہ حضور نے فرمایا۔ اِنِّی رَایْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَّا وَاَلْتُ مِنْهَا مُتَّقُوْا وَاَوْ اَخَذْتُهَا لَا کَلِمَ مِنْهَا مَا لَقِیْتُ الْمَدْنِیَا یعنی ہم نے اس گرجن کی نماز میں جنت کو دیکھا اور اس کا خوشہ رگھیا (پکڑا اگر ہم وہ خوشہ توڑ لیتے تو ہم اس کو قیامت تک کھاتے رہتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو اجازت تھی کہ وہ مدینہ پاک میں کھڑے ہوئے جنت کے خوشے توڑیں اور صحابہ کرام کو عطا فرمادیں۔ لیکن خود اپنے اختیار سے نہ توڑا جس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں رہ کر جنت کی ہر چیز کے مالک ہیں۔

(۱۲) تا (۱۴) مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ ایک میدان میں حضور نے استنجا فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ اس میدان میں دو درخت دوڑ کھڑے تھے پردہ کی غرض سے ان دونوں درختوں کو پکڑ کر ملا دیا۔ وہ درخت اونٹوں کی طرح حضور علیہ السلام کے پیچھے پیچھے چلے آئے اور ان کی آڑ میں حضور نے استنجا فرمایا۔

(۲) شامی باب المرتدین میں ہے حضور علیہ السلام کے ہاتھ مبارک پر مڑے زندہ

ہو کر اسلام لائے حتیٰ کہ حضرت آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما
(اپنے والدین) کو بھی زندہ فرما کر مسلمان کیا۔

(۳) اسی شامی میں اسی جگہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی نمازِ عصر
حضور کی نیند پر قربان کر دی۔ قصہ یہ تھا کہ حضور نمازِ عصر پڑھ کر حضرت علی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت علی نے ابھی تک عصر کی
نماز نہ پڑھی تھی۔ آفتاب ڈوبتا رہا اور حضرت علی خاموش بیٹھے رہے کیونکہ ان کا
خیال تھا اگر میں نماز کے لیے اٹھا تو حضور کے آرام میں خلل واقع ہوگا۔ آفتاب
ڈوب گیا اور حضرت علی کی عصر قضا ہو گئی۔ حضور نے بیدار ہو کر ڈوبے ہوئے
سوچ کو واپس لوٹایا۔ گئے ہوئے دن کو عصر بنایا اور حضرت علی کی گئی ہوئی عصر
ادا کے ساتھ پڑھا دی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضور کو نبین کے مالک ہیں دو وجہ سے ایک تو
اس لیے کہ مرنے کے بعد کسی کا ایمان قبول نہیں ہوتا اور وقت کے بعد نماز ادا
نہیں ہو سکتی۔ مگر اس سلطان کی حکومت کے صدقہ و قربان کہ اپنے ماں باپ کو
ان کی وفات کے بعد ایمان دے کر انہیں صحابی بنا دیا۔ اور رب نے قبول فرمایا اور
علی کی گئی ہوئی نماز ادا کر دی اور پھر لطف یہ کہ حضرت علی کے سوا جن لوگوں نے
نمازِ عصر پہلے پڑھ لی تھی ان سے اعادہ نہ کرایا گیا۔ یہ ایک ہی وقت حضرت
علی کے لئے عصر ہے۔ اور دوسروں کے لئے نہیں۔ **هَكَذَا فِي الشَّامِ فِي
هَذَا الْمَقَامِ -**

مصطفیٰ تیری شوکت پہ لاکھوں سلام

دوسرے اس لئے کہ آفتاب آسمان پر رہتا ہے اور مردوں کی روح عالم کی
ایک چٹریا ہے مگر حضور کی بادشاہت ان پر بھی جاری ہے کہ ادھر سے اشارہ ہوا
ادھر سے اطاعت ہوتی ہے سوچ ڈوبا ہوا لوٹا اور والدین کی روح اس عالم

سے واپس آئی ہے

اٹائے سے چاند چپیر دیا چھپے ہوئے خورشید کو پھیر دیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و توان تمہارے لئے

معلوم ہوا کہ حضور مالک احکام بھی ہیں کہ نماز کے اوقات میں فرق فرما دیا۔

حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کی بخت نشان حبیب الرحمن میں دیکھو۔

(۱۵) مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ہے کہ ایک صحابی نے جمعہ کے دن

خطبے کے وقت قحط سالی کی شکایت کی حضور نے منبر پر ہی بارش کی دعا فرمائی۔

ابھی خطبہ ختم نہ ہوا تھا کہ بارش شروع ہو گئی دوسرے جمعہ تک لگانا بارش

ہوتی رہی۔ پھر انہی صاحب نے عرض کیا کہ بارش بہت ہو چکی ہے مکان گریے

جا رہے ہیں۔ حضور نے منبر پر کھڑے کھڑے انگلی کا اشارہ فرمایا۔ اشارہ سے

بادل بھٹ گیا اور عرض کیا اے اللہ اب ہم پر بارش نہ ہو اس پاس برسے چنانچہ

ایسا ہی ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بادلوں پر بھی حکومتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ہے کہ بلانے پر چلے آتے ہیں اور اشارہ سے لوٹ جاتے ہیں نہ مان سون ہوا کی

شرط ہے نہ موسم کی قید۔

(۱۶) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

اڑیل گھوڑے پر ایک بار حضور نے سواری فرمائی تو وہ گھوڑا ہمیشہ کے لیے اچھا ہو گیا۔

اور پھر کبھی نہ اڑا۔ معلوم ہوا کہ عالم کے جانوروں پر بھی حضور علیہ السلام کی سلطنت ہے۔

(۱۷) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھانا کھا

رہا تھا۔ حضور نے اس کو فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھا۔ اس نے شرمندگی مٹانے

کے لیے عرض کی کہ میرا داہنا ہاتھ بے کار ہے۔ فرمایا۔ کہ جا آج سے بے کار ہو گیا۔

چنانچہ اس دن سے اس کا ہاتھ ایسا بے کار ہوا کہ پھر کبھی منہ تک نہ آسکا۔ معلوم ہوا

کہ انسان کے اعضا کی قوت و حرکت حضور علیہ السلام کے حکم میں ہے۔

(۱۸) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور پر ابرسا یہ کرتا تھا اور بحیرہ اربیب

کے ہاں جب کہ حضور دعوت میں پہنچے تو دعوت کا انتظام ایک درخت کے سایہ میں تھا اور وہ سایہ لوگوں سے بھر چکا تھا۔ حضور تشریف لائے تو اس درخت نے جھک کر آپ پر سایہ کر لیا۔ ہمارے ہاں کے امراء کو نوکر چاکر دھوپ میں چھتری لگاتے ہیں مگر اسل بادشاہ کی سلطنت درختوں اور بادلوں پر بھی ہے کہ وہ اپنے اس مالک کو پہچان کر خدمت بجالاتے ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک سوکھی بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگا کر اس سے اس قدر دودھ نکالا کہ تمام جماعت دودھ سے سیر ہو گئی، مالک کے سانس برتن بھر گئے۔ معلوم ہوا کہ حضور ایسے شہنشاہ ہیں کہ جس جگہ سے چاہیں اپنی ملکیت حاصل کر لیں ہر جگہ ان کا شاہی بانک قائم ہے۔

(۲۰) مشکوٰۃ باب الکرامات میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ میں ایک بار حضور تشریف لے گئے تو ان کا باغ سال بھر میں دوبارہ پھل دینے لگا (۲۱) حاکم اور ابن عدی اور عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ اُشْتَرِيْ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَنَّةَ يَوْمَ دَوْمَةَ وَ يَوْمَ جَيْشِ الْعُسْرَةِ - یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو قدموں پر حضور علیہ السلام سے جنت خریدی۔ ایک توجب کہ جب مدینہ منورہ میں سوار رومہ کے کوئی کنواں نہ تھا۔ عثمان غنی نے اس کو خرید کر وقف کر دیا۔ دوسرے غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ مسلمان غازی بے مرد سامان تھے ان کو سامان دے دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے رومہ کنوئیں کے بدلے جنت خریدی اور حضور نے بیچ دی اور جنت وہی بیچے گا جو یا تو جنت کا مالک ہو گا یا مالک کا مختار۔

(۲۲) امام احمد ابو نعیم اور ابن حبان نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا:

یعنی مجھ کو دنیا کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں۔ حضرت جریرؓ علیہ السلام وہ کنجیاں چنگبرے گھوڑے پر میرے پاس لائے۔

ابو نعیم نے یہ روایت ابن عباسؓ حضرت آمنہ خاتون سے روایت کی۔ آپ فرماتی ہیں کہ جب حضور علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے مسجد فرمایا پھر ایک سفید بربے نے حضور کو مجھ سے لیکر غائب کر دیا پھر کچھ دیر بعد آپ ظاہر ہوئے تو دیکھتی ہوں کہ حضور کے مبارک ہاتھ میں کنجیاں ہیں اور کوئی کہہ رہا ہے کہ نعمندی اور نبوت کی کنجیوں پر حضور نے قبضہ فرمایا پھر دوسرا بدل آیا اور اس نے بھی حضور کو مجھ سے غائب کر دیا پھر جو ظاہر ہوئے تو کوئی کہنے والا بولا تم بجز قبضہ محمدؐ علیٰ الدُّنیا کلِّہا لَمْ یَبْقَ خَلْقٌ مِنْ أَهْلِهَا إِلَّا دَخَلَ فِي قَبْضَتِهِ یعنی خوب خوب! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا پر قبضہ فرمایا دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہ بچی جو حضور کے قبضے میں نہ آگئی ہو۔

اس روایت کی تردید بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ہم بحوالہ مشکوٰۃ اس فصل کے شروع میں بیان کر چکے۔ نیز آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَہِیْ اِسْ کِ تَابَہِیْ کر رہی ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ ساری خلقت الہی میں حضور کی بادشاہی ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ایمان والوں کے لئے اتنی ہی کافی ہے۔

ان احادیث میں تو حضور علیہ السلام کی سلطنت دنیا کی چیزوں پر ہوتی اب وہ احادیث سنیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام کے مالک ہیں جس کے لئے جو چاہیں حلال فرمائیں حرام اور جس کے لئے جو چاہیں قرآنی احکام کو بدل دیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲۳۷) مشکوٰۃ شریف کتاب الحج کے شروع میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ اے لوگو تم پر حج کرنا فرض ہے لکن حج کیا کرو کسی نے دریافت کیا۔ رسول اللہ کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ فرمایا کہ اگر ہم ابھی ”ہاں“ فرمادیتے تو ہر

سال ہی فرض ہو جاتا اور ہر شخص کو سال کے سال حج کرنا پڑتا۔ معلوم ہوا کہ ان کی ہاں میں کچھ تاثیر ہے تمام تو قانون کے پابند ہیں مگر قانون الہی حضور علیہ السلام کے لب پاک کی جنبش کا منتظر کہ جو ان کے منہ سے نکلے وہ رب کا قانون بن جائے۔ (۲۵) مشکوٰۃ شریف باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضور نے تراویح باجماعت چند روز پڑھ کر چھوڑ دیں اور چھوڑنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر تم اس کو ہمیشہ پڑھیں تو اندیشہ ہے کہ تم پر یہ فرض ہو جائیں اور تم کو دشواری ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا عمل بھی قانون خدا بن جاتا ہے۔

(۲۶) مشکوٰۃ باب مناقب میں ہے کہ حضور سے ایک لونڈی نے عرض کیا کہ میں نے نذرمانی ہے کہ جب خدا تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت اس جنگ سے واپس لے آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں۔ فرمایا اچھا بجا لو۔ چنانچہ انہوں نے دف بجائی۔ دیکھو گانا بجانا اوروں کے لئے بُرا ہے لیکن حضور نے ایک خاص وقت میں اس لونڈی کو اجازت دے دی۔

(۲۷) مستدام احمد بن حنبل میں صحیح حدیث علی شرط مسلم میں ہے۔
 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ
 عَنْ رَجُلٍ مِنْهُمْ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
 عَلَيَّ أَنْ لَا يُصَلِّيَ إِلَّا صَلَوَتَيْنِ نَقَبَ ذَلِكَ مِنْهُ يَعْنِي أَيْكَ صَاحِبِ حَضْرَةٍ
 كِي بَارگاہ میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر ایمان لائے کہ میں صرف دو ہی نمازیں پڑھا کروں گا۔

دیکھو مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض ہیں مگر ان صاحب سے حضور نے تین نمازیں معاف فرمادیں (ماخوذ از الامن والاعلیٰ) معلوم ہوا کہ حضور مالک احکام ہیں (۲۸) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت میں ہے کہ حضرت علی نے ارادہ کیا کہ دوسرا نکاح کریں۔ حضور نے فرمایا کہ علی کو اس کی اجازت نہیں ہاں اگر وہ یہ چاہتے ہیں تو فاطمہ کو طلاق دے دیں پھر نکاح کریں۔ غور کریں کہ قرآن کریم

فرماتا ہے: فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ وَتُنْتَنِي وَتُلْتِ وَرُبِيعِ حِسْ مِنْ مَعْلُومٍ هُوَ
ہے مرد کو چار بیویاں تک نکاح میں رکھنا جائز ہیں مگر حضرت علی کے لئے حضرت
فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرنے کا اختیار نہ رہا۔

اس جگہ مرقاة میں ہے۔

عَلَيْهِ السَّلَامُ بِكُلِّ حَالٍ وَعَلَى

كُلِّ وَجْهِ وَإِنْ تَوَلَّى الْأَيْدِ أَمْ هَمَّا كَانَ أَسْتَلَّهُ هُبَا حَا وَهُوَ مِنْ

صَلَّى اللَّهُ وَهَلِيْدِهِ وَسَلَّمُ یعنی اس سے معلوم ہوا کہ ایذا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم حرام ہے اگرچہ کسی حلال فعل ہی سے پہنچے اور حضور علیہ السلام کی
خصوصیت ہے۔ یہاں مرقاة میں ہے کہ حضرت علی کو دوسرا نکاح حرام تھا۔

(۲۹) بخاری جلد اول کتاب الصلح کے شروع میں ہے کہ ایک بار حضور کسی

جگہ مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے نماز کا وقت آ گیا حضرت

بلالی نے اذان کہہ کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ نماز پڑھائیں

چنانچہ نماز کی جماعت قائم ہو گئی عین نماز کی حالت میں حضور تشریف لے آئے۔

مسلمان مقتدیوں نے تالی بجا کر حضرت صدیق اکبر کو حضور کی تشریف آوری کی

خبر دی اسی وقت سے صدیق اکبر مقتدی ہو کر بیچھے آ گئے اور حضور علیہ السلام

امام ہوئے۔

آج اگر نماز میں کوئی بھی آجائے اس کو دہاں ہی کھڑا ہونا ہوگا کہ جہاں

جگہ مل جائے مگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو دیکھو کہ بیچ نماز میں تشریف

لے آئیں تو اسی وقت سے موجودہ امام کی امامت منسوخ اور اب حضور ہی

امام ہیں۔ معلوم ہوا کہ مالک احکام ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۳۰) بخاری جلد اول کتاب الحجاد باب مرض الخمس میں ایک طویل حدیث

میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ نہ ہم کسی کے وارث ہوں اور نہ ہمارا کوئی وارث حالانکہ

میراث کی تقسیم قرآن سے ثابت ہے مگر اس میراث سے حضور نے اپنے کو مستثنیٰ

فرمایا اور پھر اس پر عمل ہوا کہ حضور کی میراث کسی کو نہ ملی معلوم ہوا حضور مالک

احکام ہیں۔

(۳۱) بخاری شریف جلد دوم کتاب التفسیر سورہ احزاب باب توذیلہ فینہم مد
دن قضی نخبہ میں ہے کہ حضور نے حضرت خزیمہ انصاری کی گواہی دو گواہیوں کی
برابر قرار دی۔ واقعہ تھا کہ حضور نے ایک شخص سواہ بن حارث سے گھوڑا خریدا
فرمایا۔ مگر بعد میں اس اعرابی نے اس بیع سے انکار کر دیا اور کہا میں نے یہ گھوڑا آپ
کے ہاتھ فروخت نہیں کیا ہے اور عرض کیا کہ اگر آپ نے خریدا ہے تو کوئی گواہ لائیں
اللہ کی نشان یہ خرید و فروخت تنہائی میں ہوئی تھی۔ حضرت خزیمہ نے عرض کیا۔ کہ
یا رسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور نے یہ گھوڑا خریدا ہے آپ سچے ہیں اور
اعرابی جھوٹا۔ حضور نے پوچھا تم کیونکر گواہی دے رہے ہو۔ تم نے تو اس
تجارت کو دیکھا نہ تھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں نے تو حضور کی زبان سے سن
کر اللہ کی وحدانیت اور جنت اور دوزخ اور قیامت وغیرہ تمام کی گواہی دی۔
اور پڑھا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُوکبیا ایک گھوڑا ان چیزوں سے بھی
زیادہ ہے۔ میں حضور کی زبان سے سن کر گواہی دیتا ہوں۔ ان کا یہ کلام بارگاہ
نبوت میں ایسا قبول ہوا کہ ان کی گواہی دو گواہیوں کی طرح بنا دی گئی۔

غور کرو کہ قرآن کا حکم ہے کہ وَ اَشْهَدُ وَاذْوٰی عَدَلٍ مِّنْكُمْ کہ تم
دو گواہ بناؤ۔ مگر ان کے لئے ایک سے دو گواہوں کی طرح مان لیا گیا۔ معلوم ہوا
کہ حضور کو یہ بھی اختیار ہے کہ جس کسی کو چاہیں قرآن کے احکام سے علیحدہ کر دیں۔
(۳۲) بخاری میں اسی جگہ تَرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ کی تفسیر میں ہے کہ حضرت
عائشہ نے حضور سے عرض کیا مَا اَرٰی رَبِّيْكَ اِلَّا يُشَارِعُ فِيْ هَوَاكِ مٰی تُوہ دیکھتی
ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش کرنے میں جلدی کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ
رب تعالیٰ اپنے محبوب کی خواہشات کو دینی تو انہیں دیتا ہے۔

(۳۳) حضور عالیہ السلام نے ام عطیہ کو ایک بار نوحہ کرنے کی اجازت دی
حالانکہ نوحہ یعنی مردے کو پٹینا شرعاً حرام ہے۔ (مسلم شریف)

(۳۴) حضرت علی کو اجازت دی کہ حضرت فاطمہ زہرا کو ان کی وفات کے بعد غسل دیں۔ حالانکہ شوہر اپنی مردہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ کیونکہ عورت کی وفات سے نکاح بالکل ٹوٹ جاتا ہے (شامی)

(۳۵) حضرت صدیق اکبر کو اجازت دی کہ جنابت کی حالت میں مسجد میں آجایا کریں حالانکہ جنبی کو بغیر غسل کئے مسجد میں آنا منع ہے۔

(۳۶) ایک صاحب کے کفاسے کا صدقہ خود ان ہی کو کھلا دیا۔

(۳۷) مسلم و بخاری میں ہے کہ ایک پار حضور نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں نہ کانٹے

توڑے جائیں نہ یہاں کے شکار کو بھڑکایا جائے۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اذخر کی اجازت دے دی جائے کہ یہ گھاس گھر کی چھتوں میں ڈالی جاتی ہے اور لوہاروں کی بھٹی میں بجائے کوئلہ کے جلاتی ہے۔ اور فرمایا اچھا اذخر کی اجازت ہے کہ اذخر گھاس مکہ مکرمہ کی زمین سے کاٹ لی جایا کرے معلوم ہوا کہ زبان پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنبش رب کا قانون ہے۔

(۳۸) حضور نے ہجرت فرماتے ہوئے حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہارے ہاتھ میں بادشاہ فارس کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں اس قرآن کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ فاروقی میں ملک فارس فتح ہوا اور کسریٰ کے طوائف کنگن حضرت سراقہ کو پہنائے گئے۔ اور وہ کنگن آپ کے ہاتھ میں رہے دیکھو مرد کو سونا پہننا حرام ہے۔ مگر سراقہ کے لئے وہ کنگن جائز فرمائے۔

(۳۹) بخاری و مسلم میں قصہ تو یہ کعب میں ہے کہ جب حضرت کعب ابن مالک پر سرکاری عتاب ہوا تو ان کی بیویوں کو حکم دیا گیا کہ تمہارے شوہر تمہارے پاس نہ آنے پائیں کوئی مسلمان ان سے کلام و سلام نہ کرے۔ چنانچہ اس بائیکاٹ کے زمانے میں حضرت کعب کی بیوی منکوحہ حضور کے حکم سے اپنے شوہر پر کچھ عرصہ کے لیے حرام ہو گئیں۔ حالانکہ رب فرماتا ہے نَسَاؤُكُمْ حُرْمَةٌ فَاتُوا حُرْمَتَكُمْ اِنِّي سَنُتِمُّكُمْ مَّوَدَّتِمْ مگر اس حکم سے حضرت کعب اس وقت خارج کر دیئے گئے۔ قسم رب کی اگر یہ عتاب اور ممانعت ہمیشہ

رہتی تو کعب کی بیوی ان کی منکوحہ ہوتے ہوئے ان پر ہمیشہ ہی حرام رہتیں۔
 (۴۰) مشکوٰۃ باب المعجزات میں یہ روایت مسلم و بخاری شریف میں کہ ابوہریرہ کے
 کبیل پر حضور نے کچھ پڑھ کر دم فرما دیا۔ پھر وہ کبیل ابوہریرہ نے اپنے سینے سے لگا لیا اس
 کا اثر یہ ہوا کہ آپ کا حافظہ نہایت قوی ہو گیا کبھی کوئی بات بھولتے ہی نہ تھے۔ اسی
 لئے آپ سے تقریباً دو لاکھ حدیثیں مروی ہیں قوتِ حافظہ انسا کی اندرونی طاقت ہے
 حضور کا قبضہ ظاہر و باطن پر ایسا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قوتِ حافظہ
 بخش دی۔

فقیر حقیر احمد یار خاں کی طرف سے یہ چہل حدیث ہے جو مسلمانوں کی خدمت میں
 پیش ہے۔ چالیس حدیثیں جمع کرنے کے بڑے فضائل ہیں۔

میں نے اپنے آقا و مولیٰ معدنِ حدیث و قرآن محبوبِ رحمان صلی اللہ علیہ وسلم کے
 سلطنت و اختیار کی چہل احادیث جمع کر دیں رب تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ
 علیہ وسلم قبول فرمائیں۔ آمین وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيَّ خَيْرِ خَلْقِهِ وَتَوَرَّعْتُ مِنْهُ
 سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَآصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ أَمْرٌ حَقٌّ
 الرَّاحِمِينَ ۝ عرض کیا میں اور کیا میری قابلیت کہ اس شہنشاہِ دو جہاں کے خداداد
 اختیارات بیان کر سکوں سمجھ دار کے لئے اتنا کافی ہے۔

تیسری فصل علمائے امت کے اقوال میں

تمام امت کا ہمیشہ سے اس پر اتفاق رہا ہے کہ حضور دونوں جہاں کے مالک ہیں
 اسی لیے صحابہ کرام نے حضور سے جنت مانگی۔ قحط سالی کی شکایت کی جس کے حوالے دوسری
 فصل میں گذر گئے۔ اور اگر کسی سے کوئی قصور ہو جاتا تو معافی چاہتے۔ حضور کی بارگاہ
 میں آنے چنانچہ مشکوٰۃ کتاب الحدود میں ہے کہ حضرت ماغز سے ایک شرعی قصور ہو
 گیا تو باریت میں آکر عرض کیا کہ طَهَّرْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا جَبِّبَ اللَّهُ
 مجھے پاک کر دو۔

اسی مشکوٰۃ باب التصادیر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا کہ اَتُوْبُ
اِلَى اللّٰهِ وَالِی رَسُوْلِهِ۔ میں اللہ ورسول سے توبہ کرتی ہوں۔

غرض ہر مصیبت دفع کرنے اور رب کی رحمت لینے کے لئے حضور ہی کے دروازہ
پاک پر آتے تھے اور حضور بھی ان سے یہ نہ فرماتے تھے کہ تمہاری طرح حجیر بندہ ہوں مجھ
سے کیوں مانگتے ہو جاؤ مسجد میں بیٹھو اور رب سے مانگو بلکہ ان کی بات قبول فرماتے
اور ان کی حاجت ردائی فرماتے تھے اور کیوں نہ ہو تا صحابہ کرام حضور کی بارگاہ میں خود
بخود نہ آتے تھے بلکہ ان کو اور سارے جہان کو قرآن نے حکم دیا تھا کہ ہر مصیبت کے
وقت نبی کے پاس جاؤ چنانچہ فرماتا ہے وَ لَوْ اَنَّكُمْ اِذْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ جَاؤْكُمْ
فَاَسْتَغْفِرُوْا اللّٰهَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُوْلَ لَوْ جَدَّ اللّٰهُ تَوَابًا سَرَّ جِيْمًا طے
پیارے اگر یہ لوگ جب کبھی اپنی جانوں پر ظلم کریں تو آپ کی بارگاہ میں آجائیں۔ پھر یہاں
آکر خدا سے معافی چاہیں اور پیارے تم بھی ان کی سفارش کرو تو وہ اللہ کو توبہ قبول
کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت کی پوری تحقیق ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمن اور جاء الحق میں دیکھو
ادھر تو بھٹکایوں کو یہ یاد ہوا کہ جاؤ مجھ سے مانگو۔ ادھر سخی راتا علی اللہ علیہ رسا کو
فرمایا اے پیارے وَاَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَرْ طے پیارے اپنے کسی بیکاری کو نہ جھڑکنا بلکہ
انہیں کچھ دے کر رخصت کرو۔ کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

لج پال پریت کو توڑت ناہیں جو ہاتھ پکڑیں وہ چھوڑت ناہیں
گھر آئے کو خالی موڑت ناہیں لج پال پریت کو توڑت ناہیں

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور کو مالک مانا۔ اسی طرح صحابہ کرام
کے زمانہ کے بعد عالم علمائے اسلام اور مشائخ عظام اور عام مسلمان اپنی غزلوں اور
قصیدوں میں حضور سے مدد مانگتے رہے اور مانگتے ہیں۔ اور اپنے وظیفوں اور نمازوں میں
مدد مانگنے کے پابند ہیں۔ اور اپنی کتابوں میں صاف فرماتے ہیں کہ حضور مالک ہیں۔
اگر ان کی فرست پیش کردں تو دنز بھر جائیں۔ کچھ نمونے کے طور پر بتانا ہوں۔

(۱) اتعنة للمعات باب السجود میں حضرت ربیعہ ابن کعب کی حدیث کی شرح میں شیخ خیر الحق محدث دہلوی ^{فیہاتے ہیں کہ} معلوم می شود کہ کارہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ہرچہ خواہد ہرکہ را بخواید بہ اذن پروردگار خود بدہد ۵

اگر خیریت دنیا و عقبی آرزو داری

بدرگاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنا کن

یعنی سارے کام حضور کے ہاتھ میں ہیں جس کو بھی چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں اگر دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتے ہو تو حضور کی بارگاہ میں آؤ اور جو چاہو مانگو۔

(۲) مرقاة شرح مشکاوتہ میں ملا علی قاری اسی باب میں اسی حدیث کی شرح میں ہی مضمون لکھ کر فرماتے ہیں نِعْطِي لِمَنْ يَشَاءُ حضور جس کو چاہیں وہ دیدیں۔

ان عبارتوں نے فیصلہ کر دیا کہ دنیا و آخرت کی ہر چیز کے مالک حضور ہیں۔ سب کچھ ان سے مانگو عزت مانگو ایمان مانگو، جنت مانگو اللہ کی رحمت مانگو۔

(۳) تفسیر کبیر جلد سوم پارہ سات سورہ العام میں زیر آیت وَ اَنْتَ كَوْنٌ لَّحِيظٌ عَنْهُمْ مَا تَاْتُوْنَ اَعْمٰوُنَ ۝ امام فخر الدین رازی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام کو خدا نے اس قدر علم معززت دیا ہے کہ وہ حضرات مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی جانوں پر حکومت کرتے ہیں اور ان کو اتنی قدرت دی ہے کہ ظاہر پر بادشاہت کرتے ہیں۔ اس عبارت میں خلق فرمایا یعنی عرش و فرش جو بھی اللہ کی مخلوق ہے وہ رسول اللہ کی حکومت میں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) امام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ الجواہر المنظم کے صفحہ ۵۲ پر فرماتے ہیں۔

هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ سَأَمَ خَلِيْقَةَ اللّٰهِ الْاَعْظَمَ الَّذِيْ جَعَلَ خَزَائِنَ كَرَامَتِهِ وَ مَوَاعِدَ نِعْمَتِهِ طَوْعًا بِيَدَيْهِ وَ اِرَادَتِهِ يُعْطِيْ مَنْ يَشَاءُ مَا يَشَاءُ
حضور اللہ کے بڑے خلیفے ہیں کہ رب کے خزانے اور اس کی نعمتیں حضور کے ہاتھوں اور حضور کے ارادے میں ہیں جس کو چاہیں دے دیں اس سے معلوم ہوا کہ تمام

خزانہ خداوندی حضور کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔
 (۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۴۶۳ میں فرماتے ہیں۔ کہ قدرت و سلطنت سے صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ پرآں بود ملک و ملکوت جن و انس تمامہ عوالم بہ تقدیر تصرف الہی عزوجل در محیطہ قدرت و تصرف سے بود یعنی حضور کی سلطنت اس سے بھی زیادہ پرہے۔ ملک اور ملکوت جن و انس اور سائے عالم رب کی عطا سے حضور کے قبضہ و قدرت میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سائے عالم ملکوت عالم ارواح عالم اجسام اور عالم امکان غرض کہ ساری مخلوق میں حضور کی بادشاہی ہے۔

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا
 دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ اختیار میں

(۶) علامہ ایوب ابن اسمعیل شواہد الحق کے صفحہ ۱۵۲ پر فرماتے ہیں: اَمَّا

كَرَّمَ اللهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُعْطِيَ رَيْبَنَعَ وَيَقْفِرَ حَوَائِجَ السَّائِلِينَ وَ
 وَيَقْتَرِحَ كَرْبَاتِ الْكُرُوبِينَ وَأَنَّهُ يَشْفَعُ وَيُدْخِلُ الْجَنَّةَ مَنْ يَشَاءُ يَعْنِي
 حضور دیتے اور من کرتے ہیں اور سائیکوں کی حاجت، روائی کرتے ہیں مصیبت زدوں
 کی مصیبت زور کرتے ہیں اور حضور شفاعت فرمائیں گے۔ اور جس کو چاہیں گے جنت
 میں داخل کریں گے۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام حاجت روا ہیں بے کسوں، مصیبت زدوں کے
 رنج و غم دور فرماتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۷) امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی مواہب لدینیہ جلد اول صفحہ ۶۴ پر فرماتے ہیں۔

إِذَا بَاحَى مَنْ كَانَ صَالِحًا وَسَيِّدًا
 وَإِذَا رَادَ أَمْرًا لَا يَسُونَ خَلَاكًا
 وَأَدَمُ بَيْنَ الطَّيْنِ وَالْمَاءِ وَاقِفٌ
 وَلَيْسَ إِنْ يَلِكُ

میرے ماں باپ اس شہنشاہ پر قربان جو اس زنت سے، بادشاہ ہیں جب کہ آدم
 علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گرتھے جب حضور کچھ چاہیں تو اس کے عملات نہیں ہو

سکتا اور نہ کوئی ان کو روک سکتا ہے معلوم ہوا ہے کہ حضور پہلے ہی سے سلطان کو تین ہیں اور آپ کی زبان کن کی کنجی ہے۔

فقط اشائے میں سب کو نجات ہو کے رہی تھائے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

(۸) امام قسطلانی مواعیب لدنیہ جلد اول صفحہ ۱۹۵ پر فرماتے ہیں۔ وَ كُنَيْتُهُ أَبُو

الْقَائِمِ لِأَنَّهُ يُقْسِمُ بِالْحَنَّةِ تَبَيَّنَ أَهْلِهَا حَضْرَةَ كُنَيْتِ ابْنِ الْقَائِمِ

کیونکہ جنتی لوگوں کو حینت بانٹتے ہیں۔

(۹) تقی الدین سبکی شفاء السقام میں صفحہ ۱۶۵ پر فرماتے ہیں إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَاءَهُ يُكُونُ فِي الْجَنَّةِ مِثْلَ الْعَزِيزِ مِنَ الْمَلِكِ بِغَيْرِ تَمَثُّلٍ

لَا تَقِيْلُ أَيْ أَحَدٍ شَيْئًا إِلَّا يُوَاسِلِيهِ لِعَيْنِي بِغَيْرِ تَمَثُّبٍ لِيُوْنِ سَمَّجُوْكَ حَضْرًا لِيْسِ

میں گے جیسے بادشاہ کا وزیر کہ کسی تک کوئی چیز بغیر آپ کے ذریعے کے نہ پہنچے گی

اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی سلطنت دنیا میں تو کیا جنت میں بھی ہوگی کہ جنت

کی ہر نعمت حضور کے بغیر کسی کو بھی نہ مل سکے گی

(۱۰) امام قسطلانی مواعیب لدنیہ جلد اول صفحہ ۶ پر فرماتے ہیں هُوَ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَزَانَةُ السُّرُورِ مَوْضِعُهُ نَهْوٌ وَالْأَمْرُ فَلَا يَنْقُذُ إِلَّا مَرَّ الْأَمْنَةُ

اس سے بھی معلوم ہوا کہ دنیا میں احکامِ الہیہ حضور کے یہاں جاری ہوتے ہیں۔

(۱۱) شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۶۵۶ پر فرماتے ہیں۔

” آنحضرت متولی امور مملکتِ الہیہ وگماشتہ درگاہ الہی بود کہ تمام امور و احکام

کون در مکان بوعے مفوض بود کدام دائرہ مملکت واسع تر از دائرہ مملکت و سلطنت

وے بود۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

یعنی حضور سلطنتِ الہیہ کے منتظم اور مقرر کردہ حاکم ہیں۔ دنیا کے سائے

کون و مکان کے احکام حضور کے سپرد ہیں۔ ان سے بڑھ کر کونسی سلطنت ہے

معلوم ہوا کہ حضور صلی علیہ السلام کی بادشاہی تمام بادشاہوں سے بڑی ہے

حضرت سلیمان و سکندر۔ ذوالقرنین کی سلطنتوں سے بڑھ کر حضور کی سلطنت ہے۔

(۱۲) امام بوسیری قدس سرہ تصیرہ بروہ شریف میں فرماتے ہیں

فَإِنَّ مِنْ جَزَائِكَ الدُّنْيَا وَخَرَّتْهَا

وَمِنْ عُلُوِّكَ عَلِمَ اللُّوحُ وَالْقَلَمُ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت آپ کی سخاوت سے تھے اور لوح اور قلم کے علم آپ کے

علموں کا ایک حصہ ہیں۔ (۱۳) امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تصیرہ نعمان میں فرماتے ہیں

أَفَا طَامِعٌ بِالْجُودِ مِنْكَ وَكَمْ يَكُنُّ كِبَابِي حَنِيفَةً فِي الْأَنَامِ سِوَاكَ

یا رسول اللہ میں آپ کی دین یعنی عطا کا اُمیدوار ہوں اور خلقت میں ابو حنیفہ

کا آپ کے سوا کوئی نہیں۔

اس شعر میں امام اعظم قدس سرہ نے حضور سے مانگا۔ اور اپنی بے کسی کا اظہار

کیا اور مانگا اس سے جاتا ہے جو مالک ہو۔ معلوم ہوا کہ امام صاحب حضور کو

مالک کل جانتے ہیں۔

(۱۴) دلائل الخیرات کے تمام درود مستند ہیں تمام اُمت میں مقبول علماء و اولیاء

اس کے ہمیشہ سے عامل رہے۔ اس میں نچیشنبہ کے حزب میں درود ہے :

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ مَاءِ الرَّحْمَتِ وَمِيحَى الْمَلِكِ وَدَالَ الدَّوَامِ

لِسَيِّدِ الْكَامِلِ الخ یعنی اسے اللہ حضور علیہ السلام پر درود بھیج جن کا نام محمد

ہے۔ جس سے دال دوام یعنی ہمیشگی کی دال ہے۔ اور ح رحمت کی اور میح ملکیت کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ محمد کے حرفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور دونوں

جہاں کے ہمیشہ سے مالک ہیں اور رحمت والے مالک ہیں کیونکہ اس میں ایک ح ہے

اور ایک دال دوام ہیں۔ دو میحوں سے مراد دونوں ملکوں کی بادشاہت اور دال سے

مراد دوام یعنی ہمیشہ کی بادشاہت اور ح سے مراد رحمت یعنی رحمت الی بادشاہت

(۱۵) مثنوی شریف میں ہے :

صورتش بر خاک جاں در لامکاں لامکاں برتر ز وہم سا لکاں

بل مکان و لامکان در حکم او ہم چو در حکم ہستی چار سو
 ہر دمے او در یکے معراج خاص بر سر فرقت نہد حق تاج خاص
 یعنی حضور علیہ السلام کا جسم پاک تو زمین پر رہا اور جان پاک لامکان میں جو کہ
 اولیاء اللہ کے وہم و گمان سے دور ہے بلکہ مکان و لامکان ان کے حکم میں ایسے ہیں
 جیسے جنتی آدمی کے حق میں چاروں نمریز ہوں گی۔ وہ ہر وقت معراج خاص
 میں رہتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کے سر پر خاص تاج رکھتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکان و لامکان حضور کے حکم میں ہیں کیونکہ حضور
 سلطانِ کونین ہیں اور حضور کو ہر وقت معراج اور عالم بالا کی سیر ہوتی رہتی ہے کہ کبھی
 خواب میں اور کبھی نماز میں اور کبھی ویسے ہی جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے
 ہیں جس کے حوالے دوسری فصل میں گزر گئے۔ اس قسم کی صد ہا عبارتیں پیش
 کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ بزرگانِ دین بلکہ صحابہ کرام رب کی
 عبادت میں حضور کو بھی راضی کرنے کی نیت کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
 عبادت میں حضور کو راضی کرنا ریاضت یا شرک نہیں بلکہ عبادت کی روح ہے۔ آپ دوسری
 فصل میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر نے عین نماز کی حالت میں حضور علیہ السلام
 کو امام بنا دیا۔ دیکھو عبادت تو رب کی ہے۔ مگر اس میں اطمینان مصطفیٰ علیہ السلام کی
 جارہی ہے علی اللہ علیہ وسلم۔

تفسیر خازن و روح البیان پارہ ۱۱ میں زیر آیت **وَإِنَّمَا دَاوُدَ ذَبُو مَرَّاط**
 ایک حدیث نقل کی کہ ایک دن حضور نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 ارشاد فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری تلاوت قرآن مجید سنی تم کو رب نے داؤدی
 آواز عطا کی ہے تو حضرت موسیٰ اشعری نے عرض کیا کہ واللہ مجھے خبر ہوتی کہ میرا
 قرآن صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو اور بھی خوش حالی سے پڑھتا دیکھو
 تلاوت قرآن عبادت الہی ہے مگر ایک صحابی رسول اللہ اس حالت میں بھی حضور کو
 خوش کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔

اسی طرح تفسیر روح البیان پارہ ۱۱ سورہ یونس میں زیر آیت ان اجری اکتا
 علی اللہ و امرت ان اكون من المسلمین ہ ہے کہ حضرت رابعہ حدیبہ روزانہ
 ایک ہزار نفل پڑھا کرتی تھیں اور کتنی تھیں میں ان کا ثواب نہیں چاہتی صرف یہ
 خواہش ہے کہ مجھ سے حضور خوش ہو جائیں اور قیامت جماعت انبیاء سے فرمائیں کہ دیکھو
 یہ میری امت کی ایک عورت کے عمل ہیں۔

سبحان اللہ عشق والوں کے انداز نزلے ہیں حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَ
 مَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَقَدْ
 دَخَلَ أَجْرًا عَلَى اللَّهِ أَرَجُولِي كَهْرِي اللَّهُ رَسُولِي كِي طَرْتِ هِجْرَتِ كَرِي كِي نَكَلَا۔ پھر
 اس کو موت آگئی تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہو گیا ہجرت کرنا رب کی راہ میں وطن
 کو چھوڑنا عبادت ہے مگر ہجرت میں خدا اور رسول دونوں کو راضی کرنے کی نیت کرنا
 ضروری ہے قرآن کہیم فرماتا ہے وَاللَّهُ دَرَسُو لَهٗ اَحْتِ اَنْ يَرْضُوهُ اَوْرَالَهُ وَ
 رسول اس کے زیادہ حشدار ہیں کہ ان کو راضی کریں۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل میں یہ نیت کرنا کہ اس عمل سے اللہ و رسول راضی ہوں
 عمل کو زیادہ قابل قبول کر دیتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ نیک اعمال میں ربا تعالیٰ اور
 اس کے محبوب علیہ السلام کو راضی کرنے کی نیت نہ شرک ہے نہ حرام اسی لئے نماز میں
 حضور کو سلام کرنا واجب ہے السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ كَلِمَةٌ اَدْرَا اَنْ فِي هَرَجِكُمْ
 حضور علیہ السلام کا نام پاک داخل ہے۔

چوتھی فصل حضور علیہ السلام کی سلطنت پر مخالفین کے اقوال

اب میں دیوبندیوں اور دہلیوں کے پیشواؤں سے پوچھتا ہوں کہ بولو اس باب سے
 میں کیا کہتے ہو رب کی شان کہ مخالفین کے بڑے بھی اس کے متعلق یہی کہہ گئے ہیں ملاحظہ ہو
 (۱) ترجمہ صراط مستقیم اردو خاتمہ تیسرا افادہ صفحہ ۱۰۳ پر پانی مذہبِ بابیہ دیوبندیہ
 مولوی اسماعیل دہلوی فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناسب رتبہ کے صاحبان

عالمِ مثال اور عالمِ شہادت ہیں نصرت کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔“ بس فیصلہ ہی کر دیا کہ اللہ کے بندوں کو دونوں جہان میں ہر طرح حکومت کرنے کا رب تعالیٰ کی طرف سے اختیار عام حاصل ہوتا ہے۔

(۲) یہ ہی مولوی اسماعیل صاحب اسی جگہ فرماتے ہیں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرشتہ تک ہماری سلطنت ہے۔“ لہذا مولوی اسماعیل صاحب کے فتوے سے میں کہہ سکتا ہوں کہ عرش سے فرشتہ تک میرے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت ہے یہی میں کہتا ہوں۔

(۳) مولوی قائم صاحب بانی مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں سے مدد کرے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قائم سبکیں کا کوئی حامی کار مدد اسی سے مانگی جاتی ہے جس کے قبضہ میں کچھ ہو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حضور مالک و مختار ہیں۔

(۴) دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب اولہ کا ملہ صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں آپ اصل میں مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ انقصہ آپ ہی اصل مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عدل و ہر آپ کے ذمہ واجب تھا۔“ الحمد للہ کہ مولوی صاحب نے حضور کو مالک مانا اور عالم اللہ کے سوا کو کہتے ہیں لہذا ثابت ہوا کہ عرش و فرشتہ لوح و قلم سب میرے شہنشاہ کی ملکیت ہے۔

(۵) صراطِ مستقیم دوسری آیت کے پہلے افادہ میں مولوی اسماعیل صاحب صفحہ ۶۰ پر فرماتے ہیں۔“ اور حضرت مرثضیٰ کے لئے شیخین پر ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا، مقاماتِ ولایت بلکہ قطبیت و غوثیت اور اید البیت اور ان ہی باقی خدمات آپ کے زمانے سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو دخل ہے جو عالم ملکوت کے سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اور باطنی دنیا پر حضرت علی کا قبضہ ہے اور قیامت تک

رہے گا۔ یعنی بعد وفات بھی دنیا کے مالک ہیں اور لوگوں کو سلطنت و غوثیت حضرت علی کے دربار سے ملتی ہے۔ سبحان اللہ یہاں تو یہ فرما گئے اور یہ ہی مولوی امجد علی صاحب تقویت الایمان میں لکھتے ہیں کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک مختار نہیں شاید یہ باتیں شدھی ہونے سے پہلے لکھی ہوں گی اور تقویت الایمان بعد میں۔

(۷) دیوبندی علماء کے پیروم شد حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ

جہاز اُمت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں

تم اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی رنج و راحت حضور علیہ السلام کے قبضے میں ہے اور آپ نفع و نقصان کے مالک ہیں۔ بطور نمونہ چند اقوال نقل کر دیئے اس سے بھی زیادہ پیش کیئے جاسکتے ہیں۔

پانچویں فصل سلطنتِ مصطفیٰ پر علی لائل

(۱) دنیاوی کار و بار آخرت کا نمونہ ہیں۔ اس کی تحقیق جاوالمحقق میں دیکھو اور دنیاوی بادشاہ تو اپنے مقرر کیے ہوئے حکام کو اپنی بادشاہت کا مختار کر دیتے ہیں اور ان کو عام اختیارات دیا کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ حکام کہا کرتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں پھر جس درجہ کا حاکم ہو اسی درجہ کے اس کے اختیارات ہوتے ہیں۔ تھانیدار کو معمولی اختیارات، پکستان پولیس کو اس سے زیادہ۔ ڈپٹی کمشنر کو اس سے زیادہ پھر گورنر کو اور زیادہ پھر وائسرائے کو سارے ملک کے اختیارات پھر وزیر اعظم کو ساری سلطنت کے تمام سیاہ و سفید کے اختیارات۔ مگر ان اختیارات سے نہ تو بادشاہ کے سلطنت میں کمی آئی اور نہ کوئی چیز اس کی سلطنت سے نکل گئی۔ بلکہ بادشاہ ان تمام چیزوں کا اصلی مالک ہے گا اور دیگر لوگ اس کی طرف سے عارضی مالک۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنی بادشاہت میں ملائکہ اور خاص انسانوں کو دنیا کیلئے لوح محفوظ قائم کی۔ جس میں عالم کے سائے واقعات لکھے گئے کہ وہ حضرات اس کو دیکھیں

اور اس کے مطابق عمل کریں انہی اختیارات کی وجہ سے وہ حضرات کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں کر سکتا ہوں۔

قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کو نقل فرمایا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں اندھوں کو انکھیاڑ مردوں کو زندہ اور کوڑھوں کو اچھا کر سکتا ہوں اور حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے فرمایا کہ میں تم کو پاک بٹھا دینے آیا ہوں۔ قرآن نے فرمایا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام مسلمانوں کو پاک فرماتے۔ ان کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں وہ غریبوں کو غنی کرتے ہیں۔ دیکھو اس کتاب کا مقدمہ اور جاء الحق۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں ۷

بِلَادِ اللَّهِ مُتَكِي تَحْتَ حُكْمِي
وَدَقَّتِي قَبْلَ قَلْبِي قَدْ صَفَانِي

اللہ کے سارے شہر میرا ملک اور میری حکومت میں ہیں، پھر فرماتے ہیں ۷
وَمَا مِنْهَا شَيْءٌ مَّا أَوْدَهُدُرًا تَمَرًا وَتَقِضِي إِلَّا آتِي لِي
کوئی ہونہ اور کوئی وقت ایسا نہیں جو ہمارے اجازت بغیر دنیا میں گزر جائے، پھر فرماتے ہیں ۷

وَكُلُّ وَرِيٍّ لَكَ قَدَمٌ وَآبِيٌّ عَلَى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرُ الْكَمَالِ
یہ درجہ اور یہ بادشاہت مجھ کو اس کے صدقہ میں ہے کہ ہر وہی کسی نہ کسی نبی کے قدم پر ہوتے ہیں۔ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں یعنی میرا سر حضور کے قدم پاگت ہے اس کی برکت سے مجھ کو رب نے عزت دی
اب بناؤ حضور کی سلطنت کا کیا کہنا ہے ان تمام باتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ رب کی سلطنت میں کسی قسم کی کوئی کمی آئے گی نہیں بلکہ وہ حقیقی اور یہ حضرات اس کے مقرر کرنے سے اس کے خادم اور مالک مجازی حضور چونکہ وزیر اعظم ہیں۔ لہذا کوئین کے مالک و مختار۔

(۲) سب کو معلوم ہے کہ موت کے وقت ملک الموت کو دیکھ کر ایمان لانا قبول

نہیں اور زندگی میں جس وقت بھی ایمان لائے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے قبول ہے یعنی مرنے والے کے لیے موت کا وقت توبہ کے دروازے بند ہونے کا ہوتا ہے اور موت سے پہلے یہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ لیکن حضور کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ جس کے لیے چاہیں اس کی زندگی ہی میں توبہ کا دروازہ بند کر دیں کہ وہ توبہ کرے اور قبول نہ ہو جس کے لئے چاہیں بعد موت بھی دروازہ کھول دیں اور اس کو زندہ فرما کر مسلمان کر دیں۔

دیکھو اپنے والدین ماجدین کو ان کے انتقال کے بعد زندہ فرما کر اسلام سے مشرت فرما دیا جس کا ثبوت پہلے گذر چکا اور اس کی تحقیق حضرت امام جلال المدین ^{اسیوطی} اور علامہ شامی نے خوب فرمائی ہے۔ اور ثعالبہ ابن حاطب نے ایک بار زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ناگوار خاطر ہوا۔ پھر ثعلبہ زکوٰۃ لے کر عاجزی کرتا ہوا حاضر ہوا۔ مگر منظور نہ ہوئی۔ پھر حضرت صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں زکوٰۃ لایا مگر دہاں بھی نامنظور ہوئی پھر زمانہ فاروقی میں پھر خلافت عثمانی میں زکوٰۃ پیش کرتا رہا مگر کسی خلیفہ نے قبول نہ فرمائی یہی جواب دے دیا گیا۔ کہ جس کی زکوٰۃ حضور علیہ السلام نے رد کر دی ہو۔ ہم میں جرأت نہیں کہ اس کو قبول کر لیں۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی وَتَسْأَلُهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهُ كَيْفَ لَئِنِ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَنُنَادُّنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ

دیکھو تفسیر کبیر اور روح البیان اسی آیت کی تفسیر

غور کرو ابھی ثعلبہ زندہ تھا۔ ظاہر میں اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہ ہوا تھا چاہیے تھا کہ اس کی توبہ قبول ہو جاتی۔ مگر چونکہ مصطفیٰ کے ہاتھوں نے اس کا دروازہ بند کر دیا تو بند ہی رہا۔ یہ ہے اختیار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حلیم کے غضب سے خدا کی پناہ۔

(۳) دستور یہ ہے کہ اپنی چیز کا اپنا پیارا مالک ہوتا ہے کیونکہ محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا اور حضور نور رب کے ایسے پیارے ہیں کہ جو ان کی غلامی کرے۔ وہ بھی اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ لَسْأَرْبُكِي هَرَّ حَبْرٍ مَحْبُوبٍ كِي

ہے۔ وَكَسَوْتَّ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ۔

(۴) حضور علیہ السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ دیکھو شامی کتاب زکوٰۃ۔ کیوں فرض نہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ تمام عالم کے مسلمان مرد اور عورتیں حضور کے لونڈی غلام ہیں اور اپنے غلام اور لونڈی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے لہذا حضور کسی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ لینے والا کوئی نہیں۔ مصرف نہ ملنے کی وجہ سے آپ پر زکوٰۃ فرض ہی نہ کی گئی۔

(۵) انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط اور خلیفہ وہ ہوتا ہے جو دراصل مالک کا نائب ہو کر اس کے ملک میں حکومت کرے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں کہ جب رب تعالیٰ بلا واسطہ احکام نہیں بھیجتا۔ تب اس کی نیابت میں خلق پر حکومت فرماتے ہیں۔ اسی لیے علماء کو نائب الہی کہا جاتا ہے اور نائب اپنی نیابت کے وقت مالک ہوتا ہے۔

(۶) سابق نرشس پر اور حنبت میں طوبیٰ کے پتوں پر حوروں کی پیشانیوں اور علمائوں کے سینوں پر لکھا ہوا ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور قاعدہ ہے کہ چیز پر بنانے والے اور مالک کا نام لکھا جاتا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جنت اور عرش کا بنانے والا اللہ اور مالک محمد رسول اللہ ہیں جس کی چیز اسی کا نام بلکہ دنیا کی چیزوں پر قدرت نے حضور کا نام لکھا ہے میرے پاس ایک پتھر ہے۔ بابو اللہ وہ صاحب سیکرٹری انجمن نے کشمیر کے علاقے کے ایک دریا سے پایا اس پر صاف لکھا ہے مُحَمَّدٌ اور اوپر سے پتھر کو سبز کیا گیا ہے۔ اس پر قدرت نے رنگ سے مُحَمَّدٌ لکھا ہے۔

دہلی میں رائے سینا۔ رہا تھا تو ایک سنگ مرمر کو آرہ مشین سے چیرا گیا اس کے بیچ میں لکھا ملا مُحَمَّدٌ " اس کا فوٹو بھی میرے پاس ہے جس کا جی چاہے اس پتھر کی اور اس فوٹو کی زیارت کرے لوگ اس پتھر کی میرے پاس آکر زیارت کرتے ہیں۔ کیئے جناب! اگر حضور مالک نہیں تو چیزیں پر حضور کا نام قدرت نے کیوں لکھا؟

بلکہ کچھ سال بدیشیر جبل پور کے کلکٹار نے بھی اس کی تصدیق کی ہے اور وہاں عام باشندوں نے دیکھا تھا۔ گجرات میں بھی اس کے دیکھنے والے ماسٹر محمد عارف صاحب اب تک موجود ہیں۔ اور اس کو خواجہ حسن نظامی "منادی" اخبار اور علیحدہ ٹریکیٹ میں بھی شائع کیا تھا کہ ایک مرتبہ رات کے وقت اچانک تیز روشنی ہوئی لوگوں نے اوپر کو دیکھا تو آسمان پر خط نوری سے لکھا تھا "مُحَمَّدٌ" اور ان حرفوں سے نور کل نظر آتا تھا۔ تقریباً ایک منٹ تک باقی رہا۔ ۱۹۶۲ء کو میں منگمیری میں بکری کے بچہ کے پیٹھ پر لفظ "مُحَمَّدٌ" لکھا تھا۔ سبحان اللہ آنکھیں ہوں تو اب بھی ان کی سلطنت دیکھ لو اللہمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدًا وَعَلٰی الْاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

(۷) معراج میں حضور علیہ السلام کو کوئین کی سیر کرائی۔ لامکاں کا مکین بنایا۔ کیوں اس لیے کہ کبھی بادشاہ اپنے ملک کی سیر فرمانے کے لیے دورہ فرماتے ہیں۔ آج اس سچے شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطنت کا دورہ فرمایا۔

(۸) آج دنیاوی بادشاہوں کو لوگ جڑا بھلا کہہ لیتے ہیں۔ اخباروں میں ان پر اعتراضات چھپ جاتے ہیں مگر کسی دل میں یہ ہمت نہیں کسی زبان میں یہ طاقت نہیں کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زبان چلا سکے اور جو کوئی گستاخی کرتا ہے وہ سزا پاتا ہے۔ اس کی مثالیں بہت سی موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان شہنشاہ کی حکومت دل و جان پر ہے۔ اور قیامت تک رہے گی۔ رب تعالیٰ ہم کو وفادار رعایا بنا دے اور بغاوت سے بچائے۔ آمین یا رب العالمین۔

(۹) دنیاوی بادشاہ اپنے نوکروں کو تنخواہیں دیا کرتے ہیں۔ اور آج تک حضور علیہ السلام کے در سے لاکھوں آدمی تنخواہ پارہے ہیں میں پوچھتا ہوں کہ مولوی پیر و مشائخ جو دنیا میں عیش کی زندگی بسر کر رہے ہیں یہ کیا کرتے ہیں کیا انہیں کوئی لکڑی کا ٹوہے کا، کپڑے کا ہنر آتا ہے۔ کوئی مزدوری کرتے ہیں۔ یہ حکیم یا ڈاکٹر ہیں۔ آخر یہ کیا کرتے ہیں اور کس چیز کی اجرت پاتے ہیں کہ ان کی عزت بھی ہے ان کو عیش بھی حاصل ہے۔ مسلمان ان کی خدمتیں کرتے ہیں۔ اجمیر شریف۔ پیران کلبہ

بخارا وہیں یہ روایتیں کیوں لگی ہیں۔ بس صرف اس لیے کہ یہ تمام حضرات اس مدینے والے شہنشاہ کے خدام اور نوکر ہیں۔ یہ ہی سمجھ کر مسلمان ان کی خدمت میں کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے حبیب اس شہنشاہ کے خزانوں کے دروازے ہیں۔ ان کا نام لینے ہیں۔ کھاتے ہیں عیش اڑاتے ہیں۔ اللہ اس دربار کو آباد رکھے کہ ہم بھکاریوں کا اس دروازے کے سوا اور کہیں ٹھکانا نہیں ہے

مدینے کے غصے خدا تجھ کو رکھے

غریبوں فقروں کو ٹھیرانے والے

اے وہا بیو! اور اے دیوبندی مولویو! خدا کے لئے تمک حلال نبو جس کے نام پر کھاتے کھاتے ہو اس میں عیب نہ ڈھونڈو، بلکہ اس کے نام کے گیت گاؤ۔ اللہ تم کو ہدایت دے اور ہم کو قائم رکھے۔ بلکہ کونسل کے ممبر اور اسلامیہ سکول بھی ظاہر طور اسی شہنشاہ کے دربار کے بھکاری ہیں۔ یہ ممبر تو اسلام کے نام پر ووٹ مانگتے ہیں اور یہ اسکول اسلام کے نام پر مسلمانوں کے صدقات خیرات حاصل کرتے ہیں۔ ان کو بھی لازم ہے کہ کونسل میں پہنچ کر اسلام کی خیر خواہی کریں۔ اور اسلامیہ اسکولوں کو صحیح معنوں میں اسلامیہ اسکول بنادیں اور مجھ فقیر کے لئے بھی دعا کریں کہ رب تعالیٰ صحیح معنی میں مسلمان بنائے اور ایمان پر خانمہ نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

ابھی ۱۹۲۶ء میں الیکشن میں ہندوستان میں مسلم لیگ نے بے مثل کامیابی حاصل کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ فتح نہ مسٹر جناح کی تھی نہ کسی اور شخص کی۔ بلکہ نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی فتح ہوئی کہ مسلمانوں نے لفظ مسلم کو ووٹ دینے۔ اسی راج والے تخت والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈنکے کو نین میں بچ رہے ہیں



دوسرا باب

سلطنتِ مصطفیٰ پر اعتراضاتِ جوابات

نوٹ سے ضروری: اس مسئلے پر جس قدر اعتراضات کئے گئے ان سب کی وجہ یہ ہے کہ معتز ضیہین نے اس مسئلے کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ رب کی ملکیت اور حضور کی ملکیت میں فرق نہیں کر سکے تو چیخ اٹھے کہ اگر حضور علیہ السلام کو نبین کے بادشاہ ہیں تو پھر خدا کا کیا رہ گیا کہ عالم کے دو مالک ہو گئے یا پھر حضور رب سے بے پرواہ ہو گئے۔ حالانکہ ہر نبیہ رب کا جہت مند ہے۔ اس کو پہلے باب میں بھی سمجھا چکے ہیں اور پھر بھی عرض کر دیں گے۔ اب تک مخالفین جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں وہ حسب ذیل ہیں اور آئندہ جو اعتراضات پیدا ہوں گے ان کے جوابات انشاء اللہ اسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں دیئے جائیں گے۔

اعتراض (۱) قُلْ لَا أَقُولُ مَا كُنْتُ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ لَعْنَةُ اللَّهِ لِيَعْنِي أَسْءَلُكُمْ فَمَا دُونَ ذَلِكَ مِنْ شَيْءٍ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے پاس کچھ بھی نہیں۔ پھر مالک ہونے کے معنی۔

جواب: اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔ اول یہ کہ اس آیت میں خزانے کا مالک ہونے کا انکار نہیں بلکہ دعویٰ کرنے کی نفی ہے یعنی میں لوگوں سے کہتا نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں کیونکہ وہ دعویٰ وہ کیا کرتا ہے جس میں ضبط کی طاقت نہ ہو۔ رب نے جس طرح ان کو اتنی بڑی بادشاہت دی ہے اسی طرح ان کو ضبط کی طاقت بھی عطا فرمائی ہے جس خزانے میں زیادہ قیمتی مال ہوتا ہے اس کے دوانے پر زیادہ مضبوط قفل ہوتا ہے۔ زبان دل کا دروازہ ہے۔

برہانشرف قفل و در دل رازِ لب خموشش و دل پر آوازِ باغ

دوسرے یہ کہ اس آیت میں خزانوں کے پاس ہونے کا انکار ہو سکتا ہے نہ کہ مالک ہونے کا خزانہ خزانہ اپنی کے پاس ہوتا ہے مگر مالک کی زبان اور قلم پر ہوتا ہے شہنشاہ اپنے پاس روپیہ نہیں رکھتے۔ جہاں ان کا فرمان پہنچا خزانہ اپنی نے فوراً روپیہ ادا کیا۔ فرمایا یہ جا رہا ہے کہ ہم مالک ہیں خزانہ اپنی نہیں۔ "ہماری" ہاں "اور" نا "میں سب کچھ ہے کیا یہ نہ پڑھ چکے کہ اثنائے پر بارل برسے اور اثنائے پر ہی کھل گئے۔

تیسرے یہ کہ اس آیت میں منافقوں اور کفار سے خطاب ہو رہا ہے کہ اسے منافقو تم چور ہو اور ڈاکوؤں سے خزانے چھپائے جاتے ہیں یہ راز صاحب امر لوگوں کو بتائے جاتے ہیں اسی لیے مسلمانوں سے فرمایا۔ اُدَيْتُمْ مَقَاتِيحَ خَزَائِنِ الْاَرَضِ ہم کو خزانوں کی کنجیاں دی گئیں جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے۔ چوتھے یہ کہ خزانہ اللہ کہتے ہیں پیدا کرنے کو یعنی معدومات کو موجود کرنا۔ اور مخلوق کے خزانے میں پیدا کی ہوئی چیزوں کو جمع کرنا۔ جیسے نکسال کہ اس میں روپیہ بنتا ہے۔ اور خزانہ کہ اس میں بنا ہوا روپیہ رہتا ہے رعایا میں سے کوئی اپنی نکسال نہیں بنا سکتا۔ اگر سکھ بنائے گا تو مجرم ہوگا۔ اور بنے ہوئے روپیہ کا ہر شخص خزانہ بنا سکتا ہے۔

(۱) حق تعالیٰ فرماتا ہے وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِلُہُ اِلَّا بِقَدْرِ مَعْلُوْمٍ یعنی ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں مگر ان کو ہم اندازے سے دیتے ہیں۔

اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ تمام چیزیں کسی جگہ ہیں وہاں سے نکل رہی ہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم ہر چیز کے خلق پر قادر ہیں اور پیدا فرماتے رہتے ہیں۔ لہذا اس آیت میں حضور کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ یہ فرمادو کہ میرے خزانے اللہ یعنی خلق کی قدرت نہیں۔ یعنی میں خالق نہیں روکھو روح البیان یہ ہی آیت (اب ہے مخلوق کے خزانے اس کے پاس ہیں فرماتے ہیں۔ کہ مجھے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔

اعتراض (۲) قرآن فرماتا ہے۔ تِلْكَ لَآ اَمْۡلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا

مَا شَاءَ اللَّهُ ط یعنی اے محبوب فرما دو کہ میں تو اپنی ذات کے لئے بے نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ مگر جو اللہ چاہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں۔ تو دوسروں کو کیا دیں گے!

جواب: معترض نے اَلَا مَا شَاءَ اللَّهُ کو نہ دیکھا۔ آیت کا مقصود یہ ہے کہ میں بغیر رب کے چاہے ہوئے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ ہاں اس کے چلنے اور اس کے بیٹے سے مالک ہوں تو ذاتی ملکیت کا انکار ہے اور عطائی کا اقرار یہ ہی تم کہہ رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ معمولی تھاں بیدار رنج تو آپ کو نقصان پہنچا سکے کہ آپ کو حوالات یا جیل میں بھیج دے۔ اور حضور کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں۔

اعتراض (۳) رب فرماتا ہے: قُلْ لَوْ أَنَّ حِنْدِي مَا لَسْتَعْبَسُونَ بِهِ لَفَقِيَ الْآلَمَ رَبِّي وَيَتَكَبَّرُ لِعِنِّي أَيْ محبوب تم فرما دو کہ اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو مجھ میں تم میں کام ختم ہو چکا ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کسی پر عذاب لانے پر قادر نہیں۔ اسی لیے اپنی مجبوری ظاہر فرما رہے ہیں کہ کفار تو عذاب مانگ رہے ہیں اور حضور یہ فرماتے ہیں۔

نیز قرآن فرماتا ہے: وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَابُهُمْ قَالِ اسْتَطَعْتُ أَنْ يَنْتَجِي نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سَلْمًا فِي السَّمَاءِ فَنَاتِيهِمْ بِآيَاتِهِ لَعْنَةُ الْيَهُودِ الْيَهُودُ الَّذِينَ نَسُوا عَهْدَهُمْ الَّذِي كَفَرُوا بِهٖ فَمَنْ يَتَذَكَّرْ فَإِنَّ هُنَّ لَشَايِئًا لِّعِبَادِ اللَّهِ سَعِيدٌ۔ پھر ان کے لئے نشانی لے آؤ۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضور کسی نا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اور نہ حضور کو عذاب

لانے کا اختیار۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ سب لوگ اسلام لائیں مگر ایسا نہ ہوا بلکہ آپ کو اس خواہش سے روک دیا گیا۔ اسی طرح ابوطالب کے ایمان کی حضور نے خواہش کی۔ مگر فرما دیا گیا۔ اِنَّكَ لَا تَهْتَدِيْ مِنْ اٰحِبِّيْنَ وَ لَكِنَّ اللّٰهَ يَهْتَدِيْ مَنْ يُّشَاءُ یعنی یہ نہیں ہے کہ جسے تم چاہو اس کو ہدایت کر دو۔ ہاں اللہ جس کو چاہے ہدایت سے جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو کسی کے ہدایت

دینے کا بھی اختیار نہیں۔ یہ مخالفین کا انتہائی اعتراض ہے۔

جواب: اس اعتراض کا منشاء صرف یہ ہے کہ مخالف نے حضور کی ملکیت رب کے مقابلہ میں مستقل طور پر سمجھی ہے اور یہ ہمارا دعویٰ نہیں۔ ان آیات میں مستقل ملکیت اور قبضہ کی نفی ہے یعنی اگرچہ چیزیں مستقل طور پر میرے قبضہ میں ہوتیں تو میں لے آتا۔ مگر چونکہ رب کی مرضی نہیں کہ اے کفار ابھی تم پر عذاب آئے اس لئے فی الحال عذاب نہیں آسکتا یا رب کی مرضی نہیں کہ ان کو منہ مانگے معجزات دکھائے جائیں یا کہ ابو طالب ایمان ظاہر کریں۔ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتے اگر میں ان کاموں میں رب کا حاجت مند نہ ہوتا بلکہ خود مستقل ہوتا تو یہ کام خود کر لیتا۔ آج ہم جن چیزوں کے مالک ہیں۔ زمین، سامان وغیرہ اس میں بغیر مرضی الہی کچھ نہیں کر سکتے۔ رب فرماتا ہے۔ وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يُّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہ تم لوگ بغیر رب کی مرضی کچھ چاہ نہیں سکتے۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ ہم اپنی کسی چیز کے مالک بھی نہیں بلکہ مالک حقیقی کے مقابل مالک مجازی کی ملکیت بے حقیقت ہے۔ اسی طرح آیت اِنَّكَ لَا تَهْتَدِيْ فِيْ اِرْشَادٍ ہورہا ہے کہ اے محبوب جس کو ہم ہدایت دینا نہ چاہیں تم اس کو ہدایت نہیں دے سکتے جس کو اس سے آگے بیان فرمایا وَلٰكِنْ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يُّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ہ اگر اس کا مقصد نہ ہو تو اس آیت کا مطلب ہوگا کہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِيْلْتِيْ هِيَ اَقْوَمُ مِنْ لِّسَانِ بَشَرٍ ہ رستے کی ہدایت کرتا ہے۔ یہاں تو فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی ہدایت نہیں کرتا اور وہاں ارشاد ہورہا ہے کہ قرآن ہدایت کرتا ہے۔ رب فرماتا ہے وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ہ اے محبوب یقیناً آپ پریدے رستے کی ہدایت فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مستقل طور پر کوئی ہدایت نہیں کرتا اور رب کی عطا سے قرآن بھی ہدایت دیتا ہے اور صاحب قرآن بھی قٰنِ اِسْتَطَعْتَ كِيْ اٰيَةٍ مِّنْ يُّهٰى فَرِيَا جَارٍ ہ کہ اے نبی یہ کام بغیر ہماری مرضی کے آپ نہیں کر سکتے آج میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ بادشاہ کسی کو اس کی موت کے بغیر پھانسی نہیں دے سکتا یا بغیر مرضی الہی کسی کو

نفع و نقصان نہیں پہنچا، کتا۔ یہ بالکل صحیح ہے حالانکہ بادشاہ کو پھانسی دینے، نفع و نقصان پہنچانے کا مختار بنایا گیا ہے ورنہ وہ بادشاہ کیسا اور رعایا اور بادشاہ کیسا اور رعایا اور بادشاہ میں کیا فرق۔ یہی یہاں بیان ہو رہا ہے۔ بلا تشبیہ جیسے بادشاہ رب کا حاجتمند اور رعایا کا حایستہ، روا ہے ایسے ہی سمجھ لو کہ اللہ کے محبوب خالق کے حاجتمند اور مخلوق کے حاجت روا اور مولیٰ کے بندے اور بندوں کے مولیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

ضروری ہدایت: اس کا خیال چاہیے کہ سوال کرنے وقت ادب کا لحاظ ہے۔ بیدھڑک منہ سے لفظ نکال دینا محرومی کی علامت ہے حق تعالیٰ ان کا رب ہے۔ اور وہ اس کے بندے وہ جس طرح چاہے اپنے پیاروں کو یاد فرمائے اور ان کو نوازے اور یہ حضرات جس طرح چاہیں اپنے رب سے اپنی نیاز مندی کا اظہار کریں ہم کمینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان بارگاہوں میں جرات کریں۔

از خدا خواہیم تو فسقِ ادب

بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

اعتراض (۴): قرآن کریم فرماتا ہے: **اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ اَوْ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرُ لَكُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ** اے محبوب تم ان کے لئے دعا مغفرت کرو یا نہ کرو اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو تو اللہ ہرگز ان کو نہ بخشے گا۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ منافقوں کے لئے اگر حضور دعا بھی کریں۔ تب بھی رب تعالیٰ قبول نہ فرمائے گا۔ پھر ملکیت اور محبوبیت کی وہ شان کہاں رہی جو تم بیان کرتے ہو۔

جواب: یہ آیت تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ شان بیان کر رہی ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو حضور کے غلاموں کو طعن دے کر آقا کے دل کو ایذا پہنچاتے تھے چنانچہ اس سے پہلے یہ آیت ہے۔ **الَّذِينَ**

يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّئِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ ط یعنی جو لوگ صدقہ کئے
 والے لوگوں کو عیب لگاتے ہیں الخ معلوم ہوا کہ وہ لوگ بارگاہِ نبوت کے مجرم ہیں
 ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ اے محبوب انہوں نے آپ کو ایذا دی ہے اس لئے
 ہم ان کے قصور معاف فرمائیں گے معلوم ہوا کہ جو مصطفیٰ علیہ السلام کی بارگاہ کا
 مجرم ہو جائے اس کی کہیں اپیل ہی نہیں اور اس کو کہیں بھی پناہ نہیں ملتی۔ یہ ہی
 اس آیت کے معنی بتائے جا رہے ہیں۔ ذَلِكْ بِاَنْهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ۔
 یہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ ورسول کے منکر ہو گئے۔

لطیفہ : محبوب کا حسن بے اختیار ہوتا ہے اور چاہتے والے کی
 محبت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اپنے محبوب کے مجرم کو کبھی نہ معاف کرے۔ حضور
 علیہ السلام رحمۃ للعالمین ہیں آپ کی رحمت بے اختیاری ہے، کوئی کیسی ہی خطا کرے۔
 مگر کرم فرمانے میں تامل نہیں۔ رب کی محبت یہ ہے کہ ان مجرموں کو کبھی نہ بخشے۔
 کیونکہ وہ محبوب کے مجرم ہیں اور ان لوگوں کو نہ بخشنے میں حضور کی عزت افزائی ہے۔
 خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد محمد جو پکڑے نہیں چھوٹ سکتا
 یعنی جو اللہ کی پکڑ میں آگیا حضور علیہ السلام کی شرعاً عزت فرما کر رب سے معافی دلا دیں
 مگر جو شفیع المذنبین کی پکڑ میں آگیا اس کے لئے اب کون سفارش کرے اس لئے
 سرفیائے کرام فرماتے ہیں :

یا خدا دیوانہ باش و محمد ہوشیار

یعنی خدا کی بارگاہ میں دیوانہ بن کر آسکتے ہیں مگر مصطفیٰ سلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ
 میں ذرا ہوش سنبھال کر آنا۔ یہاں اونچی آواز کرنے پر اعمال ضبط ہو جاتے ہیں یعنی
 بزرگانِ دین جذبہ میں آنا لائق کہہ گئے مگر کسی نے آج تک آنا محمد نہ کہا۔

اُونچے اُونچے یہاں جھکتے ہیں سارے انہیں کا منہ تکتے ہیں
 جن ملک ان کے سلامی فخر ہے سب کو ان کی غلامی
 اعتراض (۵) : رب تعالیٰ فرماتا ہے : كَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوبَ

عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَانَّهُمْ ظَالِمُونَ۔ یعنی اے محبوب یہ بات تمہارے ہاتھ میں نہیں یا تو اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں دیکھو حضور غایہ السلام نے پیر معونہ کے کفار پر دعائے عذاب فرمائی۔ تو حضور کو اس دعا سے روک دیا گیا اگر وہ مالک ہیں یا ان کی بہر بات بارگاہِ الہی میں قبول ہوتی ہے تو آیت کے کیا معنی ہوں گے۔

جواب: یہ آیت تو حضور علیہ السلام کی شان بتا رہی ہے۔ عادتِ الہیہ یہ ہے اگر اس کا کوئی پیارا بندہ کسی ایسی بات میں دُعا کرنا چاہے جس کے خلاف ارادہ الہی ہو چکا ہے تو ان کو دعا سے روک دیا جاتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اے محبوب یہ بات ہمارے ارادے کے خلاف ہے اور ارادہ الہیہ کے خلاف ہونا ممکن نہیں اور یہ بھی ہم نہیں چاہتے کہ تمہاری بات نالی جائے لہذا آپ اس معاملے میں دُعا ہی نہ کریں اس میں ان انبیائے کرام کی عزت افزائی ہے آج ہم ہزاروں دُعا میں کرنے ربت میں کچھ بھی نہیں ہوتا مگر ان سے ایسی غائب کرائی ہی نہیں جانتیں جو نہ ہو سکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاہا کہ قوم لوط کے واسطے دعا فرمائیں تو حکم ہوا يَا اِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَاءَ اَمْرًا سَابِقًا لِنَهْمٍ اَنْتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ط اے ابراہیم اس دعا سے بچو کیونکہ اب اس قوم پر عذاب آنے ہی والا ہے اس طرح حضور علیہ السلام کو اس دعا سے روکا گیا اور اس روکنے میں حضور کی عزت افزائی ہوئی۔

اعترض (۶) قرآن کریم فرماتا ہے اے محبوب فرما دو اِنْ اَتَّبِعُ اِلٰهًا مَّا يُوْحٰى اِلَيّْٰی مِّنْ سِوٰىكَ لَآتِيَنَّكَ مِنَ السَّمَآءِ مَطَرٌ مِّنْ سِوٰى مَطَرِ الْبَرَآءِ اَوْ يَكُوْنُ مِنَ الْغٰیْبِ مَخْرٰجًا مِّنْ سِوٰى مَخْرٰجِ الْغٰیْبِ اَوْ يَكُوْنُ مِنَ الْغٰیْبِ مَخْرٰجًا مِّنْ سِوٰى مَخْرٰجِ الْغٰیْبِ اَوْ يَكُوْنُ مِنَ الْغٰیْبِ مَخْرٰجًا مِّنْ سِوٰى مَخْرٰجِ الْغٰیْبِ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور غایہ السلام اپنی طرف سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے بلکہ صرف وحی سے حکم دیتے تھے۔ اور تم کہتے ہو کہ حضور علیہ السلام مالک احکام تھے۔ اب وہ مالک احکام کہاں ہوئے بلکہ ہماری طرح بندہ مجبور (معاذ اللہ)

جواب: یہ آیت پوری نہ پڑھی پوری آیت یہ ہے۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ

اِنَّ اَيْدِيَكُمْ مِّنْ تَلْقَاءِ نَفْسِيْ اِنَّ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحَىٰ اِلَيَّ - یعنی اے محبوب فریادو کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں میں نہیں پیروی کرتا مگر وحی الہی کی۔

واقعہ یہ تھا کہ عاص ابن وائل نے ایک دفعہ عرض کیا کہ یا تو آپ اس قرآن کو بدل دیجئے یا کوئی اور دوسرا قرآن لائیے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کو یہ جواب دلوایا گیا کہ اے محبوب فریادو کہ میں یہ کچھ نہیں کر سکتا۔ میں تو صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں یعنی جو رب کی طرف سے آتی ہے۔ وہی پہنچا دیتا ہوں اس میں اپنی طرف سے کمی نہیں کر سکتا جیسے کہ علمائے یہود نے کی تھی تو اس جگہ انبیاء سے مراد ہے قرآن کا بے کمی و بیشی اظہار یعنی جو آئے اسی کا بتا دینا اور مَن تَلْقَاءِ نَفْسِيْ میں اس طرف نہایت باریک اشارہ ہے کہ قرآن اپنی رائے سے نہیں بدل سکتا۔ ہاں رب تعالیٰ سے عرض کر کے بدلواسکتا ہوں اور ایسا بہت ہوا ہے۔ کہ قرآنی آیات حضور کی مرضی کے مطابق نازل ہوئیں یا بدلی گئیں یعنی منسوخ ہوئیں جس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں :-

اول بیت المقدس مسلمانوں کا قبیلہ تھا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی خوشی یہ تھی کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ معظمہ قبیلہ ہو جائے۔ ایک دن بار بار آسمان کی طرف سر نیاز اٹھا کر نگاہ ناز فرما رہے تھے یعنی یہ انتظار تھا کہ قبیلہ کی تبدیلی کا حکم آجائے۔ رب تعالیٰ نے اس محبوبانہ ادا کو نہایت پست فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا اے محبوب ہم آپ کے آسمان کی طرف منہ اٹھانے کو دیکھ رہے ہیں۔ اچھا اب تم کو اسی قبیلہ کی طرف پھیرتے ہیں۔ جس کو آپ چاہتے ہیں (رف) اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ آپ کی خوشی یہ ہے لہذا ہم بھی اسی کو قبیلہ بناتے ہیں جس کو محبوب تم چاہو۔ دیکھو یہ نسخ حضور علیہ السلام کی رضا جوئی کے لئے ہوا۔

تفسیر روح المعانی میں آیت وَكُلِّ وَجْهَةٌ هُوَ مَوْلِيَّتُهَا کی تفسیر میں

ہے کہ ہر قوم بلکہ ہر چیز کا علیحدہ قبلہ ہے جدھر اس کی توجہ ہے فرشتوں کا قبلہ
بیت المعمور ہے دعا کا قبلہ آسمان، ارواح کا قبلہ سدرۃ المنتہیٰ اور حضور کا قبلہ
جسم کعبہ معظمہ اور قبلہ روح رب تعالیٰ ہے۔ اور خود رب کا قبلہ اس کے محبوب محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ہر وقت رب تعالیٰ کی ان پر نظر کرم ہے۔ نینوی
ہیں ہے۔

قبلہ شایان بود تاج و گہر قبلہ ارباب دنیا سیم و زر
قبلہ صورت پریشان آب و گل قبلہ معنی شناساں جان و دل

قبلہ عاشق وصال بے زوال

قبلہ عارف جمال ذوالجلال

غرضکہ قبلہ کی تبدیلی حضور علیہ السلام کی خاطر ہوئی۔

اسی طرح اول یہ آیت اتری وَ اِنْ تَبَدُّدْ مَآ فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخَفُوْا
يَحَاسِبِكُمْ بِهٖ اللّٰهُ لَبِئْسَ اِذَا تَرَمَّ اِنِّمْ اِنِّمْ دَلِّ كِي بَات ظَاهِرًا كَرُو يَا كَرُو۔ بہر حال حق
تعالیٰ حساب لے گا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ دل کے خیالات کا بھی حساب
ہو گا۔ مگر محبوب کی مرضی یہ تھی کہ دل کا رب تعالیٰ حساب نہ لے کیوں کہ طاقت
کے باہر ہیں۔ لہذا حکم آیا لَا يَكْفِيْكَ اللّٰهُ نَفْسًا اِلاَّ وَ سَعَهَا رَبُّ تَعَالٰى كَسٰى كُو
طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ دل کے بُرے خیالات
جو بے اختیار دل میں آجائیں۔ معاف ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے
حج کے موقعہ پر دعا فرمائی۔ کہ حاجی کے سارے گناہ معاف فرما دے۔ حکم الہی آیا
کہ حقوق العباد کے سوا سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ مزدلفہ میں بھی
دعا فرمائی کہ خداوند ا حاجی سے بندوں کے حق بھی معاف فرما دے۔ حکم ہوا کہ
وہ بھی معاف فرما دیئے گئے۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرفہ اس
قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ كُو اَقْسَمَ عَلٰى اللّٰهِ لَا يَدَّءُ
دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ اِنْ اَتَّبِعُ مَا يُوحٰى اِلٰىَّ اَوْ

جو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں وہ بھی وحی ہے اس لئے حدیث متواتر سے قرآن کا منسوخ ہونا جائز اور بہت جگہ حضور نے بعض حضرات کو قرآنی احکام سے علیحدہ فرما دیا جس کے حوالے گزر چکے ہیں اگر اس پیش کردہ آیت کے یہ معنی ہوں کہ میں قرآن کی پیروی کرتا ہوں تو حدیث کا بھی انکار ہو جائے گا۔

اعترض (۷) حضور علیہ السلام نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ (مال) لے کر چھوڑ دیا اس پر عتاب الہی آیا اور رب تعالیٰ نے ناراضی کا اظہار فرمایا اگر حضور مالک احکام ہوتے تو آپ کو اختیار ہوتا کہ جو چاہیں وہ کریں ان کے کسی مبارک فعل پر عتاب کیوں آتا۔

جواب : اس واقعہ سے تو حضور کی ملکیت ثابت ہوتی ہے اولاً تو اس لئے کہ اگر آپ بندہ مجبور تھے تو یہ جرات ہی کیوں فرمائی کہ بغیر وحی آئے قیدیوں سے فدیہ لے لیا اور ان کو چھوڑ بھی دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے عادت کر بیٹھی کہ اپنی مرضی پاک سے احکام جاری فرما دیا کرتے تھے تب ہی تو آج اس پر عمل کیا دوسرے اس لئے کہ اگر حضور علیہ السلام مالک احکام نہ تھے تو یہ فیصلہ غلط ہوتا اور جوڑیہ کہ فدیہ کا آیا تھا یا تو کفار تکہ کو واپس ہوتا یا دریا میں غرق کر دیا جاتا کیونکہ جو روپیہ ناجائز سے آئے اس کو کام میں لانا جائز نہیں نیز آئندہ کے لئے منع فرما دیا جاتا کہ اب کبھی فدیہ نہ لیا کرنا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ وہ روپیہ مسلمانوں کے لیے حلال رہا کہ فرمایا گیا۔ فَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ حَلَالًا طَيِّبًا هـ اے مسلمانوں! جو غنیمت تم نے لے لی ہے وہ کھاؤ حلال اور پاکیزہ اور لطف یہ ہے کہ اس آیت پیش کردہ کے نزول کے بعد بھی حضرت عباس اور حضرت ابو العاص زوج زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فدیہ لیا گیا اور آئندہ کے لئے یہ قاعدہ بن گیا۔ کہ مسلمان اگر چاہیں تو کافر قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا کریں کہ فرمایا گیا فَاَمَّا مَنَّا بَعْدَ اِمَّا فِدَاءٍ يٰ قَيْدِيُوں کو احسان کر کے چھوڑ دیا ان سے فدیہ لے لو اگرچہ احناف کے نزدیک یہ حکم بھی بعد کو منسوخ ہو گیا مگر اس وقت تو یہ قاعدہ بن

بن گیا۔ عجب معاملہ ہے کہ بقول مخالفین قدیہ لینے پر عتاب بھی آرہا ہے اور قدیہ کھاتا جائز بھی ہے اور آئندہ کے لئے یہ حکم باقی بھی رکھا جا رہا ہے۔

تیسرے اس لئے کہ رب تعالیٰ اگر اس قدیہ لینے سے ناراض تھا تو منہ بہہ لینے ہی کیوں دیا اول ہی سے یہ آیت نازل فرما کر مسلمانوں کو اس سے کیوں روک دیا۔ اب اپنی بات کا جواب سنو! معاملہ یہ ہے کہ ماتحت کا عمل در آمد حاکم اعلیٰ کے حکم سے رک بھی سکتا ہے اور بدل بھی سکتا ہے اور اس پر عتاب بھی آسکتا ہے یہ باتیں مالک ہونے کے خلاف نہیں۔ دیکھو میں اپنا ذاتی مکان فروخت کرنا ہوں مگر بعض وقت حکومت اس بیع کو رد کر دیتی ہے اور کبھی بیچے ہوئے مکان کو واپس کر دیتی ہے اور بیع کرنا جائز قرار دیتی ہے اور اگر بغیر حبسٹری کے مکان بیچ دوں تو مجھ پر عتاب بھی کرتی ہے سزا بھی دیتی ہے اور جنگ کے زمانے میں جس رعایا کا مکان چاہتی ہے اپنے قبضے میں کر لیتی ہے اور اپنے کام میں لاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنے مکان کا مالک نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ میری ملکیت سے بڑھ کر بادشاہ کی ملکیت ہے اس لئے یہ معاملہ ہو رہا ہے یہاں بھی حضور کا یہ حکم عالی رب تعالیٰ کی حبسٹری کے بغیر ہو گیا۔ تو فیصلہ قائم رکھا گیا۔ مگر حبسٹری نہ کرنے پر توجہ دلائی گئی کہ اسے محبوب اتنا بڑا کام فیصلہ کئے بغیر نہ ہونا چاہیے تھا غرض کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کی ملکیت کی دلیل ہے۔

اعتراض (۸) : جب کفار نے حضور علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ سونے کا ہار عمدہ میوے کا باغ اور پانی کی لہریں ظاہر کیجئے تو جواب دیا گیا کہ ھَلْ كُنْتُ الْاَبَشْرَ الرَّسُوْلَا ط میں تو بشر رسول ہوں یعنی اپنی عاجزی کا اظہار کیا گیا اگر حضور مالک ہوتے تو ان چیزوں کو ظاہر کر دیتے اپنے عجز کا اظہار کیوں فرماتے ؟

جواب : ان سوالات سے کفار کا مقصد یہ تھا کہ یا رسول اللہ اگر آپ یہ کام کر کے دکھادیں تو ہم آپ کو نبی مان لیں ورنہ نہیں۔ یعنی نبوت کو ان باتوں پر موقوف رکھا اس جواب میں ان کے اس قاعدے کی غلطی بیان فرمائی گئی۔ یعنی نبوت ان

چیزوں پر موقوف نہیں کہ جو یہ کام کر دکھائے وہ تو نبی ہو اور جو سونے کا پہاڑ نہ بنائے وہ نبی نہ ہو بلکہ نبوت انسانی صفات میں سے ایک صفت ہے میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ خدائی کا حضور علیہ السلام کی کوئین میں بادشاہت صرف نبوت کی وجہ سے نہیں ملتی بلکہ ان دلیلوں کی وجہ سے مانتے ہیں جو پہلے باب میں بیان ہوئیں۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اس جگہ تو فرمایا گیا کہ بشر رسول ہوں اور بہت سے مومنوں پر لوگوں نے بڑے بڑے معجزے طلب کئے اور بے تکلف دکھا دیئے گئے۔ چاند پہاڑ دیا۔ ڈویے ہوئے سورج کو واپس بلا لیا۔ مردوں کو زندہ کیا گیا تو اگر حضور علیہ السلام بندہ مجبور ہیں تو وہاں یہ قدرت خدا دیکھیں دکھادی ہے وجہ یہ ہے کہ جنہوں نے ان قدرتوں کو نبوت کا معیار مان کر معجزہ مانگا ان کو منع کر دیا گیا اور جن لوگوں نے خدا داد سلطنت کا نظارہ کرنا چاہا ان کو دکھا دیا گیا۔ بلکہ حدیث صحیح میں ارشاد ہوا کہ اگر ہم چاہیں تو پہاڑ سونے کے ہو کر ہماریساتھ چلیں۔ معلوم ہوا کہ اس پر قادر ہیں مگر اس کا اظہار نہیں فرماتے۔

بتاؤ موجودہ بادشاہ سونے کا پہاڑ دودھ کی نہریں بنا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پھر وہ بادشاہ مختار بھی ہیں کہ نہیں بے شک ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام کو سونے کا پہاڑ بنانے پر قدرت نہ ہو تو اس سے آپ کی ملکیت اور سلطنت اور خدا داد اختیارات میں کیا فرق آیا۔ خلق اور چیز ہے۔ اور ملک کچھ اور عجیب عقل ہے کہ ملک کی نفی میں نفی خلق سے استدلال لاتے ہو۔

اعتراض (۹) حضور نے اپنی اول تبلیغ میں فرمایا کہ اے فاطمہ بنت رسول اللہ! تم جو چاہو میرا مال مانگو۔ لَوْ كَلَا اُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا مِّنْ تَمَّ مِنْ خَدَا كَعِ غَضَبِ كَوْمَا نِهِي سَكُنَا جِبْ حَضْرُو عَلِيَه السَّلَامِ اِنِّي لَمُنْتَجِرُ رَضِي اللّٰهُ تَعَالَى اَعْنَاهَا سَعِ مَبِيَّتِ دَفْعِ تَمِي كَرَسَكْتِي تُو مَمَّ سَعِ كِسْ طَرَحِ دَفْعِ كَرَسَكْتِي هِي مَبِيَّتِ كَمَا رَهِي۔
جواب: اس روایت میں مستقل ذاتی ملکیت کا انکار ہے یعنی اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا اور رب کا ارادہ ہو گیا کہ تم پر عتاب آجائے تو میں رب کے

مقابلے میں تم سے کسی مصیبت کو دفع نہیں کر سکتا اور اس سے مقصود دوسروں کو سنانا ہے اس لئے مِنَ اللّٰهِ فرمایا گیا اور یہ کسی کا عقیدہ نہیں کہ کوئی رب کا بندہ رب سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ معاذ اللہ جو کوئی جو کچھ بھی کرتا ہے وہ رب کی دی ہوئی قدرت اور اسی کے ارادے سے کرتا ہے۔

ان تمام اعتراضوں کی بناء اس پر ہے کہ معترض نے سلطنتِ مصطفیٰ کے معنی نہیں سمجھے اور ذاتی و عطائی مستقل اور غیر مستقل میں فرق نہیں کیا۔

شامی جلد اول بحث غسل میت میں ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر رب کے مالک کئے ہوئے میں تم سے مصیبت دور نہیں کر سکتا حضور علیہ السلام تو اجنبی لوگوں کو شفاعت سے نفع پہنچائیں گے پھر اپنے اہل قرابت مومنین کو کیوں محروم چھوڑیں گے۔

حدیث پاک میں ہے کہ كُلُّ نَسَبٍ وَ سِدِّیْ یَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ اِلَّا نَسَبِیْ وَ نَسَبِیْ یعنی موت سے تمام رشتے اور سلسلے ٹوٹ جاتے ہیں۔ سوائے ہمارے رشتے اور سلسلے کے اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلثوم بنت فاطمہ زہرا سے نکاح کیا تا کہ حضور علیہ السلام سے ان کا سُسرالی رشتہ قائم ہو جائے اور یہ آیت کہ یعنی جب صورت بھونکا جائے گا لوگوں کے نسب ٹوٹ جائیں گے۔ اس آیت کے حکم سے حضور علیہ السلام کا نسب علیحدہ ہے۔ انتہی شامی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فاطمہ زہرا کی بڑی ذات ہے سادات کرام کو یہ نسب کام آئے گا بشرطیکہ مومن ہوں مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے صحابی کا کچھ تھوڑے جو خیرات کرنا اور لوں کے پہاڑ برسوں یا خیرات کرنے سے بہتر ہے حضور علیہ السلام کی صحبت پاک کے یہ درجے ہیں تو جو نخت جگر اور نور نظر ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے مدارج نور ہی جانے سے

خون خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر
ان کی اس پاک طبیعت پہ لاکھوں سلام

اعتراض (۱۰) : احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت دفعہ حضور صلی اللہ علیہ السلام پر مسائل پیش ہوئے تو خود فیصلہ نہ فرمایا بلکہ وحی کا انتظار فرمایا جیسے کہ قبلہ بدلنے کا حکم جس کا واقعہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لوگوں نے تممت لگائی تو خود کوئی فیصلہ نہ فرمایا بلکہ وحی کا انتظار فرمایا اگر حضور خود مالک احکام ہوتے تو ہر بات کا خود ہی فیصلہ فرما دیا کرتے۔

مصطفیٰ ہرگز نہ گفتمے تا نہ گفتمے جبرائیل

جبرائیل ہرگز نہ گفتمے تا نہ گفتمے کردگار

جواب : ان جیسے واقعات میں کچھ حکمتوں کی وجہ سے حضور نے اپنی ملکیت سے کام لیا براہِ راست رب سے فیصلہ کرایا۔ اس میں بہت راز ہوتے تھے کبھی تو یہ کہ مخالف لوگ ہم پر اعتراض نہ کریں کبھی یہ کہ اس سے اس مسئلہ کی اہمیت معلوم ہو کبھی اپنی زندگی کا اظہار مثلاً عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لوگوں نے تممت لگائی۔ اگر خود ہی فیصلہ فرما دیا جاتا تو منافقین تو کہتے کہ اپنی بیوی پاک کی طرفداری فرمائی۔ اور حضرت صدیقہ کو وہ عظمت حاصل نہ ہوتی کہ قرآن نے ان کی پاکدامنی اور امت کے خطے پڑھے۔ اب قیامت تک ہر نمازی ہر حافظ ہر تلاوت کرنے والا ان کی عفت کے گیت گاتا ہے گا۔ اسی طرح اگر خود اپنے حکم سے قبلہ بدل دیا جاتا تو مخالفین اور منافقین کا آپ پر اعتراض ہوتا کہ انبیاء کے قبلے کو بدل دیا اس لئے رب نے خود قبلہ کو بدل کر تمام ذمہ اپنے کرم پر لے لیا اور فرمایا
 فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا اِنَّ رَبَّكَ لَخَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُ
 جس سے آپ خوش ہوں بولو ہم پر کسی کو کیا اعتراض ہے حضرت زبید کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام نے نکاح کیا لوگوں نے اعتراض کیا۔ رب نے ارشاد فرمایا فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَ بِهَا لِيُبَيِّنَ لَكَ
 محبوب کا نکاح زینب سے کر دیا جس کو اعتراض کرنا ہو وہ مجھ پر کرے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ سب کے نکاح ان کے ماں باپ کرتے ہیں۔

لیکن میرا نکاح میرے رب نے کرایا۔ سب کے نکاح فقط فرشتوں پر ہوتے ہیں۔
میرا نکاح عرش پر بھی ہوا۔

ان واقعات سے تو حضور کی ملکیت کے ساتھ ان کی محبوبیت کا پتہ لگ گیا۔
اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاتَّخِذْهُ دَبَابُرًا وَسَلِّمْ
دیکھو ہم لوگ اپنی معمولی چیزیں خورد و خنت کرتے ہیں نہ گواہ کی ضرورت ہوتی ہے
نہ رجسٹری کی۔ لیکن بڑی اہم چیزوں کو جیسے باغ۔ مکان۔ زمین وغیرہ بغیر رجسٹری گوان
نہیں خورد و خنت کرتے ہم دونوں چیزوں کے مالک تو ہیں مگر جن چیزوں میں جگہ بھیلنے
کا اندیشہ ہوتا ہے اس میں گورنمنٹ کو ذمہ دار بنانے ہیں۔ رب تعالیٰ نے بھی
بعض بڑے اہم مسائل کی ذمہ داری خود لی اور ہزار ہا احکام میں حضور علیہ السلام
نے خود حکم دیا۔

نکتہ: ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا آج ہم نے
شیطان کو پکڑ لیا تھا اور اگر اسے ستون سے باندھ دیتے تو مدینے کے بچے اس
سے کھیلنے لگتے۔ مگر حضرت سلیمان کی یاد آگئی کہ انہوں نے عرض کیا دَبَابُ مَلَكًا
لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي اے رب تو مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ میرے
بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ لہذا اس کو چھوڑ دیا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی سلطنت
تمام جن و انس ہوا وغیرہ سارے عالم پر ہے مگر اس کا اظہار نہیں فرمایا گیا۔
کیونکہ یہ سلطنت حضرت سلیمان کا خاص معجزہ بن چکی تھی۔ وہ خصوصیت دوسری جگہ
ظاہر نہ ہونا چاہیے۔

اعتراض (۱۱): اگر حضور علیہ السلام تمام عالم کے مالک ہیں تو خود عیش آرام کی
زندگی کیوں نہ گزاری۔ تکلیف میں کیوں گزر فرمائی؟

جواب: اپنی ملکیت کو اپنی ذات کریمہ پر استعمال نہ فرمایا۔ اس سے یہ ثابت
نہیں ہوتا کہ آپ مالک نہیں روزے کی حالت میں ہم لوگ دن بھر اپنی روٹی اپنا
پانی استعمال نہیں کرتے اس لئے نہیں کہ ہم ان چیزوں کے دن میں مالک نہیں بلکہ

اس لئے کہ اس وقت کھانا پینا رضائے الہی کے خلاف ہے۔ حضور نے بھی اس جہاں میں اپنی چیزوں کو اپنی ذات پر استعمال نہ کیا اس جہاں میں ہر چیز حضور ہی پر قربان ہوگی ان کے صدقے سے ان کے غلاموں کو بھی ملے گی کیونکہ آپ کی زندگی پاک تمام دنیا کے لئے نمونہ اور دستور العمل ہے اور دنیا میں فقیر بھی ہوں گے اور مالدار بھی۔ اگر زندگی عیش میں گزاری جاتی تو فقرا کے لئے نمونہ قائم نہ ہوتا لہذا کبھی تو مال قبول فرمایا اور اس وقت رب کا شکر اور صدقات و خیرات فرما کر مالداروں کے لئے نمونہ قائم فرمایا اگر تم کو خدا مال دے تو اس طرح اس کی راہ میں خرچ کرو اور کبھی مال قبول نہ فرمایا اور صبر کا نمونہ پیش فرمایا کہ فقراء اس کو دیکھ کر اس طرح صبر کریں سبحان اللہ! ایک جنگ میں شکم پاک پر تھیر بیٹھے ہیں اسی حالت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ نے دعوت کر دی تو چار سیر جو کھے آٹے سے صدقہ آدیوں کو سیر کر دیا جیسا کہ پہلے باب میں آپ پڑھ چکے غرض کہ یہ زندگی پاک مجبوری کی وجہ سے نہ تھی بلکہ حق یہ ہے

مالک کو نہیں ہیں پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں انکے خالی ہاتھ میں

بخیل وہ جو نہ کھائے نہ کھلائے سخی وہ جو خود بھی کھائے دوسروں کو بھی کھلائے

مگر جو ادوہ ہے جو خود نہ کھائے اوروں کو کھلائے اسی لئے رب کو سخی نہیں کہتے۔

جو اد کہتے ہیں کہ هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ۔ وہ کھانا کھلاتا ہے خود نہیں کھاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفت جو اد کا منظر ہیں کہ کھانے نہیں کھلاتے ہیں۔

(تفسیر روح البیان) اور جو کچھ کھاتے بھی ہیں وہ بھی امت کی تعلیم کے لئے ورنہ

انہیں کھانے کی بالکل حاجت نہیں۔ کھانا ان کا محتاج ہے وہ رب کے سوا کسی

چیز کے حاجت مند نہیں خود فرماتے ہیں اَيْسُكُمْ مِثْلِي يُطْعِمُنِي رِزْقِي وَ اَيْسُكُمْ مِثْلِي

تم میں ہم جیسا کون ہے ہمیں رب تعالیٰ غیبی رزق کھلانا اور پلانا ہے۔ جب کبھی

بھوک کی تکلیف ظاہر ہوتی ہے تو وقت بشریت کے ظہور کا ہوتا ہے اور روزہ

کے وصال میں نورانیت جلوہ گرہے۔ خیر میں زہرنے اثر نہ کیا پوقت وصال
شریف زہر کا اثر ہوا۔ موت کا وقت بشریت کے ظہور کا وقت ہے کہ موت
بشریت پر طاری ہوتی ہے یہ نہایت باریک کلام ہے اس کی تفصیل مرتبہ
شرح مشکوٰۃ یا روح البیان یا لمعات میں دیکھو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ
الہ و آصحابہ وبارک وسلم ط۔

خاتمہ

اس کتاب کی تصنیف کے دوران میں میرے محترم دوست بیٹھ عبد الغنی
صاحب تاجر نے مجھ سے فرمایا کہ وفادار رعایا کو شوق ہوتا ہے کہ اپنے شہنشاہ کا
دیدار کریں اور یہ ہمارا نصیب نہ تھا کہ زمانہ پاک میں پیدا ہوتے اور ان ناچیز
آنکھوں سے وہ جمال جہاں آرا دیکھتے اور دل کی حسرتیں نکالتے۔
ہوتے صدقے کبھی ناقہ کے کبھی محل کے سارباں کے کبھی ہاتھوں کی بلائیں لیتے
دشتِ طیبہ میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے دھجیاں جیب دگر پیاں کی اڑاتے جاتے
اب جبکہ ہم ناچیز سویرس کے بعد پیدا ہوئے تو کم از کم آپ کو حضور کا
حلیہ شریف ہی بتائیں جس کو دیکھ کر تسلی ہو گئے ان کا یہ جذبہ بہت پسند آیا اور
ارادہ کر لیا کہ اب اس کتاب کو حلیہ شریف کے ذکر پر ختم کر دوں اور مسلمانوں سے
گزارش ہے کہ اس حلیہ شریف کو اپنے خیال میں لیں یہاں تک کہ یہ حال ہو جائے

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار

جب ذرا گردن جھکانی دیکھ لی

اور یقین سے جانیں کہ وہی گھر آباد ہوتا ہے جس میں گھر والا ہوا اور جو مالک
سے خالی ہے وہ دیران ہے اسی طرح وہ دل آباد ہے جس میں انکا دھیان ہے رتہ بر باد
آباد وہی دل ہے جس میں تمہاری یاد ہے
جو یار سے غافل ہوا دیران ہے بر باد ہے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ائلیٰ یوم القیام لبعض موقوعوں پر یہ حدیث بیان فرماتے ہوئے جوش میں فرمادیتے تھے۔ کَأَنِّي أَنْظِرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَوَيْبٍ فِي اس وقت حضور کو دیکھ رہا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تصور میں رہتے تھے۔

اور خیالِ یار کا امتحانِ قبر میں بھی ہو گا کہ نکیرین پوچھیں گے کہ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي حَقِّ هَذَا الرَّجُلِ تم ان محبوب کے بارے میں کیا کہتے تھے ؟ لطفِ توجیب ہے کہ خلوت میں وہ جلوہ کا مزہ لے اور یہ ہو کہ

دل میں ہو یاد تیری گوشہ تنہائی ہو

پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

رحمن بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

اور خلوت میں خلوت کا لطف آئے اور یہ صادق ہو

سارا عالم ہو مگر دیدۂ دل دیکھے تمہیں

انجمن گرم ہو اور لذتِ تنہائی ہو

لواب با ادب اپنے محبوب علیہ السلام کا حلیہ پاک سزا اور اپنے ایمان

کو تازہ کر دے

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان ساتہیں انسانہ انسان ہیں یہ

قرآن تو کہتا ہے کہ ایمان ہیں یہ ایمان یہ کہتا ہے کہ مری جان ہیں یہ

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے ترمذی شریف کے آخر میں ایک رسالہ لکھا جس کا

نام ہے شمائلِ شریف۔ اس رسالہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ

جمیلہ کا ذکر ہے۔ ہم اس سے یہ حایہ شریف نقل کرتے ہیں :



سیدنا فضل شاہ انور قلمکار گجرات

حلیہ شریف

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک یہ ہے

قد شریف درمیانہ یعنی نہ بہت دراز نہ بہت مختصر۔ جسم پاک کا رنگ مبارک سفید
مانک سرخی جیسے گلاب کا پھول نہ تو خالص چٹانہ گندمی بال باریک تیز سیاہ جیسے
کہ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى۔ کچھ گھونگر والے خمدار نہ بالکل سیدھے نہ بالکل لمبے دار۔
مبارک گیسوا کثر تا بگوش اور کبھی تابدوش یعنی کان کی ٹونک اور کبھی کندھوں تک
سر مبارک بڑا اور بہت خوب صورت چوڑی پیشانی باریک اور لمبی بھویں (پوٹے)
ان بھووں کے درمیان باریک سی رگ جو کبھی چمکتی تھی، آنکھیں بڑی بڑی پاک لمبی،
آنکھ کی سفیدی بہت تیز اور پتلیاں خوب سیاہ جن کا سرمہ مَا ذَاغِ الْبَصْرِ وَمَا طَغَى
یعنی رب کو دیکھ کر نہ چھپکیں، باریک اور لمبی ناک شریف رخسار مبارک کا رنگ چمکدار
نہ بہت ابھرے ہوئے اور نہ دبے ہوئے بلکہ درمیانی، چوڑا منہ، پتلے پتلے ہونٹ جیسے
گلاب کی پتی۔ چمک دار اور سفید اور چھوٹے چھوٹے دانت جیسے سچے موتیوں کی لڑیاں
اور ان کے درمیان میں معمولی سی کھڑکیاں، گھنی دارھی جس کا رنگ سیاہ درمیانی ریش
بھی مبارک چاندی کی طرح صاف اور سفید گردن شریف دو کندھوں کے درمیان مہر
نبوت۔ گردن کے پیچھے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ یہ کبوتر کے انڈے
کے برابر تھی۔ کچھ ابھرا ہوا گوشت تھا جس پر بال تھے۔ اور پڑھنے میں آتا تھا مُحَمَّدٌ
اسی مہر نبوت کو دیکھ کر حضرت سلمان فارسی وغیرہ ایمان لائے خوب چوڑا سینہ رحمت کا
گنچینہ۔ گلے شریف سے ناک تک بالوں کی باریک سی ڈور، شکم مبارک سینے کے برابر
نہ ابھرا ہوا نہ دبا ہوا، اس کے ماسوا بھرے ہوئے بازو جن پر کچھ بال کسی قدر لمبی کلاپیاں
چوڑی اور بھری ہوئی، ہتھیلیاں۔ کندھوں اور کلائیوں پر بال انگلیاں مبارک پستلی اور

لمبی پنڈلیاں بھری ہوئی جن پر رونگٹے۔ اڑیاں پتی اور قدم بھرے ہوئے کہ زمین پر پورے جم جائیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ چاندنی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سُرخِ حُلّہ زیب تن فرمائے نشر لہیف فرماتے ہیں کبھی آسمان کے چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی اپنے مدینے کے چاند کو (صلی اللہ علیہ وسلم) قسم ہے رب کی حضور چاند سے زیادہ حسین معلوم ہوتے تھے۔ اس کے دیکھنے والوں کی آنکھوں کے قریبان۔

دیگر اوصاف

چہرہ انور با عجب تھا کہ جو اچانک دیکھ لیتا اس کے دل میں عجب اور عجبیت آسمانی آجاتی اور جس کو صحبت میں رہنا نصیب ہو جاتا تو اخلاق کریمانہ کی وجہ سے حضور سے ایسا مانوس ہو جاتا کہ اور جگہ اس کا دل نہ لگتا۔ اکثر نگاہ نیچی رہتی تھی۔

اک ماہ بدن گور اس بدن نیچی نظریں کل کی خیریں ؟
و دسنا کے سخن دکھلا کے پھین مارا بھونکا سب تن من دھن

چہرہ انور پر سر کے آثار نمایاں رہتے تھے جیسے کچھ سوچ رہے ہیں جب کسی طرف نظر فرماتے تو پوری طرح ادھر منہ پھیر کر کبھی تہقہ نہ فرمایا اکثر تبسم فرماتے تو دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتیں بعض روایات میں آیا ہے کہ اس نور میں گم شدہ سوئی تلاش کی جاسکتی تھی۔

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے

شام کو صبح بنا تا ہے اجالا تیرا

پسینہ نشر لہیف میں گلاب کی تیز خوشبو جب کسی گلی سے گزرتے تو مکانوں والے

لوگ پہچان جاتے اور مدینہ کے لوگ اس پسینہ کو بجائے خوشبو کے استعمال کرتے تھے

(مشکوٰۃ) چلنے کی حالت میں زمین لپٹی تھی کہ حضور علیہ السلام آہستہ چلنے لگے ساتھیوں

کو تیز چلنا پڑتا تھا، کبھی خضاب نہ لگایا کیونکہ سر نشر لہیف میں تقریباً چودہ بال اور

دارھی شریف میں چھو بال سفید ہوئے تھے یعنی کل بیس بال سفید تھے۔ بال شریف کی زیارت کرنے والوں نے جو حضاب کی روایت کی وہ اس خوشبو کے رنگ سے دھوکہ کھا گئے جس میں بال شریف رکھے ہوئے تھے۔

کھانے میں بکری کی دستی۔ سرکہ۔ شہد۔ بیٹھی چیزیں اور کدو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ لیکن مرغ اور بٹیر۔ سنو اور بکثرت خورے کھانا بھی ثابت ہیں نیز دیگھی کی کھر جن بھی مرغوب تھی۔ بہت دفعہ جو کی روٹی کھجور سے ملاحظہ فرمائی۔

لباس سفید رنگ کا پسند تھا۔ اکثر عمامہ، قمیص اور نہبت استعمال فرماتے تھے کبھی سیاہ عمامہ بھی ثابت ہے یعنی چادر اور اکثر پیوند والا کمبل شریف استعمال میں رہتا تھا۔

اسی عرشی مہمان صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک کبھی دو تہہ والا ٹاٹ اور کبھی چمڑے کا گدیہ جس میں کھجور کی چھال کا بھراؤ ہوتا تھا۔

ہدایت

ناظرین رات کو سوتے وقت اس حلیہ شریف کا مطالعہ کیا کریں اور پاک بستر پر پاک کپڑے پہن کر با وضو قبیلہ رو سویا کریں اگر ممکن ہو تو سوتے وقت عطر بھی لگا لیں اور ہمیشہ اس امید پر سوئیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہو جائے اس میں یارب العالمین جس نے خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کی اس نے حضور ہی کو دیکھا وہ نفسانی، شیطانی یا خیالی نہیں ہوتا بلکہ واقعی ہوتا ہے۔ چہرہ انور کو نورانی دیکھنا اپنی قوت ایمانی کی دلیل ہے اس کے خلاف دیکھنا اپنی کمزوری ایمان کی علامت ہے اسی طرح عمدہ لباس میں زیارت ہونا اپنی نیک عملی کی نشانی ہے اور اس کے برعکس دیکھنا اپنی بد عملی کی پہچان یعنی شریف میں ہے۔

گفت من آئینہ مفتول دوست
ترکی دہندی بہ بتیدال کہ ادست

حضور علیہ السلام آئینہ قدرت الہی ہیں آئینہ میں اپنا رنگ نظر آتا ہے ورنہ حضور کو کما حقہ بجز پروردگار کسی نے نہ دیکھا۔

جو کوئی اس رسالہ سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ فقیر بے نوا کے لئے خاتمہ یا لجنہ کی دعا کرے اور دعا کرے کہ رب تعالیٰ فقیر کی ان کتب کو قبول فرمائے اور میرے لئے نوشتہ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے اور میرے ولی نعمت مرشد برحق صدر الافاضل مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ دام ظلم کا سایہ مجھ پر اور تمام اہل سنت پر قائم رہے آمین یا رب العالمین۔

بِسْمِكَ الرَّؤُفَ الرَّحِيمِ وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيَّ خَيْرَ خَلْقِهِ وَتَوَرَّأَ عَرْشُهُ
سَيِّدَنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ
أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

احمد یار خاں نعیمی انٹرنی



یہ کتاب حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی مبارک زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت یہ دعا کی گئی۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ کو حضرت نے اپنے رب کی رحمت میں آرام فرمایا۔ اب یوں دعا کیجئے کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے معمور فرمائے اور ان کے برکات سے ہمیں مستفید فرمائے۔ آمین



الكلام المقبول

فی

طہارۃ نسب سے رسول؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اسلام میں سائے نسب و خاندان برابر ہیں کوئی کسی سے افضل نہیں۔ لہذا سید پٹھان، تیلی، نانی دھوبی سب یکساں درجہ رکھتے ہیں۔ تقویٰ سے فضیلت ہے۔ نسب سے نہیں یہ بھی کہتا ہے کہ کسی کے پرہیزگار باپ دادا کام نہ آئیں گے صرف اپنے اعمال کام آئیں گے۔ زید یہ آیت پیش کرتا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ نِزِ حَضْرٍ صَلٰى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ اسے فاطمہ میں تم سے عذاب الہی دفع نہیں کر سکتا۔ عمر کہتا ہے کہ نہیں بلکہ سید تمام خاندانوں سے افضل ہیں اور بزرگوں کی اولاد کو ان کے باپ دادا کی نیکی ضرور کام آئے گی فرمایا جاوے کہ کس کا قول درست ہے۔ بیٹنوا و تو جروا

الجواب : ان دونوں مسئلوں میں عمر کا قول صحیح ہے اور زید کا قول غلط و باطل ہے۔ حضرات سادات کرام کا نسب دوسرے نسبوں سے اعلیٰ و افضل ہے اور مومنوں کے صالح بزرگوں کے نیک اعمال انشاء اللہ تعالیٰ اولاد کے ضرور کام آئیں گے۔

یہ دونوں مسئلے قرآن کریم کی آیات، احادیث صحیحہ اور عقلی دلائل وغیرہ سے ثابت ہیں۔ ملاحظہ ہوں :

ولیل تمیرا : رب تعالیٰ فرماتا ہے :

وَالْحَقُّنَا بِهٖمُ ذُرِّيَّتِهِمْ
بِإِيْمَانٍ وَمَا أَلْتَنَاهُمْ
مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ

ہم جنت میں مومنوں کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے اعمال سے کچھ کم نہ کریں گے۔

لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مومن اولاد انشاء اللہ تعالیٰ قیامت میں حضور کے ساتھ رہے گی۔ اس سے سادات کرام کے نسب کی عظمت بھی ثابت ہوئی اور بزرگوں کے اعمال کا کام آنا بھی معلوم ہوا۔

آیت ۲

قُلْ لَا اسْتَكْبَرُ عَلٰی سِرِّ
اَجْرًا اِلَّا الْمُوْدَّةَ فِي
الْقُرْبٰى

فرمادو اسے مجھ پر صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں تبلیغ نبوت پر کچھ معاوضہ طلب نہیں کرتا صرف قرابت کی محبت چاہتا ہوں

اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ میرے حق کی وجہ سے میرے عزیزوں اہل قرابت سے محبت کرو۔ معلوم ہوا کہ سادات کرام جو حضور کے اہل قرابت اور اولاد ہیں ان سے حضور کی خاطر محبت کرنا لازم ہے۔ دیگر خاندانوں کا یہ حال نہیں۔

آیت ۳

وَاعْلَمُوْا اَللّٰمَ غَنِمْتُمْ مِّنْ
جان رکھو کہ جو کچھ غنیمت تم حاصل

کر و۔ اس کا پانچواں حصہ اللہ
رسول اور رسول کے اہل قرابت
اور تمیموں اور مسکیتوں کے لئے ہے۔

شَيْءٌ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَ
لِلرَّسُولِ وَ لِذِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ -

معلوم ہوا کہ زمانہ شریف میں مال غنیمت کے خمس میں حضور کے اہل
قرابت کا علیحدہ اور مستقل حصہ تھا۔ بلکہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے نزدیک اب بھی سیدوں کو اس خمس سے حصہ ملے گا۔ دوسرے خاندانوں
کو یہ عزت حاصل نہیں۔

آیت ۴

حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام
سے فرمایا کہ اس دیوار کے نیچے دو
بچوں کا خزانہ ہے ان دونوں کا باپ
نیک مرد تھا اس لئے رب نے چاہا
کہ یہ بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں

وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا
فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا
أَنََّّهُمَا هُمَا يَسْتَكْبِرَا
كَتَرَهُمَا -

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو تمیموں پر رب نے اس لئے رحم فرمایا کہ ان
کا باپ متقی مرد تھا۔ پتہ لگا کہ نیکوں کی نیکیاں اولاد کے کام آتی ہیں لہذا
حضور کی نیکیاں سادات کرام کو ضرور کام آئیں گی۔

آیت ۵

ہم نے حضرت ابراہیم کی اولاد
میں نبوت اور کتاب رکھی۔

وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النَّبُوَّةَ
وَأَنكَبْنَا -

یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بعد سارے نبی آپ ہی کی اولاد میں
ہوئے اور ساری کتابیں اور یہ صحیفے آپ کی اولاد پر آئے۔ اولاد ابراہیم
کو یہ عظمت اسی وجہ سے حاصل ہوئی کہ وہ ابراہیمی ہیں۔ لہذا آپ کا
نسب اشراف ہے۔

آیت ۷

بِئْتِي إِسْرَائِيلَ أَذْكَرُوا
نِعْمَتِي الَّتِي أَلْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
وَآتِي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ

اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد میری
وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر
کی اور میں نے تم کو اس زمانہ میں تمام
جہانوں پر بزرگی دی۔

معلوم ہوا کہ یعقوب علیہ السلام کا نسب ایسا اعلیٰ ہے کہ حق تعالیٰ نے
ان کی اولاد کو تمام خاندانوں سے اونچا کیا تھا۔ لہذا یقیناً حضور علیہ السلام کے
خاندان والے سادات کرام آج تمام جہانوں سے اعلیٰ خاندانی ہیں۔

بِئْتِي وَادْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
إِذْ جَعَلْنَا فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَ
جَعَلْنَاكُمْ مَلَكًا

اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد
میری نعمتوں کو یاد کرو جو تم پر ہیں
کیونکہ تم میں نبی بنائے اور تم کو
بادشاہ بنایا۔

معلوم ہوا کہ کسی قوم میں انبیاء کا آنا خدا کی خاص نعمت ہے۔
جس سے دوسری قومیں محروم ہیں لہذا سادات کرام میں حضور کا تشریف لانا رب
تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو اوروں کو حاصل نہیں۔

آیت نمبر ۸

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ
لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ
إِنَّ الْقَيِّمَاتِ

اے نبی کی بیویو! اگر تم پر ہیزگاری
اختیار کرو تو تم دوسری کسی عورت
کی طرح نہیں ہو۔

پتہ لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متقی پرہیزگار بیویاں تمام جہان کی
پرہیزگار بیویوں سے افضل ہیں کیونکہ وہ حضور کی بیویاں ہیں۔ لہذا سادات
کرام جو متقی پرہیزگار ہیں۔ وہ دیگر پرہیزگاروں سے اعلیٰ ہیں کیونکہ وہ حضور
کے نسب والے ہیں۔

آیت نمبر ۹

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ
عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ
يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

اسے نبی کے گھر والو! اللہ چاہتا ہے
کہ تم سے پلیدی دور کرکھے اور تم کو
خوب پاک و صاف رکھے۔

معلوم ہوا کہ اہل بیت خواہ ازواج مطہرات ہوں یا اولاد اطہار ہوں سب
کو رب نے پاک فرمادیا۔ کیوں اس لئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
قبیلے والے ہیں۔ یہ خصوصی طہارت دوسروں کو میسر نہیں۔ ورنہ پھر سادات
کی خصوصیت کیا ہوگی۔

آیت نمبر ۱۰

وَمِن دُرِّبَيْتِنَا أُمَّتُهُمْ مُسَلِّمَةٌ
لَكَ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا
کی کہ مولیٰ ہماری اولاد میں ایک جماعت
اپنی مطیع و فرمانبردار رکھ۔

اس دعا سے معلوم ہوا کہ سائے سید کنبھی گمراہ نہیں ہو سکتے دوسری
اسلامی قومیں تو ساری گمراہ ہو سکتی ہیں۔ پتہ لگا کہ حضرت ابراہیم کا نسب و خاندان
اعلیٰ و افضل ہے کہ انہیں یہ دعائے ابراہیمی حاصل ہے۔

آیت نمبر ۱۱

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ
حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ وَالْوَالِدِ
وَمَا وَكَلْتُ

مجھے اس شہر کی قسم کہ اسے محبوب
اس شہر میں تم ہو اور تم باپ کی
قسم اور اس کی اولاد کی قسم۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ بھی ہے کہ والد سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ
وسلم ہیں اور اولاد سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک ہے۔ معلوم ہوا
کہ حضور کا شہر تمام شہروں سے افضل اور حضور کی اولاد پاک تمام خاندانوں سے اعلیٰ
ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کی قسم ارشاد فرمائی اور ہو سکتا ہے کہ والد سے مراد حضرت

عبداللہ و آمنہ خاتون ہوں رضی اللہ عنہما اور ولد سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

احادیث شریفہ

اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بے شمار ہیں کہیں فرمایا کہ حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ کہیں فرمایا کہ فاطمہ جنتی بیویوں کی سردار ہیں وغیرہ چند احادیث برکت کے لئے پیش کی جاتی ہیں :

حدیث نمبر ۱ : مسلم شریف، ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین میں ہے :

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ كِتَابَةَ
مِنْ وَلَدِ اسْمَاعِيلَ وَاصْطَفَىٰ
قَدَ لَيْثًا مِنْ كِتَابَةِ وَاصْطَفَىٰ
مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ وَ
اصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ -

یعنی اللہ تعالیٰ نے اسماعیل
علیہ السلام کی اولاد میں سے کتابہ کو
چنا اور بنی کتابہ میں سے قریش کو
اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چن لیا۔
اور بنی ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ فرمایا۔

معلوم ہوا کہ یہ مذکورہ بالا قبیلے تمام دوسرے خاندانوں سے افضل و برگزیدہ ہیں
حدیث نمبر ۲ : فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے -

أَنَا تَارِكٌ نَبِيِّكَ الثَّقَلَيْنِ
أَوْلَاهُمَا كِتَابُ اللَّهِ فِيهِ
الْهُدَىٰ وَالشُّورُ فَخُذُوا
بِكِتَابِ اللَّهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ وَ
حَسَّ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ وَرَأَيْتَ
فِيهِ وَ أَهْلَ بَيْتِي ۚ ذَكَرَكُمْ
اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي ۚ ذَكَرَكُمْ
اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي (مسلم)

میں تم میں دو نفیس و اعلیٰ چیزیں
چھوڑتا ہوں ایک تو اللہ کی کتاب جس
میں ہدایت اور نور ہے لہذا اللہ کی
کتاب کو لو۔ اور اسے مضبوطی سے
پکڑو کتاب اللہ پر لوگوں کو رغبت
دی۔ دوسرے میرے اہل بیت ہیں
تمہیں اہل بیت کے بارے میں اللہ
سے ڈراتا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان شریفین اور آل اطہار کی عظمت قرآن کریم کی طرح ہے۔ جیسا کہ ایمان کے لئے قرآن کا ماننا ضروری ہے ایسے ہی حضور کے اہل بیت کا ماننا لازم ہے۔ دوسرے خاندانوں کو یہ شرف کہاں نصیب۔

حدیث نمبر ۳۔ ترمذی نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کی :

أَحِبُّونِي لِحُبِّ اللَّهِ وَآحِبُّوا
أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي

اللہ کے لئے مجھ سے محبت کرو اور
میری محبت کی خاطر میرے اہل بیت
سے محبت کرو۔

حدیث نمبر ۴ : احمد نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَلَا إِنَّ مَثَلَ أَهْلِ بَيْتِي
فِيكُمْ مَثَلُ سَفِينَةِ نُوحٍ
مِنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ
عَنْهَا هَلَكَ

میرے اہل بیت کی مثال تم میں کشتی
نوح کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا
نجات پا گیا۔ اور جو اس سے علیحدہ
رہا۔ ہلاک ہو گیا۔

حدیث نمبر ۵ : ترمذی نے زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنِّي تَارِكٌ نِيَكُمُ مَا إِن
تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي
أَحَدٌ هُمَا أَعْظَمُ مِنَ الْآخِرِ
كِتَابُ اللَّهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَعِشْرَتِي أَهْلُ
بَيْتِي وَكُلُّ بَيْتٍ قَاتِلِي تَرِدَا
عَلَى الْحَوْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ
يُخْلِصُونِي فِيهِمَا

میں تم میں وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ
جب تک اسے پکڑے رہو گے تو
میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ان
میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔
اللہ کی کتاب ہے جو اللہ کی دراز سے
ہے۔ دوسرے میری اولاد گھر والے پہ
دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے
یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آئینگے

لہذا تم دیکھو کہ تم ان دونوں میں میری کیسی
نیابت کرتے ہو۔

حدیث نمبر ۶ : مسلم شریف نے عبدالمطلب ابن ربیعہ سے روایت کی۔
اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا
ہی صدقے لوگوں کے میل ہیں یہ صدقے
ہی اَوْ سَاخِ النَّاسِ وَاِنَّمَا لَا
نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال ہیں
تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ
نہ حضور کی اولاد کے لئے۔

یہ تمام برکتیں سید حضرات کو صرف اس لئے حاصل ہیں کہ وہ نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم کی نسل شریف سے ہیں۔ غیر سید خواہ کتنا ہی پرہیزگار ہو اسے یہ
خوبیاں حاصل نہیں ہو سکتیں معلوم ہوا کہ خاندان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
اثر ہے۔

حدیث نمبر ۷ : ردالمحتار جلد اول باب غسل میت میں بحوالہ حدیث شریف فرمایا
كُلُّ نَسَبٍ وَ سَبَبٍ مُتَقَطَّعٌ
یعنی قیامت کے دن ہر نسبی اور
يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا نَسَبِي و
سُسرالی رشتے کٹ جائینگے اور کام نہ
آئیں گے مگر ہر نسب اور سُسرالی رشتہ
سَبَبِي۔
کام آئے گا۔

پھر فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کلثوم بنت فاطمہ زہرا رضی
اللہ عنہا سے اس حدیث کی بنا پر نکاح کیا تاکہ حضرت علی شیر خدا سے آپ کا
سُسرالی رشتہ قائم ہو جائے پھر فرمایا قرآن شریف میں جو ہے فَلَا نَسَابَ
بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ قِيَامَتِمْ فِي نَسَبِ كَامٍ نَّ آئِينَ گے۔
اس آیت کے حکم سے حضور کا نسب شریف علیحدہ ہے وہ ضرور کام آئیگا
جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کو بخشوا میں گے تو کیسے ہو سکتا
ہے کہ اپنی اولاد کو نہ بخشوا میں۔ ساداتِ کرام کے نسب پاک کو یہ فضیلت
اس لئے ہے کہ وہ حضور کا خاندان ہے۔

حدیث نمبر ۸
النَّاسُ بَيْعٌ فَلِقْرَابَتِهِ

مُسَابِقُهُمْ تَبِعَ لِمُسْلِمِهِمْ
وَكَافِرُهُمْ تَبِعَ لِلْكَافِرِهِمْ -
مسلم، بخاری، مشکوٰۃ باب مناقب قریش

تمام لوگ قریش کے تابع ہیں۔
عام مسلمین مسلمان قریش کے تابع
ہیں اور کافر لوگ کفار قریش کے
فرابندار

حدیث نمبر ۹

لَا يَذَالُ هَذَا الْأَمْرُ فِي
قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنْهُمْ وَ
أَشْتَانِ (بخاری مسلم)

یہ خلافت قریش میں ہی رہے گی
جب تک ان کے دو آدمی
بھی ہوں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمان قریش کے تابع ہیں۔ اور
خلافت اسلامیہ قریش ہی کے لئے ہے۔

عقلی دلائل

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان تمام خاندانوں
سے اعلیٰ اور اشراف ہو چند وجوہ سے۔

دلیل نمبر ۱۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے کنکروں پتھروں
میان نوروں کو عزت حاصل ہے کہ حضور کی ناکہ شریفیت تمام اونٹوں سے افضل
حضور کے شہر کے کنکر پتھر بادشاہوں کے تاجوں سے افضل۔ کہ رب تعالیٰ
نے قرآن کریم میں ان کی قسم فرمائی لَا فَتَمِمْ بِهَذَا الْبَلَدِ تَوْجُو حَضْرَاتِ
حضور کے لخت جگر نور نظر ہوں وہ دوسرے قبیلوں سے ضرور افضل ہیں۔

دلیل نمبر ۲: تمام لوگ زکوٰۃ صدقات کھا سکتے ہیں مگر سید صاحبان
نہ زکوٰۃ لے سکیں نہ کوئی اور واجب صدقہ۔ کیونکہ یہ مال کا میل ہے اگر یہ
نسب شریف بھی اور نسبوں کی طرح ہوتا تو دوسروں کی طرح انہیں بھی زکوٰۃ

کھانا جائز ہوتی معلوم ہوا کہ یہ نسب شریف نہایت ہی پاک ستھرا اور دیگر
نسبوں سے اعلیٰ ہے۔

دلیل نمبر ۳ : سادات کرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ نماز میں درود
ابراہیمی میں حضور کے ساتھ ان پر بھی درود پڑھا جاتا ہے **اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ**
سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ پھان، شیخ وغیرہ کسی
قوم کو درود میں داخل نہ فرمایا گیا۔ سوا اس خاندان شریف کے یوں سمجھو کہ اس
خاندان کی تعظیم نماز میں داخل ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام خاندانوں سے افضل
یہ خاندان ہے۔

دلیل نمبر ۴ : حضرت طلحہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فصد کا خون
بے ادبی کے خوف سے پی لیا۔ تو سرکار نے فرمایا اب تمہارے پیٹ میں درد نہ
ہوگا۔ اور تمہیں اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ جب حضور کا خون
شریف پیٹ میں پہنچے گا یہ اثر ہو تو جن کا خمیر حضور کے خون شریف سے ہو ان
کی عظمت کا کیا پوچھنا!

دلیل نمبر ۵ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں۔
اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز تمام پیغمبروں کی چیزوں سے اعلیٰ
ہے۔ دیکھو حضور کی امت ساری امتوں سے افضل **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ**
تم ساری امتوں سے افضل ہو۔

حضور کی بیویاں تمام جہانوں کی بیویوں سے افضل **يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ**
كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ حضور کا شہر تمام نبیوں کے شہروں سے افضل۔
حضور کے صحابہ کرام تمام نبیوں کے صحابیوں سے افضل۔ اسی قاعدے سے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد تمام پیغمبروں کی اولاد سے اعلیٰ و افضل ہونی چاہیے
ورنہ کیا وجہ ہے کہ حضور کی نسبت اور تمام چیزوں کو اعلیٰ و افضل کر دے۔
اور اولاد شریف میں کوئی عظمت پیدا نہ کرے۔

اب تک سائل کے سوال کا جواب دیا گیا۔ اب زید کے اعتراض کا جواب بھی سننے چلو۔

اعتراض ۱: زید کی پیش کردہ آیت یعنی **إِنَّا جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ**۔ اس کا مطلب وہ نہیں جو زید نے سمجھا کہ اسلام میں حضور کے خاندان کو دوسرے خاندانوں پر کوئی بزرگی نہیں۔ اگر اس آیت کا یہ منشا ہو تو ان آیات سے تعارض اور مقابلہ ہو جائے گا۔ جو ہم نے پیش کیں۔ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ مسلمان سائے ہی عزت والے ہیں۔ خواہ کسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں۔ کسی اسلامی قوم کو ذلیل نہ جانو۔ جیسا کہ عرب میں رواج تھا۔ کہ بعض قوموں کو حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔ یعنی مسلمانوں میں کوئی قوم ذلیل نہیں۔ ہاں بعض بعض سے افضل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

عزت اللہ ورسول اور مومنوں کے لیے ہے۔

وَاللُّبُوبِ
الْعِزَّةُ لِلَّهِ وَاللِّسْوَالِ
وَاللُّبُوبِ

اس میں سائے مسلمان شامل ہیں۔ بلا تشبیہ یوں سمجھا جائے کہ سائے ہی نبی عزت والے اللہ کے پیارے ہیں کسی پیغمبر کی ادنیٰ بے ادبی بھی کفر ہے۔ مگر بعض نبی بعض سے افضل ہیں۔ یا اس آیت کا منشا یہ ہے کہ کوئی نسبتی فضیلت کے گھمٹ میں تقویٰ و پرہیزگاری نہ چھوڑے یہ دھیان رکھے کہ اللہ کے نزدیک جتنا تقویٰ زیادہ اتنا ہی درجہ زیادہ بلکہ بہت بڑی قومیتوں کو بڑا تقویٰ چاہیے۔ یا اس آیت کا منشا یہ ہے کہ مسلمان کسی مسلمان کو قومی طعنہ نہ دیں۔ اور نہ کسی مسلمان کو کمین سمجھے نہ کسی مسلمان کا قومی تمسخر اڑائے۔ بہر مسلمان واجب تعظیم و احترام ہے اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے۔

کوئی قوم کسی کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے کہ جس کا مذاق اڑا رہا ہے وہ

لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ
عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّمَّهِمْ

اس سے بہتر ہو۔

کسی خاندان کے افضل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ دوسرے کو ذلیل جانو۔ لہذا ساداتِ کرام کو یہ حق حاصل نہیں کہ دوسرے مسلمانوں کو حقیر و ذلیل جانیں ہر مسلمان کا احترام لازم ہے مگر دوسرے مسلمانوں کو چاہیے کہ ساداتِ کرام کا اس لئے اعزاز و اکرام کریں کہ یہ لوگ اس رسول کی اولاد ہیں جنہوں نے ہمیں کلمہ پڑھایا۔ جنہوں نے ہمیں قرآن و ایمان دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اعتراض نمبر ۲: بعض لوگ اس آیت سے دھوکا کھاتے ہیں۔
 لَنْ يَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا
 أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ -
 ہرگز کام نہ آئیں گے تمہارے
 رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن
 اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں نہ کوئی نسب کام آئے گا نہ اولاد۔
 اس ارحام اور اولاد میں سارے رشتے اور ساری اولادیں داخل ہیں خواہ
 نبیوں کی اولاد ہو یا ولیوں کی۔

جواب: اس آیت کریمہ میں ان مسلمانوں سے خطاب ہے جن کی
 اولاد اور قرابت دار کافر تھے اور وہ مسلمان رشتے کی بنا پر ان کی طرفداری
 کرتے تھے۔ انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ تم اسلام کے مقابلہ میں ان کافر
 قرابت داروں کی حمایت نہ کرو۔

اس آیت کو انبیاء کرام کے رشتوں اور صالح اولاد سے کوئی تعلق
 نہیں کیونکہ اس رکوع کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے شروع فرمایا:
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
 عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ (الآیۃ)
 اے مسلمانو! تم میرے اور اپنے
 دشمنوں یعنی کافروں کو دوست نہ بناؤ
 اور یہ رکوع حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل
 ہوا جنہوں نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کی خاطر کفار مکہ کی جاسوسی کی کہ

مسلمانوں کے خفیہ راز انہیں لکھ بھیجے کیونکہ ان کے بچے مکہ معظمہ میں کفار کے پاس تھے اس تمہاری پیش کردہ آیت کے آخر میں ہے **يُفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهَ قِيَامَتِ** میں تم میں اور تمہارے ان رشتہ داروں میں فاصلہ کر دے گا کہ تمہیں جنت میں اور انہیں دوزخ میں داخل فرما دے گا۔ اس آیت کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ مسلمانوں کو بتا رہا ہے کہ انہوں نے اسلام کے مقابلہ میں اپنی کافر قوم سے پوری طرح علیحدگی اختیار کی ان تمام علامتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کافر رشتہ دار مراد ہیں اس آیت کی تفسیر یہ آیت شریفی ہے :

آپ مسلمانوں کو ایسا نہ پائیں گے کہ وہ اللہ رسول کے دشمنوں سے محبت رکھیں اگرچہ وہ ان کے باپ دادے ہوں۔ یا بیٹے پوتے ہوں یا کنبہ والے ہوں۔ (الایہ)

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ (الایہ)

نیز فرمایا :

اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں ان سے پرہیز کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن مِّنْ أَرْوَاحِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوِّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ

ان آیات نے بتایا کہ اس آیت کریمہ میں کافروں کے رشتہ دار

اور کافر اولاد مراد ہیں۔

اعترض نمبر ۳ :

جس دن صور بھونکا جائے گا تو ان بندوں کے آپس کے رشتہ رہینگے۔ اور نہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں گے۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سارے نسب بیکار ہیں خواہ نبی کا نسب ہو یا ولی کا کوئی قیامت میں کام نہ آوے گا۔ لہذا سید اور غیر سیدوں میں کوئی فرق نہیں۔

جواب: اس آیت کریمہ میں قیامت کی دہشت اور اس کے اول وقت کی افراتفری کا ذکر ہے کہ جب عدل الہی کا ظہور ہوگا تو نسبتی محبتیں اور قرابت کی مدد وغیرہ سب ختم ہو جائیں گی۔ اور ہر ایک کو اپنی اپنی بڑی ہوگی۔ کسی کو دوسرے کی فکر نہ ہوگی جس کی تفصیل دوسری جگہ رب تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ
وَآبِيهِ وَأَبِيهِ كُلِّ امْرِئٍ
مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ مُّشَانٌ
يَغْتَنِيهِ۔

اس دن انسان اپنے بھائی اور ماں پاپ
بیوی و اولاد سے بھاگے گا۔ ہر شخص کا یہ
حال ہوگا کہ دوسرے سے بے خبر
کردے گا۔

اس آیت میں بعض تسبوں کی عظمت کا انکار نہیں ہے نسب کی عظمت اور چیز ہے اور قیامت کی وحشت دوسری چیز قیامت کے اول وقت تو دیگر انبیاء کرام بھی شفاعت سے انکار فرمائیں گے۔ اور سوائے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بھی بارگاہ میں لب کشائی کی جرأت نہ کرے گا۔ تو کیا اس ہمیت ذوالجلال سے یہ لازم ہے کہ وہ حضرات عزت والے نہیں ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ قیامت کی وحشت بھی عام انسانوں کو ہوگی۔ اللہ کے بعض خاص بندے اس وحشت سے محفوظ ہوں گے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

لَا يَجْزِيَنَّهُمُ الْفَرْعُ
الْأَكْثَرُ وَتَتَلَقَّهُمُ
الْمَلَائِكَةُ۔

انہیں قیامت کی بڑی گھبراہٹ
نمگین نہ کرے گی اور ان کا
فرشتے استقبال کریں گے۔

تیز فرماتا ہے :
 آذَانٌ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا
 خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
 يَحْزَنُونَ -

اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو
 اس دن خوف نہ ہوگا وہ غمگین
 ہوں گے۔

بلکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ اللہ کے پیارے بندوں کی دوستی
 وہاں بھی قائم رہے گی اور دوسری دوستیاں دشمنی سے بدل جائیں گی۔
 فرماتا ہے :

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ
 لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا
 الْمُتَّقِينَ -

اسی دن دوست بعض بعض
 کے دشمن بن جائیں گے۔ سوا
 پرہیزگاروں گے۔

غرضیکہ اس آیت سے نہ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں ایسے
 کرام کے نسب کو بزرگی نہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت میں نسب
 کام نہ آئیں گے۔

اعتراض نمبر ۴ : حدیث شریف میں ہے کہ سب کی پیدائش آدم
 علیہ السلام سے ہے اور آدم علیہ السلام کی پیدائش خاک سے پتہ لگا۔ کہ
 سب انسان نسب میں برابر ہیں اور کسی کو کسی پر کوئی عظمت نہیں۔

جواب : اس حدیث کا مقصد بھی وہی ہے کہ کوئی تبدیلیہ کسی خاندان
 کو بڑا نہ سمجھے ذلیل نہ جانے کیونکہ سب کی اصل خاک ہے۔ اور خاک میں عجز و
 انکسار ہے۔ ایسی عجز و انکسار کی وجہ سے خاک میں پھل پھول باغ کھیت ہوتے
 ہیں۔ آگ میں تکبر و غرور ہے اس لئے وہاں یہ کچھ نہیں ہوتا یہ مقصد نہیں کہ کسی
 نسب کو کسی دوسرے پر فضیلت نہیں بلکہ حدیث سے اشارہ ثابت ہوتا ہے۔
 کہ بعض نسب بعض سے افضل ہیں کیونکہ سب انسانوں کی اصل خاک ہے اور
 بعض خاک دوسری خاک سے افضل ہے مدینہ پاک کی خاک دوسری خاک سے

بڑھ کر۔ مسجد کی خاک بازار کی خاک سے بہتر۔ جبریل امین کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک فرعون کی گھوڑے کی خاک سے بہتر (از قرآن) عمدہ زمین کی خاک شورہ زمین کی خاک سے بہتر کہ شورہ زمین میں کچھ نہیں پیدا ہوتا۔ اسی طرح جن نسیبوں کو انبیاء کرام سے تعلق ہو گیا۔ ان کی خاک دوسرے نسیبوں کی خاک سے افضل ہے۔ نیز خاک میں دو خصوصی صفتیں ہیں ایک یہ کہ ہمیشہ نیچے کو گرتی ہے اگر وہ اوپر کو آجائے گی۔ تو دوسرے کے پھینکنے سے اور خارجی طاقت سے دوسرے یہ کہ خاک ہمیشہ پھیل پھول اگانے میں پانی کی محتاج ہے۔ اسی طرح ہر انسان طبعی طور پر پستی کی طرف گرتا ہے ہاں اللہ والوں کی نظر کی برکت سے اسے بلندی بھی ملتی ہے اور فیض بھی حاصل ہوتا ہے۔ سادات کرام کو یہ عظمت اپنی ذاتی طور پر نہیں ملی بلکہ اس لیے کہ انہیں نبوت کی نسبت نے بلند کر دیا۔

اعترض نمبر ۵ : حدیث پاک میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

يَا فَاطِمَةُ سَلِّينِي مِنْ
مَالِي مَا شَيْئًا لَا أُغْنِي
عَنْكَ مِنَ اللَّهِ -

اے فاطمہ تم جو چاہو میرا مال
مانگ لو میں تم سے خدا کا عذاب
دور نہیں کر سکتا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور کا نسب ان کی خاص صاحبزادی کے لئے بھی فائدہ مند نہ ہوا۔ تو دوسرے سیدوں کو کیا کام آوے گا۔ جو اور نسیبوں کا حال ہے وہی حضور کے نسب کا حال ہے۔

جواب : یہ حدیث اول تبلیغ کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کا حکم دے رہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ ایمان لاؤ۔ اگر یہ ایمان قبول نہ کیا تو یہ سب نسب کام نہ آوے گا۔ اور جو شخص حضور کے نسب میں تو ہو مگر مومن نہ ہو وہ سید نہیں کیونکہ وہ مسلمان ہی نہیں رب تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرماتا ہے

إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ
عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ -

اے نوح ! یہ کنعان تھا را
گھر والا نہیں کیونکہ وہ بدکار ہے۔

کوئی مرزائی، رافضی، چکڑالوی، وہابی سید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سید ہونے کے لئے ایمان ضروری ہے اور وہ ایمان سے بے بہرہ ہے۔ کفر کی وجہ سے سائے نسبتی رشتہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ اسی لئے کافر نہ مومنہ سے نکاح کر سکے اور نہ مومن کی میراث پائے اور نہ مومنوں کے قبرستان میں دفن ہو۔ جب کافر اولاد کو مومن باپ کی مالی میراث نہیں مل سکتی تو کافر کو نسبی شرافت و عزت کیسے مل سکتی ہے۔ ابولہب بنی ہاشم سے ہے مگر اس کی کوئی شرافت نہیں لہذا صرف مومن سادات کرام انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف سے ضرور فائدہ پہنچے گا۔ حضور کی نسبت سے سوائے مسلمان فائدہ اٹھائیں گے کہ جہنمی جنتی ہو جائیں گے اور گنہگار معافی پائیں گے جب نسبت کام آ رہی ہے تو نسب کیوں نہ کام آوے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ كَوَّأْنَهُمْ إِذْ ظَلَمُوا
الْفُسْهَمَ جَاوَكَ فَاسْتَعْفَرُوا
اللَّهَ وَاسْتَعْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ
لَوْ هَدَّ رَا لَلَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا -

اگر یہ لوگ جب بھی اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس آ جاویں اور اپنے رب سے بخشش مانگیں اور تم بھی شفاعت کرو تو اللہ کو توبہ قبول کرے اور انہیں معاف کرے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
وَ أَنْتَ فِيهِمْ -

اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ حالانکہ اے محبوب ان میں تم ہو۔

خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں -

شَفَاعَتِي لِأَهْلِ أَهْلِ
الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي

میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لئے ہے۔

نیز فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

يُخْرِجُ قَوْمًا مِنَ النَّارِ | حضور کی شفاعت سے ایک

بِسْفَاعَةِ مُحَمَّدٍ لَيْسَتْ
الْجَهَنَّمِيْنَ - (بخاری)

بہت بڑی جماعت دوزخ سے
نکلے گی جنہیں جہنمی کہا جائے گا۔

شفاعت کی آیات اور احادیث بہت ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ
حضور کی شفاعت ہر اس شخص کو نصیب ہوگی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔
لہذا یقیناً حضور کی اولاد خصوصی شفاعت سے فائدہ اٹھائے گی۔

خاتمہ اور ضروری ہدایات

ساداتِ کرام کے متعلق چند ضروری باتیں اور خاص ہدایتیں یاد
رکھنی چاہئیں :

پہلی ہدایت : حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد جو حضرت
خاتونِ جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ہے اسے سید کہتے ہیں اور حضرت
علی رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد جو دوسری بیویوں کے بطن سے ہے اسے علوی کہتے
ہیں سید نہیں کہتے۔ جیسے محمد ابن حنفیہ وغیرہم۔ یہ تمام فضائل اس اولاد شریف
کے ہیں جو حضرت فاطمہ زہرا خاتونِ جنت کے بطن سے ہوں۔ کیونکہ نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف میں یہی حضرات داخل ہیں۔

دوسری ہدایت : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو سید دو وجہ سے
کہتے ہیں ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں شہزادوں حضرات
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق ارشاد فرمایا :

الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا
شِيَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ -

میرے حسن و حسین جو اہل جنت
کے سردار ہیں۔

یعنی جوانی میں جو فوت ہوئے ان کے سردار ہیں نیز امام حسین رضی اللہ

عنه کے بارے میں ارشاد فرمایا :
 ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ لَعَلَّ
 اللَّهُ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ قَتِيْبِيْنَ
 مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ -

میرا یہ فرزند سید یعنی سردار ہے۔
 امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ
 مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کر دے

چونکہ ان شہزادوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سید فرمایا اس لئے ان
 کی اولاد کو بھی سید کہا گیا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ سید کے معنی ہیں سردار اور
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے سید المرسلین یہ حضرات ان کی اولاد میں
 ہیں تو رسولوں کے سردار کی اولاد بھی مسلمانوں کی سردار کہلاتی ہے۔ سبحان اللہ
 حضور نبیوں کے سردار حضرت علی شیر خدا ولیوں کے سردار حضرت فاطمہ زہرا
 مسلمان بیبیوں کی سردار حضرت حسنین شہیدوں کے سردار۔ سرداری ان پر
 عاشق ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت محی علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے۔ سَيِّدًا
 وَحَصُورًا وَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِيْنَ غرضیکہ اللہ کے پیاروں کو خود رب
 تعالیٰ نے سید فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سید فرمایا۔

نیسری ہدایت : سید وہ ہوگا جس کا باپ سید ہوگا۔ اگر یاں سیدانی
 ہے اور باپ غیر سید تو وہ سید نہیں۔ نہ اس پر سید کے احکام جاری ہوں
 اسے زکوٰۃ کھانا بھی جائز ہے۔ کیونکہ نسب باپ سے ہے نہ کہ ماں سے اور اگر
 باپ سید ہے اور ماں غیر سید تو وہ سید ہی ہے۔ اور اگر دونوں ماں باپ سید
 ہیں تو وہ نجیب الطرفین سید ہے۔ جیسے حضور غوث ثقلین رضی اللہ عنہ کہ والد
 حسنی سید اور والدہ حسینی سیدہ۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ بھی حسنی سید
 ہوں گے۔ فی زمانہ حسنی سید کم ہیں حسینی سید زیادہ ہیں مگر دونوں واجب
 التعمیم ہیں۔

چوتھی ہدایت : سید حضرات کے جو فضائل بیان ہوئے ان کا مطلب
 یہ نہیں کہ وہ حضرات نیک کام نہ کریں۔ نماز نہ پڑھیں صرف خاندانی شرافت

کی وجہ سے وہ اعمال سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ خیال محض غلط اور باطل ہے۔ سادات کرام کو دوسروں سے زیادہ نیکیاں کرنی چاہئیں تاکہ وہ حضرات اوروں کے لئے مثال بنیں۔ فسٹ کلاس والے مسافر کو تھرد کلاس والے مسافر سے زیادہ زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ انہیں لازم ہے کہ وہ اپنے اسلاف کا نمونہ بنیں۔ امام حسین نے خنجر کے نیچے نماز پڑھی اگر ان کی اولاد بلا وجہ نماز چھوڑے۔ تو برطیسے افسوس کی بات ہے۔

پانچویں حدیث : جتنے سادات کرام کے فضائل بیان ہوئے وہ ان کے لئے ہیں جو صحیح النسب خاندانی سید ہوں۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے لے کر ان تک ان کی نسل میں غیر سید نہ آیا ہو فی زمانہ نقلی سید بہت بن گئے کہ سید نہیں مگر سید کہلاتے ہیں یہ سخت حرام اور شدید ترین جرم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام پر لعنت فرمائی جو اپنے کو غیر مولیٰ کی طرف نسبت کرے اور اس شخص پر لعنت فرمائی جو اپنے کو غیر خاندان سے منسوب کرے۔ جو سید نہ ہو اور سید بنے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا بھی مستحق ہے۔ نیز ذہ اپنی ماں کو گالی دیتا ہے اس کا نکاح غیر سید سے ہوا اور وہ سید کو اپنی ماں کا خاوند بتاتا ہے۔ دیکھو حضرت زید ابن حارث رضی اللہ عنہ حارثہ کے بیٹے تھے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا۔ لوگ بھی انہیں اسی وجہ سے زید ابن محمد کہتے تھے۔

قرآن کریم نے اس سے سخت منع فرمایا۔ ارشاد فرمایا :

وَمَا جَعَلَ اللَّهُ آيَاتِكُمْ بآيَاتِكُمْ بَاطِلًا	اللہ نے تمہارے پالکوں کو
بِآيَاتِكُمْ بَاطِلًا	تمہارا بیٹا نہ بنایا۔ یہ تمہارے
بِآيَاتِكُمْ بَاطِلًا	اپنے منہ کا کہنا ہے۔

پھر اسی سے بھی منع فرمایا کہ ارشاد فرمایا :

دَعُوهُمْ كَدَعْوَىٰ هُمُومٍ	انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر
------------------------------	------------------------------

پکارا کرو یہ اللہ کے نزدیک
ٹھیک ہے۔

هُوَ أَقْطَعُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ
لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ
فَإِسْخُواكُمْ فِي الدِّينِ۔

پھر اگر تمہیں ان کے باپ نہ معلوم ہوں تو وہ دین میں تمہارے
بھائی ہیں۔ جب حضرت زید کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہنا حرام ہوا۔
حالانکہ وہ حضور کے پروردہ اور پالک بھی تھے تو جو کوئی اپنے کو سید کہہ کر
حضور کی اولاد کہے۔ حالانکہ وہ سید نہ ہو وہ اس آیت کی رو سے کتنا بڑا
مجرم ہے۔ نیز جو لوگ غصہ میں اپنی بیوی کو ماں کہہ دیں ان کے باپ سے میں
قرآن شریف یوں فرماتا ہے۔

اور تمہاری ان بیویوں کو جنہیں
تم اپنے ماں کے برابر کہہ دو۔
رب نے تمہاری ماں نہ بنایا۔

وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمْ
الَّتِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ
أُمَّهَاتِكُمْ۔

دوسری جگہ انہیں ظہار کرنے والوں کے متعلق قرآن کریم یوں
ارشاد فرماتا ہے :

وہ جو تم میں سے اپنی بیویوں
کو اپنی ماں کی جگہ کہیں وہ ان کی
مائیں نہیں انکی مائیں تو وہ ہیں جن سے
وہ پیدا ہوئے۔ اور بے شک
یہ لوگ بڑی اور نری جھوٹ
بات کہتے ہیں۔

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ
مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ مَا
هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِنَّ
أُمَّهَاتِهِمْ إِلَّا الَّتِي
وَلَدَ لَهُمْ وَابْنُهُمْ
لَيَقُولُونَ مُكْرِمًا مِمَّنْ
الْقَوْلِ وَنُؤْمَرًا

جب اپنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے کو قرآن کریم نے بڑی
بات اور جھوٹ قرار دیا۔ اور ان کی سخت سزا مقرر فرمائی۔ تو اپنے غیر

باپ کو باپ کہنے والا بھی قرآن کے اس فتویٰ کی رُوسے بڑا جھوٹا اور عذاب نارا کا مستحق ہے۔ غرضیکہ جو سیدتہ ہو اور اپنے کو سید کے وہ اپنی ماں کو گالی دیتا ہے۔ اور نبی کریم کے نزدیک لعنتی ہیں۔ رب کے نزدیک جھوٹے فریبی، مکار، مستحق عذاب نارا ہیں۔ مسلم شریف کتاب الایمان میں ہے۔

مَنْ ادَّعى اِلَىٰ غَيْرِ اَبِيهِ
وَ هُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ غَيْرُ
اَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ

جو اپنے کو اپنے غیر باپ کی
طرف نسبت کرے اور جانتا ہو کہ یہ
اس کا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے

دوسری روایت یہ ہے۔ مَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِيهِ كَقَوْلِكَ
تیسری روایت میں ہے۔ مَنْ ادَّعى اَبًا فِي الْاِسْلَامِ غَيْرَ اَبِيهِ
يَعْلَمُ اَنَّهُ غَيْرُ اَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ

یعنی جو دیدہ دانستہ اپنے کو اپنے غیر باپ کی طرف نسبت کرے۔
تو اس پر جنت حرام ہے۔ اور وہ کافر ناشکر ہے۔

چھٹی ہدایت : سید قوم کا آدمی اگر اسلام سے خارج ہو جائے
ہندو، سکھ یا مرزائی، رافضی وغیرہ بن جائے تو نہ وہ سید ہے نہ اس
کے یہ فضائل ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ کیونکہ کفر کی وجہ سے اس کا نسب
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ گیا۔ وہ شریعت میں اپنے باپ کے
خاندان سے ہی نہ رہا۔ قرآن کریم نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کے
بارے میں فرماتا ہے :

اِنَّكَ كَبِيْرٌ مِّنْ اَهْلِكَ
اِنَّكَ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ

اے نوح یہ کنعان تمہارا گھر
والا نہیں اس کے عمل خراب ہیں۔

جب نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا کنعان کفر کی وجہ سے ان کا بیٹا نہ
رہا۔ تو اب اس قسم کے بے دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کیسے بن

سکتے ہیں۔ نیز قرآن کریم عاص بن وائل کے بارے میں فرماتا ہے۔

إِنَّمَا مَثَابَتُكَ هُوَ الْاِبْتِرُ اے محبوب تمہارا بدگوار وتر ہے۔

دیکھو عاص ابن وائل صاحب اولاد تھا۔ مگر رب تعالیٰ نے اسے ابتر یعنی بے اولاد فرمایا۔ کیونکہ اس کی ساری اولاد مسلمان ہو گئی اور وہ کافر رہا لہذا نہ وہ اس اولاد کا باپ مانا گیا۔ اور نہ وہ لوگ اس کی اولاد۔ پتہ لگا کہ دین کے اختلاف سے نسب ختم ہو جاتا ہے نسب کے لئے دین میں اتحاد شرط ہے۔ بلکہ اس پر شریعت کے احکام بھی جاری نہیں ہوتے۔ چنانچہ مسلمان باپ کا کافر بیٹا میراث نہیں پاتا۔ بلکہ کافر بیٹا دوسرے وارثوں کے لئے حاجب نہیں بنتا۔ نہ حجیب حرمان نہ حجیب نقصان باپ کے ساتھ قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتا۔ باپ اس کافر بیٹے کی شرعی تجہیز و تکفین نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعض مومن مائیں اپنے کافر بیٹے سے پردہ کرتی ہیں۔ کافر مرد کا مومنہ عورت سے نکاح نہیں ہوتا۔ غرضیکہ جنازہ۔ میراث۔ نکاح۔ دفن کفن وغیرہ احکام نہ وہ کافر کا باپ نہ مومن کی اولاد۔

اسی طرح جو اپنے کو سید کہے گا مگر ہو مرتد وہ مسلمان ہی نہیں سید ہوتا تو بہت بڑی بات ہے۔ الحمد للہ کہ یہ فتویٰ بہت مشغولیت کی حالت میں بقدر ضرورت کمال ہوا۔ اس کا نام الکلام المقبول فی طہارۃ نسب الرسول رکھتا ہوں رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

وصلی اللہ علیہ وآلہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد
وآلہ وصحبہ وسلم

منفتی احمد یار خاں

وَرَضِيَتْ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا

ایمان دو تہیں تھے قرآن دو نہیں
اسلام ایک ہی ہے کہ حرم دو نہیں



معروضات جدیدہ
ایک ایام

جسمیت

قوی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام میں
حدیث کی سخت ضرورت ہے،



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ وَصَلَّى عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ



حضرت انجی محترم سید معصوم شاہ صاحب قادری دام ظلہم نے قرآنِ شریف کی کہ ایک رسالہ لکھا جائے۔ جس میں حدیثِ شریف کی ضرورت کے متعلق کچھ مضمون ہو۔ کیونکہ آج کل بعض لوگ مسلمانوں کے ایمان پر برق گرا رہے ہیں۔ اور کئی کتابیں اسی موضوع پر لکھ رہے ہیں۔ کہ ”قرآن ہی کافی ہے حدیثِ شریف کا ماننا بالکل عبث ہے“ میں حضرت معصوم کے ارشاد کے مطابق بہت اختصار کے ساتھ کچھ عرض کرتا ہوں۔ اگر آئندہ ضرورت پڑی تو انشاء اللہ اسی کے متعلق مستقل رسالہ لکھ دیا جائے گا۔ اس مضمون کے دو باب کرتا ہوں۔ پہلا باب ضرورتِ حدیث کے ثبوت میں، دوسرا باب اس پر سوال و جواب میں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

احقر

احمد یار خاں بدایونی
 گجراتی

پہلا باب

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے وہ فرمان جن پر حضور کو باقی رکھا گیا سب رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن جن کا مضمون اور الفاظ سب پذیرِ وحی کے ہوں اسے قرآن کہتے ہیں اور جس کا مضمون تو رب کی طرف سے ہو مگر الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسے حدیث کہا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کی تلاوت نماز میں ہوتی ہے اور حدیث کی تلاوت وہاں نہیں ہوتی۔ حدیث کی تین قسمیں ہیں :

- ۱۔ حدیث قولی یعنی حضور کے فرمان
 - ۲۔ حدیث فعلی یعنی حضور کے دن رات کے اعمال
 - ۳۔ حدیث سکوتی یعنی کسی کو کچھ کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایا اور منع نہ کیا اسی لئے قرآن کو وحی جلی اور حدیث کو وحی خفی کہتے ہیں
- صحابہ کرام کے نزدیک قرآن و حدیث کا ایک ہی درجہ تھا کیونکہ انہوں نے حدیث خود حضور سے سنی تھی۔ اسی لئے انہوں نے حدیث کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ کی حالانکہ تقسیم میراث کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے۔ ہم چونکہ بہت بعد میں پیدا ہوئے اس لئے ہم کو احادیث کے بارے میں بہت چھان بین کرنی پڑی جو احادیث متواتر یقینی طور پر ہم کو مل گئیں ان پر ہم نے قرآن کی طرح عمل کرنا ضروری جانا۔ جیسے نماز کی رکعات اور زکوٰۃ کی تعداد وغیرہ کی حدیثیں اور جو اس درجہ پر قطعی ثبوت کو نہ پہنچیں ان کو حسب مراتب مانا۔ غرض کہ قرآن و حدیث اسلام کے دو ایسے ضروری ستون ہیں جن کے بغیر اسلام کی چھت قائم نہیں رہ سکتی۔ اب بعض

لوگ بالکل آنکھیں بند کر کے حدیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ خود تہرا ہر حدیثوں پر عمل کرتے ہیں مگر زبان سے انکار کئے جاتے ہیں۔ ہم احادیث کی ضرورت اور ان کے اعتراضات کے جوابات ترتیب وار عرض کرتے ہیں۔ پہلے دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَطِيعُوا لِلّٰهِ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولٰٓئِیْ الْاَمْرِ مِنْكُمْ یعنی فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں کی۔ قرآن پر عمل رب تعالیٰ کی اطاعت ہے اور حدیث پر عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔ اور فقہا کا ماننا اولی الامر کی اطاعت ہے اسی لئے عام صحابہ کرام فقہا صحابہ کی اطاعت کرتے تھے۔ اگر صرف قرآن کی اطاعت ضروری تھی تو اس آیت میں نہیں کا ذکر کیوں فرمایا۔

(۲) وَلَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کتاب یعنی قرآن اور حکمت یعنی حدیث سکھاتے ہیں۔ اگر حدیث کی ضرورت نہیں تو اس آیت میں کتاب کے ساتھ حکمت کا ذکر کیوں ہے ؟

(۳) مَا اتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَاٰتٰہَاكُمْ عِنْدَ قٰنْتِہِوٰطٍ جو تم کو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیں وہ لے لو۔ اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اگر صرف قرآن ماننا چاہئے تو یوں فرمانا چاہیے تھا کہ جو تمہیں ہم دیں وہ لے لو اور جس سے ہم منع کریں اس سے بچو! پتہ لگا کہ جو حضور سے ملے قرآن یا حدیث سب لو۔

(۴) مَنْ يُّطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ جِس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی معلوم ہوا کہ حدیث اور قرآن کا ایک ہی درجہ ہے۔ حدیث پر عمل بھی خدا کی اطاعت ہے۔

(۵) وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرُوْا بِهَا يَبِغْضُوْا غٰبِیْہَا صُمًا وَّعُمٰیٰنًا مسلمانوں کی نشان یہ ہے کہ جب ان پر قرآنی آیات پڑھی ہیں

توان آیتوں پر اندھا دھند اپنی عقل سے نہیں گر پڑتے بلکہ اسے سمجھ کر عمل کرتے ہیں۔

(۶) وَ يُجَسِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَايِثَ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ احادیث سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسے کہ گدھا اور کتا ان کی حرمت حدیث شریف سے ہی ثابت ہے۔

(۷) فَلَا دَرَسَاتِكَ لَدِيَوْمِنُونَ حَتَّىٰ يُجَكِّمُوكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ تمہارے رب کی قسم بہ لوگ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے ہر جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ مان لیں۔ اور حضور کو حاکم ماننے کی یہی صورت ہے کہ آپ کی ہر بات پر عمل کرے۔ اور یہی حدیث کا ماننا ہے۔

(۸) رَبِّ فَرِيَا تَا هِي : اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَكَا فِظْوٰنَ ہم نے ہی قرآن اتارا ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ قرآن کے الفاظ۔ قرآن کے معنی۔ قرآن کے احکام۔ قرآن کے اسرار سب کا محافظ ہے۔ اسی لئے حافظ۔ قاری۔ عالم۔ مشائخ تا قیامت باقی رکھے۔ اور حدیث قرآن کے احکام و اسرار کے بقا کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو صلوة۔ زکوٰۃ کے لفظوں کی تو حفاظت رہی مگر یہ نہ خیر رہی کہ صلوة ناچنے کو کہتے ہیں یا بھاگ دوڑ کر اور زکوٰۃ کپڑے دھونے کو کہتے ہیں یا کسی اور چیز کو غرض کہ قرآن کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ حدیث ہے۔

احادیث

(۱) فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس کے مثل (حدیث) بھی عطا فرمایا گیا۔ عنقریب ایسا شخص پیدا ہوگا جو کہے گا کہ ہمیں قرآن ہی کافی ہے۔

خبردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرام فرمایا ہوا خدا تعالیٰ کے حرام
 فرمائے ہوئے کی طرح ہے۔ خبردار گدھا حرام ہے اور سہ کیل والا جانور (کنا وغیرہ)
 حرام ہے (ابوداؤد۔ دارمی۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام)

(۲) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔
 جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے
 رسول کی سنت (موطا۔ مشکوٰۃ)

(۳) جو جماعت سے علیحدہ رہے۔ اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے
 اتار دی (احمد۔ ابوداؤد، مشکوٰۃ)

(۴) بھیڑ یا اس بکری کو پھاڑتا ہے جو ربوڑ سے علیحدہ ہو جاوے شیطان ^{الناس}
 کا بھیڑیاء ہے جو مسلمان کی جماعت سے علیحدہ ہو گا۔ شیطان کا شکار ہو
 جاوے گا۔ ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو۔ (احمد۔ مشکوٰۃ)

ہمیشہ سے مسلمان کتاب و سنت کو مانتے رہے۔ اب جو سنت کا منکر ہے
 وہ جماعت سے علیحدہ ہے اور شیطان کے ترغیب میں ہے۔

(۵) فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو حلال مال کھائے اور سنت پر
 عمل کرے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں وہ جنتی ہے (ترمذی مشکوٰۃ)
 (۶) فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ میری امت کے ۳۷ فرقے
 ہوں گے۔ ایک کے سوا سارے دوزخی ہیں عرض کیا گیا۔ وہ ایک فرقہ
 کون سا ہے ؟

فرمایا مَا اَنَا عَلَيْهِمْ وَاَصْحَابِي حَسْرَةً پر میں اور میرے
 صحابہ ہیں۔

(۷) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اَصْحَابِي كَالنَّجْوَمِ بآيِهِمْ
 اَقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ۔ میرے صحابہ تارے ہیں جن کی تم پیروی
 کرو گے ہدایت پاؤ گے (رزین مشکوٰۃ باب مناقب الصحابہ)

عقلی دلائل

(۱) خود قرآن کا قرآن ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ ہم نے قرآن اُتارتے جبرائیل علیہ السلام کو وحی لاتے نہ دیکھا۔ سرکارِ صلے اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قرآن ہے۔ ہم نے مان لیا اور سرکار کا یہ فرمان ہی حدیث ہے منکرین حدیث قرآن کو کلام اللہ ثابت نہیں کر سکتے۔

(۲) قرآن کی سورتیں اور آیتیں اور اس کی مقدار حدیث سے ثابت ہے۔ یہ کیسے پتہ چلا کہ اتنا قرآن، اتنی سورتیں، اتنی آیتیں رب کی طرف سے نازل ہوئیں۔ منکرین حدیث کبھی ثابت نہیں کر سکتے۔

(۳) حدیث کے بغیر قرآن پر عمل نہیں کر سکتے۔ بہت جگہ رب فرماتا ہے۔
اقِیْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ - نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

حدیث کا انکار کرنے والا نماز کا طریقہ اور تعداد اور زکوٰۃ کی مقدار اور ادا کرنے کا طریقہ قرآن سے ہرگز نہ ثابت نہیں کر سکتا اسی طرح قرآن کے سائے احکام کا حال ہے گویا حدیث قرآن کی شرح ہے۔

(۴) حدیث کے بغیر کوئی مسلمان مذہبی زندگی نہیں گزار سکتا لاکھوں مسائل حدیث سے ثابت ہیں۔ ہم کو قرآن میں نہیں ملتے۔ بتاؤ کتے اور گدھے کی حرمت کس آیت میں مذکور ہے۔

چکڑالویوں کو چاہیے کہ کتا گدھا کھایا کریں۔ قرآن نے صرف سور، مردار وغیرہ تین چار جانوروں کو حرام فرمایا ہے۔ باقی سب کی حرمت حدیث ہی سے ثابت ہے۔

(۵) سنت فریض کے لئے اور حدیث قرآن کے لئے ایسی ہے۔ جیسے کھانے کے لئے پانی جیسے کھانا بغیر پانی کے نہ پک سکے۔ نہ کھایا جاسکے۔

ایسے ہی قرآنی احکام سنت کے بغیر نہ ادا ہو سکیں نہ باقی رہ سکیں۔
نماز فرض ہے۔ ہاتھ باندھنا۔ سبحان اللہ پڑھنا۔ التحیات، درود
ابراہیمی اور سلام سب سنتیں ہیں۔

چکڑ الوی ایک نماز ایسی پڑھ کر دکھائیں۔ جو صرف قرآن کی نماز ہو۔
حدیث سے اس میں مدد نہ لی گئی ہو۔

(۶) قرآن گمراہ بھی کرتا ہے اور ہدایت بھی دیتا ہے۔ یُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا
وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ط لیکن سچوں کے ساتھ رہنا ہدایت کا باعث ہے۔
رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ سچوں کے ساتھ رہو۔
اور فرماتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ
اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ خدایا ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت کر۔ ان لوگوں کا راستہ
جن پر تو نے انعام کیا اور حدیث و فقہ کا ماننا سائے علماء۔ اولیاء۔ صالحین کا
راستہ ہے۔ اسی میں ہدایت ہے اور حدیث کا انکار ان کے خلاف ہے۔
لہذا اس میں گمراہی ہے۔

(۷) قرآن کتاب اللہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور اللہ ہیں رب
فرماتا ہے۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ۔ کتاب بغیر
روشنی کے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ ایسے ہی قرآن بغیر حضور کے فرمان
کے فائدہ نہیں دے سکتا۔

یہ بھی خیال رہے کہ وہ ہی دین سچا ہے جس میں اولیاء اللہ ہوں جو مذہب
اولیاء اللہ سے خالی ہے وہ باطل ہے اسی شاخ میں سبزہ اور پھل پھول لگتے
ہیں جس کا تعلق جڑ سے قائم ہو اولیاء اللہ درخت ملت کے پھل پھول ہیں۔
دیکھو بنی اسرائیل میں پہلے صدی اولیاء اللہ ہوئے۔ لیکن جب سے ان کا دین
منسوخ ہوا اس سے ولایت ختم ہو گئی آج اسلام میں بہت فرقے ہیں۔ لیکن
سوا اہل سنت والجماعت کے کسی فرقے میں اولیاء اللہ نہیں کوئی چکڑ الوی وغیرہ

اپنے دین میں کوئی ولی دکھادیں۔ معلوم ہوا کہ مجملہ تعالیٰ جماعت اہل سنت ہی برحق ہے۔

دوسرا باب

اس پر اعتراض و جواب ہیں

منکرین حدیث کے چند مشہور اعتراضات میں جو وہ ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔ ہم وہ تمام اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔
اعتراض نمبر ۱: رب تعالیٰ فرماتا ہے: **وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ**۔ ہم نے قرآن شریف آپ پر ہر چیز بیان کرنے کے لئے اتارا۔ جب قرآن نے سب کچھ بیان کر دیا تو حدیث کی کیا ضرورت رہی۔
جواب: قرآن شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر چیز کا کھلا بیان ہے نہ کہ ہم جیسے نا سمجھ انسانوں کے لئے اسی لئے **عَلَيْكَ** فرمایا گیا۔ آپ براہ مہربانی زکوٰۃ کی مقدار قرآن شریف سے نکال دیں۔

(۲) رب فرماتا ہے۔ **وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ**۔ نہیں ہے کوئی خشک و تر چیز مگر روشن کتاب یعنی قرآن میں ہے۔ جب ہر چیز قرآن میں ہے تو حدیث سے کیا لیتے ہو۔

جواب: بے شک قرآن شریف میں ہر چیز ہے۔ مگر اس سے ہر چیز نکالنے کے لئے کامل عقل کی ضرورت ہے تم نہیں نکال سکتے۔ سمندر میں واقع موتی ہیں۔ مگر غوطہ خور نکال سکتے ہیں۔ دوسرا آدمی ڈوب جاوے گا۔ دوا خانہ میں بیشک دوائیں ہیں۔ مگر اس کا استعمال طبیب کرے گا۔

اعتراض نمبر ۲: رب فرماتا ہے۔ **وَلَقَدْ كَسَبْنَا الْقُرْآنَ لِلدِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ**۔ ہم نے قرآن ذکر کے لئے آسان کر دیا۔ جب قرآن

رب کچھ ہے اور قرآن آسان بھی ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔
جواب: قرآن کریم حفظ کرنے کے لئے آسان ہے نہ کہ مسائل نکالنے کے
 لئے اسی لئے لِلَّذِي كَرِهَ فَرِيًّا كَرِيًَّا۔ توریث و انجیل کا کوئی حافظ نہ ہوا۔ قرآن
 شریف کو بچے بھی حفظ کر لیتے ہیں۔ آسان کرنے کے یہ معنی ہیں۔ اگر مسائل
 نکالنے کے لئے آسان ہوتا تو اس کی تعلیم کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں
 بھیجے جاتے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ بڑا مدرس بڑی کتاب
 پڑھاتا ہے۔

اعترض ۴: خلفائے راشدین لوگوں کو حدیث روایت کرنے سے روکتے
 تھے جب صحابہ کرام روایت حدیث سے باز رہے تو بعد کے لوگوں کو حدیثیں
 کیسے پہنچیں؟

جواب: صحابہ کرام روایت حدیث سے منع نہ کرتے تھے بلکہ روایت
 میں بے احتیاطی کرنے سے منع فرماتے تھے۔ تاکہ غلط باتیں نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جاویں۔ اگر اصل حدیث کی روایت سے روکتے
 تو آج دین ختم ہو جاتا۔ کیونکہ بغیر حدیث دین قائم نہیں رہ سکتا۔ آج صحابہ کرام
 کی ہزار ہا روایتیں موجود ہیں۔ چنانچہ علم باب الاستیذان میں ہے کہ ابو سعید
 خدری رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث بیان کی تو
 آپ نے فرمایا۔ اَقْبِمْ عَلَيْهِ الْبَيْتَةَ دَاكًا اَوْ جَعْنَتَكَ اس حدیث شریف پر
 گواہ لاؤ ورنہ تم کو سزا دوں گا۔ پھر جب ابن ابی کعب نے گواہی دی تب قبول
 فرمائی اسی روایت سے پتہ لگا کہ صحابہ کرام حدیث کی روایت میں بہت تحقیق کرتے
 تھے تاکہ منافقین کو حدیث گھڑنے کی جرأت نہ ہو۔

چنانچہ اس حدیث کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں:

وَلَكِنْ خَاتَمُ مَسَارِعَةِ النَّاسِ إِلَى الْقَوْلِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشِي لَا يَقُولُ عَلَيْهِ بَعْضُ الْمُبْتَدِعِينَ أَوْ الْكَاذِبِينَ

أَوِ الْمُنَافِقِينَ -

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تھا حَدِّثُوا عَنِّي وَلَا تَخْرُجُوا
لوگوں سے میری حدیثیں بیان کر دو کوئی حرج نہیں (مسلم آخر جلد دوم کتابتہ
العلم) تو خلفائے راشدین اس سے کیسے منع کر سکتے ہیں۔

اعتراض ۵: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أَمَّا لَاتُكْتَبُ عَنِّي
غَيْرَ الْقُرْآنِ قرآن شریف کے سوا میری کوئی بات نہ لکھو۔ جب حضور نے حدیث
لکھنے کی ممانعت کر دی تو اس کے بقاء کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہا صرف قرآن باقی
رہا وہ ہی واجب العمل ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں:

(۱) تعجب ہے کہ تم حدیث کے منکر ہو اور پھر حدیث سے ہی دلیل پیش
کر رہے ہو۔ یہ بھی حدیث ہے جو تم نے بیان کی۔ گویا آپ حدیث کو حدیث سے
رد کر رہے ہیں۔ دوسرا جواب

(۲) اس روایت کا منشا یہ ہے کہ لوگ حدیثیں یاد کرنے کی کوشش
کریں۔ لکھنے سے یاد کرنے کا شوق کم ہو جاتا ہے۔ تیسرا جواب
(۳) یہ حدیث اس وقت کی ہے جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تھا۔
خطرہ تھا کہ لوگ قرآن بھی لکھیں گے اور حدیث بھی تو شاید حدیث قرآن سے
مخلوط نہ ہو جائے جب لوگوں نے قرآن و حدیث کا فرق پہچان لیا تو لکھنے کی
اجازت دے دی گئی۔

اجازت کی احادیث حسب ذیل ہیں

(۱) حضور نے وفات شریف کے وقت خود کاغذ منگایا اور فرمایا۔ لاؤ
میں تمہارے لئے کچھ لکھ دوں تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔ اگر حدیث لکھنا منع تھا تو اس
کا ارادہ کیوں فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں عمرو ابن عاص كَانَ يُكْتَبُ

وَلَا أَكْتُبُ عَمْرًا ابْنَ عَاصٍ حَيْثُ لَمْ يَكُنْ يَكْتُبُهَا -

(۲) حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور نے تقریر فرمائی تو ابو شاہ نے عرض کیا کہ حضور مجھے یہ احکام لکھوادیں۔ تو فرمایا اَكْتُبُوا لِي نِشَاةَ ابْنِ شَاهٍ كَيْفَ لَكُمُ دَو -

(۳) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صدقہ کے احکام کی احادیث لکھ کر اپنے حاکموں کو بھیجیں تاکہ ان پر عمل کریں۔

(۴) لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس حضور کے کون سے اسرار ہیں فرمایا۔ کوئی نہیں سوا اس رسالہ کے جس میں چند حدیثیں لکھی ہیں۔

(۵) عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ابو بکر ابن حزم کو لکھا۔

أَنْظُرَ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكْتُبْتِي د
فَانِي خِفْتُ دُرُوسَ الْعَلِيدِ حَضْرَةَ كِي حَدِيثِ تَلَاثِ كِرُوَاوِرْ لَكُمُ لَوْ جَعَلْتُمْ خَطْرَهُ
مَعِي كَمَا لَمْ يَكُنْ جَائِئِي - بخاری نے ایک باب بندھا باب كِتَابَةُ الْعِلْمِ لَعْنَةُ الْعِلْمِ
لَكُنْ كَمَا بَابُ يَهْ تَمَامُ أَحَادِيثِ أَسِي جَكَ هِي بخاری میں اور مسلم کے آخر میں دیکھو۔

:- خُوطَةُ حُرُورِي :-

تَعَجِبْ هِيَ كَمَا قُرْآنٌ تَوْ قَرْضٌ كَمَا لِينُ دِينِ كَمَا لَكُمُ لَعْنَةُ كِي تَا كِيدُ فَرْمَانَا هِيَ إِذَا
تَدَا يَنْتَدِبُ دِينِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَأَكْتُبُوا : تَا كَمَا قَرْضٌ بَرَادَةٌ جَادَةٌ -
اور احادیث میں ایمان ہے جو مال سے زیادہ شاندار ہے اس کی ممانعت کر دی جائے
یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ معترض نے دھوکھا کھایا ہے۔

اعتراض ۶ : احادیث میں بہت جگہ تعارض ہے کہیں تو فرمایا گیارہ کی
نماز تمام دنیا سے افضل ہے اور کہیں فرمایا گیا کہ جہاد دنیا سے افضل ہے۔ اسی
طرح کہیں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے اور کہیں آتا ہے کہ
نہ کرتے تھے۔ کہیں ترک دنیا پر زور ہے کہیں دنیا دار بننے کی تعلیم ہے۔ پتہ لگا کہ
ساری حدیثیں غلط ہیں کیونکہ رسول کے کلام میں تعارض نہیں ہو سکتا۔

جواب : تمہیں اپنی بے علمی کی وجہ سے تعارض معلوم ہو رہا ہے۔ ورنہ ان میں

تعارض کوئی نہیں بعض لحاظ سے تہجد کی نماز بہت اچھی ہے اور دوسرے لحاظ سے جہاد بہتر ہے۔ اولاً سرکار کا عمل رفع یدین تھا بعد میں چھوڑ دیا گیا وہ منسوخ ہو گیا ذاتی معاملات میں دنیا سے بے رغبتی اچھی چیز ہے اور قومی ملکی رہنی معاملات میں دنیا سے تعلق اچھی چیز ہے۔ اپنی بے علمی کی وجہ سے حدیث کا انکار کیوں کرتے ہیں۔ کسی مدرسے میں جا کر حدیث پڑھو۔ پھر تہ لگ جاوے گا۔ انگریزی اور اردو کے ترجموں سے حدیث نہیں آتی۔ ورنہ پھر قرآن کی آیتیں بھی تعارض سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ دنیا کُن سے پیدا ہوئی ہے یعنی انا فانا اور کہیں فرماتا ہے کچھ دنوں میں بنی۔ *فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ*۔ کہیں فرماتا ہے کہ قیامت میں خدا کافروں سے کلام نہ کرے گا۔ کہیں فرماتا ہے کلام کرے گا۔ کہیں فرماتا ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ کہیں فرماتا ہے اٹھائے گا کہیں فرماتا ہے کافروں پر نرمی کرو۔ کہیں فرماتا ہے سختی کرو جہاد کرو۔ کہیں فرماتا ہے کہ عورت کی عدت ایک سال ہے کہیں فرماتا ہے چار ماہ دن ہے کیا آپ قرآن کا بھی انکار کر دیں گے۔ نہیں بلکہ سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ ایسے ہی حدیث میں محنت کرو۔ نہ قرآنی آیات میں تعارض ہے نہ احادیث صحیحہ میں سمجھ کا قصور ہے۔

(۷) بہت حدیثیں عقل کے خلاف ہیں۔ دیکھو حدیث کہتی ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد خدا کے دربار میں حاضر ہو کر سجدہ کرتا ہے پھر اجازت لے کر طلوع ہوتا ہے اور جغرافیہ کہتا ہے کہ سورج کبھی غائب ہوتا ہی نہیں چکر لگانا رہتا ہے جب یہاں رات ہوتی ہے تو امریکہ میں دن ہوتا ہے۔ ایسی حدیثوں کو مان کر آج سائنس کے زمانہ میں اسلام کا مذاق اڑوانا ہے۔

جواب : یہ بھی آپ کی عقل کی کمی ہے اور حدیث نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ ایسے تو قرآن کی بہت سی آیتیں عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ قرآن کہتا ہے درخت اور بیل بوٹے سجدہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے ہمیشہ انہیں کھڑے ہی دیکھا ہے کبھی

جھکتا نہ دیکھا۔ جو کچھ سجدہ سے یہاں مراد ہے وہ ہی حدیث میں مراد ہے۔ یعنی سورج ہمیشہ رب کا مطیع رہتا ہے اور دوسرے مقام پر طلوع ہونے کی اجازت چاہتا رہتا ہے۔ غرض یہ کہ اس زمانہ میں ہر اردو خوان حدیث و قرآن کا ترجمہ بے سمجھے بوجھے پڑھ رہا ہے۔ اور جب اُسے نہیں سمجھتا تو اُکار کر دیتا ہے۔

اعتراض ۸: احادیث سے ثابت ہے کہ خلفائے راشدین نے لوگوں سے لکھی ہوئی احادیث کے دفتر منگوا کر جلا دیئے اگر احادیث کا لکھنا اچھا تھا تو انہیں جلانے کی کیا ضرورت تھی اور اب جب وہ جل گئے تو اب بعد کے لوگوں کو احادیث کیسے ملیں۔

جواب: اس کا جواب اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ کہ ان دفتروں کو جلا دیا گیا۔ جن میں قرآن و حدیث مخلوط تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ سب قرآن ہے جیسے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحیفے۔ چنانچہ بخاری باب جمع القرآن کے یہ لفظ ہیں۔ **وَأَمَّا بِنَا سِوَاكَ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صِحْفَةٍ أَنْ يُحْزَقَ يَا إِنْ دَفْتَرُونَ كَوَسِيرٍ دَأْتِشَ كَمَا كَمَا جَوِصِحِّ وَغَلَطَ رَدَايَاتِ كَمَا جَامِعَ تَحْتِ۔** جیسے ان صحیفوں کو جلانے کے بعد اصل قرآن محفوظ رہا۔ ایسے ہی ان صحیفوں کو جلانے کے بعد اصل احادیث بھی محفوظ ہیں۔

غرضیکہ احادیث کے منکر سوا چند وہمیات کے اور کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے۔ میں تو چکڑا لوبوں سے کہتا ہوں کہ صرف ایک نماز ایسی پڑھو جو صرف قرآن کی ناز ہو یا ایک دن کی زندگی ایسی گزارو جو صرف قرآن کی زندگی ہو۔ مگر نہ کر سکو گے تو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو نہ کر سکو۔ جیسے قرآن کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی حدیث و فقہ کی بھی ضرورت ہے۔

اعتراض ۹: حدیثیں زمانہ نبوی کے بعد لکھی گئیں اس زمانے میں کتابی شکل میں نہ تھیں لہذا اب حدیثوں کا اعتبار نہ رہا نہ معلوم غلط لکھی گئیں یا صحیح۔

جواب: بعینہ یہ سوال قرآن شریف پر بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن زمانہ نبوی میں

کتابی شکل میں نہ تھا۔ بعد میں زمانہ صدیقی میں صرف جمع کیا گیا۔ پھر زمانہ عثمانی میں اس کی اشاعت ہوئی اور خلفائے راشدین کے بعد اس پر اعراب ازیر زیر لگے۔ پھر بہت عرصہ کے بعد اس کے پائے اور رکوع وغیرہ مقرر ہوئے نہ معارم لوگوں نے درست لکھا یا غلط۔ جناب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو وہ حافظہ غضب کا بخشا تھا کہ بعض صحابہ ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثوں کی جیسے حافظہ تھے کہ زبیر زبر کا فرق نہ ہوتا تھا۔ جب عہد صحابہ قریب الختم ہوا تو زمانہ تابعین میں کتب احادیث ایسی احتیاط کے ساتھ لکھی گئیں جس کی مثال کسی زمانہ میں نہیں ملتی۔ کہ ہر راوی کی تاریخ کتابوں میں آگئی۔ اور اس کے لئے پورا ایک فن رقع ہوا جسے اسماء الرجال کہتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جو کہ ۸۰ھ میں پیدا ہو چکے تھے۔

”مسند ابو حنیفہ“ لکھی۔ پھر امام مالک قدس سرہ نے جو کہ ۹۰ھ میں پیدا ہوئے ”موطا“ امام مالک“ لکھی۔

اسی طرح امام محمد نے ’موطا امام محمد‘ وغیرہ تالیف کیں۔ حتیٰ کہ ۱۹۲ھ میں امام بخاری پیدا ہوئے اور انہوں نے ایسی موکرات الا کتاب لکھی کہ سبحان اللہ! یعنی بخاری شریف اس تالیف سے پہلے اور تالیف کے زمانہ میں لوگ احادیث ایسے یاد کرتے تھے جیسے آج حافظ قرآن شریف کو۔ اس جمع کے بعد پھر حدیث کے یاد کرنے کا دلچ کم ہو گیا۔

اعترض ۱۰: حدیث کا یہ حال ہے کہ ایک راوی ایک سے ایک روایت کرتا ہے حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے وَ اَشْهَدُ وَاذْوَىٰ عَدْلٍ مِّمَّا كَدُّتُمْ دُوًّا گواہ بنایا کرو۔ ایک کی روایت قرآن کی اس آیت سے معتبر نہیں۔ لہذا جن جن حدیثوں کے راوی صرف ایک ایک صحابی یا ایک ایک تابعی ہیں۔ وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی۔ دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر قرآن شریف کی بھی خیر نہیں۔ کیونکہ ایک جبرائیل نے حضور کو قرآن

پیش کیا۔ اور ایک نبی نے اپنی امت کو قرآن پہنچایا۔ لہذا قرآن کی اسی آیت سے خود سارا قرآن قابل اعتبار نہ رہا۔ چاہیے تھا کہ دو جزائیل قرآن لاتے اور دو نبی قرآن اپنی امت تک پہنچاتے۔ نیز آج آپ جنگل میں ایک آدمی کی خبر سے قبلہ پانی کی طہارت، جگہ کا پاک ہونا۔ ایک آدمی کی خبر سے نئے کپڑوں کی طہارت گوشت کا حلال ہونا معلوم کر لیتے ہیں۔ اگر ہر جگہ دو گواہیوں کی ضرورت ہو تو دنیا میں فساد ہو جائے۔

خود قرآن کہتا ہے کہ ایک گواہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ فرماتا ہے وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا لِيَجَاكَ كَهَرِ وَالْوَلَدِ مِنْكَ غَوَاهِ نَفِي غَوَاهِ رِي۔
معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی عصمت ایک گواہی سے ثابت کی گئی۔ اور قرآن نے اُسے درست رکھا۔

تحقیقی جواب: یہ ہے کہ قاضی کے ہاں مالی معاملات میں دو گواہوں سے دعویٰ کا ثبوت ہو گا بلکہ زنا کے لئے چار گواہیاں ضروری ہیں مگر دینی امور میں ایک شخص کی خبر معتبر ہے۔ احادیث میں اس طرح تفصیل کی گئی ہے چنانچہ قطعی عقاید کے لئے خبر متواتر کی ضرورت ہے۔ دیگر مسائل میں کسی مشہور حدیث ضروری اور کبھی ایک کی روایت کافی ہے۔ مگر مسائل میں صرف صحیح حدیث مانی جاتی ہے۔ فضائل میں ضعیف حدیث بھی قبول کر لیتے ہیں۔ یہ تمام باتیں اصول فقہ اصول حدیث میں بہت تفصیل سے مذکور ہیں جن سے آپ بالکل کوئے ہیں۔

اعترض: بعض احادیث میں ایسی چیزیں ہیں جنہیں سن کر ایمان کا پ جاتا ہے۔ مثلاً بخاری شروع کتاب المطلاق میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اجنبی عورت امیر بنت جون کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف راغب کیا مگر اس نے آپ سے پناہ مانگی۔ بھلا جب احادیث میں ایسی باتیں مذکور ہوں تو احادیث کو مانا جاسکتا ہے۔ لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ۔

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے حدیث کسی لائق استاد سے

پڑھی نہیں اور درست مطلب سمجھ نہ سکے۔ آپ اپنی عقل پر لاجول پڑھیں۔ حدیث پر نہ پڑھیں بغیر سمجھے تو قرآن میں بھی ایسے اعتراض کر سکتے ہیں۔

دیکھو قرآن کریم حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہمانوں کی عزت بچانے کے لئے اپنی قوم سے فرمایا۔
 قَالَ هُوَ كَاٰءِ بِنَاتِي اِنْ كُنْتُمْ فَاٰعِلِيْنَ ۝ يٰ مِيْرٰى بَيْثِيَا هِيَ اَكْرَمٰى مِمَّنْ
 کرنا ہے۔

قرآن کریم حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے وَ لَقَدْ هَمَمْتُ
 بِهٖ وَ هَمَّ بِهٖآ۔ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور یوسف نے زلیخا
 کا ارادہ کر لیا۔

کہیے جناب قوم کے سامنے اپنی بیٹیاں پیش کرنا کیا اس سے آپ کا ایمان نہیں کا نپتا۔ اور غیر عورت کا ارادہ کر لینا کیا اس سے آپ نہیں گھبراتے۔ کیا یہ چیزیں نبوت اور نبی کے نمایان نشان ہیں۔ مگر الحمد للہ نبی ہر عیب سے پاک ہیں عیب آپ کی جہالت اور آنکھ میں ہے۔ امیہ بنت جون حضور کی منگوجہ بھی غیر عورت نہ تھی۔ جیسا کہ خود بخاری میں اسی جگہ موجود ہے مگر دیکھنے کے لئے ایمانی بینک چاہیے۔ اور حضرت لوط نے اپنی بیٹیوں سے ان قوم والوں کی بیویاں مراد لیں یعنی قوم کی بیٹیاں۔ اور سورۃ یوسف کی اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کا ارادہ کر لیا۔ اور وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی برہان نہ دیکھتے۔ رب تعالیٰ اپنے کلام اور اپنے حبیب کے فرمان کی صحیح فہم عطا فرمائے۔

اعتراض ۱۲ : تواریخ سے ثابت ہے کہ محدثین کے پاس لاکھوں حدیثیں تھیں۔ مگر خود انہوں نے اکثر کو غلط سمجھ کر روایت نہ کیا بہت تھوڑی روایات لیں۔ امام بخاری نے لاکھوں حدیثوں میں سے چند ہزار اپنی کتاب میں درج کیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلط حدیثیں بھی گھڑی جا چکی ہیں۔

جواب : جی ہاں غلط حدیثیں گھڑی بھی جا چکی ہیں اور محدثین کی

کوشش کے بعد وہ نکال کر الگ بھی کی جا چکی ہیں۔ آپ کے سوال سے تو یہ ثابت ہوا کہ محدثین نے مجروح حدیثوں کو چھانٹ کر علیحدہ کر دیا۔ بعض نے تو اپنی کتب میں انہیں لکھا ہی نہیں اور بعض نے لکھا تو ساتھ ساتھ بھی دیا کہ یہ حدیث اس درجہ کی ہے۔ دیکھو ترمذی شریف میں ہر حدیث کے ساتھ اس کا حال بھی لکھا ہوتا ہے کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف۔

نوٹ ضروری

آخر میں دو مسئلے اور سمجھ لینا چاہئیں ایک یہ کہ حدیث اور سنت میں فرق یہ ہے کہ حدیث تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وہ قول یا فعل شریف ہے جو روایت میں آجائے خواہ ہمارے لئے وہ قابل عمل ہو یا نہ ہو۔ لیکن سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وہ قول یا فعل شریف ہے جو ہمارے لئے بھی لائق عمل ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک وقت نوبویاں اپنے نکاح میں رکھنا۔ یا اونٹ پر سوار ہو کر طواف کعبہ فرمانا۔ یا اپنی نواسی حضرت امامہ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر نماز ادا فرمانا۔ حدیث سے ثابت ہے مگر سنت نہیں ہم اس پر عمل ہرگز نہیں کر سکتے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَيَّكُمْ لِسُنَّتِي مِثْرًا مِثْرًا مِثْرًا۔ یہ نہ فرمایا عَلَيَّكُمْ بِحَدِيثِي مِثْرًا مِثْرًا مِثْرًا۔ حدیث کو لازم بکڑو۔ لہذا دنیا میں اہل حدیث کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور ہم بفقہاء تعالیٰ اہل سنت ہیں۔ کیونکہ اہل حدیث کے معنی ہر حدیث پر عمل کرنے والا اور یہ ناممکن ہے۔ مگر اہل سنت کے معنی ہیں ہر سنت پر عمل کرنے والا یہ ممکن ہو سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲: دوسرے یہ کہ اگرچہ ہم فرض، واجب، مستحب، نفل، سنت سب ہی ادا کرتے ہیں۔ مگر ہمارا نام اہل فرض، اہل واجب وغیرہ نہیں۔ اہل سنت ہے۔ اس لئے کہ فرض واجب، نوبالغ، عاقل ہونے کے بعد ہمارا

لاٹھ پکڑتے ہیں۔ مگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا ہوتے ہی اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ دیکھو نکاح کرنا سنت تعلیم دلانا سنت۔ پھر کھانا پینا۔ تجارت کرنا۔ روزی کمانا۔ جاگنا سونا۔ بیوی بچوں کی پرورش کرنا بلکہ جنیبا اور مرنا سنت ہے۔ فرض تو صرف اس قدر ہے کہ ناف سے گھٹنوں تک ستر ڈھانپ لیا جاوے۔ اور جب بھوک سے مرنے کا خطرہ ہو تو روٹی کا ٹکڑا کھا لیا جاوے۔ باقی یہ تمام سنتیں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضور کی سنت پر جنیبا مرنا نصیب فرمائے۔ آمین

مفتی احمد یار خاں

سرپرست دارالعلوم غوثیہ پاکستان

گجرات

۵ ربیع الآخر
۱۴۳۵ھ جمعہ

الحمد لله کہ ایمانی رسالہ رحمت کا قبائلہ موجود ہے ہر پری ہر اول مسلمانوں کا ایمان پکارتے والا

مُسْتَهْتَبِہ

اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں

اللہ رسول نبی ایمان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

ہمیشہ سے مسلمانوں میں دو جماعتیں رہی ہیں ایک مخلصین کی دوسری منافقین کی مخلصین مذہبی مسلمان مانے جاتے رہے ہیں اور منافقین صرف تو می مسلمان متصور ہوتے رہے ہیں ان دونوں جماعتوں میں بہت سے امتیازات ہے ان میں سے ایک خصوصی امتیاز یہ رہا کہ مخلصین کا ہر قول دل کی گہرائیوں سے ہوتا تھا۔ وہ کوئی بات دھوکہ دینے کے لئے نہیں کرتے تھے اسی لئے ان کے ہر کلام کی اسلام میں قدر و منزلت تھی اور منافقین کا طریقہ یہ رہا کہ منہ سے باتیں بہت اچھی کرنا مگر نیت بہت فاسد ہوتی تھی اسی لئے قرآن کریم نے ان باتوں کی بھی تردید فرمائی ہے۔ جو بظاہر بھلی معلوم ہوتی تھیں چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ منافقین آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کَشْهَدْنَا اَنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے

رسول ہیں دیکھئے کتنی اچھی بات کہہ رہے ہیں لیکن رب تعالیٰ ان کی توبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے وَاللّٰهُ
 يَشْهَدُ اَنَّ اُمَّنًا فِقِيْنًا كَذِبُوْنَ خُذَا كُوَادَ هُوَ كِه يَمَنَافِقُ جُھوٹے ہیں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ
 وَاِنَّ تَصِبُّهُمُ حَسَنَةً يَّقُوْلُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو یہ
 منافقین کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے دیکھو کتنی سچی بات ہے لیکن قرآن کریم نے ان کا یہ
 کلام کفریات میں شمار کیا۔ کیوں اس لئے کہ نیت فاسد تھی وہو کہ ڈینے کے لئے کہتے کہ ہم آپ کو
 رسول اللہ مانتے ہیں اور دوسرے کلام کا منشا یہ تھا کہ جو بھلائی دیتا ہے رب دیتا ہے حضور کی
 برکت اس میں شامل نہیں۔ یعنی خدا کی حمد بھی کرنے تھے تو حضور کی توہین کے لئے یہ حمد
 عین کفر تھی یہ ہی حال آج کل منافقین کا ہے کہ ان کا بہت زور توحید اللہ عبادتِ شرک
 و بدعت پر ہے۔ ان سب کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور سے بگوانہ کر دیا جائے۔
 میں نے حال ہی میں ایک کتاب دیکھی اسلام کی چار بنیادی اصطلاحیں۔
 بہت صدمہ ہوا۔ کیونکہ اس کتاب کا مقصد صرف یہ ہے کہ حضور نبی کریم کی تعظیم و تکریم
 شرک ہے۔ کفر ہے بے دینی ہے اس لئے میں نے اپنے والد محترم حضرت الحاج حکیم الامت
 مفتی احمد یار خاں صاحب سے عرض کیا۔ کہ اس کا جواب دیجئے۔ قبلہ والد محترم
 مدظلہ نے مختلف مجالس میں اس موضوع پر تقریریں فرمائیں جن سے بہت تشفی ہوئی۔
 پہلے وہ تقریریں برادر مفتی محمد مختار صاحب دام ظلہ نے اپنے ماہوار رسالے آستانہ نبیض عالم
 میں قسط وار شائع کیا۔ میں نے چاہا کہ ان متفرق پھولوں کا گلستانہ بناؤں اور ان کبھرے
 ہوئے موتیوں کا ہار بنا کر اپنی قوم کے سامنے پیش کر دوں اللہ تعالیٰ میرے اس ہار کو
 جیت کا ذریعہ بنائے۔

لِيُحْيِي

گلستانہ حاضر ہے اس کی جہک سے دماغ ایمان کو معطر کیجئے اور اس زمانے کی
 چمن سوز خزاں سے اپنے ایمان کو محفوظ فرمائیے۔ اور مجھ فقیر بے نوا کو اپنی دعا میں یاد رکھیے۔

صاحبزادہ مفتی افتخار احمد خاں

مدرسہ ارا العلوم غوثیہ نعیمیہ گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مُحَمَّدٌ كَلَّمَكَ وَصَلَّى عَلَى رَسُوْلِكَ الْكَرِيْمِ

اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں

إِلٰهًا • رَسُوْلًا • نَبِيًّا • اِيْمَانًا

از : حکیم الامت مفتی احمد یار خاں گجرات

زمانہ نیا ہے زمانہ والوں کے ذہن جذب پسند ہیں ہر چیز میں جدت طرازی آج کل کا محبوب مشتعل ہے۔ بعض جدت پسندوں نے توحید کے معنی نئے کر ڈالے رسالت، نبوت، ایمان کے نثر بتوں کو نئے گلاسوں میں پینا شروع کر دیا۔ جس سے لوگوں کے ایمان متزلزل ہونے لگے۔ لہذا ضرورت محسوس کی گئی کہ مسلمانوں کو ان چار لفظوں کے وہی پرانے معنی بتائے جائیں جو سارے تیرہ سو برس سے مانے جا رہے ہیں۔ بہر شخص جانتا ہے کہ توحید و رسالت وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر اسلام کی ساری عمارت قائم ہے کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر ہی سب مسلمان ہوتے ہیں۔ آج اس صحبت میں ہم عرض کرتے ہیں کہ اِلٰه کے کیا معنی ہیں اور الوہیت کا مدار کس چیز پر ہے۔ الوہیت و عبودیت میں فرق کرنے والی کیا شے ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی ہیں اللہ کے سوا کوئی اِلٰه نہیں..... آخر اِلٰه ہے کیا؟ آج عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اِلٰه وہ ہے جو غیب جانے۔ اِلٰه وہ ہے جو حاضر ہونا نظر ہو۔ اِلٰه وہ ہے جو بیٹا ہے۔ اِلٰه وہ ہے جو شفا ہے۔ اِلٰه وہ ہے جو مشکل کشا حاجت روا ہو۔ دادرس فریادرس ہو۔

الہامی ہے جو دُور سے سُن لے۔ دُور سے دیکھ لے۔ اس تفسیر کا مقصد یہ ہے کہ عام مسلمان حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب حاضر و ناظر دادرس فریادرس سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

خلق کے دادرس کل کے فریادرس !

کہن روز مصیبت پہ لاکھوں سلام

وہ سب مشرک ہیں کیونکہ انہوں نے بندوں کو الہامان لیا۔ مشرکین عرب اپنے بتوں کے متعلق ہی عقیدے رکھتے تھے کہ وہ غیب جانتے ہیں۔ فریادری کرتے ہیں وہ مشرک تھے۔ یہ مسلمان بھی نبیوں ولیوں میں یہ صفات مان کر مشرکین عرب کی طرح ہی شرک میں گرفتار ہیں۔ ہم دکھاتے ہیں کہ الہامی کے یہ معنی ہرگز نہیں اور نہ ان چیزوں پر الوہیت کا مدار ہے ورنہ از روئے قرآن لاکھوں الہامان پڑیں گے ملاحظہ فرمائیے

اگر غیب کا جاننا مدار الوہیت ہے تو قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ آپ نے اپنی قوم سے یوں

غیب کا جاننا

خطاب کیا۔ **وَ اَنْتُمْ كَذِبًا تَكَلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ** اور خبر دیتا ہوں میں تم کو جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور بچاتے ہو (خیال ہے کہ تم کلوں اور تداخرون مضارع ہے جس میں حال و استقبال دونوں زمانوں کی گنجائش ہے تو معنی اس کے یہ ہوئے کہ جو کچھ تم اپنے گھروں کی کوٹھڑیوں میں بچھ کر کھاتے ہو یا کھاؤ گے، بچاتے ہو یا بچاؤ گے میں سب کی خبر تم کو دے سکتا ہوں۔ یعنی کھیتوں میں دانے باغوں میں پھل پیدا ہوتے ہیں۔ ہر دانہ پھل پر کھانے والے کی ہر ہوتی ہے۔ میں ان مہروں کو جانتا ہوں اور کھانے والوں کو پہچانتا ہوں۔ سو چو تو اللہ تعالیٰ نے جناب مسیح کو کتنا وسیع علم غیب عطا فرمایا۔ اگر غیب جاننا مدار الوہیت ہو تو از روئے قرآن

مجید جناب مسیح الہامی تھے ہیں *

عالم میں تصرف کرنا

اگر عالم پر حکمرانی ہو اور پانی چاند سورج پر قبضہ الوہیت کا معیار ہو تو ازل سے قرآن مجید حضرت سلیمان علیہ السلام کو الہامانا پڑے گا۔ کہ ان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے -

عَلَّمَ سَخَّرْنَا لَهَا الرِّيحَ نَجْرِي بِأَمْرٍ رُخَاءَ حَيْثُ أَصَابَ -

عَلَّمَ سَخَّرْنَا لَهَا الرِّيحَ عَاصِفَةً نَجْرِي بِأَمْرٍ ط -

(معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی اور نرم ہواؤں کو خواہ پڑوا ہو یا کچھو، اٹھالی ہو یا جنوبی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا۔ کہ تجرئی بامرہ ہر قسم کی ہوا میں ان کے حکم سے چلتی تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہوا ہی بارش لاتی ہے۔ اور ہوا ہی بارش اڑاتی ہے۔ لہذا بارش بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر فرمان کر دی گئی۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ بارش سے ہی پیداوار ہے جس پر تمام جانداروں کی بقا کا مدار ہے۔ اس قاعدہ سے سارا نظام عالم حق تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے زیر فرمان کر دیا تھا۔ الوہیت کے اس قاعدے سے انہیں بھی الہامانا پڑے گا۔ نعوذ باللہ منہ ۔

تفاوتینا | قرآن کریم فرماتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے مہمان بھائیوں سے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی خیریت دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ وہ فراق یوسفی میں روتے روتے بصارت کھو چکے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا :

إِذْ هَبُوا بَقِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ط

میری یہ قمیص لے جاؤ میرے ابا جان کے چہرے پر ڈال دو۔ وہ آنکھیاں کھولے ہو جائیں گے۔

قرآن کریم حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے :

أَمْ كَفُتْ بِرِجْلِكَ هَذَا مُغْتَسِطٌ بِيَدِيٍّ وَتُشْرِبُكُ - اپنا پاؤں زمین پر

رگڑو اس سے پیدائش نہ پانی غسل کے لئے بھی ہے اور پینے کے لئے بھی یعنی اس میں آپ کے لئے ظاہری باطنی شفا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا :

أَبْرِئُكُمْ بِالْمَرْحَمَةِ وَالْأَبْرِئُ مِنَ الْمَوْتِ بِإِذْنِ اللَّهِ رَبِّكُمْ اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نَسْتَعِينُ
 اندھوں کو ٹرھوں کو اچھا کرتا ہوں اور مرنے سے زندہ کرتا ہوں (دیکھو شفا دیتا،
 مردوں کو زندہ کرنا رب کا کام ہے۔ وَإِذَا مَرَضْتُمْ فَهُوَ كَيْفِيٌّ أَوْ يَمِينِيٌّ
 وَبِئْتُمْ۔ مگر ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندے باذن پروردگار
 بیماروں کو شفا اور مردوں کو زندگی بخشتے ہیں۔

قرآن کریم کا وہ واقعہ بھی یاد رکھو کہ چار ذبح کئے ہوئے۔ قہیہ کئے ہوئے پندے
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر زندہ ہو کر حاضر ہو گئے۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ
 يَا بَنَاتِكُمْ لَمَعْنَآءَ۔ مگر اس کے باوجود رب رب ہے اور بندہ بندہ۔ بندے
 کے ہاتھ پر ربانی کام ظاہر ہوتے ہیں مگر بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔ اللہ کی اس
 مذکورہ تعریف سے لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ، ایوب، یوسف و ابراہیم
 علیہم السلام اللہ ہو جائیں۔ نعوذ باللہ

بیبا دینا | قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب اربیل علیہ السلام حضرت مریم کے پاس اس
 حالت میں تشریف لے گئے جب آپ باپردہ جگہ میں غسل
 کی تیاری ذرا ہی تھیں۔ انسانی شکل میں تھے آپ دیکھ کر گھبرا گئیں۔ تو جناب
 جبریل نے تسکین دیتے ہوئے فرمایا : إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ
 غُلَامًا زَكِيًّا (میں تمہارے رب کا قاصد ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں پاک بیبا دوں)
 دیکھو بیبا بیٹی دینا رب کا کام ہے۔ فرماتا ہے۔ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِمَّا نًا
 وَ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ ذَكَرًا۔ رب کے لئے بھی کہہ فرمایا گیا اور جناب
 جبریل کے لئے بھی لَاهَبَ فرمایا گیا۔ صیغہ ایک معنی ایک مگر نہ خدا تعالیٰ
 جبریل ہو گیا اور نہ جبریل خدا بنے اگر بیٹے دینا دلیل الوہیت ہوتا تو حضرت
 جبریل بھی اللہ بن جاتے۔

دور سے سُننا اور دیکھنا | قرآن کریم حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق
ارشاد فرماتا ہے کہ آپ چیونٹیوں کے جنگل

پر گزے تو آپ نے سُننا ایک چیونٹی اپنی سہیلی چیونٹیوں سے کہہ رہی ہے
يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنِكُمْ لَا يَخْطِبَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَ
هُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔ آگے فرماتا ہے فَتَسْمَعُ صَاحِبًا مِّنْ قَوْلِهَا۔ ترجمہ:
اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم کو شکیر سلیمان کچل
دے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ آپ اس کی یہ بات سُن کر ہنس پڑے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی یہ آواز تین میل
سے سُنی۔ خیال کیجئے کہ چیونٹی کی آواز اتنی باریک اور ہلکی ہے کہ آج سائنس
کے زمانہ میں کوئی مشین اسے نہ سُناسکی۔ ایسی باریک آواز تین میل سے سُننا۔
کتنی دُور کی آواز سُننا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے زَلِجَا يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُوْسَاتِ
دَرَوَازِوَالِی كُوْطْرٰی ہیں لے گئی اور دروازے مقفل کر کے اس نے آپ کو بھانا
جاہ۔ مگر یعقوب علیہ السلام ان سائے واقعات سے خبردار تھے۔ آپ نے کنعان سے
بچھے ہوئے یہ سب واردات دیکھی اور فرزند کو یہاں پہنچ کر مدد کی۔ ارشاد ہوتا ہے۔
وَلَقَدْ هَمَّتْ يَدُ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَا اَنْ دَاىِٕ بُرْهَانَ دَبَّ رُوْهُ فَوَقَدَ
كُرْبٰی چکی تھی یوسف علیہ السلام کا آپ بھی اس کا قصد کر لیتے اگر اپنے رب
کی برہان نہ دیکھ لیتے۔

وہ برہان کیا تھی یعقوب علیہ السلام کا سامنے آجانا۔ اور اشارہ سے فرزند
کو منع کرنا۔ خیال رہے کہ یہاں سراى قریبا کیا جس معلوم ہوا کہ برہان کوئی دیکھی بھالی
چیز تھی نہ کہ سُننی سُنائی۔ قرآن نے نبی کو دیکھی بھالی برہان فرمایا ہے۔ فرماتا ہے:
يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ اِرْءَا كُوْا اٰتٰہَا رے پاس
رب کی طرف سے برہان و دلیل یعنی محمد رسول اللہ (شرف لائے)۔

دیکھو یعقوب علیہ السلام نے کتنی دُور سے کیسی تیرہ و ناریک کو کھڑی میں

اپنے بیٹے کا حال دیکھ لیا نیز قرآن کریم فرماتا ہے **وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعَذْرَاءُ قَالِ اٰیُوْهُ هٰذَا اِنِّیْ لَآجِدُ دِرْحَمًا یُوْسُفَ** جب قافلہ قمیض یوسفی لے کر مصر کی بستی سے جلا ہوا۔
 نور یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے فرمایا۔ کہ میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پارہا ہوں۔ ع۔

آدم سیم جانفزا سوئے من از کوئے کسے

غور تو کرو کہ کہاں مصر افریقہ کا دار الخلافہ اور کہاں کنعان ملک شام کی بستی۔ اتنی دُور سے آپ نے قمیض یوسفی کی خوشبو پالی۔ اگر دُور سے دیکھنا۔ سُننا، بویانا، مدار الوہیت ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام بھی اِلہا ہونے چاہئیں۔

اگر ہر جگہ حاضر یعنی متصرف ہونا اور ہر جگہ کو مثل کف دست دیکھنا دلیل الوہیت ہو تو ایک دو نہیں، بلکہ

حاضر و ناظر

لاکھوں اِلہا نئے پڑیں گے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اَصْفَ بَرَجِیَانِ حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا:

قَالَ اَنَا اَتَّبِعُكَ بِدِهٍ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرَفُ فُكٍّ۔

میں آپ کی خدمت میں تخت بلقیس لاؤنگا آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے خیال تو کرو کہ تخت بلقیس ملک یمن کے شہر سبا میں بلقیس کے محل میں مقفل ہے اور آپ ملک فلسطین میں ہیں۔ کسی سے اس شہر کا راستہ نہیں پوچھتے۔ یاری بڑاری کے لئے کوئی چھکڑا، گاڑی ساٹھ نہیں لیتے اور پل بھر سے پہلے اتنا وزنی تخت اٹھا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیتے ہیں یہ ہے ولی بنی اسرائیل کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا۔ نیز قرآن کریم فرماتا ہے۔

قُلْ یَتُوفَاکُمْ مَلٰٓئِکَ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔ (تم سب کو

وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مسلط کیا گیا ہے) اور فرماتا ہے:۔
 وَتُوَفَّیْہُمْ سُلٰتٰمًا الْخٰیِرٰنِ سَبَّحُوْا سُبْحٰنَہٗ سَبْحًا کَثِیْرًا۔ (تم سب کو بہت سے فرشتے وفات دیتے

ہیں) یعنی مددگار ان ملک الموت علیہ السلام۔ دیکھو حضرت ملک الموت اور ان کے رفقا فرشتے بیک وقت ہزار ہا مقامات پر ہزاروں مرنے والوں کی جان نکال لیتے ہیں۔ یعنی تمام جہان ان کے سامنے ہے اور ہر جگہ ان کا ہاتھ پہنچتا ہے۔ نیز فرماتا ہے: اِنَّهُ يَدْرِى كَمُ هُوَ وَقَبِيْلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔ وہ ابلیس اور اس کا سارا قبیلہ و ذریت تم سب لوگوں کو وہاں سے دیکھتے ہیں۔ جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

معلوم ہوا کہ ان بے ایمانوں کو بہکانے کے لئے اتنی قوت رب کی طرف سے دی گئی ہے کہ وہ بیک وقت تمام انسانوں کو دیکھتے ہیں ان کے خطروں اور دلی ارادوں سے خبردار ہیں۔ اس ہی لئے جب کوئی شخص نیکی کا ارادہ یا خیال بھی کرتا ہے۔ تو یہ اس کو بہکانے ہیں۔ چاند سورج سارے سارے ہر جگہ حاضر ہیں کہ ہر جگہ سے بیک وقت دیکھے جاتے ہیں اور ہر جگہ اپنی روشنی پھینکتے ہیں۔ کھیتیاں تیار کرنے ناپاک زمین کو خشک کر کے پاک کرتے ہیں اگر حاضر و ناظر ہوتا ہوا رالوہیت ہو تو حضرت ملک الموت اور ان کے سارے ساتھی فرشتے اللہ ہوں گے شیطان اور اس کی ساری ذریت اللہ ہوگی۔ چاند سورج اور سارے تاروں کو اللہ ماننا پڑے گا۔ ہندو تو دس بیس ہی اللہ مانتے ہیں۔ مگر ان توحیدیوں کے اللہ بندوں کی تعداد سے زیادہ ہو جائیں گے۔

مشکل کشا حابرت و اقرابہ رس مونا

یہ چیزیں بھی مدارالوہیت نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں بلکہ ان کے تبرکات کو یہ صفات بخشی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جناب مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دروزہ شروع ہوا۔ آپ جنگل میں اکیسی تھیں جہاں آپ کے پاس نہ مائی تھی نہ دانی۔ اس سے پہلے کبھی یہ تکلیف نہ دیکھی نہ آزمائی تو گھبرا کر

بولیں : يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًا نَسِيًّا۔ اے کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جکتی۔

اس غرض پر دریا اے محمدؐ الہی جو شش میں آیا اور آپ کی داد رسی اور فریاد رسی اس طرح فرمائی گئی کہ :

فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا اَنْ لَا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ط
نیچے سے آواز آئی اے مریم گھبراؤ مت تمہارے رب نے تمہارے قدم کے نیچے ایک سرد آب (پانی کا چشمہ) بنا دیا ہے۔ تَحْتَكِ سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اس چشمہ کا پھوٹنا جناب مریم کے قدم شریف سے تھا۔ جیسے آپ زمزم کا جناب اسمعیل کی اڑی شریف سے نکلتا :

وَهَرِّيْ اَيْدِيْكَ بِجَذْعِ النَّخْلَةِ نَسَاطِطِ عَلْيَاكِ رُطَبًا جَنِيًّا : اور کھجور کے ڈنڈے کو جو سوکھا گھٹا ہوا ہے۔ اپنی طرف ہلاؤ۔ وہ فوراً پکی ہوئی عمدہ کھجوریں گرے گا۔

یعنی ان کھجوریں کو کھا کر یہ پانی پی لو تمہاری مشکل آسان ہوگی اور باسانی ولادت ہو جائے گی۔ حضرت مریم کی داد رسی مشکل کشائی کچھ کھجوروں اور پانی کے ذریعہ کی گئی مگر وہ کھجوریں ان کے ہاتھ سے اور پانی ان کے پاؤں سے پیدا کیا گیا جس میں بتایا گیا کہ ولی کا ہاتھ لگنے سے سوکھا گھٹا ہوا ڈنڈہ آنا فانا ہرا ہو کر پھل لاسکتا ہے اور فوراً پکا سکتا ہے۔ اور اس پھل سے مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں۔ تو اگر ہمارے سوکھے ہوئے دلوں پر کسی ولی کی نگاہ کرم پڑ جائے۔ تو یہ سرسبز ہو کر معرفت کے پھل پھول دے سکتا ہے۔ اور پھر اس آسے مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں۔

نیز قرآن مجید فرما رہا ہے کہ غرق فرعون کے دن جب ربیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار تھے اس گھوڑی کی ٹاپ سے خشک ریگستانی زمین میں سبزہ پیدا ہوتا تھا۔ سامری نے اس ٹاپ کے نیچے کی کچھ خاک لے لی۔ بہت

نرسہ بعد جب موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر تشریف لے گئے اور وہاں کچھ دیر لگی تو سامری نے فرعونی سونے کا بچھڑا ڈھال کر اس کے منہ میں یہ خاک ڈال دی۔ جس سے وہ زندہ بچھڑا بن کر چھینے لگا اور اسرا سیلی اس کو پوچھنے لگے۔ فرماتا ہے۔

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي۔ میں نے حضرت جبریل کی گھوڑی کے آثار قدم سے ایک مٹھی خاک سلے لی تھی۔ وہ میں نے اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی۔ میرے دل نے یہی چاہا۔ اس آیت نے یہ

بتایا کہ مقبولوں کے نیرکات بے جان کو جاندار کر سکتے ہیں۔ پھلا کچھ ٹھکانا ہے اس نسبت کا کہ جسم جبریل لگا کاٹھی سے وہ لگی گھوڑی کی پیٹھ سے، گھوڑی کی ٹاپ لگی خاک سے وہ خاک پہنچی بچھڑے کے منہ میں اسے زندگی بخش دی

خاک نے تو اپنا کام کر دیا۔ مگر سونا زر غریبوں کے ہاں کا تھا۔ اس لئے اس کی آواز سے لوگوں کو ہدایت نہ ملی۔ گمراہ ہوئے۔ جیسے بے دین مولوی کے علمی وعظ سے لوگ گمراہ ہی ہوتے ہیں۔ اس آیت نے بتایا کہ مدینہ متورہ کی

خاک دافع بلا باعث شفا ہے۔ اسی لئے اسے خاکِ شفا کہتے ہیں کہ وہاں کے ذروں نے جناب مسطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک چومے ہیں۔

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگِ اسود کے

یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

اگر دافع بلا ہونا الوہیت کا مدار ہے تو جناب مریم اور حضرت جبریل علیہ السلام بھی الہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ حکیموں کے ثریب، عرق، گولیاں، جنگل کی جڑی بوٹیاں سب الہ بن جائیں گی۔ ایک ثریب کا نام ہے ثریب قریادرس، حب مسکین نواز، حب شفا، حب دافع تجار، قبض کشا گولیاں وغیرہ۔ سب الہ ہو گئیں نعوذ باللہ منہا۔

بعض کا خیال یہ ہے کہ الہ وہ ہے جو خالق ہو | خالق ممالک ابدی ہونا
مالک ہو غیر فانی ہو۔ بیشک رب تعالیٰ ان

صفات سے موصوف ہے مگر مدار الوہیت یہ چیزیں بھی نہیں کیونکہ جب کوئی ملک پیدا نہ ہوا تھا اور اس کی صفت مالکیت کا ظہور نہ ہوا تھا تب بھی وہ اللہ تھا نیز جنتیں اور دہاں کی نعمتیں جنتی لوگ جنت میں پہنچ کر لوہی دوزخیں وہاں کے عذاب اور دوزخی دہاں پہنچ کر رب غیر فانی ہوں گے۔ رب فرماتا ہے اَکْطٰهُا دَاۤاِئِدًا اِس کے پھیل ہمیشہ ہیں اور فرماتا ہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وہ جنتی جہنمی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تو اس سے لازم آیا کہ ہر جنتی دوزخی الٰہ میں جائے۔

لطیفہ | موجودہ دور کے ایک موعد عالم کہیں دغظ فرماتے تشریف لے گئے اور دوران دغظ میں کلمہ طیبہ کے معنی ایوں کیے لآ الٰہ تہیں ہے کوئی بیٹا دینے والا۔ نہیں ہے کوئی فریادرس۔ نہیں ہے کوئی مشکل کشا۔ نہیں ہے کوئی حاجت روا۔ اِلَّا اللّٰهُ اللّٰہ ہی ہے۔ اتفاقاً باقی جلسہ سنی تھا۔ اسے اس دغظ سے تکلیف بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ صبح کو مولوی صاحب کو نذرانہ دینے نہ آیا۔ آخر مولوی صاحب مجبور ہو کر اس کے گھر گئے اور اس سے نذرانہ مانگا اور کرایہ کا مطالبہ کیا۔ وہ بولا مولوی صاحب رات کا دغظ بھول گئے۔ صبح سویرے ہی تشرک میں گرفتار ہو گئے۔ لآ الٰہ نہیں ہے کوئی کرایہ دینے والا لآ الٰہ نہیں ہے کوئی محنتا نہ دینے والا اِلَّا اللّٰہ ہی ہے۔ اب مجھ سے کرایہ کیوں مانگتے ہو رب مانگو۔ بہر حال الٰہ کے یہ معنی اور ان چیزوں پر الوہیت کا مدار ہونا باطل محض ہے۔

الوہیت الٰہ کے تشریحی معنی | یقیناً اللّٰہ تعالیٰ ازلی ابدی، سمیع، بصیر، حاجت روا، مشکل کشا، خالق مالک،

فریادرس، شفاوروزی رساں ہے مگر ان میں سے کوئی چیز الٰہ و عبود معبود کے درمیان باعث فرق نہیں۔

جو چیز بندہ اور الٰہ میں فرق کر کے جس کی بنا پر بندہ بندہ ہو اور الٰہ الٰہ وہ ایک چیز ہے یعنی غنی اور بے نیازی۔ بندہ وہ ہے جو نیاز مند ہو دوسرے

کا حاجت مند ہو۔ اس کی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔ اس کی صفات اور وہ خود دوسرے کے قبضہ میں ہو۔

اللہ وہ ہے جو کسی کا حاجت مند کسی کا نیاز مند نہ ہو سب سے غنی دے بے پروا ہو۔ دیکھو سورہ اخلاص میں پہلے فرمایا گیا۔ اَللّٰهُ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ اللّٰهُ بے نیاز ہے۔ پھر ارشاد ہوا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوَلَدْ بِہ اس کی بے نیازی کا ثبوت ہے کہ وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کی اولاد کیونکہ ابوت اور نبوت تباہی کی بنا پر ہوتی ہے پھر آخر میں ارشاد ہوا وَلَمْ یَكُنْ لَهَا كُفُوًا اَحَدٌ۔

اس کا کوئی ہمسر نہیں کیونکہ سب اس کے حاجت مند ہیں اور وہ سب کا حاجت روا۔ اور فرماتا ہے وَاللّٰهُ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ۔ اللّٰهُ جہانوں سے بے پروا اور بے نیاز ہے۔ اور فرماتا ہے اللّٰهُ غَنِیٌّ وَاَنْتُمْ

الْفُقَرَاءُ اللّٰهُ غَنِیٌّ اور بے نیاز ہے۔ تم اس کے غیر نیاز مند ہو۔ اور فرماتا ہے وَلَمْ یَخْلُقْ وَلِیًّا مِّنَ الدُّنْیَا اللّٰهُ نے اپنی کمزوری اور جاہتمندی کی بنا پر کسی کو اپنا ولی نہیں بنایا اور فرماتا ہے وَلَمْ یَلِجْ بِمَخْلُقِہِمْنَ۔ اللّٰهُ تعالیٰ آسمان اور زمین کو بنا کر ٹھک نہیں گیا۔ اور ٹھک کر کسی کا نیاز مند نہیں ہو گیا۔

یہ وہ معیار ہے جس کی بنا پر بندہ بندہ رہتا ہے اور رب رب۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ اللّٰهُ سَمِیْعٌ وَبَصِیْرٌ اور دیکھنے سننے والا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو

سَمِیْعٌ وَبَصِیْرٌ یعنی سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ اللّٰهُ زندہ ہے بندے بھی زندہ ہیں۔ مگر پھر اللّٰهُ ہے اور بندہ بندہ کیوں؟ اس لئے کہ اللّٰهُ بے نیاز ہو کر سَمِیْعٌ وَ

بَصِیْرٌ وحی و قیوم مالک ملک ہے۔ اور بندہ رب کا حاجت مند اور اس کا محتاج ہو کر وحی و قیوم سَمِیْعٌ وَبَصِیْرٌ مالک اور ملک ہے یہ تمام صفتیں بندہ کو رب نے دی ہیں اور حیا چاہے وہ یہ صفتیں ان سے چھین لے۔

صوفیاء کی اصطلاح میں قیومیت ولایت کا ایک درجہ ہے۔ کہ اس پر پہنچ کر بندہ قیوم کہلاتا ہے یعنی باعث

نوٹ ضروری

قیام عالم اسی لیے مجددیہ خاندان کے بزرگوں کی کتب میں بعض اولیاء کو قیوم اول
 قیوم ثانی کہا گیا ہے۔ حدیث شریف میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔
 بِهْمُ يُمَطَّرُونَ وَبِهْمُ يُرْزَقُونَ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فریادرس حاجت روا
 مشکل کشا شفا بخش۔ اولاد بخش والا ہے۔ اور بعض بندے بھی اس کی عطا
 داس کے ارادہ سے فریادرس مشکل کشا اور اولاد بخش ہیں جن کی آیات اوپر
 گذر گئیں۔ مگر پھر بندہ بندہ ہے اور رب رب۔ اللہ کی یہ تمام صفات
 بے نیاز و غنی ہو کر ہیں۔ اور بندوں کی یہ صفات اس کے حاجت مند اور نیاز مند
 ہو کر کہ انہیں یہ صفات رب نے دیں۔ اور وہ خود اور ان کی یہ صفات رب کے
 قبضہ اور قدرت میں ہیں۔ اسی کی غنی اور بے نیازی کو ذاتی و حقیقی سے تعبیر کیا
 جاتا ہے۔ اور اس نیاز مندی کو مجازی و عطائی سے۔ یہی الوہیت و عبدیت کے
 درمیان باعث فرق ہے۔ بلا تشبیہ انجن اور سائے ریل کے ڈبے ایک
 ہی لائن پر ایک ہی رفتار سے دوڑ رہے ہیں۔ مگر عقل والا جانتا ہے کہ
 دوڑنے والے ڈبے ہیں۔ اور دوڑنے والا انجن۔ جو محتاج ہیں وہ ڈبے ہیں
 اور محتاج الیہ انجن۔ آئینہ میں سورج کا عکس آگیا جس سے شیشہ میں روشنی
 شعاعیں گرمی غرض کہ سورج کے سائے صفات نظر آنے لگے۔ مگر ہوشیار
 جانتا ہے کہ سورج سورج ہے اور شیشہ شیشہ سورج شیشہ میں نہیں آگیا اور
 شیشہ سورج تک نہیں پہنچ گیا۔ آئینہ دار آئینہ میں نظر آ رہا ہے اس کے
 سائے اعضا، قد و قامت رنگ و روپ، لباس، حرکات و سکنات سب
 آئینہ میں دکھی جا رہی ہیں۔ وہ انگلی ہلاتا ہے تو آئینہ کے عکس بھی ہلتی ہے مگر
 پھر اصل اصل ہے اور ظل ظل۔ یہاں بھی وہی غنی اور محتاج حقیقت و محبازہ۔
 ذاتی و عطائی کا فرق کار فرما ہے کسی صوفی نے کیا شاندار بات کہی ہے
 عارف خدا نما است و لے او نہ می شود
 آئینہ رو نما است و لے رو نہ می شود

ترجمہ: عارف خدا دکھانے والا ہے لیکن خدا نہیں بن جاتا۔ آئینہ چہرہ دکھانے والا ہے لیکن وہ چہرہ نہیں بن جاتا۔

اب وہ حدیث قدسی پڑھیے کہ رب فرماتا ہے۔ جب بندہ مجھ سے بہت قریب ہوتا ہے تو میں اس کی زبان بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ بولتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ نہ یہاں حلول ہوتا ہے نہ سراپت بلکہ تجلی ربانی جب بندہ پر پڑتی ہے تو بندہ سے خدائی کام ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

ہماری گذشتہ تقریر پر مخالفین کی طرف سے ایک شبہ ہو سکتا ہے

ایک شبہ

وہ یہ کہ اگر مدارِ اُلوہیت غنی ہے اور مدارِ عبدیت محتاجی۔ الا وہ جو بے نیاز ہو، بندہ وہ جو نیاز مند ہو تو مشرکین عرب مشرک نہ ہونے چاہیے تھے اور نہ ان کے معبودانِ باطلہ کو اللہ کہا جاسکے۔ حالانکہ قرآن کریم نے انہیں اللہ فرمایا ہے۔ اور ان کے پیاروں کو مشرک قرار دیا ہے کیونکہ کوئی مشرک اپنے معبودوں کو غنی اور بے نیاز نہیں مانتا کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے یہ معبود اللہ کے بندے اور اس کے حاجت مند ہیں۔ قرآن حکیم فرما رہا ہے کہ اگر تم ان مشرکین سے پوچھو کہ آسمان وزمین کس کا ہے تو کہیں گے اللہ کا۔ اور فرماتا ہے اگر تم ان سے پوچھو کہ تمہیں روزی کون دیتا ہے۔ کہیں گے اللہ۔ نیز فرماتا ہے اگر تم ان سے پوچھو کہ کس کے قبضہ میں ہے بادشاہت آسمان وزمین کی تو کہیں گے اللہ کی وغیرہ۔ احادیث سے بھی ثابت ہے کہ مشرکین عرب جب حج یا عمرہ کا احرام باندھتے تو پھر تلبیہ میں یہ الفاظ بھی کہتے تھے لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا وَاحِدًا هُوَ عَبْدًا لَكَ الْهٰی تیرا کوئی شریک نہیں سوا ایک کے اور وہ شریک بھی تیرا بندہ ہی ہے۔ ان باتوں کے باوجود وہ اپنے بتوں کو اللہ کہتے تھے۔ اور قرآن کریم نے انہیں مشرک قرار دیا۔

اب غور کرنا چاہیے کہ وہ کیا عقیدہ تھا اور کفار اپنے بتوں کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے تھے جس سے انہیں الہا مانتے تھے اور انہیں خدا کا شریک جانتے تھے وہ صرف یہ عقیدہ تھا کہ ہمارے معبودین دان۔ ہر جگہ حاضر و ناظر۔ دُور و قریب سے دیکھنے سنتے والے۔ ہمارے حاجت روا مشکل کشا۔ فریاد رس ہیں۔ انہی عقیدوں کی بنا پر وہ مشرک ہوئے۔ اور یہی صفات الوہیت کا مدار ہیں۔ جس بندہ میں یہ صفات مان لی جائیں اُسے اللہ مان لیا گیا۔ مشرکین یہ صفات اپنے معبودین میں مان کر مشرک ہوئے اور آج کے مسلمان بیوں ولیوں میں یہ صفات مان کر مشرک ہو رہے ہیں۔ یقیناً یہ مسلمان اپنے پیروں اور ولیوں کو الہا مانتے ہیں۔

نوٹ: مخالفین کے یہ انتہائی دلائل ہیں جن کی بنا پر وہ عام مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں :

اس شبہ کا ازالہ | شرک کا دار و مدار کسی کو اللہ کے برابر مان لینے پر ہے قرآن کریم فرماتا ہے:

ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ : پھر کفار بندوں کو اپنے رب کی برابر کر دیتے ہیں۔

نیز فرماتا ہے قیامت کے دن مشرکین اپنے معبودین سے کہیں گے کہ ہم بڑی گمراہی میں تھے۔

إِذْ نُسِيبُكُمْ ذُرِّيَّةً الْعَالَمِينَ : کیونکہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر جانتے تھے۔ معلوم ہوا کہ شرک کا مدار اس پر ہے کہ کسی بندہ کو رب کے برابر سمجھا جائے۔ رب کے برابر سمجھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ کو اتنا اونچا کیا جائے کہ اس کو رب کے برابر درجہ دے دیا جائے کہ اسے اللہ کی طرح خالق۔ مالک غیب دان فریاد رس وغیرہ مستقل ذاتی طور پر بیان لیا جائے دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ کی نشان گھٹا کر اسے اپنے بندوں کی صف میں قائم کر دیا جائے اور یہ مانا جائے۔ کہ بعض چیزوں میں بندے اللہ کے محتاج ہیں اور بعض باتوں میں رب تعالیٰ بندوں

کا دست نگر۔ یہ دونوں صورتیں بندوں کو اللہ ملتے کی ہیں اور شرک ہیں۔ کفار عرب ان دونوں قسم کے شرکوں میں گرفتار تھے۔ بعض کفار قریشوں کو خدا کی بیٹیاں اور بعض اپنے بتوں کو خدا کے بیٹے مانتے تھے اور ظاہر ہے کہ باپ بیٹے آپس میں ایک دوسرے کے حاجمند ہوتے ہیں اور جنسیت و نوعیت میں برابر وہ لوگ اس عقیدے کی بنا پر مشرک ہوئے ان کی تردید میں قرآن کریم کی بہت سی آیتیں ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَهُ يَكُنْ لَكُمْ كُفُورًا أَحَدٌ**۔ نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ نہ کوئی اس کا ہمسر۔ اور فرماتا ہے **لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا** اور فرماتا ہے **وَجَعَلُوا آيَاتِهِ وَبَيِّنَاتِ الْجِنَّةِ نَسَبًا** عام مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ ہمارے بت و معبودان باطلہ ہیں تو خدا کے بندے مگر خدا تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ وہ رب تعالیٰ دنیا کو پیدا فرما کر اتنا تھک گیا اور عاجز ہو گیا کہ وہ اب دنیا چلا نہیں سکتا۔ اس کا انتظام سنبھال نہیں سکتا۔ ہمارے یہ معبود دنیا کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں اور یہاں کا کام چلا رہے ہیں۔ یہ عقیدہ شرک ہوا۔ کہ اس میں بندوں کو رب کا ہمسر مانا گیا۔ اس طرح کہ بندوں کو رب کا حاجمند مانا گیا۔ اور رب کو ان بندوں کا۔ ان کی تردید میں بہت سی آیتیں نازل ہوئیں۔ رب فرماتا ہے **وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ**۔ ہمیں عالم کی پیدائش میں کچھ تھکن نہیں پہنچی۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو پیدا فرما کر تھک نہیں گیا۔ اور فرماتا ہے۔ **وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلِيًّا مِّنَ الدُّنْيَا** اللہ تعالیٰ نے عجز اور کمزوری کی بنا پر کسی کو اپنا ولی نہیں بنایا۔ غرض کہ ان کا یہ عقیدہ شرک تھا۔ بعض کفار عالم کے لئے دو مستقل خدا خالق و مالک مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ خیر کا خالق اور چاہیے اور شرک کا خالق اور۔ خالق خیر کا نام بزدان رکھتے تھے اور شرک کے خالق کا نام ابہرمن۔ انہوں نے اس کے بعض فرضی بندوں کو اتنا اونچا سمجھا کہ خدا مان لیا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ، کوئی مسلمان ایسے گندے عقیدے نہیں رکھتا صرف یہ عطا

الہی کسی بندے کو علم غیب ماننا یا بہ عطائے الہی کسی محبوب بندے کو خلق کا فریاد رس
مشکل کشا جاننا نہ شرک نہ کفر اور مشرکین عرب صرف ان عقیدوں کی بنا پر مشرک نہیں
ہوئے مشرک بنانے والے وہ عقیدے ہیں جو ابھی ہم نے قرآن کریم کی روشنی میں بیان کئے
صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ عطائے الہی اپنا حاجت روا بھی جانتے تھے۔
اور مشکل کشا بھی۔ فریاد رس بھی۔ جب ان سے کوئی قصور ہو جاتا تو بارگاہِ اقدس میں
حاضر ہو کر عرض کرتے طَهَّرْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ یعنی حضور مجھے پاک کر دو کیوں نہ
کہتے جب رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرما رہا ہے وَيُزَكِّيهِمْ وَ
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ بِمَا كَرِهُوا ان کو پاک فرماتے ہیں اور کتاب و حکمت
یعنی قرآن و حدیث سکھاتے ہیں اور فرماتا ہے۔ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَاتًا
تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صِلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔
اے محبوب ان کے صدقات وصول پاؤ اور انہیں ان صدقات کے ذریعہ سے طاہری
و باطنی صاف فرماؤ اور ان کے لئے دعائے رحمت کرو آپ کی دعا ان کے لوں کا چین ہے
ان آیات سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن و حدیث اور روز نماز وغیرہ ہم کو پاک
صاف نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ نگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو۔ قرآن و حدیث
روحانی صابن و پانی ہے۔ حضور کا کرم و نگاہِ عنایت روحانی پاک کرنے والا ہاتھ ہے
صرف صابن اور پانی بغیر کسی کا ہاتھ لگے کپڑے کو صاف و پاک نہیں کرتے نایبناؤں
نے حضور سے گئی ہوئی آنکھیں مانگیں۔ مرگی والوں نے حضور سے شفا مانگی جانوروں
نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان مانگی۔ لکڑیوں پتھروں نے حضور کی پناہ لی
ہے۔ سیدنا ربیعہ ابن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور سے جنت مانگی ہے چنانچہ
مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ اَسْأَلُكَ مَرَاتِكَ فِي الْجَنَّةِ حضور میں آپ
سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ یعنی ایمان عمل حسن خاتمہ قبر
کے امتحان میں کامیابی۔ ہول محشر سے نجات۔ پلصراط سے بخیریت گذر۔ جنت کا
داخلہ۔ حضور کا قرب سبھی کچھ مانگ لیا۔ اس شاہنشاہ کو نبین نے یہ نہ فرمایا کہ یہ

چیزیں خدا کی ہیں۔ ہیں کیسے دے سکتا ہوں۔ بلکہ فرمایا اَوْ غَيْرِ ذَلِكَ کیا اس کے علاوہ کچھ اور مانگتے ہو عرض کیا هُوَ ذَاكَ یہی میری مراد ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور بہ عطا ئے پروردگار مرادیں دیتے ہیں۔ فریادرسی فرماتے ہیں دادرسی کرتے ہیں۔ اگر کسی بندے کو علم غیب بہ عطا ئے الہی ماننا۔ دادرس۔ فریادرس سمجھنا۔ مشکل کشا حاجت را سمجھنا ہی شرک ہوتا تو صحابہ کرام سے مشرک ہو جاتے۔ (نعوذ باللہ)

حیرت ہے کہ حضرات انبیاء کرام کا علم غیب مشکل کشا۔ حاجت روا ہونا۔ ایسا ظاہر ملتا ہے کہ جس کا اس زمانے کے کفار بھی انکار نہ کر سکتے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب فرعون و فرعونوں پر کوئی عذاب الہی آتا تھا تو بھاگے ہوئے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتے تھے اور عرض کرتے تھے لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرَّجْزَ لَتُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ لَتُرْسِلَنَّا مَعَكَ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام اگر اس بار آپ نے یہ عذاب ہم سے دور کر دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ رب تعالیٰ بھی اور جناب کلیم اللہ بھی ان کی اس حاضری اور عرض و معروض اور حاجت روائی مشکل کشائی، فریادرسی کی درخواست کو شرک قرار نہ دیتے تھے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے۔ اور رب تعالیٰ وہ عذاب اٹھا لیتا تھا۔ پھر بعد میں یہ لوگ بے دفائی کرتے اور ان پر دوسرا عذاب آتا۔ خود رب فرماتا ہے فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِلَىٰ آدَمَاتٍ فَاذَاهُمْ يَنْكَسِرُونَ جب ہم ان سے عذاب اٹھا لیتے تھے تو وہ پھر جاتے تھے۔ اگر ان کا یہ کام شرک ہوتا تو اس پر عذاب زیادہ ہونا چاہیے تھا نہ کہ اٹھایا جانا افسوس ہے کہ اس زمانے کے بعض کلمہ گو ان لوگوں سے بھی نا سمجھ ہیں۔

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کلمہ طیبہ کے دجزد ہیں۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور مُحَمَّدٌ الرَّسُولُ اللَّهُ۔
إِلَٰهًا كَعَنَىٰ اور جس چیز پر الوہیت کا مدار ہے وہ آپ حضرات معلوم کر چکے۔ اب

سودیا یہ ہے کہ رسول کون ہوتا ہے اور رسالت کے معنی کیا ہیں اور رسالت کا کس چیز پر مدار ہے ؟

کہ رسالت کے معنی بھی بھیجا ہیں اور بعثت کے معنی بھی بھیجنا۔ مگر ان میں فرق یہ ہے کہ بعثت مطلقاً بھیجنے کو

کہتے ہیں مگر رسالت کچھ دے کر بھیجنا۔ کسی کے پاس بھیجنا اور کچھ دینے کے لئے بھیجنا ہے۔ لہذا رسالت بعثت سے تماس ہے۔ اسی لئے ہم عوام لوگ رسول نہیں کہلاتے۔ رسول کا مختصر ترجمہ ہے پیغام رساں یعنی رساں۔ پھر رسول دو قسم کے ہیں بے اختیار رسول اور با اختیار رسول۔ بے اختیار رسول بعثت فرماتے ہیں جن کے سربراہ حضرت جبرائیل امین ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے جَاعِلُ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِي الْأَبْصَارِ اور با اختیار رسول حضرات انبیاء کرام ہیں۔ بغیر تشبیہ یوں سمجھو کہ بادشاہ کا تانوفی حکم بذریعہ ڈاک گورنر یا وزیر اعظم کے پاس پہنچتا ہے۔ تاکہ اسے تانوفی حیثیت سے رعایا پر جاری کیا جائے۔ محکمہ ڈاک کا ملازم وہ پیغام رسی کی شکل میں گورنر یا وزیر اعظم کے پاس پہنچاتا ہے۔ پھر یہ حضرات رعایا کو جمع کر کے یہ حکم انہیں سناتے ہیں۔ ان پر جاری کرتے ہیں۔ قانون شکنی والوں کو سزا میں دیتے ہیں بعض دس دس دس دس میں انعام تقسیم کرتے ہیں۔

محکمہ ڈاک کا ملازم بھی ان افسران کے پاس بادشاہ کا پیغام دیکھو؟

ہی لایا ہے اور ان حکام نے بھی یہ نمایاں بادشاہ کا پیغام ہی پہنچایا ہے۔ مگر ان دونوں پیغام رسالوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر شخص بے اختیار پیغام رساں ہے اور یہ حکام و افسران با اختیار کام دونوں نے ایک ہی کیا۔ مگر مختلف حیثیات سے کیا۔ اس فرق کا نتیجہ یہ نکلا کہ اول الذکر ملازم خادم فرار دیا گیا اور آخر الذکر حکام اس کے بھی مخدوم ہوئے اور رعایا کے بھی کہ ان حکام کی اطاعت بادشاہ کی اطاعت مانی گئی اور ان کے حکم

سے سر تابی بادشاہ کی بغاوت فرار دی گئی۔ ان حکام کو جیل بھیج دینے پھانسی لگا دینے کے بھی اختیار دیئے گئے مگر وہاں کوئی اختیار نہیں۔

پیغام رساں حضرات انبیاء کرام کے خدام قرار دیئے جاتے ہیں
اسی طرح | کوئی شخص ان فرشتوں کا اُمتی نہیں ہوتا۔ کسی شخص پر ان

فرشتوں کے احکام نافذ نہیں ہوتے ان فرشتوں کا نام کلمہ میں نہیں آتا۔
بلکہ وہ فرشتے حضرات انبیاء کے خدام خاص قرار دیئے جاتے ہیں حضرات
انبیاء کرام خلق کے مخدوم رب تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ با اختیار حاکم ہوتے
ہیں۔ اسی لئے قوم ان کی اُمت کہلاتی ہے۔ ان کے نام کا کلمہ پڑھتی ہے۔

ان کے احکام ان سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ یہ با اختیار اور بے اختیار کا فرق
ضرور خیال میں رہے۔ اگر یہ حضرات انبیاء کرام بھی بے اختیار رسول ہوتے۔ تو

رسالت جبریلی و رسالت محمدی میں کیا فرق ہوتا۔ اور ہم کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ
کیوں پڑھتے۔ جبرئیل رسول اللہ کیوں نہ پڑھتے۔ مسلم و بخاری میں ایک حدیث ہے

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک بار ہم بارگاہ رسالت میں حاضر
تھے کہ ایک شخص آیا جس کے کپڑے سفید اور بال کالے تھے یعنی مسازنہ تھا

اور ہم میں سے کوئی انہیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ (یعنی وہ مدینہ کا باشندہ نہ تھا) وہ
حضور کے سامنے زانوئے ادب بچھا کر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ایسا بادب بیٹھا۔

جیسے نمازی اتقیات میں رب کے حضور بیٹھتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے پانچ سوال کیئے۔ ”ایمان کیا ہے۔ اسلام کیا ہے۔ احسان کیا ہے۔

قیامت کب ہوگی۔ علامات قیامت کیا ہیں؟“
سرکار عالی نے انہیں جوابات عطا فرمائے۔ وہ ہر جواب پر تصدیق کرتے

رہے۔ صدقنت۔ صدقنت۔ پھر چلے گئے۔ حضور نے فرمایا یہ جبریل تھے
جو تدارک پاس اس لئے آئے تھے کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں۔“

دیکھو:- جبرئیل امین نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر نہ فرمایا کہ

لوگو! میں جبریل ہوں۔ مجھ سے یہ مسائل سیکھ لو۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شاگردانہ حیثیت سے اہلیات کی سی نشست بیٹھے اور سوال پیش کر کے سرکارِ بَدْرِ اَقْرَب کے زبان مبارک سے وہ مسئلے بیان کرائے آخر کیوں؟

اس لئے کہ لوگوں پر ان کی اطاعت اور ان کی بات ماننا واجب نہ تھی۔ بلکہ دوزخ تو بیٹھ کر مسلمان کو بارگاہِ نبوت کا ادب سکھا دیا۔ اور بتا دیا کہ میں بھی تمہاری طرح ان کا خادم و امتی ہوں۔ یہ فرق ہے باختیارِ بے اختیار رسول میں جو حضرات آج انبیاء کرام کو بندن مجبور محض بالکل بے اختیار پوسٹ بین کی طرح صرف پیغام رساں مانتے ہیں۔ اور یہ شعر پڑھتے ہیں

مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرائیل

جبرائیل ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

ترجمہ: بنی کریم ہرگز نہ بولتے اگر جبریل نہ بولتے اور جبریل ہرگز نہ بولتے اگر خدا کلام نہ فرماتا۔

وہ رسالتِ جبریلی اور رسالتِ محمدی میں کیا فرق کریں گے اور اس صورت میں پھر ان کی اتباع کیونکر ہوگی اور قوم ان کی اُمت کیوں بنے گی اختیاراتِ رسالت کے متعلق قرآن کریم کے ارشادات ملاحظہ فرماؤ۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) وَيُذَكِّرُهُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ :-

ہمارے نبی ان لوگوں کو ظاہری و باطنی پاک و صاف فرماتے

ہیں اور انہیں کتاب و حکمت (حدیثِ پاک) سکھاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ محض بے اختیار پیغام رساں تزکیہ و تعلیم نہیں کر سکتا۔

(۲) خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا :-

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے مالوں کے صدقات

وصول فرمالیا کر دے۔ اور انہیں ان صدقوں کے ذریعہ ظاہری پاک

طہارت بھی بخشو اور باطنی پاکی تزکیہ بھی۔“
(۳) تُوْرِحِيْ اِلَيْكَ مِنْ تَشَاءُ وَ تُوْرِحِيْ اِلَيْكَ مِنْهُنَّ مَنْ تَشَاءُ -

آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں جس کو چاہیں اپنے سے الگ رکھیں۔“

(۴) مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ دَرَسُوْا اَمْرًا اَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَنْفُسِهِمْ -

جب اللہ ورسول کسی چیز کا فیصلہ فرمادیں تو کسی مسلمان مرد یا عورت کو اپنے ذاتی معاملات میں بھی اس کے متعلق اختیار باقی نہیں رہتا

اور فرماتا ہے :

فَلَا وَرَءَايَكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يَكُوْمُوْكَ فَيُبَا شَجِرَ بَيْتِهِمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ اِنْفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ط

اے محبوب آپ ہی کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کو اپنے تمام اختلافات میں حاکم مطلق نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے قلب میں کوئی تنگی نہ پائیں

بلکہ سر تسلیم خم کر دیں۔

بے اختیار پیغام رساں نہ حاکم ہی ہوتا ہے نہ اس کو اپنی قوم پر اتنے اختیار ہی حاصل ہوتے ہیں۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ بمقابلہ شہ رگ کے بھی ہم سے قریب ہے۔ خود فرماتا ہے :

رسول کی ضرورت

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْكُمْ مِنْ حَبْلِ الْاَوْسَرِ اَيْدٍ -

ہم اس سے بمقابلہ شہ رگ کے قریب تر ہیں۔

لیکن ہم رب تعالیٰ سے بہت دور ہیں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے

یا رنزدیک تر از من بمن است وین عجب ہیں کہ من از منے دور ام

کہ بلا واسطہ ہم اس سے فیض یاب نہیں ہو سکتے ہم ظلمت ہیں وہ نور وہ قادر ہے ہم مجبور و مقدر۔ وہ قاہر ہے ہم مقهور۔ لہذا ضرورت تھی کہ رب و مرئوس "عابد و معبود" خالق و مخلوق۔ بندہ و بندہ نواز۔ محتاج و کارساز کے درمیان کوئی ایسا برزخ کبریٰ ہو جو رب سے فیض لے سکے ہم کو دے سکے۔ جب قلب و قالب کے درمیان رگوں پھٹوں۔ شرابین وغیرہ کی ضرورت ہے کہ یہ رگیں قلب کا فیض بڑی اور گوشت تک پہنچاتی ہیں۔ "روح" جسم کو بذریعہ قلب و جگر پالتی اور پرورش کرتی ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم مجبور بلا واسطہ رب سے فیض لے سکیں اور اس تک پہنچ سکیں۔ اس لئے ہمارے اور رب کے درمیان ایک برزخ ضروری ہے۔ اسی برزخ کا نام رسول ہے۔ اور اسی وساطت کا نام رسالت ہے۔

ہر وہ شخص جو رب تک پہنچنا چاہے یا اس سے کچھ لینا چاہے اسے رسول کی ضرورت ہے بلکہ جو دنیا کی آفات سے بچنا چاہے اس کے لئے نبی کا دامن پکڑنا ناگزیر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور بکھیر نہ جاؤ۔

اس آیت کی تشریح یوں سمجھو کہ ایک گہرے کنوئیں میں شفاف پانی بھی ہے اور تہ میں کچھ کھڑا بھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ کنوئیں میں ڈول جائے پانی لے کر بخیریت اوپر آجائے۔ وہاں کی کچھ اور کھڑے ہیں پھینسا نہ رہ جائے اس لئے ہم رسی کا واسطہ اختیار کرتے ہیں۔ کہ اس کا ایک کنارہ اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں دوسرا ڈول میں باندھتے ہیں اور اگر رسی موٹی ہو جس میں گرہ نہ لگ سکے تو اس کو تار یا پتلی رسیوں کے ذریعے ڈول سے وابستہ کرتے ہیں۔ اس صورت میں ڈول کنوئیں میں جا کر پانی لے کر بخیریت اوپر آ جاتا ہے۔ نہ کچھ میں پھینستا ہے اور نہ وہیں رہ جاتا ہے۔

دنیا ایک گہرا کنواں ہے جس میں درست عقائد اور نیک اعمال کا شفاف

پانی بھی ہے جس سے آخرت کی کھیتی ہری ہوتی ہے اور یہاں بد عقیدگیوں بد عملیوں کی کھیڑ بھی ہے ہم لوگ ڈول کی طرح یہاں نیک اعمال کا پانی لینے آئے ہیں۔ رب نے اعلان فرمادیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔

ہم نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر عبادت کے لئے۔

مرضی الہی تھی کہ میرے بھولے بندے دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں پھینس کر رہ نہ جائیں وہاں سے بحیرت اعمال و عقائد کا پانی لے کر آئیں تو اس رحیم کریم نے اس ذات کریم کو ہم میں بھیجا۔ جن کا ایک ہاتھ رب کے دست قدرت میں ہے اور دوسرا مخلوق کی دستگیری کے لئے ادھر ادھر پھیلا ہوا ہے انہی کا نام حَبْلِ اللَّهِ الْمُتَيْنِ۔ یعنی اللہ کی مضبوط رسی ہے۔

جس نے اللہ کی اس مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔ اس نے اللہ کا دست کرم پکڑ لیا۔

خود سراتا ہے :

إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدِ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ : جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

کہ جیسے ڈول موٹے اور مضبوط ریسے سے بلا واسطہ نہیں بندھ سکتا۔ بلکہ اسے تاروں اور چھوٹی رسیوں کے ذریعہ

پھر خیال ہے

باندھا جاتا ہے اسی طرح ہم لوگ براہ راست حضور کے دامن سے وابستہ نہیں ہو سکتے اس وابستگی کے لئے ولایت کے مضبوط تار کی ضرورت ہے۔ ہمارے مشائخ ہم کو حضور تک پہنچاتے ہیں اور حضور اللہ تعالیٰ تک

بھیکا وہ سر کوڑ میں جو جانیں گرو اور

رب روٹھے گریں دے گروٹھے نہیں ٹھور

فقر کی اس تقریب سے ضرورت رسالت بھی ثابت ہوگی اور ضرورت ولایت بھی۔

ولی کتنا ہی ادب چاہو رب تک نہیں پہنچا سکتا۔ وہ حضور تک پہنچائے گا۔ خدا تک پہنچانا حضور کا اور صرف حضور ہی کا کام ہے۔ تا نگہ کتنا ہی قیمتی ہو گجرات والوں کو کراچی نہیں پہنچا سکتا۔ تا نگہ صرف ریل تک ہی پہنچائے گا اور ریل کراچی تک۔

تو یہ بھی سمجھ لو کہ عقیدہ رسالت کے لئے تین باتیں ماننا **جب یہ سمجھ لیا** ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ ہم براہ راست رب تعالیٰ سے کوئی نعمت نہیں لے سکتے جو کچھ ملے گا وسیلہ رسول سے ملے گا ورنہ رسالت کی ضرورت ہی نہ رہتی اور دنیا میں رسول کی تشریف آوری بالکل بے کار ہوتی۔ کیونکہ ہم لینے والے رب دینے والا۔ پھر رسول کی کیا ضرورت رہی ؟

دوسرے یہ کہ رسول ہماری طرح بے بس نہیں وہ رب سے لے بھی سکتے ہیں اور ہم کو دے بھی سکتے ہیں۔ اگر وہ براہ راست رب سے لینے پر قادر نہ ہوں تو پھر انہیں خود ایک اور رسول دینی کی ضرورت درپیش آئے گی جس کے وہ اُمتی بنیں گے اور اگر ہمیں دینے پر قادر نہ ہوں گے تو ہمیں ایک رسول کی ضرورت پیش آئے گی تیسرے یہ کہ رسول دینے والے رب کو بھی جانتے ہیں اور لینے والے اُمّتیوں کو بھی پہچانتے ہیں کہ ان دو علموں کے بغیر دنیا اور دینا متحقق نہیں ہو سکتا۔

جولوگ وسیلہ نبوت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر نعمت رب سے بلا واسطہ لو۔ وہ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے

انکاری ہیں۔ اور کلمہ طیبہ کی دوسری عجز محمد رسول اللہ کے منکر ہیں۔ کیونکہ جب ہر چیز رب سے ہم خود لے سکتے ہیں تو ان کی پھر کیا ضرورت رہی ؟ نعوذ باللہ منہ۔

آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ رسول کی نسبت اللہ تعالیٰ سے **اس تقریب سے** لینے کی ہے۔ ہم سے نسبت ہے عطا کرنے کی اس ہی لئے

انہیں رسول اللہ بھی کہا جاتا ہے یعنی اللہ سے لینے والے اور ہم انہیں رسولنا بھی کہتے ہیں۔ یعنی ہم کو دینے والے۔ ان در نسبتوں میں ان کے دو کمالات کا اظہار ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "رَسُولُ اللّٰہِ" بھی کہا

گیا ہے اور ”رَسُولٌ كَرِيمٌ“ بھی فرمایا گیا۔

رسول کی شان | دنیا میں ہم بھی رب کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ اور رسول بھی۔ مگر ہماری آمد کو قرآن کریم نے خلق یعنی پیدائش فرمایا کہ

ارشاد ربانی ہوا۔

خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ : اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔ اور فرمایا گیا : وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔

ہم نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا۔ مگر عبادت کے لئے۔ اور فرمایا گیا۔ خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ اللہ نے تم کو اور ان کو پیدا فرمایا۔ جو تم سے پہلے گزرے۔

مگر رسول کی دنیا میں تشریف آوری کو بعثت اور ”رسالت“ سے بھی تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا :

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا۔

وہ اللہ وہ ہے جس نے بے پڑھوں میں رسول بھیجا۔

اور فرمایا : هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولًا بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ :

اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

غرض کہ لفظ بعثت اور رسالت صرف نبیوں کے لئے استعمال ہوا ہے ہمارے

واسطے نہیں یعنی ہم اللہ کی صرف مخلوق ہیں اور رسول اس کی مخلوق بھی ہیں رسول

بھی اور اس کے مبعوث بھی اس فرق کی چند جوہات ہیں :-

ایک یہ کہ ہم دنیا میں اپنے کام کے لئے اپنی ذمہ داری پر آتے ہیں اور رسول

دنیا میں رب کے کام کے لئے رب کی ذمہ داری پر تشریف لاتے ہیں جیسے کہ

کسی ملک میں کوئی شخص اپنے کام کے لئے جائے اور کوئی مملکت کا سفیر بن کر

حکومت کے کام کے لئے اس کی ذمہ داری پر جائے۔ یقیناً دونوں کے جانے

میں فرق ہے کہ سفر کے تمام اخراجات اس حکومت کے ذمہ ہوں گے اس کی ہر

بات حکومت کی بات ہوگی۔ بخلاف خود اپنی ذمہ داری پر جانے والے کے۔
 دوسرے یہ کہ ہم دنیا میں بننے کے لئے آئے ہیں کہ دیریت عقائد اختیار کر کے
 مومن بنیں نیک اعمال کر کے منتقی پر ہیزگار بنیں مگر رسول دوسروں کو بنانے کے لئے
 آتے ہیں کہ لوگ ان کے ذریعہ منتقی و پرہیزگار بنیں۔ اسلام کے جہاز میں ہم بھی سوار ہیں
 اور رسول بھی۔ مگر ہم پار لگنے کے لئے رسول ہم کو پار لگانے کے لئے جیسے جہاز میں
 مسافر بھی سوار ہوتے ہیں اور کپتان بھی۔ اگرچہ جہاز و سمندر اور سفر کا مبداء و منتہی ایک
 ہے مگر مسافر جہاز میں پار لگنے کے لئے سوار ہوتے ہیں اور کپتان پار لگانے کے لئے
 اسی فرق کی بنا پر مسافر کراہت سے سوار ہوتے ہیں اور کپتان تنخواہ لے کر۔
 تیسرے یہ کہ ہم لوگ دنیا میں نا سمجھ آتے ہیں یہاں آ کر سیکھتے ہیں وہ حضرات
 سب کچھ رب سے سیکھ کر آتے ہیں اور دوسروں کو سکھانے آتے ہیں اسی لئے ہم
 لوگ یہاں کے ماحول کے مطابق بن جاتے ہیں۔ مگر رسول گندے ماحول میں آ کر
 ستھرے رہتے ہیں یعنی ہمیں ماحول بدلتا ہے اور وہ ماحول کو بدلتے ہیں۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ارشاد فرمایا : اَنَا نَبِيٌّ
 اَلْكِتَابِ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي مَبَارَكًا
 اَيُّمَا كُنْتُ وَاَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَبِسَاءِ
 بِوَالِدَتِي الْخ :

میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب (انجیل) عطا فرمائی مجھے
 نبی بنایا۔ اور مجھے برکت والا بنایا۔ جہاں میں بھی رہوں اور مجھے
 نماز و پاکیزگی کا حکم دیا۔ جب تک زندہ رہوں اور اپنی ماں کے ساتھ
 اچھا سلوک کرنے والا بنایا۔“

اس آیت کریمہ میں سارے صیغے ماضی کے استعمال ہوئے یعنی سب کچھ بنکر
 سیکھ کر یہاں آیا ہوں۔ یہ ہے رسول کی نشان۔ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے
 عارف کامل رسول ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی گناہ کے قریب بھی نہ گئے۔

زمانہ پرورش میں بی بی حلیمہ دانی رضی اللہ عنہا کے ہاں جب بچوں نے کھیل کی دعوت دی تو اس عمر شریف میں زبان فیض نرجمان سے فرمایا :

مَا خُلِقْنَا لِهَذَا : ہم اس کام کے لئے پیدا نہیں کیے گئے۔

یہ ہے رسول کی فطرت اور یہ ہے رسول کی دنیا میں نشتر لیت آوری کی شان۔

رسولوں کو اپنی طرح بے خبر یا بے علم یا نبوت سے پہلے گمراہ و بیدین

جو لوگ

مانتے ہیں وہ درحقیقت رسول کی شان کے منکر ہیں۔ اگر رسول ہماری

طرح اصلاح طلب ہوتے تو انہیں ایک اور رسول کی ضرورت ہوتی جو ان کی اصلاح کرتا۔ اور جس کی امت یہ ہوتے۔

سب سے بڑا کامیاب وہ شخص ہے جو پاک و ستھرا ہو کر جسے رب

خیال ہے کہ

کا نام چبے اور نماز کا پابند رہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ -

بے شک کامیاب ہو گیا وہ جو پاک و صاف ہوا اور جس نے اپنے رب کا نام چبا اور نماز پڑھی۔“

معلوم ہوا کہ پاک و صفائی کامیابی کا پہلا ذریعہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ پاک کرنے والا کون ہے؟ یہ بھی قرآن کریم نے ہی بتایا کہ ارشاد فرمایا :

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ -

ہم اسے نبی ان لوگوں کو پاک و صاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔

اور فرماتا ہے :

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَيُزَكِّيهِمْ بِهَا :

آپ ان کے صدقے قبول فرما لو ان کے ذریعہ آپ انہیں پاک و صاف فرمادو۔

پتہ لگا کہ پاک ہوتے والے ہم ہیں اور پاک کرنے والے حضور۔ ہمارے پاس

چار چیزیں ہیں: ”جسم۔ دماغ۔ دل اور روح“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیں

چار چیزیں عطا فرمائیں۔ "شریعت طریقت حقیقت معرفت" شریعت سے ہمارے جسم کو پاک فرمایا۔ طریقت سے ہمارے دماغ و خیالات کو پاکیزگی بخشتی حقیقت سے دل کو اور معرفت سے روح کو پاک و صاف فرمایا۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت کا مرکز جسم پاک مسطقی ہے صلی اللہ علیہ وسلم طبعیت کا مرکز دل شریف حقیقت

کا سرچشمہ روح مصطفوی اور معرفت کا مرکز سر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو چار قسم کی گندگیاں دور فرمانے کے لئے چار قسم کے پانی بخشے۔ رہا ہمارا نفس امارہ وہ نجس لعینہ ہے جو کسی پانی سے پاک و صاف نہیں ہوتا۔ اس کو پاک فرمانے کے لئے عشق مصطفوی کی آگ عطا فرمائی جس سے نفس کو جلا کر اس کی حقیقت بدل دو۔ تبدل حقیقت ناپاک کو پاک کر دیتا ہے۔

بہر حال

مخلوق کو رسول کی ایسی ہی حاجت ہے جیسے زمین کو پانی کی۔ چمن کو بارش کی۔ زمین کا کوئی حصہ کسی وقت بارش سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی کوئی فرد بشر خواہ کسی درجہ اور مرتبہ کا ہو۔ کسی وقت زندگی موت قبر و نشتر میں حضور سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور جیسے چمن کا ہر برگ و بار گل و خار بارش کا مہون منت ہے۔ یونہی مخلوق کا ہر کمال بارگاہ نبوت کا رہن کرم ہے۔ انہی کے رب کی قسم جو جسے ملا انہی کے ہاتھوں ملا ہے

لَا وَرَبِّ الْبَيْتِ جَوْحِسْ كُو مَلَا ان سے ملا

بٹتی ہے کو نین میں نعمت رسول اللہ کی

شکر فیض تو چمن چوں کتراے ابر بہار

کہ اگر خار و گر گل ہمہ پروردہ نعمت

خدا سے دعا ہے کہ ہم سب کو باران کرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیرابی

نصیب ہو۔ آمین !

ایک تشبیہ | ہماری اس تقریر پر بعض حضرات کی طرف سے ایک تشبیہ ہو سکتا ہے کہ جب رسول بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے سب کچھ لے سکتے ہیں تو پھر ان کے اور رب کے درمیان حضرت جبرائیل کا واسطہ کیوں رکھا گیا اور وحی کا سلسلہ کیوں قائم کیا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

جَاخِلُ الْمَلَائِكَةَ مُسَلِّمًا أَوْ لِي آجِنَةً :

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بازوؤں والے قاصد بنایا۔

اور فرماتا ہے :

نَزَّلْنَا رُوحَ الْقُدُسِ عَلَى قَلْبِكَ

حضرت جبرائیل نے یہ قرآن آپ کے دل پر اتارا۔

ان آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم بلا واسطہ رب سے کچھ نہیں لے سکتے۔ ایسے ہی رسول بلا واسطہ اس سے نہیں لے سکتے۔ وہ حضرات ایک اور رسول کے حاجت مند ہیں جنہیں شریعت کی زبان میں رُوح القدس یا جبرائیل کہتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے حضرت جبرائیل اور ان کے معارین فرشتوں کو رسول قرار دیا۔

اس تشبیہ کا ازالہ | اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وحی کی آمد اور جبرائیل علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنا قانون کے

اجراء کے لئے ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے لئے۔ رب تعالیٰ نے حضور

کو پہلے ہی سب کچھ سکھا پڑھا کر بھیجا ہے۔ مگر تو انہیں الہیہ کابندوں میں اجراء اس وقت ہو گا۔ جب بند ربیہ وحی وہ قانون نازل فرمایا جائے گا اس کے دلائل چند ہیں :

ایک یہ کہ | رب العالمین نے قرآن کریم کی تعریف اس طرح فرمائی۔ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ یہ قرآن پر سزگاروں کا ہادی ہے۔

یعنی اے محبوب تمہارا ہادی نہیں تم تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہو کہیں هُدًى تَدَكِّ نَه فرمایا :

دوسرے یہ کہ | نزول قرآن کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے

چالیس سال بعد شروع ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی صدق و امانت راست گفتاری و پاک بازی کا مرقع تھی حتیٰ کہ کفار نے آپ کو امین و صادق الوعد کا خطاب دیا تھا۔

اگر آپ کی ہدایت نزول قرآن پر موقوف ہوتی تو آپ کے یہ چالیس سال اپنے ماحول کے مطابق عام اہل عرب کے سے گزرتے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ اس درازت میں شرک و کفر تو کیا کبھی کھیل کود، تماشوں، شراب جھوٹ وغیرہ کے قریب بھی نہ گئے۔ کبھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت نہ کھایا۔ بناؤ یہ ہدایت کس فرشتہ یا وحی کے ذریعہ حضور نے لی تھی ؟

تیسرے پر کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اس وقت سرکارِ غارِ حرا میں چھ ماہ سے اعتکاف نماز سجدہ و رکوع وغیرہ عبادات میں مشغول تھے۔

غور کیجئے کہ اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عبادتیں کس سے سیکھیں۔

چوتھے پر کہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا تحفہ معراج کی رات لامکان میں پہنچ کر عطا ہوا۔ اور معراج کے سویرے فجر کی نماز

نہ پڑھائی گئی۔ ظہر کے وقت سے متواتر دو روز تک جبرائیل امین حاضر ہوتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت کی نماز پڑھاتے رہے۔ تب نماز پنجگانہ جاری کی گئی۔ مگر یہ بھی غور کیا کہ معراج کی رات فرش سے عرش پر جاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں سائے انبیاء کرام کو نماز پڑھائی۔ اس طرح کہ آپ امام ہوئے اور سائے انبیاء کرام مقتدی۔ جن میں سے بعض مؤذن بعض کبیر غور تو کرو کہ نماز لینے جا رہے ہیں مگر نماز پڑھا کر جا رہے ہیں۔

اور کن کو نماز پڑھائی | ماوٹھا کو نہیں بلکہ ان انبیاء کرام کو جو اپنی اُمتوں کو نماز پڑھاتے۔ بتاتے، سکھاتے رہے۔ اور یہ مسئلہ

معلوم ہونا چاہیے کہ نماز کا امام شرعاً وہ ہو جو تمام مقتدیوں سے زیادہ نماز کے مسائل سے واقف ہو۔

پانچویں یہ کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بولواسطہ جبرائیل علیہ السلام نہ ہوتی تھی۔ وحی کا پیشتر حصہ وہ ہے جو بلا واسطہ جبرائیل حضور پر اتقار

ہوتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔

ہمارے محبوب اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ سب وحی الہی ہے۔ جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ہر کلام پر جبرائیل امین وحی لے کر نہ آتے تھے اور فرماتا ہے :
تَمَدَّنِي فَتَدَلِّي فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَرْبَىٰ فَمَا وَحَىٰ
إِلَىٰ عَبْدِي مَا أَوْحَىٰ۔

پھر ہمارے محبوب قریب سے قریب تر ہوئے۔ چنانچہ دو کمائوں میں ہو گئے۔ پھر لب نے اپنے بندے کو جو وحی کی سوئی۔

ظاہرات ہے کہ اس قرب خاص کے وقت جو وحی خاص کی گئی ہے۔ وہاں جبرائیل امین کا گمان و خیال بھی نہ پہنچ سکا تھا۔

غنچے ما اوحی کے وہ چمکے دنی کے باغ میں
بیل سدرۃ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

سہر حال یہ ماننا ہی پڑے گا کہ رب العالمین اور محبوب کے درمیان جناب جبرائیل کی آمد و رفت اور وحی کا سلسلہ اجراء قوانین کے لئے ہے نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محض علم کے لئے ورنہ پھر جیسے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں حضور جبرائیل امین کے اُمتی ہوتے اور جیسے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ حضور جبرائیل امین کا کلمہ پڑھتے۔

اس مضمون کے دو حصے ہیں ایک اسلام میں نبوت کا درجہ دوسرے
نبی | اسلام میں نبی کا مقام۔ خیال رہے کہ مدارِ نجات توحید نہیں بلکہ
ایمان ہے اور مدارِ ایمان محبت ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مدارِ نجات محبت ہے اس کی چند دلیل ہیں :-

ایک یہ کہ شیطان خدا کی ذات و صفات جنت و دوزخ - حشر و نشر - تقدیر و
ملائکہ وغیرہ سب کا قائل تھا۔ مگر نجات نہ پاسکا۔ خود کہتا ہے :
وَعَزَّتْكَ لَا غُوبِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادِكَ مِنْهُمْ
الْمُخْلِصِينَ -

تیری ہی عزت کی قسم میں ساری اولادِ آدم کو بہکاؤں گا۔ سوائے
خلوص والے بندوں کے۔

معلوم ہوا کہ رب کی ذات و صفات سے واقف ہے نیز وہ جانتا ہے کہ مخلص
بندے ایسے دائرے ماہر ہیں یعنی تقدیر کا قائل ہے اور عرض کیا تھا :
انظرونی الیٰ یوم یتبعثون -

مولا! مجھے اس دن تک مہلت دے جب سب اٹھائے جائیں گے
پتہ لگا کہ قیامت اور احوال قیامت کو جانتا مانتا ہے رب نے فرمایا تھا :
لَا مَلِكَ جَهَنَّمَ مِمَّنْ تَبَعَكَ -

میں تیرے اتباع کرنے والوں سے دوزخ بھر دوں گا۔
پتہ لگا کہ جنت و دوزخ سے بھی خبردار ہے۔

سارے ایمانیات کو مانتا ہے۔ انکاری ہے تو نبوت کا۔ لہذا
پھٹکار کا مستحق ثابت ہوا۔ نبوت کو توحید کے ساتھ ہی

غرضیکہ

نسبت ہے جو سو یا ہزار کے نوٹ کی تحریر کو اس کے کاغذ کے ساتھ ہے کہ جب
نوٹ سرکاری تحریر کے ساتھ ہو تو ایک وقت نہیں بلکہ ہر وقت سو روپہ قیمت
رکھتا ہے لیکن اگر یہ سرکاری تحریر مٹا دی جائے تو صرف کاغذ کی کوئی قیمت نہیں
یونہی یا ناز قیامت میں اسی توحید کی قیمت ہوگی جس پر نبوت کی مہر ہوگی۔

کلمہ طیبہ نام ہے کلمہ توحید (وحدانیت کا) مگر اس کے د
دوسرے پہ کہ

جُزْءٌ مِنْ لَدُنِّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ : پہلے جُزْءٌ
میں توحید کا ذکر ہے دوسرے میں نبوت کا۔ خیال تو کرو کہ نام کلمہ توحید اور اس

میں ذکر دو کا معلوم ہوا۔ کہ پہلے جز میں توحید کے کاغذ کا ذکر ہے اور دوسرے میں اس کی سرکاری سرکاری سے یہ توحید ایمانی توحید نبی۔

اگر فقط توحید نجات کے لئے کافی ہوتی تو اس کلمہ طیبہ میں یہ دوسرا جز قطعاً نہ ہوتا۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہم لوگوں کو الذین وحدوا کہیں نہ فرمایا۔ ہم مردوں کو مومنین اور عورتوں کو مومنات کا خطاب دیا۔ موحّدین یا موحّدات سے کہیں مخاطب نہ فرمایا۔

اگر صرف توحید نجات کے لئے کافی ہوتی تو کہیں نہ کہیں ہمیں یہ خطاب ضرر پہنچاتا۔ مسلمانوں کے علاوہ اور بہت سے فرقے توحید کے قائل ہیں جیسے سکھ، آریہ بلکہ بعض عیسائی بھی۔ لیکن انہیں مسلمان نہیں کہا جاتا

چوتھے یہ کہ اور نہ ان کی نجات ممکن کیوں؟ صرف نبوت کے انکار سے توحید کو نبوت کے تشیشہ میں دیکھو، کعبہ معظمہ کا نظارہ سبز گنبد کی سنہری جالیوں کے جھروکوں سے کر دینے مومن بنو گے۔

پانچویں یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا میں بہت سے آسمانی دین آئے اور ان سب کو الگ الگ

دین مانا گیا۔ کیوں؟ اس لئے نہیں کہ ان دینوں کی توحیدیں مختلف تھیں اس لئے نہیں کہ ان ادیان میں حشر و نشر حزبت دوزخ وغیرہ کے عقاید میں اختلاف تھا اس لئے نہیں کہ ان ادیان میں حزبت دوزخ کے فرشتے یا مسئلہ تقدیر کے ماننے میں اختلاف تھا۔ تمام دین ان چیزوں کو یکساں مانتے تھے اس کے باوجود مختلف تھے۔ اس لئے کہ ان کی نبوتیں مختلف اور نبی جدا تھے دین موسوی اور تھا دین عیسوی کچھ اور کیوں؟ اس لئے کہ دین موسوی کے نبی موسیٰ علیہ السلام تھے اور دین عیسوی کے جناب عیسیٰ علیہ السلام۔

معلوم ہوا کہ دین بنتا ہے نبوت سے، خالی توحید اور دین رب نے کبھی دیا

میں نہیں بھیجا۔

چونکہ قبر میں ہر مڑے سے توحید اور دین کے سوال کے بعد نبوت کا سوال چھٹے ہوتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي حَقِّ هَذَا الرَّجُلِ ؟ تو ان کے بارے میں کیا کہتا تھا۔

اگر فقط عقیدہ توحید کافی ہوتا تو پہلے جواب ربی اللہ پر ہی مرد بخش دیا جاتا ہے۔

ثابت ہوا کہ نجات کا دار و مدار صرف عقیدہ توحید پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوت پر۔

نوٹ ضروری جو مڑے دفن نہ کیے جائیں مثلاً ان کو شیر کھا جائے یا ڈوب کر اور جل کر ہلاک ہو جائیں یا پونہی ان کی لاشیں عرصے تک پڑی رہیں ان سے بھی یہ سوال اور بعد سوال سزا جزا ہوتی ہے مگر صحت روح سے جسے کوئی بھی محسوس نہیں کر سکتا۔ ماں کے پیٹ میں فرشتے پہنچ کر سب کچھ لکھ جاتے ہیں مگر ماں کو خبر نہیں ہوتی۔

گذشتہ تقریر میں بیان کئے گئے دلائل سے ثابت ہوا کہ نجات کا دار و مدار صرف عقیدہ توحید پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوت پر۔ لطیفہ : اس سلسلہ گفتگو میں جب سوالات قبر کا ذکر آ گیا ہے تو ایک ایمان افروز پر لطف بات بھی سن لیجئے۔

بکیر بن قبر میں مڑے سے تین سوال کرتے ہیں :
مَنْ رَبُّكَ تیرا رب کون ہے ؟ بندہ کہتا ہے اللہ۔
بکیر بن کہتے ہیں :

مَا دِينُكَ تیرا دین کیا ہے ؟ بندہ مومن کہتے ہیں۔ اسلام پھر کہتے ہیں۔ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي حَقِّ هَذَا الرَّجُلِ ؟ تو ان صاحب کے متعلق کیا کہتا تھا۔ مومن بندہ کہتا ہے اللہ کے پیچھے رسول۔

مگر طرز سوال میں فرق ہے۔ توحید و دین کے سوال میں لفظ ہذا نہیں مگر نبوت کے سوال میں ہذا موجود ہے۔ یعنی جیسے پوچھا گیا تھا کہ رب تیرا کون ہے۔ دین تیرا کیا ہے؟ ایسے ہی یہ نہ کہا گیا کہ نبی تیرا کون ہے۔ عجیب لطف ہے کہ سوال تین ہیں۔ اور نیت سوال دو! وجہ فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور دین میت کو دکھایا نہیں جاتا۔ تاکہ اس کی طرف لفظ ہذا سے اشارہ کیا جاسکے۔ اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال میت کو دکھا کر کہا جاتا ہے کہ دیکھو وہ گورے چہرے والے کالی زلفوں والے کون ہیں اور تو انہیں جیتے جی کیا کہتا تھا۔ بھائی کہتا تھا یا آقا۔ اپنی مثل کہتا تھا یا بے مثال نبی!

یہاں دو اعتراض ہیں | ایک یہ کہ بیک وقت مختلف مقامات پر ہزار ہا مردے دفن ہوتے ہیں اور ایک ہی ساعت اور ایک ہی آن میں ان ہزار ہا مقامات پر سوالات قبر ہونے ہیں اور ایک جمال اتنی جگہوں سے کیسے دکھائی دے سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے | کہ ایک سوچ بیک وقت ہزار ہا جگہ سے دیکھا جاسکتا ہے اور ہر جگہ اشارہ کر کے کہا جاتا ہے۔ یہ سوچ ہے۔ بلکہ ہزار ہا جگہ سے لاکھوں ٹینیشنوں کو پہ بیک وقت سوچ کی طرف کر دیا جائے تو وہی ایک سوچ ان سب ٹینیشنوں میں اپنی تجلی شعاع اور تیزی و جگمگاہٹ ڈال دیتا ہے۔ یہ تو آسمانی مثال تھی۔

آج سائنس کے دریافت کردہ ٹیلی ویژن نے اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں ہر جگہ نظر آسکتا ہے اور اس کی آواز لاکھوں جگہ سنی جاتی ہے جب ناز کی طاقت کا یہ حال ہے تو نور کی طاقت کا کیا پوچھنا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے | کہ ہم مسلمان جنہوں نے زندگی میں کبھی جمال مصطفوی کی زیارت نہ کی وہ قبر میں حضور کو کس طرح پہچانیں گے اور ابو جہل وغیرہ کفار مکہ جنہوں نے عمر بھر حضور کو دیکھا تھا وہ کیوں نہ پہچان سکے؟

اس کا جواب یہ ہے

کہ مادی تعلقات میں پہچان دیکھنے بھالنے سے ہوتی ہے مگر روحانی اور ایمانی تعلق میں پہچان اس آنکھ

کے دیدار پر موقوف نہیں۔ زندگی میں جس کو حضور سے ایمانی رشتہ رہا وہ ضرور پہچان لے گا۔ اگرچہ کبھی نہ دیکھا ہو اور جسے ان سرکار سے رشتہ ایمانی نہ رہا وہ ہرگز نہ پہچان سکے گا اگرچہ مرتے وقت تک حضور کو دیکھتا رہا ہو۔

بعض خوش نصیب خواب میں اور بعض اہل کمال حضرات کشف میں حضور کی زیارت کرتے ہیں اور دیکھتے ہی پہچان کر فدا ہو جاتے ہیں۔

بہر حال یہ مسئلہ بالکل واضح ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ہذا ذہنی اشارہ کے لئے ہے جسی اشارہ کے لئے نہیں یعنی مرے کو جمال مصطفویٰ دکھایا نہیں جاتا بلکہ اس سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ صاحب کون ہیں جو تیرے علم میں ہیں مگر یہ غلط ہے۔

اولاً تو اس لئے

کہ ذہن میں تو دین بھی موجود تھا مردے کو بھی اللہ تعالیٰ کا علم تھا۔ تو ان دونوں کی طرف ہذا سے ذہنی اشارہ

کیوں نہ کیا گیا۔

دوسرے اس لئے کہ

کافر حضور سے خالی الذہن ہوتا ہے اگر کوئی جمال اس کی نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا تو وہ سوال سن کر

فوراً کہتا کہ کس کے بارے میں پوچھتے ہو وہ یہ نہیں کہتا بلکہ کہتا ہے ہا، ہا لا آد ری میں انہیں پہچانتا نہیں۔ معلوم ہوا کہ کوئی جمال اس کے سامنے ہے جسے دیکھ رہا ہے۔ مگر پہچان نہیں رہا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے

کہ ملائکہ مردے کو حضور کی تصویر دکھاتے ہیں۔ مگر یہ بھی باطل ہے اس لئے کہ وہ تصویر نہ

رجل ہے نہ نبی اس تصویر کو رجل کہنا غلط ہوتا اور نبی بتانا کفر ہوتا۔

فیذا اگر تصویر ایک ہی ہے جو ہر جگہ دکھائی جاتی ہے تو پھر وہی سوال

پیدا ہوگا۔ کہ ایک تصویر بیک وقت لاکھوں مقامات پر کس طرح نظر آ رہی ہے اور اگر تصاویر چند ہیں تو بھی غلط ہے اور اگر تصاویر چند نہیں تو بھی غلط۔ کیونکہ سوال کرنے والے فرشتے وہی ہیں۔

بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ نجات کا مدار توحید پر نہیں ہے بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوت پر

نبی

یہ لفظ نَبَاءُ بمعنی خبر کا صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں خبر والا جیسے کرم کرم والا۔ رحیم، رحم والا۔ حسین، حسن والا۔ ایسے ہی نبی خبر والا۔ اس خبر دار ہونے والا میں تین احتمال ہیں :

خبر دینے والا، خبر لینے والا اور خبر رکھنے والا۔

اگر اس کے معنی ہوں خبر دینے والا تو غور طلب مسئلہ یہ ہوگا کہ کون سی اور کہاں کی خبر دینے والا۔

اخبار۔ ریڈیو۔ تار۔ خط۔ لفافے، دائر لیس۔ ٹیلیفون وغیرہ اور بی بی سی کا محکمہ یہ سب ہی خبر دینے والے ہیں۔ مگر ان کو نبی نہیں کہا جاتا۔ اگر کہو کہ حرام و حلال کی خبر دینے والا اور شرعی مسائل بتانے والا نبی ہے تو ہر عالم۔ ہر مجدد و مجتہد یہ خبریں دیتا ہے مگر ان کو نبی نہیں کہا جاتا۔

بہر حال کوئی خاص ہی خبر ہونی چاہیے جس کا پہچانے والا نبی کہلائے لہذا تحقیق یہی ہے۔ کہ فرشتوں والوں کو فرشتوں کی خبر دینے والا اور عالم شہور کی باتیں بتانے والا اخبار یا تار ہے۔ اور کتب یا اجتہاد سے مسائل بتانے والا عالم یا مجتہد ہے مگر فرشتوں والوں کو فرشتوں کی خبریں دینے عالم غیب کی باتیں بتانے والا نبی ہے۔ جہاں خبر رسائی کے اسباب معطل اور بے کار ہوں وہاں کی خبریں دینے والی ذات نبی ہے۔

جو لوگ نبی کے علوم غیبیہ کا انکار کریں وہ درحقیقت ان کی نبوت ہی کے مُنکر ہیں اور جو لوگ کہیں کہ نبی صرف مسائل شرعیہ جانتے ہیں اور دنیا دالوں کو صرف وہی بتانے آتے ہیں۔ وہ لوگ نبی اور عالم مجتہد میں کیا فرق کریں گے۔ میں آپ کو چنید روایتیں سناتا ہوں جن سے پتہ لگے گا کہ نبی کہاں کی خبر دیتے ہیں۔

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کچھ معنوم سے بیٹھے **بارگاہ رسالت ہیں** | تھے۔ فرمایا جابر کیا بات ہے غم زدہ کیوں ہو؟ عرض

کیا میں غم زدہ کیوں نہ ہوؤں۔ میرے والد حضرت عبداللہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ لڑکیاں اور قرض چھوڑ گئے یعنی ان کی جدائی کا غم اپنی بہنوں و قرض کی فکر دونوں ہی مجھ میں جمع ہو گئی ہیں۔

فرمایا۔ کیا تمہیں کچھ بتائیں۔ جس سے تمہارا غم غلط ہو جائے۔ عرض کیا۔ حضور ضرور!

فرمایا۔ آج تک رب تعالیٰ نے کسی سے بے حجابانہ کلام نہ فرمایا۔ تمہارے والد وہ پسلی میت ہیں **كَلِمَةً رَبَّهٖ كَيْفَا هَا**۔ کہ ان سے ان کے رب نے بے حجابانہ کلام فرمایا۔

حضرت جابر کو شوق پیدا ہوا کہ وہ کلام بھی سُن لیں۔ فرمایا: رب نے تمہارے والد سے ارشاد کیا **تَسْمَعُ** (کچھ آرزو کرو)۔ تمہارے والد نے عرض کیا کہ مولیٰ تو نے مجھے سب کچھ دیا۔ کس چیز کی آرزو کروں؟ فرمایا ضرور کچھ آرزو کرو۔ عرض کیا کہ مولیٰ یہ آرزو ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیجا جائے۔ پھر وہی میدانِ احد کی پتی ہوئی زمین ہو۔ اسی طرح پھر خون میں نہاؤں اور تیری راہ میں سرکٹاؤں۔ جو مزہ تیری راہ میں سرکٹانے میں آیا وہ کسی چیز میں نہ آیا تب رب نے فرمایا۔ کہ ہمارا یہ قانون نہیں کہ کسی کو آزما کر یا کسی کو باس کر کے دوبارہ آزمائیں۔

۲۱۔ اسی طرح ایک نبی بی صاحبہ بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا کلو تا جوان بیٹا آپ کے ساتھ جہاد میں شہید ہو گیا ہے اگر وہ جنت میں ہو تو میں صبر کروں اور اگر اس کے خلاف ہو تو میں اس پر ایسا روؤں گی جس کی زمانہ میں یادگار رہے گی۔
 فرمایا۔ اللہ کی بندی جنت کے آٹھ طبقے ہیں۔ تیرا بیٹا جنت کے سب سے اعلیٰ طبقے فردوں میں ہے۔

یونہی ایک شخص کو زمانہ اقدس میں سزائے سنگسار کیا گیا۔ کسی نے اس کی سنگساری کے بعد اسے برائی سے یاد کیا۔ فرمایا تم اسے برا کہہ رہے ہو اور وہ جنت کی نروں میں غوطے لگا رہا ہے۔

سرکار زمین مدینہ میں تشریف فرما ہو کر کہاں کی خبریں لے رہے ہیں دیکھو۔ وہاں کی خبر جہاں خبر رسائی کے سب ذرائع مفقود ہیں۔

پھر پوچھنے والوں کے سوال پر یہ نہیں فرماتے کہ میں مدینہ میں ہوں اور وہ شہداً عالم غیب میں پہنچ چکے مجھے وہاں کا کیا پتہ۔ نہ یہ فرماتے ہیں کہ اچھا جبرائیل امین کو آنے دو۔ ان سے پوچھ کر بتائیں گے بلکہ بلا تامل سوال سنتے ہی جواب ارشاد فرما دیا اور صحابہ کرام کا اس قسم کے سوالات بارگاہ رسالت میں پیش کرنا صاف بتا رہا ہے کہ وہ حضرات اس کے معتقد تھے کہ نبی ہوتا ہی وہی ہے۔ جو عالم غیب کی خبر لے اور سرکار کا ان بزرگوں کو تسلی بخش جواب دینا اس عقیدہ صحیحہ کی رجسٹری فرما دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کو اسی طرح خبرداری علم سے ثابت فرمایا۔ خود فرماتا ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا	اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو
ہر چھوٹی بڑی حقیر و عظیم اعلیٰ ادنیٰ	چیزوں کے نام سکھا دیئے اور صرف
سکھا ہی نہ دیئے بلکہ ذرے سے پہاڑ تک فطرے سے دریا تک زمین سے آسمان	

تک مَا كَانَ وَمَا يُكُونُ کا علم سکھا دیا (از تفسیر جلالین وغیرہ) اور زمین تک سے آسمانوں تک کی ہر چیز ان کو دکھا بھی دی۔ فرماتا ہے۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ - معلوم ہوا کہ نبی کہتے ہی خبردار کو ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے اپنی نبوت کو خبرداری اور علم سے ثابت فرمائی کہ فرمایا :

وَ اَنْبِئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ
 یعنی میں تم کو خبر دے سکتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے اور بچاتے ہو۔ لفظ نبی کو دیکھو اور اَنْبِئُكُمْ کو دیکھو دونوں کا مادہ اشتقاق ایک ہی ہے۔ یعنی خیال رہے کہ تا کون فعل مضارع ہے۔ جس میں سال اور استقبال دونوں ہیں۔ اگر اس کے اول میں س آجائے تو مضارع مستقبل ہوتا ہے جیسے :

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ اور اگر لام آجائے تو بمعنی حال ہوتا ہے۔ جیسے
 لَتَمُرُّنَّ عَلَيْهِمْ (قرآن) اور اگر دونوں سے خالی ہو تو بمعنی حال اور استقبال دونوں کو شامل ہوتا ہے۔

چونکہ یہاں تا کون اور تَدَّخِرُونَ دونوں لام اور س سے خالی ہیں ان دونوں کے معنی بجموم یہ ہو سکتے ہیں کہ میں تم کو خبر دے سکتا ہوں کہ جو کچھ تم کھاتے ہو اور مرتے وقت تک کھاؤ گے اور جو کچھ بچاتے ہو اور جو کچھ مرتے وقت تک بچاؤ گے یعنی کھیت کی پیداوار کے ہر دانے باغوں کے ہر پھل پانی کے ہر قطرے کے متعلق مجھ کو علم ہے کہ اس کو کون کھائے پئے گا یہ ہے نبی کی خبرداری یعنی نبی کی نشان یہ ہے کہ وہ خالق کی بھی خبر رکھے اور مخلوق کی بھی۔ مخلوق میں آسمانوں کی بھی خبر رکھتا ہو۔

اور زمین وزمینی چیزوں کی بھی جیسے قابل طبیب مریض کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی رگ رگ کا پتہ لگالینا ہے ایسے ہی ہمارے حضور کا ہاتھ ہر ایک

کی نبض جان و ایمان پر ہے اس کے لئے صرف چند حدیثیں پیش کرنا ہوں :

باب مناقب سیدنا عمرؓ میں ہے ایک بار حضورؐ نے عالم
مشکوٰۃ شریف | صلوات اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کے پاس تشریف فرما ہیں۔ رات کا وقت ہے۔ آسمان صاف ہے تاکہ حکم کار ہے
ہیں۔ حضرت ام المؤمنین نے پوچھا یا رسول اللہ کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں
آسمان کے تاروں کے برابر ہیں۔ غور تو کرو کتنا اہم سوال ہے کیونکہ تاکہ سے مختلف
آسمانوں پر ہیں۔ پہلے آسمان سے لے کر ساتویں آسمان تک ہیں جن میں بعض اتنے
چھوٹے بھی ہیں جو آج تک دیکھنے میں نہیں آئے اور بعض وہ بھی ہیں جو آفتاب
کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ آسمان میں گزر جاتے ہیں اور اسی طرح تاقیامت
مسلمانوں کی نیکیاں مختلف قسم کی ہیں۔ بعض غاروں میں بعض پہاڑوں میں بعض
اندھیری راتوں میں دن کی روشنی میں بعض خلوتوں میں بعض جلوٹوں میں عرضیہ کہ یہ
سوال عرش و فرشت کے متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ دو چیزوں کی بڑائی چھوٹائی اور
برابری وہ ہی بنا سکتا ہے جس کے سامنے دونوں چیزیں ہوں اور اس کی نظر ان دونوں
کے ہر فرد پر ہو۔ معلوم ہوا کہ ام المؤمنین کا عقیدہ یہ تھا ہے

سر عرش پر ہے تیری گزرتی دل فرشت پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملکین کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پر عیاں نہیں

اس کے جواب میں نبی کریمؐ نے یہ نہ فرمایا کہ اسے عائشہ تمہاری طرح میں بھی زمین
مدینہ میں ہوں۔ مجھے کیا خبر کہ قیامت تک میری امت کہاں ہوگی اور کتنی نیکیاں کریں گی
اور مجھے کیا خبر کہ کس آسمان پر کتنے تاکہ ہیں مجھ سے تو روزے نماز کے مسائل پوچھو
نہ یہ فرمایا کہ جبرائیل امین آئیں گے تو ان سے پوچھ لیں گے۔ یا رب تعالیٰ سے ہی پچھو
لین گے۔ نہ یہ فرمایا کہ کاغذ قلم لاؤ۔ ٹوٹل لگا لیں نہ یہ فرمایا کہ ذرا اٹھ جاؤ سوچ
لیں۔ بلکہ بلا تامل فوراً فرمایا کہ ہاں ایک شخص ہیں جن کی نیکیاں آسمان کے تاروں
کے برابر ہیں اور وہ ہیں جناب عمر۔ ام المؤمنین نے عرض کیا کہ میرے والد جناب

صدیق اکبر کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ فرمایا ان کی ہجرت کی رات کی خدمت جناب عمر کی تمام نیکیوں سے افضل ہے۔ پتہ لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اُمتی کی ہر نیکی سے خبردار ہیں۔ یہ ہیں خبر رکھنے والے نبی۔ بخاری شریف جلد اول باب سہم غرب میں ہے کہ جنگ بدر میں حضرت حارثہ غائبانہ تیر سے شہید ہو گئے ان کی والدہ حاضر بارگاہ ہوئیں۔ بولیں یا رسول اللہ اگر میرا بیٹا جنت میں ہو تو میں صبر کروں ورنہ میں اپنے بیٹے کو ایسا روؤں گی کہ لوگوں میں چرچا ہو جائے گا۔ یہاں بھی نبی کریم نے یہ نہ فرمایا کہ مائی مجھ کو کیا پتہ جہاں تو ہے وہاں میں ہوں اور یہ فرمایا کہ جبرئیل امین کو آنے دو ان سے پوچھ کر بتائیں گے۔ بلکہ فرمایا کہ اللہ کی بندی جنتیں آٹھ ہیں جن میں سب سے اونچا طبقہ جنت الفردوس ہے۔ تیرا بیٹا اس میں ہے یہ ہے ہمارا خبردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

مشکوٰۃ شریف باب فضل صدقہ کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا:

اَيُّهَا اَوَّلُ لِحْوَقَائِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

یعنی یا حبیب اللہ ہم میں سے

سب سے پہلے آپ سے

کون ملے گا۔

فرمایا:

اَطْوٰنُكُنَّ بَدَاً

تم میں سے لمبے ہاتھ والی ہمیں پہلے ملے گی۔

ہم نے اپنے ہاتھ ناپے تو بی بی سودہ ہم سب میں لمبے ہاتھ والی تھیں مگر بعد میں پتہ لگا کہ لمبے ہاتھ سے مراد صدقہ و خیرات کرنے والی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے بی بی زینب کی وفات ہوئی کہ سب سے زیادہ صدقہ کرتی تھیں۔ غور تو کرو۔ کہ اس مختصر سے سوال میں کتنی باتیں پوچھ لیں۔ ہر ایک کی وفات کا وقت کہ کس کی وفات کب ہوگی۔ وفات کی نوعیت کہ ہم سب کی وفات ایمان پر ہوگی یا نہیں۔ بعد

وفات اپنا مقام کہ تم کہاں ہوں گے آپ کے پاس یا کہیں اور کیونکہ انہوں نے یہ پوچھا کہ تم میں سب سے پہلے آپ سے کون ملے گی یہاں بھی حضور نے یہ نہ فرمایا کہ یہ علوم خمسہ ہیں مجھے کیا خبر نہ یہ فرمایا کہ جبرائیل ابن سے پوچھ کر بتائیں گے بلکہ فوراً تسلی بخش جواب دے دیا۔ یہ ہیں ہمارے خبردار نبی۔ بخاری شریف کتاب الطہار کے باب تَنْزِيلِ مِنَ السَّمَاءِ فِي حَدِيثِ يَاقُوبَ كَمَا فِي حَضْرَةِ سَيِّدِ عَالَمِ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ایک مقام سے گزر رہے تھے۔ دو قبریں ملاحظہ فرمائیں۔ فرمایا ان قبروں میں نہایت معمولی گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک چغلی کھاتا تھا اور دوسرا اونٹ چراتا تھا اور ان کے پیشاب سے بچتا نہ تھا پھر ایک تر شاخ کے دو ٹکڑے کئے ایک ایک شاخ دونوں قبروں پر گاڑ دی اور فرمایا کہ جب تک یہ تر رہے گی ان کی تسبیح کی برکت سے دونوں قبروں میں عذاب ہلکا ہوگا۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

(۱) حضور کی نگاہ کے لئے کوئی مٹی اور نہیں بن سکتی آپ غائب اور حاضر کو یکساں ملاحظہ فرماتے ہیں۔ دیکھو عذاب قبر ہزاروں من مٹی کے نیچے زمین کے اندر ہو رہا ہے اور حضور زمین کے اوپر تشریف فرما ہیں۔ مگر حضور کی نگاہ اس عذاب کو دیکھ رہی ہے۔

(۲) حضور ہر شخص کے ہر نیک و بد عمل کی خبر رکھتے ہیں۔ دیکھو ان قبر والوں کا اپنی زندگی میں چغلی کھانا پیشاب کی پھینٹوں سے پرہیز نہ کرنا ایسے کام تھے جو یہ لوگ حضور کے سامنے نہ کرتے تھے۔ مگر حضور کو ان کا پتہ تھا۔ معلوم ہوا کہ ہر شخص کے ہر عمل سے خبردار ہیں۔ یہ ہیں خبر رکھنے والے نبی۔ قبر پر سبز گھاس سہری شاخ پھول وغیرہ لگانا سنت سے ثابت ہے۔ اس سے قبر کا عذاب ہلکا ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں قبر میں حشر میں ہر جگہ اپنی امت کی دستگیری فرماتے ہیں۔ خیر لیتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے خلق کی خبر حضور لیں گے۔ پھر حساب کتاب شروع ہوگا۔

لیکن حالات قیامت کی ابتداء حضور کی دستگیری سے ہی شروع ہوگی۔ جیسا کہ بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث میں ہے۔

نکتہ: مجمع قیامت میں شافع کو ڈھونڈنے والے محدثین، مفسرین، علماء فقہاء، اولیاء، صوفیاء، غوث قطب سب ہی ہوں گے مگر کسی کو یاد نہ ہوگا کہ آج شفاعت کا سہرا صرف نبی کریم کے سر مبارک پر ہے۔ حالانکہ دنیا میں ان سب کا عقیدہ تھا کہ شفاعت کا دروازہ صرف حضور ہی کھولیں گے۔ مگر وہاں ایسے بھولیں گے کہ کسی کو حضور کا نام یاد نہ آئے گا۔ محض اپنے قیاس سے دیگر انبیاء کرام کے پاس شفاعت کے لیے جا میں گے اور وہ حضرات بھی حضور کا پتہ نہ بنا سکیں گے۔ خیال سے ہی حضرت نوح و ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام وغیرہم کا پتہ بتا دیں گے۔ سوا عیسیٰ علیہ السلام کے حضور کا نام کوئی نہیں بتا سکے گا۔ اس میں کیا راز ہے۔ حکمت یہ ہے کہ اگر مخلوق پہلے ہی حضور اقدس کے آستانے پر حاضر ہو جاتی اور حضور اس کی شفاعت فرما دیتے۔ تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اس شفاعت میں حضور کی کیا خصوصیت ہے ہم اتفاقاً یہاں آگئے اور شفاعت ہو گئی۔ اگر کسی اور نبی کے پاس چلے جاتے تو بھی شفاعت ہو جاتی سب کی دہن دوزی کرنے کے لئے پہلے سب دروازوں پر پھر لیا جائے گا۔ اور ہر جگہ بھیک منگوالی جائیگی اور سب سے منوا لیا جائے گا کہ آج حضور کے سوا کوئی خیر لینے والا نہیں۔ یہ ہیں ہمارے نبی خیر لینے والے صحابہ کرام ہر حاجت روائی کے لئے حضور ہی کے آستانے پر حاضر ہوتے تھے۔ یا رسول اللہ! بارش نہیں ہوتی یا رسول اللہ! بارش بہت ہو گئی یا رسول اللہ! میں گناہ کر کے آیا ہوں۔ بلکہ کفار کہ بھی حاجات کی دعا کرنے حضور ہی کے پاس آتے تھے جانور تک اپنا ہر دکھ درد حضور ہی سے عرض کرتے تھے۔

ہاں ہمیں کتنی ہیں چڑیاں فریاد ہاں ہمیں چاہتی ہے ہر فی داد
اسی در پر شتران نانشاد نسکوہ رنج و عنان کرتے ہیں!

جانور۔ حجر۔ شجر سب جانتے ہیں کہ یہ نبی ہماری خیر لینے والے ہیں کیونکہ

قربا اسی کے سامنے کی جاتی ہے۔ جو خبر لے سکے یہ ہیں نبی مبعوثی خبر لینے والا۔

یہ لفظ امن سے بنا ہے اس کے معنی ہیں۔ امن دینا۔ یہ خدا تعالیٰ کی بھی

ایمان

صفت ہے اسی لئے اس کا نام پاک مومن بھی ہے یعنی اپنے بندوں کو اپنے قہر و عذاب سے امن دینے والا اور بندے کی بھی صفت ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کو قرآن کریم نے مومن فرمایا۔ یعنی اچھے عقیدے اختیار کر کے اپنے کرب کے عذاب سے امن دینے والا۔ شریعت میں ان عقیدوں کا نام ایمان ہے جن کو اختیار کر نیسے انسان کفر سے بچ جاتا ہے اور مومنوں کی جماعت میں آ جاتا ہے۔

دنیا کی چیزوں میں ایک ڈھانچہ ہوتا ہے اور ایک روح اور روح کے

جانِ ایمان

بغیر ڈھانچہ کی کوئی قیمت نہیں۔ جسم انسانی میں جب تک روح ہے تب تک وہ ہر قسم کے اکرام کا مستحق ہے۔ اعلیٰ غذا نہیں۔ عمدہ لباس، بہترین مکانات، امیری و زیری۔ سلطنت روح والے جسم کے لئے ہیں۔ روح نکلتے ہی بجز زمین میں دفن کر دیئے جانے کے اور کسی کام کا نہیں۔ درخت میں جب تک زندگی ہے تب تک اس میں بھری پھیل پھول سب کچھ ہے۔ ختم ہوتے ہی جو لہے کا انیدھن ہے بلب۔ ٹیو پیں پنکھے وغیرہ تمام ساز و سامان پاورا آ جانے پر کار آمد ہیں بغیر پاور بالکل بے کار ہیں۔ اسی طرح روزہ۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ۔ بلکہ ایمان ان سب کا ایک ڈھانچہ ہے۔ اور ایک روح جانتا عبادات و ایمان کی بارگاہِ الہی میں قدر و قیمت ہے۔ بے جان ایمان وغیرہ کی نہ کوئی قدر ہے نہ قیمت۔

کہ کلمہ پڑھنا اور ایمان مجمل و مفصل آمَنْتُ بِاللّٰهِ الخ کو مان لینا خیال رکھو ایمان کا ڈھانچہ ہے جانِ ایمان ایک اور صرف ایک چیز ہے اور

وہ ہے نبوت کو الوہیت سے اور نبی کو اللہ سے ملانا۔ جہاں اللہ اور رسول میں جدائی کی انسان کافر ہوا اور جہاں اللہ کو رسول سے ملایا مومن ہو گیا۔

قرآن کریم کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

دُبْرِيْدُونَ اَنْ يُّصْرَفُوْا بَيْنَ | اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے

اللَّهُ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ
نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ
وَيُرِيدُونَ أَنْ يُتَّخَذُوا
بَيْنَ ذَلِكَ لَسَبِيلًا أُولَٰئِكَ
هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا
وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا
مُّهِينًا۔

رسولوں میں فرق و جدائی کر دیں اور
کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان لائیں گے
اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان
کوئی راستہ اختیار کریں۔ یہ لوگ
پکے کافر ہیں۔ اور ہم نے کافروں
کے لیے ذلت کا عذاب تیار
کر رکھا ہے۔

بفتوای قرآن کریم ثابت ہوا کہ اللہ رسول میں جدائی سمجھنا کفر ہے تو لامحالہ
اللہ رسول کو ملانا ایمان ہوا ہے

میں اپنی حیاتی تے بیان تھیواں
احد نال احمد بلیندے گزر گئی

اسکا مطلب ملانے کا مطلب نہ تو یہ کہے کہ رسول کو خدا مان لیا جائے۔
اور نہ یہ کہ رب کو رسول تصور کر لیا جائے اللہ اللہ ہے نبی نبی ہے۔ بلکہ ملانے کا
مطلب بطور تمثیل یوں سمجھو کہ نوٹ میں کاغذ بھی ہے اور شاہی مہر بھی۔ مہر کاغذ
نہیں کاغذ مہر نہیں مگر مہر کاغذ سے ایسی ملی ہوئی ہے کہ اگر کاغذ سے الگ ہو
جائے تو کاغذ بے قیمت ہو جائے۔ لمپ کی چمپنی ہری ہے تو چمپنی کا رنگ
بتی کے نور سے ایسا ملا ہوا ہے کہ گھر کے جس کونے میں بتی کا نور ہے وہاں
چمپنی کا رنگ ہے ایسا کوئی گوشہ نہیں مل سکتا۔ جہاں بتی کا نور ہو مگر چمپنی کا
رنگ نہ ہو قرآن کریم فرماتا ہے۔ مَثَلُ نُورٍ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ
الْمِصْبَاحُ فِي النُّورِ جَلِيًّا۔

اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں جن میں سے ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ توحید
الہی گویا نور ہے اور ذات پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گویا زجاجہ
یعنی چمپنی ہے۔

بھلا غور تو کرو کہ کلمہ طیبہ ہے تو توحید۔ مگر اس میں توحید کے بعد حضور کی رسالت کا بھی ذکر ہے اور ترتیب ذکر یوں ہے کہ اول جزو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں اللہ کا ذکر پہلے ہے اور جزو دوم یعنی مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ میں حضور کا نام پہلے ہے نہ تو جزو اول میں اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ اور نہ جزو دوم یعنی رَسُوْلُ اللّٰہِ مُحَمَّدٌ میں حضور کا نام محمد بعد میں ہے تاکہ حضور کا نام اللہ کے نام سے ملا رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اور حبیب کے نام میں لفظ تک کی جدائی منظور نہ فرمائی تو اور جگہ اپنے اور اپنے حبیب میں تفریق اور جدائی کیوں کر پسند فرمائے گا۔ قرآن کریم میں بہت جگہ اپنے نام کو اپنے حبیب سے ملایا۔ چنانچہ فرماتا ہے :

۱۔ وَاطِيعُوا اللّٰہَ وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ۔	فرمانبرداری کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔
۲۔ وَ مَنْ يَطْعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلًا نَّكَدًا فَآزَقُوْا عَظِيْمًا۔	جو فرمانبرداری کرے اللہ اور اس کے رسول کی وہ بڑا کامیاب ہو گیا۔
۳۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلًا اٰخَرًا اِنْ يَرْضَوْا۔	اللہ رسول زیادہ حقدار ہے۔ کہ انہیں راضی کریں۔
۴۔ اٰتَيْنَاهُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلًا مِنْ قَضٰیٰہِ	اللہ رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔
۵۔ وَ مَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُہَاجِرًا اِلَى اللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ	جو اپنے گھر سے نکل پڑا اللہ رسول کی طرف ہجرت کرے۔
۶۔ وَيَدْرِ اللّٰہُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلًا	اللہ رسول تمہارے اعمال دیکھیں گے۔
۷۔ لَا تَقْدُمُوْا بَيْنَ يَدِيْ اللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ	اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو۔
۸۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ	اللہ رسول پر ایمان لاؤ۔

۹- وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ	اگر وہ اس پر راضی ہوئیں۔ جو انہیں اللہ رسول نے دیا۔
۱۰- وَقَالُوا سَيُوتِنَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولَنَا	اور کہا انہوں نے کہ ہم کو اللہ رسول اپنے فضل سے اور دیں گے۔
۱۱- إِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَالْأَعْمَتُ عَلَيْهِ	جب آپ کہتے تھے اسی سے جس پر اللہ نے اور آپ نے انعام کیا۔

حضور کے شاعر خاص حضرت حسان ابن ثابت فرماتے ہیں :

ضَمَّ الْأَلَاءُ اسْمَ النَّبِيِّ بِاسْمِهَا
إِذْ قَالَ فِي الْخُمْسِ الْمَوْزَنِ أَشْهَدُ وَأَشْهَدُ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ نماز
پنجگانہ کی تکبیر اور اذان کہہ کر دیکھ لو کہ موازن اور تکبیر اشہدان لا الہ
الا اللہ کہتے ہی اشہدان ان محمد الرسول اللہ کہتا ہے۔

خیال رہے کہ حضرت حسان وہ خوش نصیب نعت گو صحابی ہیں جن کے ایک ایک
شعر پر حضور نے جھوم جھوم کر دعائیں دی ہیں۔ ان کے اشعار بارگاہ نبوت سے
قبولیت بلکہ داد حاصل کر چکے ہیں۔ ذرا اسلامیات میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رب تعالیٰ
نے اپنے حبیب کی سنتوں کو اپنے فرائض سے اس طرح ملایا ہے کہ کوئی عبادت سنتوں
سے خالی نہیں۔ نماز پنجگانہ میں ظہر کے فرض چار۔ آس پاس کی سنتیں چھ۔ نماز
مغرب میں فرض تین اور سنتیں نفل چار۔ وغیرہ پھر فرض پڑھنے لگو تو سبحانک اللہ
پڑھنا سنت آعوذ باللہ بسم اللہ پڑھنا سنت پھر تلاوت قرآن کریم فرض ہے
رکوع سجدہ فرض۔ ان کی تسبیحیں سنت۔ روزہ رمضان فرض۔ سحری۔ انقطاع
تراویح سنت۔

اپنی زندگی کو دیکھ لو بچے کے پیدا ہوتے ہی کان میں اذان دینا سنت عقیقہ

سنتِ ختمہ سنت۔ بچے کی پرورش سنت بالغ ہونے کے بعد فرائض سے ہوتے ہیں۔ اس وقت تک ہم سنت کے سائے میں ہی پرورش پاتے ہیں جیسے کہ روزی کمانا کھانا۔ نکاح۔ بیوی کی پرورش سب سنت ہی ہیں۔ مرتے وقت مرنے والے کو کلمہ پڑھانا سنت۔ اسے کعبہ رو کرنا سنت۔ بعد موت کفن کے تین یا پانچ کپڑے سنت۔ غسل اور دفن کے طریقے سنت۔ غرضیکہ ہر حکم فرض سنتوں سے ملے ہی ہوئے ہیں۔ اسی لئے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب یا اہل مستحب نہیں۔ بلکہ اہل سنت ہے یعنی زندگی بھر سنت کے سائے میں جینے والے اور قیامت میں سنت والے کے سائے میں رہنے والے بہر حال روح ایمان اللہ رسول کو ملانا ہے شیطان اور صد ہا قسم کے کفار اللہ کی ذات و صفات فرشتے جنت و دوزخ سب کو جانتے ہیں۔ مگر پھر کافر کے کافر۔ کیوں اس لئے کہ اللہ رسول کو ملاتے نہیں ایک انصاری نے اپنے کھیت کو پانی دینے کا مقدمہ بارگاہ رسالت میں

پیش کیا۔ مگر حضور کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا تو اس کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔

فَلَا دَرِيءَ عَلَيْكَ لَأُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ
يُحْكَمَ لَكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ
حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّوْا
سَلَامًا ۝

اے محبوب آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ اپنے اختلافات میں آپ کو حاکم مانیں پھر آپ کے فیصلے سے دل تنگ نہ ہو اور ہر تسلیم خم کر دیں۔

بعض صحابہ کرام کی آوازیں بارگاہ نبوت میں اونچی ہو جاتی تھیں۔ ان کے متعلق ارشاد باری ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ كَوَقِ
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ

اے ایمان والو۔ اپنی آوازیں اپنے نبی کی آواز پر اونچی مت کرو اور ان کی بارگاہ میں ایسے اونچے نہ بولو جیسے بعض بعض کے لئے۔ ورنہ تمہارے

لِبَعْضِ اَنْ تَحْبِطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔
 اعمال ضبط ہو جائیں گے اور تم کو
 خبر بھی نہ ہوگی۔

دیکھو ان انصاری نے اور ان اونیچے بولنے والے حضرات نے کسی ایمانی
 عقیدے کا انکار نہ کیا تھا۔

توحید قیامت ملائکہ جنت و دوزخ وغیرہ سب کے اقراری تھے بلکہ نبوت
 کا بھی انکار نہ کیا تھا۔ لوازمات نبوت میں سے ایک نشے میں قصور ہو گیا تھا یعنی
 حضور کا ادب اور آپ پر اعتماد۔ رب نے اس کو بھی کفر قرار دے دیا کیونکہ نیکیاں
 کفر سے ہی ضبط ہوتی ہیں۔

مطلب یہ نکلا کہ تمام عقاید ایمان کا ڈھانچہ ہیں اور حضور آقائے دو عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام روح ایمان ہے۔

بہت جلدی ہیں یہ چند سطور سپرد قلم کر کے سپرد خدا و رسول کر دیں۔

گر قبول اقتداز ہے عز و شرف
 صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورِهَا عَمْرًا شَيْهَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

تاجیز

۱۲/۵ ۸۴ ہ احمد یار خاں خطیب جامع غوثیہ گجرات ۱۹/۹ ۴۲



بید فاضل شاہ انور قلم کار گجرات

الحمد لله المنة عام کہ رسالہ نافعہ بہر خاص عام
مستشفى بیدہ

اسرار الاحکام

بہ انوار القرآن !

جس میں عقائد اسلامیہ - مسائل شریعت - احکام طریقت کی عقلی
حکمتیں نہایت خوبی سے بیان کی گئی ہیں ؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَرَّمَ عَلَیْكَ الْمُسْلِمِیْنَ يَا نَوَاسِرَ الْقُرْآنِ وَ
رَزَقَ قُلُوبَ الْعَارِفِیْنَ يَا سِرَّ الْعِرْفَانِ وَنَجَّاهُ عَنِ یَبِیْتِ الشُّکُوكِ
وَالْاِهَامِ ثُمَّ اَفْضَلَ الصَّلَاةِ وَاکْمَلَ السَّلَامِ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْسِ وَانْجَانَ
مَالِكِ اَنْ یُّکُونَ عَالِمًا مَا یُکُونَ وَمَا کَانَ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ
الْکَرَامِ وَاصْحَابِهِ الْعِظَامِ -

جاننا چاہیے کہ ہمارے مادی جسم کو نور نظر کی ضرورت ہے اندھا انسان گویا
مجبور محض ہے۔ پھر نور نظر نور ہونے کے باوجود ایک دوسرے کا خارجی روشنی کا
حاجت مند ہے۔ کہ ہماری آنکھ اندھیرے میں کام نہیں کر سکتی غرض کہ اندرونی اور بیرونی
دونوں مل کر ہماری حاجت پوری کرتے ہیں اور اس دنیا کی چیزیں دکھاتے ہیں اسی
طرح ہماری روح و قلب کو نور عقل کی ضرورت ہے۔ دیوانہ و پاگل آدمی اپنی کسی

قوت سے صحیح کام نہیں لے سکتا۔ پھر نور عقل اگر چہ نور ہے۔ لیکن اس کے لئے نور نبوت ازلیں ضروری ہے۔ بے نور نبوت انسانی عقل باعث کفر و طغیان ہے۔ انسان عقل سے مشین۔ رنجن: بجلی بنا سکتا ہے۔ ہوا و پانی پر راجح اور قبضہ کر سکتا ہے مگر ایمان و عرفان تیار نہیں کر سکتا۔ یوں سمجھو کہ عقل سے آسمان و زمین کی پیمائش ہو سکتی ہے۔ مگر اپنی پیمائش نہیں ہو سکتی۔ عقل سے اس مادی دنیا کی چیزیں پہچان سکتے ہیں مگر اپنے کو نہیں پہچان سکتے من عرف نفسه فقد عرف ربه اگر ایمان کے لئے محض عقل انسانی کافی ہوتی تو عقلا یونان میں کوئی بے دین نہ ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چند خواتی حکمت یونانیاں!
حکمت ایمانیاں راجم نجاواں

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے وطن کے شکلی کوچوں سے خوب واقف ہوتا ہے اجنبی جگہ کے لئے ایسے رہبر کا محتاج ہے جو یا تو وہاں کا باشندہ ہو یا وہاں آتا جاتا رہتا ہو۔ ہماری عقل اس سفلی دنیا کی چیز ہے اسے اسی عالم کی خبر ہے۔ یہاں کی چیزوں کو جانتی پہچانتی ہے۔ اسے عالم بالا اور دوسری دنیا سے کیا تعلق۔ وہاں سے وہی باخبر ہوگا۔ جو اس عالم میں رہ کر آیا ہو یا وہاں آتا جاتا رہتا ہو۔ اللہ کے جو بندے ان دونوں جہانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

انہی کا نام اسلام میں انبیاء اولیاء ہے علی بنینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام لہذا ضروری ہے کہ عاقل اس دنیا کی باتوں میں اپنی عقل پر اعتماد نہ کرے بلکہ بارگاہ انبیاء و اولیاء میں اپنی ناقص و ناکارہ عقل بالائے طاق رکھ کر طفیل مکتب بن کر حاضر ہوتا کہ وہاں کا فیض پاسکے۔ وہی ڈول کوئیں سے پانی لاتا ہے جو خالی ہو کر جاتا ہے۔ عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ۔ یہ طریقہ نہایت ہی بہتر تھا۔ اس پر صحابہ کرام اور بزرگان دین عامل رہے۔ جس سے انہوں نے بارگاہ مصطفوی سے جو فیوض و برکات حاصل کیے۔ وہ دنیا کو معلوم ہے

لیکن موجود زمانہ کے مسلمان اپنی عقل و دانش پر ایسے نازاں ہوئے کہ ہر دینی حکم میں عقل کو دخل دینے لگے کہ جو عقل میں آجائے وہ ٹھیک ورنہ اس میں تامل ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر کسی دینی حکم کی حکمت عقل سے سمجھ میں آجاتی تو خدا کا شکر کرتے اگر سمجھ میں نہ آتی تو بلا چون و چرا قبول کرتے مگر ایسا نہ کیا اس لئے مجھے خیال پیدا ہوا کہ بقدر وسعت احکام شرعیہ کی عقلی حکمتیں بیان کروں تاکہ مخلصین کو سرور ہو اور مخالفت قبول کرنے پر مجبور ہو۔

اللہ تعالیٰ حق بولنے حق ماننے کی توفیق دے اور میری اس ناچیز خدمت کو قبول فرما کر اسے صدقہ جاریہ اور میرے گناہوں کا کفارہ بنائے۔ اس رسالہ کا نام اسرار الاحکام یا نوار القرآن رکھتا ہوں۔ دے ما توفیقی الا باللہ علیہ
تَوَكَّلْتُ وَالْبِئْسَ الْاٰنِيْبُ

احمد یار خاں

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ

۲۱ مارچ ۱۹۴۹ء

یومِ دو شنبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام اور کلمہ طیبہ

س - دین محمدی کو اسلام کیوں کہتے ہیں ؟
 ج - اس لئے کہ اسلام سَلْم سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں صلح یا اطاعت
 فَإِنْ جَهِتُوا لِسَلَامٍ فَاجْتَمِعُوا لَهَا۔ لہذا اسلام کے معنی ہوئے
 رب اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا۔ منتهی مسلمان اپنے عقیدہ اور عمل
 سے رب کی اطاعت کرتا ہے لہذا مسلم یعنی مطیع ہے۔ گنہگار مسلمان اگرچہ
 بد عملی میں گرفتار ہے مگر رب کا باغی نہیں اپنے کو مجرم سمجھتا ہے لہذا
 وہ بھی مسلم ہے۔

س - کیا گذشتہ پیغمبروں کے دین کا نام بھی اسلام تھا ؟
 ج - نہیں۔ بعض انبیاء کرام کو لغوی معنی سے مسلم اور ان کے اعمال کو اسلام
 کہا گیا ہے۔ جیسے فَلَمَّا اسْلَمْنَا دَقَلْنَا لِلْجِبْتِیْنَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا۔ مگر
 اسلام نام صرف اسی دین محمدی کا ہوا۔ رب فرماتا ہے : هُوَ سَمَّاكُمْ
 الْمُسْلِمِیْنَ۔ یا مَنْ یَدْعُ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْهُ۔
 جیسے قرآن نے لغوی معنی سے بعض بندوں کو رب یا مصطفیٰ فرمایا ہے۔
 اِرْجِعْ اِلَیْ رَبِّكَ۔ مگر اصطلاح میں رب خدا کا مصطفیٰ حضور کا نام ہے۔
 س - عبادت کے لئے ایمان کی کیا ضرورت ہے جو بھی نیکی کرے اسے ثواب
 ملنا چاہیے۔ جو بھی روٹی کھاتا ہے اسے بھوک سے نجات ملتی ہے۔

ج - اس لئے کہ نیک اعمال رُوْحَانِیْ غِذَائِیْنَ ہیں اور کفر زہر۔ اگر بیانی میں

زہر ملا دو تو وہ نقصان ہی دے گی۔ ایسے ہی کفر کے ساتھ عبادات زہر آلود
غذا ہے یا اعمال گویا تخم ہیں اور ثواب ان کا پھل۔ تخم جب ہی پھل دینگا۔
جب عمدہ زمین میں لویا جائے اور خوب بے عیب ہو۔ کافر کے عمل میں
کفر کا عیب موجود ہے اور اس کا دل بخر زمین ہے۔ پھر ثواب کیسے پائے
پہلے سلطان کی وفادار رعایا بنو۔ پھر قرآنین پر عمل کرو۔

س۔ گذشتہ پیغمبروں کے دین پر اب عمل کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو
کیوں وہ بھی تو خدا کے دین ہیں۔

ج۔ نہیں۔ اب نجات صرف اسلام میں ہے۔ رب فرماتا ہے۔ وَهَنٌ يُّدْبِعُ
غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا قَلْبًا يُقْبَلُ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
الْمُخَاسِرِينَ ۝ وہ دین اپنے وقت میں اس زمانہ کے لئے رحمت تھے۔ لالٹین
اور گیس رات میں روشنی دیں گے۔ دن میں نہیں۔ آفتاب نے ان سب کو
بے کار کر دیا۔ لڑکپن میں ماں کا دودھ اور گھٹسی بچہ کو زندہ رکھتی ہے۔
بڑا ہو کر نہیں۔ اگرچہ یہ تمام چیزیں رب کی بنائی ہوئی ہیں۔ مگر ہر ایک
کے استعمال کا ایک وقت ہے۔ ایسے ہی ان دینوں کے استعمال کا وقت اب
نکل چکا۔ حکیم مریض کے نسخوں میں مریض کی حالت کے مطابق تبدیلیاں
کرتا رہتا ہے۔ اگر ان دینوں میں اب بھی نجات ہوتی تو یہود و نصاریٰ کو
اسلام اور قرآن ماننے کی دعوت کیوں دی جاتی؟

س۔ تو چاہیے کہ دین اسلام بھی منسوخ ہو جائے اور اب بھی برابر ہی آتے رہیں۔
ج۔ نہیں۔ اس لئے کہ غذاؤں اور دعاؤں میں تبدیلیاں اس وقت تک
ہوتی ہیں جب تک بچہ اور مریض اپنے اصلی حال اور کمال پر نہیں پہنچ جاتے
دودھ گھی وغیرہ روٹی پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسلام دین مکمل ہے۔ اَلْيَوْمَ
اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کا اعلان ہو چکا۔ نبوت کا نہ غروب ہونے والا
آفتاب طلوع ہو چکا۔ نیز نا سمجھ بچہ کو پہلے معمولی قاعدے اور چھوٹی کتب

دی جاتی ہیں وہ پڑھتا بھی جانتا ہے اور پھاڑتا بھی جانتا ہے۔ کچھ سمجھ آنے پر اگرچہ پھاڑتا نہیں مگر اسے لکھ لکھ کر سیاہ کر دیتا ہے۔ میلا کھینچا کر دیتا ہے۔ پوری عقل آنے پر کتاب کو جان سے زیادہ عزیز اور محفوظ رکھتا ہے۔ مخلوق کو پہلے آدم و نوح اور ابراہیم علیہم السلام کے صحیفے ملے جو ضائع کر دیئے گئے۔ ہوش سنبھالنے پر توریت و انجیل و زبور کو بالکل برباد تو نہ کیا۔ مگر اس میں لکھ لکھ کر تحریف کر دی۔ اب مکمل ہوش سنبھالنے پر قرآن کو جان سے زیادہ محفوظ رکھا۔

س۔ کلمہ کا نام تو ہے کلمہ توحید مگر اس میں ذکر ہے اللہ تعالیٰ کا اور حضور علیہ السلام کا چلے یہ تھا کہ صرف خدا کا ذکر ہونا کہ نام مسمیٰ کے مطابق ہو۔

ج۔ کلمہ طیبہ کے پہلے جزو میں توحید کا ذکر ہے دوسرے میں توحید کی نوعیت کا کیونکہ توحید کی دو قسمیں ہیں۔ ایک پیغمبر کی بتائی ہوئی دوسری پیغمبر سے منہ پھیر کر محض عقل سے مانی ہوئی۔ پہلی توحید ربانی ہے اور مقبول۔ دوسری توحید شیطانی ہے اور مردود گویا کلمہ پڑھنے والا توحید کا اقرار کرتے ہی اعلان کرتا ہے کہ میری وہ توحید ہے جو پیغمبر نے سکھائی جس کا نام اسلامی اور ربانی توحید ہے۔ س۔ مخلوق کو نبوت اور نبی کی کیا ضرورت ہے کیا رب بغیر نبی کے فیض نہیں دے سکتا۔ ج۔ جب کمزور چیز کسی قوی سے فیض لینا چاہے تو درمیان میں واسطہ ضروری ہے ورنہ کمزور فنا ہو جائے گا۔ اگر کوئی کو آگ سے گرم کرنا ہے تو درمیان میں تو ضروری ہے اگر سورج کو دیکھنا ہے تو ٹھنڈے ٹھنڈے سے فیض لینا چاہیے۔ خالق قوی و قادر ہے اور مخلوق ضعیف۔ لہذا درمیان میں کسی ایسے بذخ کبریٰ کا ہونا لازم ہے جو رب سے فیض لینے اور مخلوق تک پہنچانے کی طاقت رکھتا۔ اس بذخ کبریٰ کا نام نبی ہے۔

س۔ پھر توبہ مجبور ہوا کہ اپنے بندوں کو بغیر پیغمبر کے احکام نہ پہنچا سکا۔ ج۔ نہیں بلکہ ہم مجبور ہوئے کہ رب سے بلا واسطہ فیض نہ حاصل کر سکے۔ روٹی

کمزور ہے نہ کہ آگ۔ ہماری آنکھ کمزور ہے نہ کہ آفتاب۔ دنیا میں رب کی رحمت و نہر کے خزانہ مقرر ہیں۔ جہاں سے یہ رحمت و نہر تقسیم ہوتا ہے سانپ و دیگر موذی چیزیں تہرا لہی کے منظر ہیں۔ سمندر۔ کنوئیں اور دیگر فیض رساں چیزیں اس کی رحمت کے خزانہ ہیں۔ اسی طرح انبیاء و اولیاء کے دل رب کے اسرار و احکام و حکمتوں کے خزانہ ہیں۔ جیسے سونے کی کان سے سونا ہی نکلے گا۔ ایسے ہی پیغمبر کے ہاں سے اسرار الہی ہی ظاہر ہوتے ہیں۔

س۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ نبی ہمیشہ انسان اور مرد اور شرفا ہی ہونے سے معمولی قوموں فرشتوں عورتوں، عورتوں کو نبوت کیوں نہ ملی۔

ج۔ اعلیٰ اور نازک چیز نہایت مضبوط اور عمدہ برتن میں رکھی جاتی ہے۔ ہر برتن میں وہی نہیں جمایا جاتا اور کمزور پلٹی میں موتی نہیں رکھے جاتے۔

نبوت نہایت اعلیٰ اور عمدہ نعمت ہے اس کے لئے فرشتہ اور دیگر مخلوق مناسب نہیں کیونکہ وہ تبلیغ نہیں کر سکتے۔ تبلیغ وہ کرے جو انسانوں کے سامنے آکر ان کی سمجھ سکے۔ اپنی سمجھا سکے۔ ان کے دکھ درد سے واقف ہو۔

عورت کو پردہ لازم ہے۔ اس کا باہر پھرنا فساد کا باعث ہے۔ نیز حیض و نفاس و زچگی میں وہ کام کاج سے عاجز ہے۔ پھر وہ تبلیغ کیسے کرے۔ ذلیل آدمی کی شرفا میں کوئی عزت نہیں۔ اس کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیتا۔ مقصد تبلیغ اس سے بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ لہذا

نبی شریف و اعلیٰ مرد ہی ہو سکتے ہیں۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا
لُوْحِيٍّ اٰتِيْهِمُ بَيِّنَاتٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ لِيُخَلِّصَ لَهُمْ سَبِيْلًا مِّنْ ذٰلِكَ الَّذِي كَانُوْنَ
فِيْهِ يٰٓاٰمِنُوْنَ

س۔ کلمہ پڑھتے ہی کفر کے سب گناہ کیوں معاف ہو جاتے ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ اسلام مثل سمندر کے ہے جس میں کیسا ہی پلید آدمی غسل کرے پاک ہو جاتا ہے۔ سمندر ظاہر کندگی کو دور کرتا ہے اخلاص والا کلمہ باطنی نجاست پاک کرتا ہے

نماز

س۔ نماز ساری عبادات میں افضل کیوں ہے۔ اس میں تو مشقت بھی زیادہ نہیں ہے۔ حج و روزہ میں محنت زیادہ ہے وہ ہی سب سے افضل ہونے چاہئیں۔

ح۔ چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ نماز کی حالت میں کوئی دنیاوی کام نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں سارے اعضا پر مکمل کنٹرول ہے۔ دوسری عبادات میں دنیاوی کام بھی ہو سکتے ہیں۔ حج میں تجارت روزے میں دنیاوی کاروبار ہو سکتے ہیں۔ لہذا اس میں اخلاص زیادہ ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ۔ دوسرے یہ کہ نماز سارے ظاہری باطنی اعضا سے ادا ہوتی ہے۔ روزہ صرف منہ اور پیٹ سے۔ لہذا یہ ہر عضو کی عبادت ہے۔ تیسرے یہ کہ نماز سارے فرشتوں کے عبادات کا مجموعہ ہے۔ کہ کوئی فرشتہ رکوع میں ہے کوئی قیام میں کوئی سجدہ میں۔ چوتھے یہ کہ نماز ساری مخلوق الہی کی عبادات کا مجموعہ ہے کہ درخت قیام میں ہیں۔ چوپائے جانور رکوع میں ہیں۔ کبوترے کھڑے سجدے میں۔ مینڈک وغیرہ قعدہ میں۔ لہذا نماز سارے فرشتوں اور ساری مخلوق کی عبادات کی جامع ہے۔ پانچویں یہ کہ نماز سب پر فرض ہے۔ زکوٰۃ و حج غریب پر نہیں روزہ مسافر پر نہیں۔ لہذا یہ عبادت عام ہے۔ چھٹے یہ کہ نماز روزانہ ادا کی جاتی ہے۔ روزہ زکوٰۃ سال میں ایک بار اور حج عمر میں ایک بار۔ ساتویں یہ کہ نماز آدمی کی زندگی سنہال دیتی ہے۔ نمازی کو اپنا بدن کپڑا ہر وقت پاک رکھنا پڑتا ہے اور دن رات ہر وقت نماز کی فکر رکھنی پڑتی ہے۔ لہذا نمازی ہر وقت عبادت میں رہتا ہے۔ فکر

عبادت بھی عبادت ہے۔

س۔ نماز پانچ وقت کیوں فرض ہوئی۔ کم و بیش کیوں نہ ہوئی؟

ج۔ اس لئے کہ معراج میں اولاً پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی تھی جن میں ۲۵ وقت کی معافی ہو گئی۔ رب کے ہاں نیکی کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے۔ خود فرماتا ہے: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَالِهَا لَسَدَابِ نَمَازِیْنَ پڑھنے میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس۔

س۔ پانچ نمازوں کے یہ ہی اوقات کیوں مقرر کئے گئے۔

ج۔ اس لئے کہ مؤمن کی ہر حالت رب کے ذکر سے شروع ہونی چاہیے۔ جن کی ابتدا اچھی ہو۔ امید ہے کہ انتہائی اچھی ہوگی۔ اسی لئے بچہ کے پیدا ہوتے ہی کان میں اذان کہتے ہیں کہ یہ زندگی کی ابتداء ہے۔ چونکہ چوبیس گھنٹہ میں انسان کے پانچ حال ہوتے ہیں۔ صبح کے وقت دن کی ابتداء ہے گویا نئی زندگی ملی ہے۔ پہلے نماز پڑھے ظہر کے وقت کھانے اور آرام سے فراغت پائی۔ دن کے دوسرے حصہ کی ابتداء ہوئی نماز پڑھے عصر کے وقت ملازمین کا روبرو سے فارغ ہو کر میر و تفریح کو چلے۔ تجارت کے فروغ کا وقت آیا نماز پڑھ لے۔ سوتے وقت جاگنے کی انتہا ہے۔ نیند جو ایک طرح کی موت ہے شروع ہو رہی ہے نماز پڑھ کر سوئے شاید یہ آخری نیند ہو کہ اس کے بعد قیامت ہی کو جاگے۔

س۔ نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں کیساں کیوں نہیں اگر متروک ہیں چار رکعت پڑھیں تو کیوں نہیں ہوتی؟

ج۔ لائق طبیب کے نسخہ میں دواؤں کے اوزان مختلف ہوتے ہیں۔ نمازیں بھی مختلف دوائیں ہیں۔ جس فضل میں نیند و اذیتوں والی چابی چاہیے وہ چار دانتوں والی چابی سے نہیں کھل سکتا۔ یہ نمازیں مختلف پیغمبروں کی یادگاریں ہیں۔ آدم علیہ السلام نے زمین پر اگر رات دیکھی گھبرا گئے۔ صبح نمودار ہوئی تو

دو رکعت شکرانہ ادا کیں۔ یہ فجر ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ذبح فرزند کے عوض
 دُنبہ پایا۔ فرزند کی جان بچنے اور قربانی قبول ہونے پر چار رکعت شکرانہ ادا
 کیں یہ ظہر ہوئی۔ عزیر علیہ السلام نے سولہ برس بعد زندہ ہو کر ہم رکعت شکرانہ
 پڑھیں یہ عصر ہوئی۔ کیونکہ آپ اسی وقت زندہ ہوئے تھے۔ داؤد علیہ السلام
 نے توبہ قبول ہونے کے شکر یہ میں غروب آفتاب کے بعد چار رکعت کی تبت
 باندھی مگر تین رکعت پر ٹھک گئے اور سلام پھیر دیا یہ مغرب ہوئی۔ ہمارے
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عشاء ادا کی۔ (طحاوی شریف)

س۔ سفر میں قصر یعنی چار فرض کو دو کیوں پڑھتے ہیں تین رکعت میں قصر کیوں نہیں
 حج۔ اس لئے کہ سفر معراج میں دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں بعض نمازوں
 میں بعد میں زیادتی کی گئی (حدیث) جب تم بھی سفر میں جاؤ تو سفر معراج
 کی یادگار قائم کر لو۔ اسی لئے پھیلی دو رکعتوں میں قرأت فرض نہیں۔ اور
 امام ان میں آہستہ قرآن پڑھنا ہے تاکہ یہ یاد تازہ رہے کہ یہ رکعتیں پہلے
 فرض ہوئیں اور یہ بعد میں۔ چونکہ تین کا ادھا صحیح نہیں بن سکتا۔ اس
 لئے اس میں قصر بھی نہیں۔

س۔ امام ظہر و عصر میں آہستہ قرأت کیوں کرتا ہے اور باقی میں زور سے کیوں؟
 حج۔ اس لئے کہ شروع زمانہ اسلام میں کفار کا غلبہ تھا وہ قرآن شریف
 سن کر رب تعالیٰ اور جبریل اور حضور علیہ السلام کی شان میں بکواس
 بکتے تھے ان ہی دو وقتوں میں وہ آواز گھومتے رہتے تھے۔ مغرب میں کھانے
 میں مشغول ہوتے تھے۔ عشا میں سو جاتے تھے۔ فجر میں جاگتے نہ تھے۔ اس
 لئے ان دو نمازوں میں آہستہ قرأت کا حکم ہوا۔ رب نے فرمایا: وَلَا
 تَجْهَرُوا بِصَلَاتِكُمْ وَلَا تَخَافُتُمْ بِهَا وَابْتَغِ فِي مَا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا
 نہ اتنی آواز سے قرآن پڑھو جو آواز باہر جاوے نہ اتنی آہستہ کہ خود بھی
 نہ سن سکو۔ اب اگرچہ وہ حالت نہ رہی مگر حکم وہ ہی رہا تاکہ مسلمان اس

مغلوبیت کو یاد کر کے اب غلبہ اسلام پر خدا کا شکر کریں۔
 س۔ نماز کے ارکان قیام و قعود میں کیا حکمتیں ہیں ؟
 س۔ نماز میں چار چیزیں پڑھی جاتی ہیں۔ اور چار کام کئے جاتے ہیں :-
 قرآن۔ تسبیحیں۔ درود شریف اور دعائیں تو پڑھی جاتی ہیں اور قیام۔
 رکوع۔ سجدہ۔ قعود کیے جاتے ہیں۔ ان چاروں کاموں میں دو حکمتیں
 ہیں۔ ایک یہ کہ انسان میں چار وصف ہیں۔ وہ جماد بھی ہے نامی بھی۔
 حیوان بھی ہے انسان بھی۔ جماد کی عبادت میں بیٹھا رہتا ہے۔ حیوان کی
 اصل عبادت رکوع میں رہتا ہے۔ نبات کی بندگی سجدہ۔ انسان کی
 بندگی قیام۔ جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے۔ لہذا نماز میں ان چاروں عبادت
 کو جمع کر دیا گیا۔ نیز یہ چاروں وصف انسان کے لئے رب سے دُوری کا
 باعث بنے۔ گویا انسان چار درجے نیچے اُترا۔ اس کی ترقی کے لئے
 چار کام مقرر کئے گئے۔

دوسرے یہ کہ انسان میں آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی جمع ہے۔ آگ کی
 خاصیت تکبر و غرور ہے۔ اسی لئے وہ اوپر کو بھاگتی ہے۔ دیکھو شیطان
 آدم علیہ السلام کے آگے نہ جھکا۔ پانی کا کام ہے پھیلنا۔ خاک کی تاثیر جمود
 اور بے حسی ہے۔ ہوا کی تاثیر شہوت ہے۔ اسی لئے مقوی باہ دوائیاں
 یاد انگیز ہوتی ہیں۔ گویا انسان ان چار مفردوں کا مجموعہ مرکب ہے اور
 مفردات کا اثر مجموعہ میں ہوتا ہے۔ لہذا انسان میں یہ چاروں عیوب
 موجود تھے۔ ان کے دفعیہ کے لئے یہ چار ارکان نماز میں قائم کئے گئے۔
 اور ان ارکان کو اللہ کے مختلف ذکروں سے پڑھ کر لیا گیا۔ تاکہ ان عیوب
 سے پاکی حاصل ہو۔ جس کا بیان اس آیت میں ہے إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى
 عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (روح البیان سورہ مائدہ) آیتہ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي
 مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ

س۔ نماز کے لئے وضو کیوں ضروری ہے۔

ج۔ اس لئے کہ نماز دل کو پاک کرتی ہے۔ چاہیے کہ پہلے جسم پاک کیا جائے کیونکہ ظاہری پاکی کا باعث ہوتی ہے۔ دق کی بیماری والے کا کپڑا۔ مکان بدن صاف رکھواتے ہیں تاکہ تندرستی حاصل ہو۔

س۔ وضو میں چار عضو دھونا کیوں فرض ہیں۔ منہ۔ ہاتھ۔ سر کا مسح۔ پاؤں۔

ج۔ دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ وضو کئے پانی سے خطائیں اور گناہ جھڑتے ہیں۔

آدم علیہ السلام سے پہلی جو لغزش صادر ہوئی یعنی گندم کھانا۔ اس میں ان ہی چار اعضاء نے کام کیا تھا۔ کہ دماغ میں کھانے کا خیال آیا۔ پاؤں ادھر چلے۔ ہاتھ سے گندم بکڑا۔ منہ شریف نے کھایا۔ لہذا حکم ہوا کہ نماز کے لئے ان ہی اعضاء پر پانی پہنچاؤ۔

دوم یہ کہ اب بھی اکثر گناہ میں ان ہی عضووں کا زیادہ حصہ ہوتا ہے ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ دل۔ دماغ سے ہی گناہ کئے جاتے ہیں۔ دل اور دماغ کا تعلق بادشاہ اور وزیر کا سا ہے۔ کہ دل پر رنج آیا تو فوراً دماغ سے پانی آنسو کی شکل میں ٹپکا۔ اور جہاں دماغ میں بُرا خیال پیدا ہوا کہ دل منعموم ہو گیا۔ لہذا دماغ پر مسح کر دیا گیا۔ دل کی جگہ نہ دھوئی گئی کہ دماغ کے ذریعہ دل پاک ہوگا۔

س۔ پیشاب۔ پاخانہ۔ ریج۔ تے۔ خون وغیرہ سے وضو کیوں ٹوٹتا ہے ؟

ج۔ وضو گندم کھانے سے لازم ہوا اور یہ چیزیں گندم ہی سے بنتی ہیں لہذا

حکم ہوا کہ جب جسم سے گندم کا اثر ظاہر ہو۔ وضو کر لو۔ نیند بھی اسی لئے

وضو ٹوڑتی ہے کہ وہاں ریج نکلنے کا احتمال ہے۔ نبی کی نیند چونکہ غفلت

نہیں پیدا کرتی۔ لہذا ان کا وضو بھی نہیں ٹوڑتی۔

س۔ تو چاہیے کہ متی نکلنے سے بھی وضو ہی ٹوٹے۔ کیونکہ متی بھی گندم ہی

سے بنتی ہے۔ اس سے غسل کیوں ٹوٹتا ہے ؟

ح۔ منی کا تعلق سائے جسم سے ہے کہ ہر عضو کے خون سے بنتی ہے اور اس کے نکلنے وقت سائے جسم کو لذت آتی ہے۔ لہذا سائے جسم پر ہی اثر ہونا چاہیے۔
 س۔ پانی نہ ملتے کی صورت میں تمیم کیوں کرایا جاتا ہے اس میں کیا مصلحت ہے؟
 ح۔ سائے عناصر یعنی آگ پانی مٹی۔ ہوا میں دلوں کی شفا اور جسم کی پاکی ہے۔ اسی لئے بہت سی چیزیں آگ سے پاک ہو جاتی ہیں جیسے مٹی تانبہ کے ناپاک برتن نجس زمین ہوا سے خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے۔ بہت صورتوں میں مٹی سے رگڑنا پاکی بخشتا ہے۔ اور پانی تو طہارت کا ذریعہ ہے ہی۔ اسی طرح پانی پر دم کر کے بیماریوں کو پلایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ایک بیمار پر مٹی لعاب دہن شریف میں تر کر کے استعمال فرمائی۔ قرآن پڑھ کر دم کرتے ہیں۔ دم کی ہوا سے خدا شفا دیتا ہے۔ غرضیکہ ان عناصر میں طہارت کا اثر ہے۔ لہذا طہارت حکمی یعنی وضو و غسل کے لئے پانی کو تو اصل مانا گیا ہے۔ اور بوقت ضرورت مٹی کو نائیب کیونکہ مٹی بھی ایک عنصر ہے۔
 س۔ نماز کی اطلاع کے لئے اذان کیوں رکھی گئی۔ ہندوؤں عیسائیوں کی طرح سنکھ یا ناقوس کیوں نہ بنایا۔

ح۔ اذان اطلاع نماز کا بہتر ذریعہ ہے۔ اس کے مثل نہ سنکھ ہو سکتا ہے نہ ناقوس۔ چند وجوہ سے اولاً تو یہ کہ سنکھ میں مردہ جانور کی ہڈی کا استعمال ہے۔ ناقوس میں لوہے پتیل وغیرہ دھات کا استعمال۔ مگر اذان میں اشرف المخلوق یعنی انسان کا استعمال ہے۔ وہ بھی حلق کی آواز کا نہ کہ ہاتھ کی تالی کا نہ سیٹی وغیرہ کا۔ کیونکہ حلق اندر دنی اور بیرونی اعضا کے درمیان واسطہ ہے کہ باہر سے جو ہوا پانی غذا اندر جائے وہ حلق کے راستہ اور جو دل کی بات باہر آئے وہ حلق کے ذریعہ۔
 دوسرے یہ کہ سنکھ وغیرہ میں محض بے ڈھنگی آواز ہے جس کا مطلب کچھ نہیں۔ جیسے ریل کی سیٹی کی محض اطلاع ہے۔ مگر اذان میں محض آواز نہیں۔

بلکہ اللہ کی کبریائی حضور کی نبوت کا اعلان ہے۔ جو اصل ایمان اور مغز عبادت ہے۔ پھر نماز کا بلاوا ہے۔ پھر نماز کے فوائد کا ذکر جس سے دل میں نماز کا شوق پیدا ہو۔ اگر کوئی خوش گلو اذان سے تو سن کر وجد آجاتا ہے غرضیکہ اذان میں بلاوے کے ساتھ تبلیغ بھی ہے۔

س۔ نماز جماعت سے کیوں پرٹھی جاتی ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ مسجد میں حاضری کیوں دی جاتی ہے؟

ج۔ جماعت میں دینی یا دنیوی بہت سی حکمتیں ہیں۔ دنیاوی حکمتیں تو یہ ہیں کہ جماعت کی برکت سے قوم میں تنظیم رہتی ہے۔ کہ مسلمان اپنے ہر کام کے لئے امام کی طرح صدر اور امیر جن لیا کریں۔ پھر امیر کی ایسی اطاعت کریں۔ جیسے مقتدی۔ امام کی جماعت سے آپس کا اتفاق بڑھتا ہے۔ روزانہ پانچ بار کی ملاقات اور دعا و سلام دل کی عداوت دور کرتا ہے۔ قوم میں پابندی اوقات کی عادت پڑتی ہے۔ کہ سب لوگ جماعت کے وقت پر دوڑتے آتے ہیں۔ جماعت سے متکبران کا غرور ٹوٹتا ہے کہ یہاں بادشاہ کو فقیر کے ساتھ کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

نیز مسجد ہماری کمیٹی گھریا دار الشوری ہے۔ جہاں جمع ہو کر مسلمان اہم مشورہ کر سکتے ہیں۔ گویا مسجد میں روزانہ حملہ کی پانچ کانفرنس ہوتی ہیں۔ مسجد نبوی سے ہی اسلامی فوج نکل کر جہاد وغیرہ کرتی تھی۔

دینی فائدے یہ ہیں کہ اگر جماعت میں ایک کی نماز قبول ہوگئی تو سب کی قبول ہے۔ جماعت میں گویا مسلمانوں کا وفد بارگاہ الہی میں حاضر ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حاکم کے یہاں تنہا کے مقابل وفد کا زیادہ احترام ہوتا ہے۔ جماعت میں انسان رب کی کچھری میں وکیل یعنی امام کے ذریعہ عرض معروض کرانا ہے۔ ^{بات کا وزن دھوٹا ہے} مسجد کی طرف آنے جانے میں ہر قدم پر دست نکیاں ملتی ہیں۔ جماعت سے آدمی کو دینی پیشوا علماء و صوفیا کا ادب سکھایا جاتا ہے

س۔ جمعہ اور عید میں جماعت نزع کیوں ہے۔ پنجگانہ نمازوں میں کیوں نہیں؟
 ج۔ پنجگانہ جماعت محلہ بھر کی کانفرنس ہے اور جمعہ کی جماعت سارے شہر
 یا اکثر حصہ کی۔ پنجگانہ جماعت نزع کرنے میں مسلمانوں پر دشواری ہو
 جاتی ہے۔ کہ جنگل کھیت وغیرہ سے بھاگ کر شہر آنا پڑتا۔ اس لئے
 اس جماعت کو سنت قرار دیا گیا۔ اور چونکہ جمعہ ہفتہ میں ایک بار اور
 عید سال میں دوبار آتے ہیں ان کے لئے کرنا آسان گراں نہ ہوگا۔ یقیناً
 یہ ہے کہ مسلمانوں کا اجتماع بھی ہو جایا کرے اور کاروبار بھی بند نہ ہو یا کرے۔
 س۔ اسلام میں جمعہ کو عید المومنین کیوں مانا گیا۔ عیسائی التوار کی کیوں
 تعظیم کرتے ہیں۔ جمعہ میں کون سی خوبی ہے۔

ج۔ عیسائی التوار کو صرف اس لئے ملتے ہیں کہ اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 پر آسمان سے مادہ یعنی دسترخوان اُترا تھا۔ انہوں نے دعا کی تھی۔ رَبَّنَا
 أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا
 وَآخِرِنَا وَبَرَكَةً لِّنَا يَوْمَ الَّذِي بَدَأَنَا فِيهِ إِنَّكَ عَلِيمٌ بِمَا
 نَعْمَدُ۔ اہذا یہ دن ان کی عید کا ہو لیکن جمعہ مسلمانوں کی عید اس لئے بنا کہ وہ
 انسانی دنیا کا پہلا دن بھی ہے اور آخری بھی۔ کیونکہ جمعہ کے دن ہی آدم
 علیہ السلام کی پیدائش ان کا جنت میں جانا ہوا۔ پھر جنت سے زمین پر
 آنا بھی اسی دن ہوا۔ قیامت بھی جمعہ کے دن آوے گی۔ نیز انبیاء کرام پر
 بڑے بڑے انعامات اسی دن میں ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے
 نجات پانا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا۔ یعقوب علیہ السلام
 سے ملنا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا سب جمعہ کے دن ہوا۔ نیز ہفتہ
 میں سات دن ہیں جن میں پہلا دن جمعہ ہے لہذا جمعہ کو عبادت کے لئے
 خاص کیا گیا تا کہ ہفتہ کی ابتدا برکت پر ہو۔ رُوح البیان زینہ نزول مادہ
 س۔ ہم اللہ کے بندے ہیں صرف فرض ہی پڑھیں جو اللہ کا حکم ہے۔ سنت
 کیوں پڑھیں اس کی کیا ضرورت ہے؟

ح - فرض کے لئے سنت ایسی ہے جیسے کھانے کے لئے پانی کہ نہ تو کھانا بغیر پانی کے تیار ہو اور نہ کھایا جاسکے۔ ایسے ہی خود فرض نماز میں سنت داخل ہے۔ جیسے ہاتھ اٹھانا۔ سورہ فاتحہ پڑھنا۔ سورہ ملا اور غیرہ اور قریباً ہر فرض نماز کے ساتھ سنتیں بھی ادا کی جاتی ہیں۔ جیسے بغیر پانی کھانے کی دعوت ناقص ہے۔ ویسے ہی بغیر سنت فرض نماز غیر مکمل ہے۔ تارک سنت شفاعت سے محروم ہے۔ بلکہ انسان پر فرائض تو بعد بلوغ جاری ہوتے ہیں۔ مگر سنتیں پیدائش سے ہی ساتھ ہوتی ہیں۔ حننہ عقیقہ۔ نام رکھنا سب سنت ہی ہے۔ اسی طرح مرتے ہی تمام فرائض ختم ہو جاتے ہیں مگر سنتیں مرنے کے بعد بھی ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ چنانچہ قبر کفن بعد دفن فاتحہ ایصال ثواب سنت ہیں بلکہ خود مرنا بھی سنت ہے۔ اسی لئے ہمارا نام اہل فرض نہیں۔ بلکہ اہل سنت و اہل عتہ ہے۔ سنت کے منکر کو چاہیے کہ ناف سے گھٹے تیار کیا جائیگیہ پینا کرت اور جان نکلتے رت کچھ چنے چاب لیا کرے جس سے جان بچے کہ فرض صرف اتنا ہی ہے۔ نکاح اولاد سب سنتیں ہی تو ہیں۔

س - بعض کھانے بغیر پانی ہی تیار ہوتے ہیں اور بغیر پانی کھائے بھی جاتے ہیں جیسے ترمیز۔

ح - ان میں بھی پانی کی ضرورت ہے کہ ان کے درخت پانی ہی سے پرورش پاتے ہیں۔ نیز ان میں قدرتی پانی موجود ہے ورنہ یہ سوکھ جاویں۔

س - نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض والے کی نماز کیوں نہیں ہوتی اور فرض والے کے پیچھے نفل والے کی نماز کیوں ہو جاتی ہے؟

ح - اس لئے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ضمن میں ایسی ہوتی ہے۔ جیسے لفافہ میں پرچہ۔ حدیث میں ہے کہ امام نامن اور ظاہر ہے کہ ضمن میں لینے والا یا تو قوی ہو یا برابر۔ کاغذ کا لفافہ لوہے کے پترے کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتا۔ پھٹ جاوے گا۔ لہذا لازم ہے کہ یا تو امام کی نماز مقتدی سے

قوی ہو یا برابر۔ لہذا نفل تو فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ فرض نفل سے قوی ہے۔ اس لئے امام کا بھی مقتدیوں سے قوی یا برابر ہونا لازم ہے۔ اگر امام مقتدی سے کمزور ہو تو نماز میں خرابی ہوگی۔ امی تاری کی مثلًا ساتر کی امامت نہیں کر سکتا۔

س۔ احادیث میں وارد ہے کہ معراج کی صبح کو جبریل علیہ السلام نے دو دن حضور کو نمازیں پڑھائیں۔ حالانکہ یہ نمازیں حضور علیہ السلام پر فرض تھیں۔ اور جبریل علیہ السلام کیلئے نفل۔ کیونکہ فرشتوں پر یہ نمازیں فرض نہیں۔ دیکھو فرض نفل کے پیچھے ادا ہوئے۔

ج۔ جب جبریل علیہ السلام کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو وہ نمازیں ان پر فرض ہو گئیں۔ لہذا امامت جائز ہوئی۔ جیسے دیہات کے باشندے جب شہر میں آجائیں تو ان پر جمعہ و عید فرض ہو جاتا ہے کہ اہل شہر کی امامت ہی کر سکتے ہیں۔ س۔ امام مقتدی سے افضل ہوتا ہے۔ لازم آیا کہ جبریل علیہ السلام حضور سے افضل ہوں۔

ج۔ یہ قاصد، کلیہ نہیں حضور علیہ السلام نے صحابی عبدالرحمن ابن عوف کے پیچھے بھی ایک رکعت پڑھی ہے۔ حالانکہ وہ اہل سنتی ہیں اور حضور نبی۔ استاد شاگرد کے پیچھے۔ شیخ مرید کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو امامت ہے حضور۔ ان کے معظمت سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ خیر خلق اللہ ہیں۔ کعبہ بھی جز خلق اللہ ہے۔ لہذا اس سے بھی افضل ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام ساجد ہیں۔ اور کعبہ سجود الیہ۔

س۔ کم از کم جبریل علیہ السلام نماز کے استاد ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے حضور کو نماز سکھائی اور حضور علیہ السلام شاگرد اور استاد شاگرد سے اعلیٰ ہوتا ہے۔

ج۔ معلم نہیں صرف مبلغ اور پیغام رساں ہیں اسی لئے حضور کے در دولت پر حاضر ہوتے ہیں۔ اگر استاد ہوتے تو حضور علیہ السلام ان کے پاس جلتے۔ دیکھو

موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے پاس گئے۔ حضور علیہ السلام رب کے شاگرد
رشید ہیں۔

لکھنے نہ پڑھے جنابِ الا شاگرد رشید حق تعالیٰ
س۔ پھر تو انبیاء کرام کو بھی محض مبلغ ماننا چاہیے۔ ان کی اتنی تعظیم و توقیر کیوں کی
جاتی ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی نبی ماننا چاہیے جو مبلغ ہو رہا ہے
ح۔ انبیاء کرام خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ فی العروض ہیں۔ جیسے کہ خرید و
فروخت کا وکیل کہ عقد کے سارے احکام اولاً اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔
پھر موکل سے پیغمبر جو باتیں امت کو پہنچائیں گے خود بھی پہلے ان پر عمل کریں گے۔
ایسے ہی استاد و شیخ نبی اور امت کے درمیان گویا واسطہ فی العروض ہے
مگر فرشتے خالق و مخلوق کے درمیان محض واسطہ فی الذبوت ہیں۔ جیسے نکاح کا
وکیل کہ وہ محض موکل کے الفاظ نقل کر دیتا ہے۔ نکاح کے احکام سے اسے
کوئی تعلق نہیں یا جیسے رنگریز کہ کپڑے میں رنگ پہنچا دیتے ہیں نہ خود عمل
کرتے ہیں نہ دوسروں سے کراتے ہیں۔ اسی لئے بعض دفعہ جبرائیل علیہ السلام
نے مجمع صحابہ میں حضور سے کچھ دینی مسائل دریافت کئے تاکہ لوگ سنیں اور
عمل کریں۔ خود احکام نہ سناوے۔ لہذا پیغمبر نبی ہیں اور فرشتے نبی نہیں۔
جیسے حکام اور محکمہ ڈاک کے کام کرنے والے احکام بند رلیو ڈاک پہنچاتے
ہیں۔ حکام عمل کرتے کراتے ہیں۔

س۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا جاتا ہے۔ مگر وضو
کا غسلہ پینا مکروہ ہے۔ ایک پانی کے دو حکم کیوں ہیں ؟
ح۔ اس لئے کہ وضو کے پانی سے عبادت کی گئی ہے۔ لہذا اس کی عظمت بڑھ
گئی۔ اسی لئے بھی ہوئی مسواک اور مسجد کے کورے کا بھی ادب ہے۔ مگر وضو
کا غسلہ نمازی کے گناہ لے کر اعضاء سے صلیحہ ہوا ہے۔ اسی لئے اس
کا پینا مکروہ ہے۔ لیکن نبی کا غسلہ پینا مکروہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ صحابہ کرام

پیا کرتے تھے۔ کیونکہ پیغمبر گناہوں سے معصوم ہیں۔ وہ سراپا نور ہیں۔ ان کا غسل گناہ لے کر نہیں بلکہ نورانی ہو کر گرا ہے۔

س۔ جب وضو سے گناہ چھڑتے ہیں تو چاہیے کہ پیغمبروں پر وضو واجب ہی نہ ہو۔ کیونکہ وہ بے گناہ ہیں۔ مقصد وضو وہاں حاصل نہیں۔

ج۔ ہمارے لئے وضو کے دو فائدے ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری فائدہ نجاست کا دور ہونا ہے۔ باطنی فائدہ گناہ چھڑنا۔ انبیاء کرام کے لئے بھی دو فائدے ہیں۔ ظاہری فائدہ بے وضوئی کا علیحدہ ہونا۔ باطنی فائدہ مراتب بڑھنا جو نیکی گناہ گار کے گناہ معاف کراتی ہے وہ بے گناہ کے درجات بڑھاتی ہے جیسے مسجد کے قدم کہ اس سے گناہ گار کے گناہ چھڑتے ہیں اور نیک کار کے مراتب بڑھتے ہیں۔

س۔ قرآن فرماتا ہے کہ نماز بے حیایوں اور گناہ سے روکتی ہے حالانکہ بعض نمازی بھی گناہ گار ہوتے ہیں۔ شیطان بڑا نمازی تھا مگر بڑا گناہ گار ہوا۔

ج۔ اس کے تین جواب ہیں :-

ایک یہ کہ نماز بحالت ادا گناہ نہیں کرنے دیتی۔ روزه حج وغیرہ میں جھوٹ وغیبت وغیرہ نہیں ہے۔ مگر نماز میں سائے اعضا پر کتھول ہے۔ دوسرے یہ کہ برائیوں سے روکنا نماز کی تاثیر ہے۔ لیکن اگر تونس والے کی پیاس پانی سے نہ بجھے تو اس میں پانی کا تصور نہیں۔ اگر کوئی زہر سے نہ مرے تو زہر کے قائل ہونے میں فرق نہ آئے گا۔

تیسرے یہ کہ إِنَّ الصَّلَاةَ مِّنْ أَلْفِ لَامٍ عَمْدٍ ہے یعنی نماز مقبول جس میں ظاہری و باطنی شرائط کا لحاظ ہے وہ بے شک گناہوں سے روکتی ہے۔ جو نماز گناہوں سے نہ روکے وہ نماز کا قالب ہے۔ نہ کہ نماز مقبول۔



روزہ

س۔ روزے میں کیا حکمت ہے۔ اسلام میں یہ کیوں رکھا گیا کہ ہم اپنی چیز ایک وقت خورد نہ کھاپی سکیں۔

ج۔ پیٹ بھرنے سے نفس قوی ہوتا ہے اور خالی رہنے سے روح میں قوت آتی ہے۔ روح اور نفس ہائے گو یا دو یا تریں یا انسانی زندگی کے دو پیچھے لہذا کچھ دن نفس کو غذا دو اور کچھ دن روح کو۔ نیز روزہ پیٹ کی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ اگر کوئی مہراہ میں تین دن روزے رکھ لیا کرے تو وہ شکمی امراض سے محفوظ رہے گا۔ نیز روزے سے فقر اور فاقہ کی قدر معلوم ہوتی ہے اور فقراء کی امداد کو دل چاہتا ہے۔ روزے میں اپنی بندگی اور رب کی ملکیت کا اظہار ہوتا ہے۔ کہ ہم اپنی کسی چیز کے منتقل مالک نہیں۔ گھر میں سب کچھ ہے مگر رب نے رک دیا۔ تو کچھ استعمال نہیں کر سکتے۔ روزے سے بھوک برداشت کرنے کی عادت رہتی ہے۔ کہ اگر کبھی فاقہ درپیش آجائے تو روزہ دار صبر کر سکے گا۔ روح جسم میں آکر غذا کی حاجت مند ہوتی۔ لہذا گناہ بھی کرنے لگی۔ اب کچھ وقت اسے بھوکا رکھو تاکہ اسے اپنی پسلی حالت یاد رہے اور گناہ سے باز رہے۔

س۔ روزے میں کیا خصوصیات ہیں۔ جو دیگر عبادات میں نہیں۔

ج۔ روزے میں چند خصوصیات ہیں۔ اولاً یہ کہ تمام عبادات میں کچھ کرنا ہے اور روزے میں چھوڑنا۔ یعنی کھانا پینا۔ جماع چھوڑنا اور رب کے لئے خواہشات چھوڑنا بڑی عبادت ہے۔ دوسرے یہ کہ تمام عبادات میں اطاعت کا غلبہ ہے اور روزے میں عشق کا۔ کیونکہ اس میں عشاق کے تمام نشان موجود ہیں۔

عاشقان رشتہ نشان ملتے پیر آہ سرد رنگ زرد و چشم تر

گرتا پڑسندہ دیگر کدام کم خورد کم گفتن و خفتن حرام
تیسرے یہ کہ دیگر عبادات خاص حالات میں رہتی ہیں مگر روزہ ہر
حالت میں مومن کے ساتھ ہے۔ کیونکہ جاگتے سوتے کھیلتے کورتے، کاروبار
کرتے ہر حال میں روزہ منہ میں ہے۔ چوتھے یہ کہ روزہ سکم سبیری کی رکوۃ
ہے۔ پانچویں یہ کہ عبادات نساہ ہیں۔ اور روزہ صبر اور اللہ صابروں کیساتھ ہے
س۔ حدیث قدسی میں ہے الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ رَوْزَهٗ مِیْرَاہِیْ مِیْن
اس کی جزادوں گا۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ ساری عبادات رب کی ہیں
اور وہ ہی جزا دینے والا ہے۔ پھر روزے کو نما عکس کریں کہا گیا۔
ح۔ دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ دیگر عبادات میں ریا ہو سکتی ہے کیونکہ وہ
ظاہر میں مگر روزے میں ریا کا احتمال نہیں۔ کیونکہ یہ خفیہ چیز ہے۔
اگر کوئی گھر میں کچھ کھالے اور لوگوں میں روزہ ظاہر کرے تو کوئی
کیا جانے۔ لہذا روزہ دار یقیناً رب کے لئے ہی روزہ رکھ سکتا ہے
دوسرے یہ کہ قیامت میں ظالم کی دیگر عبادت مظلوم چھین لیں گے۔
مگر روزہ کسی کو نہ دیا جائے گا۔ حکم ہو گا۔ کہ یہ تو میری چیز ہے کسی
کو نہ ملے گی۔

س۔ پھر اس کا مطلب ہے کہ میں اس کی جزادوں گا ؟
ح۔ اس حدیث کی دو تراہتیں ہیں۔ اُجْزِیْ بِهٖ۔ یعنی میں روزہ کی
جزا ہوں۔ تمام عبادات کی جزا جنت اور روزے کی جزا خود خالق
جنت ہے۔ دوسری اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ یعنی میں روزے کا خود بدلہ دوں گا
دیگر عبادات کے ثواب مقرر ہیں۔ مگر روزے کی جزا کچھ مقرر نہیں فرمائی۔
رب دینے والا بندہ لینے والا۔ جس قدر چاہے گا۔ دیگا۔ کیونکہ روزہ دار
عاشق ہے۔ اور عشق کا ثواب لقا محبوب ہے۔ لقا محبوب کے ساتھ
تمام نعمتیں غیر محدود ہیں۔

س۔ ماہِ رمضان میں کیا خصوصیات ہیں۔ جو دیگر مہینوں میں نہیں ؟
 ج۔ چند خصوصیات یہ ہیں : قرآن شریف میں صرف رمضان ہی کا نام آیا۔ کسی اور مہینہ کا نہیں آیا۔ جیسے جماعت صحابہ میں صرف زید کا نام آیا۔ رمضان۔ رحمن۔ غفران۔ قرآن اور شیطان قریباً ہوزن ہیں۔ یعنی رحمن نے رمضان میں قرآن بھیجا۔ تاکہ مومنوں کو غفران ملے اور شیطان کو تہید۔ دیگر مہینوں میں خاص دن یا خاص ساعتیں عبادت کی ہیں۔ بقرعید میں ۴ دن نویں سے یارہویں تک۔ مجرم میں دسویں۔ شوال میں پہلی۔ شعبان میں چودھویں۔ رجب میں ستائیسویں تاریخیں۔ مگر رمضان میں ہر ساعت عبادت کی ہے۔ کہ صبح سے شام تک روزہ۔ پھر افطار۔ تراویح سحری۔ تلاوت قرآن غرضیکہ عجیب مبارک ہے۔ ماہِ رمضان گلشنِ اسلام کے لئے موسم بہار ہے۔ کہ اس کے آتے ہی مساجد قرآن۔ ذکر۔ تلاوت وغیرہ سب ہی میں رونق آجاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس مہینہ میں جنت بھی آراستہ ہوتی ہے۔ دیگر مہینوں میں ایک یا دو خصوصی عبادت کی جاتی ہیں۔ مگر رمضان میں بے شمار روزہ۔ افطار۔ سحری۔ تراویح۔ اعتکاف اور شبِ قدر کی عبادت۔ ادائے زکوٰۃ۔ عام مسلمانوں کو دوسرے مہینوں کی تاریخیں معلوم نہیں ہوتیں۔ مگر ماہِ رمضان کا دن گن گن کر گزارا جاتا ہے۔

س۔ روزوں کے لئے ماہِ رمضان کیوں منتخب ہوا ؟
 ج۔ اس لئے کہ رمضان میں قرآن شریف لوح محفوظ سے منتقل ہو کر پہلے آسمان پر آیا۔ پھر وہاں سے ۲۳ سال میں آہستہ آہستہ حضورِ عالیہ السلام پر نازل ہوا۔ قرآن رب کی بڑی نعمت ہے۔ نعمت ملنے پر بطور شکر یہ روزے رکھوائے گئے۔ نیز رمضان میں ہر نیکی کا ثواب ۷۰ درجہ ملتا ہے۔ اس لئے اس مہینہ میں روزہ اعتکاف وغیرہ رکھے گئے تاکہ ثواب زیادہ ہو

س۔ رمضان میں تراویح ہمیں رکعت کیوں پڑھتے ہیں اور تراویح میں قرآن کیوں پڑھا جاتا ہے ؟

ج۔ اس لئے کہ ہر رمضان میں جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن شریف سنایا کرتے تھے اور اچھوں کی نفل بھی اچھی ہوتی ہے انسان ہر دن رات میں ۲۰ رکعت فرض واجب پڑھتا ہے۔ ۷ فرض ۳ وتر رمضان میں ان ۲۰ کی تکمیل کے لئے ۲۰ رکعتیں اور پڑھوائی رکعتیں تاکہ اس مبارک مہینہ میں اگر وہ رکعتیں ناقص رہی ہوں تو ان سے کامل ہو جائیں۔ اس ماہ میں عبادت کامل تر چاہیے۔

س۔ جب ماہ رمضان ایسا مبارک مہینہ ہے تو اس کے جانے پر عید کیوں منائی جاتی ہے۔ مبارک چیز جانے پر غم منانا چاہیے نہ کہ خوشی۔

ج۔ یہ خوشی دو وجہ سے ہے ایک تو ماہ مبارک میں عبادت کی توفیق ملنے کا شکر یہ۔ خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے خیر سے روزے تراویح، اعتکاف وغیرہ ادا کرا دیئے۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو رمضان کے جانے کا بہت صدمہ ہوتا ہے جمعۃ الوداع کو لوگ زار زار روتے ہیں۔ اس غم کو ملکا کرنے کے لئے یہ خوشی رکھ دی تاکہ رنج کا احساس کم ہو۔

س۔ روزہ دن میں کیوں رکھا جاتا ہے۔ رات کو چاہیے کھا ہے

ج۔ اس لئے کہ بدنی عبادت میں محنت اور نفس کی مخالفت چاہیے۔ اسی پر

اجرا ملتا ہے۔ رات میں انسان ویسے بھی نہیں کھاتا پیتا۔ اس وقت کھانا چھوڑنا محنت نہیں۔ نیز رات سوتے ہیں گزرتی ہے عبادت کا احساس ہوتا

س۔ اگر روزے میں تکلیف ضروری ہے تو چاہیے کہ ہندو جاتا جو گیوں

کی طرح دس پندرہ دن کا رکھا جاوے کہ اتنے روز تک افطار نہ ہوا

کرے۔ روز شام افطار کر لیا۔ رات کھرا پیا۔ دن کو روزہ رکھ لیا۔

ح - جو گیوں کا برت عام انسانوں کی طاقت سے باہر ہے اور جو سادھو وغیرہ ایسا کرتا ہے۔ وہ دین و دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ یہ عبادت سائے مسلمان کریں اور روزے میں دوسرے عبادات دیگر کاروبار بند نہ ہوں۔ اور یہ عبادت بھی ادا ہو جائے۔ یہ مقصود اس طریقہ کے سوا اور طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلام عملی ذہب ہے۔ دیگر مذاہب کے احکام طاق میں رکھنے کے لئے ہیں۔

س - روزے میں بھول چوک معاف ہے۔ بھول سے کھاپی لیا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مگر نماز میں معاف نہیں۔ اگر کوئی بھول کر نماز میں بول پڑے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ فرق کیا ہے؟

ح - روزے میں بھول چوک زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں کوئی یاد دلانے والی چیز موجود نہیں۔ اس لئے یہاں معافی ہے۔ مگر نماز کی ہر حالت قیام رکوع وغیرہ نماز کو بتا رہی ہے۔ اس لئے اس میں بھول کم واقع ہوگی۔ اس لیے اس میں یہ رعایت نہ کی گئی۔

زکوٰۃ

س - اسلام نے زکوٰۃ کیوں فرض کی اپنا کمایا ہو مال دوسروں کو مفت کیوں لوایا؟

ح - چند وجہ سے۔ ۱۔ سخاوت انسان کا کمال ہے۔ بخل عیب۔ زکوٰۃ دینے سے یہ عیب دور ہوتا ہے اور وہ کمال حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ جیسے ہماری کمائی میں حکومت کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ جسے ٹیکس کہتے ہیں پھر وہ ٹیکس ہمارے ہی مفاد یعنی ملکی انتظام پر خرچ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہماری کمائیوں میں رب کا حق ہے جو ہمارے غریبوں پر ہی خرچ ہوتا ہے۔

۴ چلتی پھرتی چیز بہتر رہتی ہے اور رُک جی ہوئی چیز بگڑ جاتی ہے کنوئیں کا پانی نکلتا رہے تو ٹھیک رہے گا۔ ورنہ بگڑ جائے گا۔ لہذا دولت بند نہ کر داسے چلتا پھرتا رکھو۔

۴ زکوٰۃ سے امداد یا ہمی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو انسان کی بہترین صفت ہے۔ کہ رب کی نعمت مل بائٹ کر کھاؤ۔

۵ خرچ سے نعمت بڑھتی ہے۔ روکتے سے گھٹتی ہے۔ انگور اور پیری کی شاخیں کاٹ دینے سے پھل زیادہ آتے ہیں۔ نہ کاٹو تو کم آتے ہیں۔ دانہ کھیت میں بکھیرنے سے زیادہ ہوتا ہے جمع رکھنے سے جلد ختم ہو جاتا ہے۔

۶۔ جب رب نے مال ہمیں دیا تو وہ ہمارا ہی حصہ۔ ہم ہی استعمال کریں۔ اپنا حصہ مفت خوروں کو کیوں دیں۔

۷۔ رب جو چیز کسی کو ضرورت سے زیادہ دے تو اس میں دوسروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ بھینس کے ٹھن میں دس سیر دودھ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف اس کے بچہ کے لئے نہیں۔ دوسروں کا بھی اس میں حصہ ہے۔ گتیا کے ٹھن میں کھوڑا سا ہی دودھ ہے کیونکہ وہ صرف اس کے بچوں ہی کے لئے ہے۔ اگر میزبان مہمان کے آگے ضرورت سے زیادہ کھانا رکھے تو وہ سب مہمان کے لئے نہیں بلکہ بڑیاں اس کے گتوں کے لئے ہیں۔ باقی ماندہ اس کے نوکروں کا حق ہے۔ کھیت میں کنوئیں سے پانی آ رہا ہے۔ وہ کباریوں کے لئے ہے۔ اگر کھیت والا وہ پانی نہ پھیلائے تو کنوئیں والا پانی نہ چھوڑے گا۔ غریب کی کھیتیاں ہیں۔ ان کا دیا ہوا مال ان میں بھی پھیلاؤ۔

۸۔ کیا زکوٰۃ صرف مال ہی میں ہے یا ہر چیز میں؟

۹۔ شرعی زکوٰۃ کو تو صرف تجارتی مال میں ہے۔ مگر زکوٰۃ کی حقیقت ہر جگہ موجود ہے۔ پھلوں کا گودا انسان کے لئے ہے مگر چھدکا جانوروں کا حق ہے۔ گندم میں پھل ہمارا حصہ مگر بھوسہ جانوروں کا۔ گندم میں بھی آٹا ہمارا ہے۔

بھوسے جانوروں کی۔ ہمارے جسم میں بال ناخن کا علیحدہ کرنا ضروری ہے۔
یہ سب زکوٰۃ ہیں۔ بیماری نند رستی کی زکوٰۃ ہے۔ مصیبت راحت کی۔
نمازیں دنیاوی کاروبار کی گویا زکوٰۃ ہیں۔

س۔ زکوٰۃ سے قوم میں بیماری اور بھیک مانگنے کی رسم بڑھتی ہے۔ اسی لئے
آج جتنے بھکاری مسلمانوں میں ہیں اتنے دوسری قوموں میں نہیں۔ جب
مفت ملے تو محنت کیوں کریں۔

ح۔ زکوٰۃ سے مسلم قوم دوسروں کی محتاج نہ ہوگی۔ اپنی ضرورتیں اپنی ہی قوم
سے پوری ہوں گی۔ دیکھو اب ہرے قوم کا انتظام کہ ان میں زکوٰۃ کی وجہ سے
کوئی غریب نہیں۔ مسلمانوں میں افلاس اب سو برس سے آیا ہے۔
اور زکوٰۃ کا مسئلہ چودہ سو برس سے رائج ہے۔ اگر زکوٰۃ قوم کو غریب
کرتی تو پہلے مسلمان مالدار کیوں تھے۔ موجودہ افلاس کی وجہ مسلمانوں کی
عیاشی بے کاری۔ مقدمہ بازی۔ حرام رسموں کا رواج ہے۔ اسلام نے
جہاں زکوٰۃ کا حکم مالداروں کو دیا ہے۔ وہاں غریب کو بھیک مانگنے سے سخت
منع فرمایا۔ اور حلال کمائی کا ناکیدی حکم دیا ہے۔ فقیروں کو زکوٰۃ ملنے کی
امید تو ہوگی۔ مگر یقین نہ ہوگا۔ کہ زکوٰۃ ملے یا نہ ملے۔

س۔ زکوٰۃ اہل قربت کو دینا کیوں جائز ہے چاہیے تو یہ بالکل اجنبی کو دی جائے جس کوئی دنیاوی تعلق
نہیں۔ اہل قربت کو زکوٰۃ دینے میں دو فائدے ہیں ایک تو عبادت دوسرے اپنے عزیز کی خدمت
عزیز کی خدمت و سلوک بھی لازم تھا رب کا یہ کرم تھا کہ اس نے اسی ضمن میں عبادت بھی ادا کر دی
س۔ تو چاہیے کہ اپنے ماں باپ اولاد کو بھی زکوٰۃ دی جائے وہ بھی تو عزیز بلکہ بڑے قریبی عزیز ہیں۔
ح۔ ماں باپ زوج بیوی عاۃ انکے مال مشترک ہوتے ہیں یعنی ان میں ہر ایک دوسرے کا مال ہے تکلف خرچ
کرتا ہے اور اس کو اپنا مال سمجھ کر کھاتا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ ہمارے یا پکا مال ہے اگر ان لوگوں کو
زکوٰۃ دی گئی تو زکوٰۃ اپنے گھر میں ہی اس لئے ان عزیزوں کو زکوٰۃ مت دو۔
س۔ پیغمبر پر زکوٰۃ فرض کیوں نہیں۔ چاہیے کہ نماز روزہ کی طرح یہ بھی ان

پس فرض ہو۔

حج - دو وجہ سے ایک یہ کہ پیغمبر ایسے فنا فی اللہ ہیں کہ ان کا مال برابر راست رب کی ملک ہے وہ حضرات مالک ہی نہیں اور رب کی ملک میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ مسجد - مدرسہ - خانقاہ وغیرہ اوقاف کے مالوں میں زکوٰۃ نہیں کیونکہ وہ کسی بندے کی ملک نہیں۔ رب کی ملک ہیں۔ ایسے ہی مال نبی ہے اسی لئے نبی کے مال میں میراث نہیں کہ وقف مال کی میراث کیسی۔

دوسرے یہ کہ اُمت نبی کی حکمی غلام دلونڈی ہے۔ اسی لئے اگر پیغمبر کسی کا کسی سے نکاح کر دیں تو ان کو نامہ لازم ہے۔ جیسے کہ حضرت زید اور زینب کا نکاح ہوا اور اگر کسی کی بیوی کو اس پر حرام کر دیں تو وہ بیوی ہوتے ہوئے شوہر پر حرام ہوگی۔ جیسے حضرت کعب ابن مالک کا حال ہوا۔ بائیکاٹ کے زمانہ میں اور آقا اپنے غلام، لونڈی کو اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ لہذا کوئی مسلمان پیغمبر کی زکوٰۃ کا مصرف نہ تھا۔ اس لئے ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ جو عبادت قابلِ ادا نہ ہو۔ وہ فرض نہیں ہوتی۔

س - زکوٰۃ چالیسواں حصہ کیوں ہے۔ کم و بیش کیوں نہیں؟

حج - اس لئے کہ نبی اسرائیل پر جو تھانی مال زکوٰۃ تھی یعنی روپیہ میں چار آنہ چھپس فی صدی۔ اس اُمت کو نیکی کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔ فَكُلُّ عَشْرٍ أَمْثَالِهَا۔ لہذا رب تعالیٰ نے اس اُمت کے لئے چہارم کا دسواں یعنی چالیسواں حصہ فرض کیا۔ تاکہ یہ دس گنا ہو کر چہارم کے برابر ثواب کا باعث ہو۔ جیسے اسلامی نمازیں پڑھنے میں پانچ اور ثواب میں پچاس ہیں۔ ایسے ہی اسلامی زکوٰۃ ادا کرنے میں طوٹھائی روپیہ سینکڑہ ہے۔ مگر ثواب میں چھپس روپیہ سینکڑہ۔

س - زکوٰۃ سال میں ایک بار کیوں فرض ہے۔ نماز کی طرح روزانہ یا حج کی طرح عمر میں ایک بار کیوں فرض نہیں؟

حج - اسلام کا مقصد یہ ہے کہ مال بڑھتا بھی رہے اور اس کی زکوٰۃ بھی نکلتی رہے۔

لہذا مالک کو ایک سال بھر کا موقعہ دیا ہے کہ کاروباری آدمی سال بھر تجارت کر کے خوب مال بڑھائے پھر کل کا چالیسواں حصہ ادا کرے۔ کیونکہ سال میں تینوں موسم اور چاروں فصلیں آجاتی ہیں۔ لہذا ہر مال کے بڑھنے کا کافی موقع مل جاتا ہے۔ ہر چیز کسی موسم میں سستی ہو جاتی ہے دوسرے میں مہنگی۔

س۔ زکوٰۃ کو زکوٰۃ کیوں کہتے ہیں ؟

ج۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکی ہیں **بِسْمِ اللّٰهِ يُذَكِّي مَنْ يَشَاءُ** اسی لئے مذکور جانور کو ذکّی کہتے ہیں۔ چونکہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد باقی مال پاک ہو جاتا ہے لہذا اسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ یا زکوٰۃ کے معنی ہیں بڑھنا چونکہ زکوٰۃ نکالنے سے مال بڑھتا ہے اور محفوظ بھی رہتا ہے۔ لہذا اسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَاذْ يُبْرِئِ الصَّدَقَاتِ ۝

حج و زیارت

س۔ حج کے کیا معنی ہیں اور حج کو حج کیوں کہتے ہیں ؟

ج۔ حج کے لغوی معنی ہیں ارادہ اور قصد۔ چونکہ اس میں بھی انسان بیت اللہ کے ارادے سے گھر سے سفر کرتا ہے۔ لہذا اس کا نام حج ہے۔

س۔ اسلام میں حج کیوں فرض ہے۔ بلا وجہ مسلمانوں کو سفر کی مشقت اور روپیہ کے خرچ میں کیوں ڈالا گیا۔

ج۔ حج میں دینی اور دنیاوی ہزار ہا مصلحتیں ہیں۔ دنیاوی مصلحتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) جیسے جسمانی تفریح کے لئے باغ کی سیر کو جاتے ہیں کہ وہاں کی ہوا دماغ کو تازگی بخشتی ہے اور وہاں کی ہلک موعظ کہہ دیتی ہے۔ ایسے ہی حرمین کی زمین ایمانی باغ ہے۔ جہاں کی ہوا ایمان کو تازگی بخشتی ہے اور چونکہ وہ جگہ ہزار ہا انبیاء کرام کی گذرگاہ اور سینکڑوں نبیوں کا مدفن ہے۔ لہذا وہاں کی ہلک

ایمان کو معطر کرتی ہے۔

(۲) حج و خشکی و تری کا سفر کرنا پڑتا ہے جس سے آدمی کا تجربہ بڑھتا ہے۔

(۳) حج میں ہر ملک کے مسلمانوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ جس سے دنیا کے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق رہتا ہے۔

(۴) حج مسلمانوں کی سالانہ کانفرنس ہے۔ جس میں بے تکلف مسلمان جمع ہو جاتے

ہیں (۵) حج کے ذریعہ سے ملک حجاز کے باشندے پرورش پاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کی زمین بے آب و دانہ ہے۔ وہاں حج ہی پر گذر اوقات ہے۔

(۶) حج میں سفر کی قدر اور مسافر کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ جس سے انسان میں مسافروں کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۷) حج سے آدمی میں مشقت برداشت کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ کیونکہ حرمین شریفین میں تکلیف ضرور برداشت کرنی پڑتی ہے۔

س۔ حج میں دینی مصلحتیں کیا کیا ہیں ؟

ح۔ صد ہا مصلحتیں ہیں۔

۱۔ حج میں مسلمان اللہ کے لئے اپنا وطن چھوڑتا ہے جس میں ہاجر کا ثواب پاتا ہے

۲۔ حج سے پچھلے پسمیروں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ جس سے ان کی محبت بڑھتی ہے۔ اور پسمیروں کی محبت ہی اصل ایمان ہے۔

۳۔ حج میں حضرت ہاجرہ اور حضرت ابراہیم دامتہما السلام کی نقل ہے۔ اور اچھوں کی نقل بھی اچھی ہے۔

۴۔ حج میں حضرت ہاجرہ کی بے کسی اور پھر رب کی قدرت یاد آتی ہے۔ جس سے انسان میں صبر اور حلم پیدا ہوتا ہے۔ حج سے صبر و تحمل کا سبق ملتا ہے۔

کیونکہ حضرت ہاجرہ کی صبر اور تحمل کی یہ ساری بہاریں ہیں۔ حج سے قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ منیٰ میں حضرت خلیل نے فرزند کی قربانی دی تھی۔ جس کی یادگاہ

میں حاجی اب بھی قربانیاں دیتے ہیں۔

س۔ حج میں طواف کیوں ہوتا ہے۔ کعبہ کے آس پاس گھومنا دیوانگی سی معادم ہوتی ہے۔
 ح۔ حج میں عشق کا غلبہ ہے۔ پروانہ شمع کا عاشق ہے تو اس کے گرد گھومنا ہے
 حاجی بھی رب کا عاشق ہے تو اس کے گھر کو شمع سمجھ کر پیدانہ کی طرح اس
 کے ارد گرد گھومے۔

س۔ حج میں احرام کیوں باندھا جاتا ہے ؟

ح۔ جیسے نماز میں داخلہ تکبیر تحریمیہ سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی حج میں داخلہ احرام سے
 ہے۔ احرام کے لباس میں کفن کی یادگار ہے کہ آئندہ ہمیں ایسا ہی بے سلا کپڑا
 پہن کر قبر میں جانا ہے۔ احرام میں امیر و غریب کو یکساں کیا گیا ہے۔ احرام میں
 عاشق کی شان بنا کر رب کے دروازے پر بلایا گیا ہے۔ کہ بکھرے بال بڑے ناخن
 کفنی گلے میں ڈالے عشاق حاضری کا شور مچاتے حاضر ہیں۔

س۔ حج کے لئے بے آب و گیاہ جنگل کیوں مقرر ہوا۔ کوئی سرسبز و شاداب ملک
 ہونا چاہیے تھا ؟

ح۔ اس لئے کہ کعبہ معظمہ کی جگہ آباد زمین کا بیج حصہ ہے۔ اسی جگہ سے زمین بن کر
 پھیلی۔ درمیانی جگہ میں ہر ملک کے لوگوں کا پہنچنا آسان ہے۔ اسی زمین میں
 ان نبیوں کا ورود ہوا حج جن کی یادگار ہے۔

س۔ تو اسی جگہ کو سرسبز و شاداب کر دینا چاہیے تھا اسے خشک بگستان کیوں رکھا ؟

ح۔ تاکہ حاجی محض رب کی رضا کے لئے یہاں آویں۔ کوئی دنیاوی غرض شامل نہ ہو
 سرسبز ملک میں تفریح۔ تجارت۔ سیر آرام۔ عیاشی کا خیال ہو سکتا ہے اس
 بجز زمین میں عبادت کے سوا دوسری نیت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حاجی کے
 سلعے کپڑے اتروا کر کفن پہنایا جاتا ہے تاکہ ظاہری آرام بھی ختم ہو جائے۔ عیش
 کرنا ہو تو لندن یا پیرس جاؤ۔ عبادت کرنا ہو تو عرب میں حاضری دو۔

س۔ حضور علیہ السلام کا قیام مکہ معظمہ میں کیوں نہ ہوا۔ اتنی دور مدینہ پاک میں ہوا۔

ح۔ تاکہ حج کے طفیل زیارت نہ ہو۔ زیارت کے لئے علیحدہ مستقل سفر ہوتا تاکہ تاثر

کی نگاہ میں زیارت کا وقت پیدا ہو۔ اسی لئے حضور علیہ السلام کی ولادت کسی مشہور حدیثہ رمضان وغیرہ میں نہ کسی مشہور دن جمعہ یا اتوار کو ہوئی۔ کیونکہ حضور سے دوسروں کی عزت ہے حضور کی عزت خالق کے سوا کسی دوسرے سے نہیں

س۔ عرفان و مزولفہ و متی میں کیوں ضروری ہے؟
 ح۔ جہاں اللہ والوں کا گزر ہو جاوے یا جس جگہ کسی پیارے پر رب کا فضل ہو جاتا ہے۔ وہ جگہ تا قیامت نزول رحمت کی جگہ ہو جاتی ہے۔ یہ ہی حال تاریخوں اور دنوں کا ہے۔ متی میں آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ عرفات میں حضرت آدم و حوا کی ملاقات ہوئی۔ مزولفہ میں حضرت آدم علیہ السلام نے بعد قبول توبہ قیام فرما کر عبادت الہی کی۔ متی میں حضرت جلیل اللہ نے فرزند کی قربانی کی۔ اس لئے یہ مقامات تا قیامت متبرک ہو گئے۔ چونکہ یہ کام ان ہی تاریخوں میں ہوئے تھے۔ اس لئے تاریخیں بھی وہی مقرر ہوئیں۔

س۔ مدینہ پاک کی حاضری کیوں دی جاتی ہے؟
 ح۔ بے شک اس کی رحمت تو ہر جگہ ہے مگر ہر جگہ ملتے نہیں۔ مدینہ پاک اور بزرگان دین کے آستانے رحمت الہی کے ملنے کے مقام ہیں۔ ریل ساری لائن سے گزرتی ہے مگر اس کے پانے کے لئے اسٹیشن جانا ہوتا ہے۔ بجلی کی رو سارے تار میں ہوتی ہے۔ مگر روشنی وہاں ہی ہوگی۔ جہاں تمقہ لگا ہو۔ یہ مقامات رحمت ربانی کے اسٹیشن یا بجلی کے تمقہ ہیں۔ رب ہر جگہ رازق ہے۔ ہر جگہ شافی امراض ہے۔ مگر رزق تلاش کرنے والداروں کے دروازے پر شفا لینے کے لئے اطباء کی دوکانوں پر جانے ہیں۔ ایسے ہی مدینہ پاک رزق روحانی اور شفا نفسانی ملنے کی جگہ ہے۔

س۔ روضہ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے مزارات پر سلام کیوں پڑھا جاتا ہے۔

ح۔ بھیک مانگتے والادانا کے دروازے پر کھڑے ہو کر گھر اور گھر والے کو دعائیں دیتا

ہے۔ یہ دعائیں گویا لنگنے کا طریقہ ہے۔ حضور سخی آتا ہیں۔ ہم بھکاری ان کے درازے پر صدا دینے والے کے لئے صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں۔ تاکہ بھیک ملے۔ نیز رب فرماتا ہے اِذَا جِيئْتُكَ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا اُودُوْا وَوَاهَبَا يَا مِثْلَهَا۔ جب تمہیں کوئی سلام کرے تو اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اس جیسا ہی دو۔ ہم غلاموں کو قوی امید ہے کہ حضور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ناچیز سلاموں کا جواب ضرور دیں گے اور فرمائیں گے وعلیکم السلام اسے کہنتی تو بھی سلامت رہے۔ حضور مقبول الدعای ہیں اگر ایک دفعہ بھی سلامتی کی دعا دے دی تو انشاء اللہ ہم دونوں جہاں کی آفتوں سے سلامت رہیں گے۔ یہ صلوٰۃ سلام دعا لینے کی تدبیر ہے۔

س۔ مدینہ پاک کی مٹی کو خاک شفا کیوں کہتے ہیں۔ اور آب زمزم کو دوا اور برکت کے لئے کیوں استعمال کرتے ہیں ؟

ج۔ آب زمزم ایک پیغمبر اسمعیل علیہ السلام کے پاؤں شرافت سے پیدا ہوا۔ گویا آپ کے پاؤں کا غسل ہے اور مدینہ پاک کے ذرے قدم پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مس ہوئے۔ لہذا ان میں شفا پیدا ہو گئی ہے

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگِ اسود کے
بہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد کے

شہد کی لکھی کے منہ میں پھولوں کا پھیکا رس بیٹھا اور شفا یعنی شہد بن جانے
ریشم کے کپڑے کے منہ سے چھوڑتے توت کے پتے ریشم بن جاتے ہیں۔ حضرت
جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ سے مس ہو کر خاک میں زندہ ہونے کی تاثیر پیدا
ہو گئی۔ جس سے سامری کا بچہ زندہ ہو گیا۔ اسی طرح پیارے مصطفیٰ صلی
اللہ علیہ وسلم کے قدم پاک سے مس ہو کر خاک مدینہ شفا ہو گئی۔ خود حضور
علیہ السلام نے مدینہ کی خاک کو شفا فرمایا۔ بِتُرْبَةِ اَرْضِنَا بِرِيقَةٍ بَعْضَتَا
بِشْفَى سَقِيْمَنَا اور یہ شفا تا قیامت باقی ہے۔

س۔ آپ زمزم کو آپ زمزم کیوں کہتے ہیں؟
 ج۔ زمزم زمزمۃ سے بتا ہے جس کے معنی ہیں گنگنا کر گانا چونکہ حضرت
 باجرہ نے پہلی بار یہ پانی خوشی میں گنگنا کر پیا تھا۔ اس لئے اس کا نام زمزم
 رکھا گیا۔ یا یہ لفظ زم زم تھا جس کے معنی ہیں ٹھیر ٹھیر کر حضرت باجرہ
 نے اس پانی کو دیکھا تو اس کے ارد گرد دیواری بنا دی اور سرمانے لگیں۔
 یا مَاءَ زَمِّ زَمِّ اسے پانی ٹھیر ٹھیر۔ اس لئے اس کا نام زمزم ہوا۔ حدیث شریفہ
 میں ہے کہ اگر اس پانی کو روک نہ دیا جاتا۔ تو مشرق و مغرب میں دریا
 کی شکل میں ہوتا۔

س۔ قربانی کیوں کی جاتی ہے کیا جانور کی جان لینا بھی عبادت ہے؟
 ج۔ اس لئے کہ قربانی کرنے سے خود رب پر قربان ہونا بھی آتا ہے۔ کیونکہ ہر
 ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہونا ہے۔ دانہ پر کھیت کی تربان قربان ہونی کہ جوت
 دی گئی۔ اور دانہ جانور پر قربان ہوا کہ جانور نے کھا لیا۔ پھر جانور انسان
 پر قربان ہو گیا۔ کہ ذبح کر دیا گیا۔ اسی قاعدے سے چاہیے کہ انسان رب
 پر قربان ہو کہ جب دین کو اس کی جان کی ضرورت ہو پیش کرے۔ جیسے
 خلیل اللہ نے اپنے فرزند کی قربانی امر الہی پر پیش کر دی۔ نیز ذبح کرنے
 سے جہاد اور شہادت پیدا ہوتی ہے۔ جس قوم نے خون نہ دیکھا ہو وہ
 کبھی جنگ نہیں کر سکتی۔ جیسے نبیا اور برہمن۔ جسے مرنا آتا ہے اُسے جینا
 بھی آتا ہے۔ جس قوم میں مرنے کا جذبہ نہ ہو اُسے دنیا میں زندہ رہنے کا
 بھی حق نہیں گویا قربانی کرنے والے جانور کو مار کر خود مرنا سیکھنا ہے۔

جہاد اور شہادت

س۔ اسلام میں جہاد کیوں رکھا گیا۔ یہ تو وحشیانہ کام ہے۔ خونریزی اور

امن برباد کرنے میں کیا فائدہ ہے ؟

حج - جہاد میں بہت حکمتیں ہیں۔ چند حسب ذیل ہیں جن کا وجود امن کے لئے خطرہ ہو۔ ان کو دبا دینا یا مٹا دینا گویا امن قائم کرنا ہے۔ حکومتمیں بدعاشوں کو سزا میں دیتی ہیں۔ ناکہ نیک لوگ امن سے رہیں۔ کھیت سے گھاس دور کی جاتی ہے۔ ناکہ فصل کو ضعف نہ پہنچے۔ گلا مٹا عضو کاٹ دیا جاتا ہے۔ ناکہ تندرست عضو کو خراب نہ کرے۔ کفار دنیا کے لئے گویا گھاس یا جسم درست میں خراب عضو ہیں۔ مرد مومن گویا فصل یا تندرست جسم ہے۔ ان کو مغلوب کرنا نیکوں کو امن دینا ہے۔ جہاد سے قومی قوت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے قوم یا عزت زندگی بسر کر سکتی ہے۔ جہاد سے عبادات کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ تلوار کے سایہ میں مسجدیں قائم اور اسلامی احکام جاری ہو سکتے ہیں۔ تلوار قرآن کا راستہ صاف کرتی ہے اور قرآن تلوار کو بے محل چلنے سے روکتا ہے۔ جیسے تندرستی کے لئے بیماری کے اسباب دور کرنا لازم ہے۔ ایسے ہی دینی قوت کے لئے علیہ کفر مٹانا ضروری ہے۔

س - کیا جہاد سے یہ مقصود ہے کہ کفار فنا کر دیئے جائیں ؟

حج - نہیں بلکہ یہ کفر کا غلبہ توڑ دیا جاوے۔ اگر جہاد سے کفر کا مٹانا مقصود ہوتا تو آج ہندوستان میں ایک کافر نظر نہ آتا۔ کیوں یہاں آٹھ سو سال اسلامی سلطنت رہ چکی ہے۔ اللہ کی زمین پر مسلمانوں کو بھی رہنے کا حق ہے کفار یہ گوارا نہیں کرتے جہاد کے ذریعہ مسلمانوں کو ان کا یہ جائز حق دلویا جاتا ہے۔

س - جہاد کو جہاد کیوں کہتے ہیں ؟

حج - جہاد جہد سے بنا ہے بمعنی مشقت۔ چونکہ تمام عبادات سے یہ زیادہ مشکل ہے کہ اس میں سفر بھی ہے۔ جان کا خطرہ بھی، مصیبتوں کا بھیلنا بھی۔ لہذا اسے جہاد کہا گیا۔ یعنی مشقتِ الٰہی عبادت۔ اسی لئے اس کا ثواب بھی زیادہ ہے۔

کہ مار کے آیا تو غازی مر گیا تو شہید، لٹ گیا تو روزہ۔ لوٹ آیا تو عبیر۔

س۔ شہید کو شہید کیوں کہتے ہیں ؟

ج۔ یا تو شہید یعنی حاضر ہے۔ کیوں کہ دیگر لوگ قیامت کے بعد جنت میں حاضر ہوں گے اور یہ مرتے ہی سبز پتندوں کی شکل میں جنت میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں کے رزق کھاتا ہے لہذا شہید یعنی حاضر ہے یا اس لیے کہ شہید کو بارگاہِ الہی میں حاضر کر کے پوچھا جاتا ہے کہ کچھ تمنا کر۔ عرض کرتا ہے کہ مجھے پھر دنیا میں بھیجا جائے۔ تا کہ پھر شہید ہوؤں۔ جو لذت خاک و خون میں ترپنے میں ملی وہ کبھی نہ ملی۔ حکم الہی ہوتا ہے کہ ہم ایک بار پاس کر کے دوبارہ امتحان نہیں کرتے لہذا یہ شہید ہے یا شہید یعنی گواہ ہے۔ یوں تو سارے مسلمان گذشتہ پیغمبروں کے گواہ ہیں۔ مگر شہید سرکاری گواہ۔

س۔ شہید کا اسلام میں کیا درجہ ہے ؟

ج۔ نبوت کے بعد صدیقیت ہے اور صدیقیت کے بعد شہادت۔ رب فرماتا ہے
مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ شہید پر نبی کی خاص محبت ہے کہ نبی کی نیند و خونیں توڑتی اور شہید کی موت غسل نہیں توڑتی نبی کے فضائل امت کے لئے پاک ہیں۔ شہید کا خون پاک۔ نبی وفات شریف کے بعد زندہ ہیں رزق پاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے فَبِئْسَ اللَّهُ حَيٌّ بِرِزْقٍ۔ شہید بھی بعد موت زندہ ہے رزق پاتا ہے۔ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ط

س۔ شہادت کا اتنا اعلیٰ درجہ کیوں ہے ؟

ج۔ اس لئے کہ ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ چونکہ دیگر عابدین راہِ الہی میں اپنا پیسہ یا وقت خرچ کرتے ہیں اور یہ جان اور جان سب سے اعلیٰ لہذا اس کا اجر بھی زیادہ۔ حکومتیں فوج کی بڑی عزت کرتی ہیں۔ جو مارا جائے اس کے بچوں تک سلوک کرتی ہیں۔ کیونکہ اس نے اپنی جان سے حکومت کی خدمت کی۔ ایسے

ہی شہید بھی۔

س۔ سید الشہداء کون ہے ابو بکر صدیق یا حضرت عمر یا امام حسین رضی اللہ عنہم۔
 ج۔ ہر گلے رنگ دیوئے دیگر است۔ ان حضرات میں سے ہر ایک مختلف حیثیات
 سے سید الشہداء ہیں۔ ابو بکر فنانی الرسول کی حیثیت سے سید الشہداء ہیں کہ
 حضور کی وفات خیر دالے زہر سے صدیق کی وفات غار دالے مار کے زہر سے
 حضور کی وفات دو شنبہ کے دن میں صدیق کی دو شنبہ کے بعد سہ شنبہ کی رات
 میں حضور کے گھر میں وفات کی شب چراغ میں نسل نہیں۔ صدیق کے گھر کفن کے
 لئے کپڑا نہیں۔ حضرت عمر اس لیے سید الشہداء ہیں کہ مدینہ پاک کی زمین مسجد
 نبوی نماز فجر کی مشغولیت حضور کی محراب اس میں شہادت پھر روضہ پاک مصطفیٰ
 علیہ السلام میں دفن۔ حضرت عثمان غنی اس لیے سید الشہداء ہیں کہ مدینہ پاک
 کی زمین۔ قرآن پاک کی تلاوت۔ خون کا قرآن پر گرنے بغیر مقابلہ کے شہید ہونا
 امام حسین اس لیے سید الشہداء ہیں۔ کہ آپ پر وقت شہادت پر دس ہماجر۔
 بھی نین دن کے متواتر روزہ دار بھی گھریا کوراہ الہی میں لٹاتے والے بھی
 اور بے مثل نمازی بھی جن کی نماز وضو تیمم سے بے نیاز ہے۔

س۔ واقعہ کربلا کیوں ہوا اس میں کیا حکمتیں ہیں ؟

ج۔ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام قرآن کی زندہ تفسیریں ہیں۔ قرآن نے شاکرین
 کے اجر بھی بیان کیے۔ اور صابرین کے بھی۔ خلق رائدین کی زندگی پاک
 شکر کی تفسیر ہے۔ اور حضرت امام کی زندگی مبارک صبر کی تفسیر شاکرین کو
 ذکر خلفا راشدین ہیں اور صابر ہو کر امام کی زندگی مبارک صبر کی تفسیر شاکرین
 کہ ذکر خلفا راشدین ہیں اور صابر ہو کر امام حسین کی شہادت تفسیر قرآن کی
 تکمیل ہے۔

س۔ اس صبر کے لئے امام حسین ہی کیوں تجویز ہوئے ؟

ج۔ اس لئے کہ امام حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں جنتی جوانوں میں کوئی

مہاجر ہوگا۔ کوئی غازی کوئی شہید۔ امام حسینؑ سے پہلے بظاہر مہاجر نہ تھے نہ مجاہد نہ غازی۔ مرضی الہی تھی۔ کہ ایک واقعہ کر بلا میں اس جنتی سردار کو سائے مدارج طے کر دیئے جائیں۔ گویا کر بلا کی تپتی ریت ان کے لئے ٹریننگ سکول تھا۔ اس لئے آپ پر مال۔ اولاد وطن۔ احباب۔ جان غرض تمام چیزوں کی مصائب جمع کر دی گئیں۔

س۔ اگر امام حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ تو جنت میں سب جوان ہی ہوں گے۔ تو چاہیے کہ آپ پیغمبروں اور صدیقین کے بھی سردار ہوں کہ وہ جنت کے جوان ہیں حالانکہ آپ اُمّتی ہیں نبی کا سردار نہیں ہو سکتا اور پھر صدیق اکبر سب سے افضل نہ ہوئے۔

ج۔ جنتی جوانوں سے مراد وہ جنتی ہیں جو جوانی میں وفات پا جائیں۔ انہیں کے آپ سردار ہیں۔ کوئی بہتیر دنیا سے جوانی میں نہ گئے۔ اور نہ صدیق اکبر و فاروق اعظم دہوئی علی۔ لہذا یہ حضرات اس حکم سے خارج ہیں۔

س۔ رب نے یہ مصائب کیوں رکھے ہیں۔ وہ بندوں کو مشقت میں کیوں ڈالتا ہے؟

ج۔ یہ مصائب کھوٹے کھرے کی پہچان ہیں۔ اصلی نقلی سونا کسوٹی پر معام ہوتا ہے۔ جنگ کے میدان ایمان کی کسوٹیاں ہیں۔ مصائب سے گناہ کی معافی ہوتی ہے۔ جیسے آگ سے لوہے کی صفائی۔

س۔ کسوٹی پر وہ پرکھے جو عالم الغیب نہ ہو۔ رب جب عالم الغیب ہے تو اسے امتحان کی کیا ضرورت ہے؟

ج۔ امتحان بھی دیکھنے کے ہوتا ہے کبھی رکھنے کیلئے۔ رب کے امتحانات دوسرے مقصد کے لئے ہیں۔ تاکہ قیامت میں جزا دینے وقت کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔

س۔ تو چاہیے کہ سائے مسلمان مجاہد اور غازی ہوا کریں بغیر جہاد جنت نہ ملا کرے ورنہ مخلوق کا اعتراض ہوگا۔ نیز بغیر مصیبت گناہوں سے صفائی نہ ہوگی۔

ج۔ امتحان قریباً سب کا ہوتا ہے۔ کسی کا اڈم سے کہ کسی کا مصائب پھجکر، نوعیت کا امتحان جداگانہ ہے۔ ایوب علیہ السلام امتحان صبر میں کامیاب ہیں۔

اور سلیمان علیہ السلام تسکریں ہم گنہ گاروں کا بھی یہی حال ہے کسی کو دیکر امتحان ہے کسی لیکر نہ بعض چیزیں آگ سے پاک کی جاتی ہیں بعض پانی سے بعض مومن راحت کے ذریعہ صابون سے ہیں بعض تکلیف کے ذریعہ

س۔ امام حسین کے قاتل کون تھے سنی یا شیعہ ؟

ج۔ ان کے قاتل خالص شیعہ تھے۔ ان کے تین دلائل ہیں۔ ایک یہ کہ قاتلانِ امام حسین اہل کوفہ ہیں۔ اور کوفہ ہی میں حضرت علی مرتضیٰ کا دارالخلافہ اور ان کا جائے قیام تھا۔ ظاہر ہے کہ شیعہ جماعت وہاں ہی رہتی ہوگی۔ آج بھی لکھنؤ اور اودھ شیعوں کا مرکز اس لئے ہے کہ وہاں شیعہ سلاطین رہے اور اگر شیعہ کوفہ میں آباد نہ تھے تو بناؤ کہاں تھے۔ دوسرے یہ کہ اب بھی شیعہ جماعت میں تقیہ داخل فی الدین ہے۔ حالانکہ اس وقت امام حسین نے تقیہ نہ کیا۔ عبید اللہ ابن زیاد نے کہا کہ بصرے سے حجازی لباس پہن کر حجاز کے راستہ سے کوفہ پہنچا تاہم لوگ سمجھیں کہ امام حسین آگئے۔ تیسرے یہ کہ آج بھی محرم میں شیعہ وہ ہی کام کرتے ہیں جو اس وقت یزیدوں نے کئے تھے۔ امام کا جنازہ نکالنا علم و تعزیر کا جلو اس میں ناچ کو داہل بیت نے یہ کام نہیں کئے۔

س۔ شیعہ ماتم میں سینہ کیوں کوٹتے ہیں کیا اس کی کوئی اصل ہے بعض جگہ زنجیر سے نوار سے ماتم ہوتا ہے ؟

ج۔ اس لئے کہ ان کے سینوں میں عداوت صحابہ کرام بھری ہے۔ وہ سینے کوٹتے پیٹنے کے ہی قابل ہیں۔ یہاں خود پیٹتے ہیں آخرت میں ان سینوں کو فرشتے کوٹیں گے ذَالِك الْعَذَابُ الْآخِرَةُ أَكْبَرُ اگر یہ سینہ کوئی اظہار محبت کا طریقہ ہوتا۔ تو ان سے زیادہ اہل کی محبت رکھنے والے اہل زین العابدین رضی اللہ عنہم تھے وہ نیزوں برچھوں سے ماتم کیا کرتے۔

س۔ شہیدوں کو تندہ کیوں فرمایا گیا ؟

ج۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی فانی زندگی راہِ حق میں قربان کی لہذا انہیں باقی اور جاودانی زندگی عطا ہوئی۔ جزا مطابق عبادت عطا ہوتی ہے مولانا فرماتے ہیں
جاں دہی از بہر حق جانت دہند جان دہی از بہر حق نانت دہند

رب نے فرمایا: لَيْتُنَّ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ
 س۔ اگر شہید زندہ ہیں تو ان کی بیویاں دوسرے کے نکاح میں کیوں آجاتی ہیں اور ان
 کی میراث کیوں تقسیم ہو جاتی ہے ؟
 یہ حسنیٰ اور صہبانی زندگی کے احکام ہیں کہ انسان کی بیوی اور مال دوسرے کو
 نہ ملے۔ شہداء کی زندگی پر خلی و عانی حکمی ہے۔ جو احساس میں نہیں آتی۔ اسی لئے
 فرمایا گیا۔ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ اس کی زیادہ تحقیق ہماری تفسیر
 نعیمی پارہ دوم میں اسی آیت کی تفسیر میں دیکھو۔

نکاح و طلاق

س۔ نکاح کو نکاح کیوں کہتے ہیں ؟
 ج۔ نکاح کے معنی ہے ملنا۔ چونکہ اس کی وجہ سے دو شخص ہی نہیں بلکہ دو قبیلے
 بلکہ کبھی دو ملک مل جاتے ہیں کہ لڑکی کے عزیز لڑکے کے عزیز بن جاتے
 ہیں اور برعکس بھی۔ لہذا یہ نکاح کہلاتا ہے۔
 س۔ اسلام میں نکاح کو عبادت کیوں مانا گیا ہے۔ اسے تجارت کی طرح دنیاوی
 کاروبار کیوں نہ قرار دیا گیا ؟
 ج۔ اس لیے کہ یہ سنت انبیاء ہے۔ آدم علیہ السلام سے قیامت تک جاری ہے
 اسی کے ذریعہ انسان حیوان سے ممتاز ہے۔ اسی سے نسب چلتا ہے اور نسب
 سے ہزار ہا فائدے ہیں۔ اسی سے اولیاء و بزرگان دین کی پیدائش ہے۔ جس
 سے اسلام کی بقا ہے۔ اس سے بچہ کی پرورش اور تربیت کا انتظام ہے۔
 نکاح سے تمام رشتے قائم ہیں۔ ماں باپ چچا تایا وغیرہ نکاح کی برکت سے
 ہیں۔ اسی واسطے قرآن کریم نے نکاح کو رب کی نعمت قرار دیا اور فرمایا وَجَعَلَ
 لَكُمْ نَسَبًا وَصِهْرًا خيال رہے کہ عبادت کا موقوف علیہ بھی عبادت ہے۔ وضو

فرض ہے نماز کے لئے اور نکاح پر ساری عبادتیں موقوف ہیں کہ نمازی غازی
اسی سے پیدا ہوں گے۔ لہذا یہ اصل عبادات ہے۔

س۔ اسلام میں نکاح ایجاب و قبول سے ہی ہوتا ہے۔ ہندوؤں کی طرح لڑکی
کے آس پاس چکر لگانے یا انگریزوں کی طرح لڑکے کے گلے ہار ڈالنے کا نام
نکاح کیوں نہیں ہے؟

ج۔ اس لئے کہ ہر لہین دین ایجاب و قبول سے کیوں ہوتا ہے۔ نکاح میں لڑکی کا لینا
حرم کا لینا ہے۔ لہذا اس کے لئے ایجاب و قبول درکار ہے۔ اگر میں کسی کے مکان
کے آس پاس تسو چکر بھی لگا لوں یا کسی کے جانور کے گلے میں دس ہار
ڈال دوں تب بھی اس کا مالک نہیں بن سکتا۔ لیکن اگر وہ کہے کہ میں نے دیا
میں کہہ دوں۔ میں نے لیا۔ پس میں مالک ہو گیا۔ ایسے ہی نکاح ہے۔

س۔ نکاح میں گواہ کیوں شرط ہیں اور اعلان کیوں سنت ہے؟
ج۔ تاکہ زنا سے فرق ہو جائے۔ زنا خفیہ طریق سے ہوتا ہے نیز عظیم الشان لین
دین پر گواہ بتائے جاتے ہیں تاکہ آئندہ جھگڑا نہ پیدا ہو۔ معمولی چیزیں بغیر تحریر
و گواہ خریدی جاتی ہیں۔ مگر زمین کی بیع پر گواہ بلکہ رجسٹری بھی کرائی جاتی ہے۔
تاکہ آئندہ جھگڑا نہ ہو۔ نکاح بھی عظیم الشان لین دین ہے جس میں صد ہا
جھگڑوں کا احتمال ہے۔ لہذا گواہ ضروری ہیں۔

س۔ نکاح میں دعوت و لمبہ پر خرچے لگانا کیوں سنت ہے؟
ج۔ اس لئے کہ نکاح نعمت الہی ہے اور نعمت ملنے پر فرحت و سرور کرنا رب کو
پسند ہے۔ فرماتا ہے۔ **فِي ذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا** یہ چیزیں اظہار خوشی کے لئے
ہے جیسے بچہ کی پیدائش پر عقیقہ۔

س۔ نکاح میں مرد کے ذمہ حرم کیوں ہوتا ہے؟
ج۔ تاکہ زوجین میں قدے برابری رہے کہ بیوی نے اپنی جان شوہر کے سپرد
کی تو اس کے معاوضہ میں شوہر نے حرم و نفقہ دیا۔ قدے برابری ہو گئی۔

بیع میں قیمت نہ ہو تو بیع ہے بیع نہیں۔ اگر شوہر پر مرد غیر حقوق نہ ہوں تو عورت لونڈی ہے زوجہ نہیں۔

س۔ نکاح میں مرد کو عورت سے افضل کیوں مانا گیا۔ زوجین میں بالکل مساوات کیوں نہ رکھی گئی۔ عورت بھی اللہ کی بندی ہے۔

ج۔ انتظام جب ہی قائم رہ سکتا ہے جب حاکم اعلیٰ ایک ہو۔ باقی ماتحت ہوں۔ ملک کا بادشاہ ایک درخت کی جڑ ایک انسان کے ظاہری اعضا دو دو لگے دل جو جسم کا سلطان ہے وہ ایک فوج کا کمانڈر انچیف ہے۔ ایک ایسے ہی گھر کا سلطان بھی ایک چاہیے باقی ماتحت تاکہ خانگی نظام قائم رہے۔

س۔ یہ اس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ عورت افضل رہتی مرد ماتحت ایسا کیوں نہ ہوا ہے۔ ج۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ مرد کے ذمہ عورت کا خرچہ اور نرسے۔ عورت کے ذمہ

نہیں جو خرچہ دے وہ ہی حاکم۔ دوم مرد عورت سے عام طور پر عقل و طاقت میں زیادہ لہذا یہ ہی انتظام کے لائق ہے۔ تیسرے عورت پر بعض وقت ایسے حالات آتے ہیں جب وہ کوئی کام نہیں کر سکتی۔ سمجھ بھی ٹھکانا نہیں رہتی۔

جیسے حیض و نفاس کی حالتیں۔ مرد اس سے محفوظ ہے۔ لہذا سرداری کے وہ ہی لائق ہے۔ اسی لئے نبوت سلطنت قضاء مردوں ہی کو عطا ہوتی ہے۔

س۔ ایک مرد چار عورتوں سے نکاح کیوں کر سکتا ہے؟

ج۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ عورتوں کی پیداوار بمقابلہ مردوں کے زیادہ ہے۔

پھر مرد جنگوں میں مارے بھی جاتے ہیں۔ اس لئے اگر چند نکاحوں کی اجازت

نہ ہو تو عورتوں کی کھپت نہیں ہو سکتی۔ دوسرے چند نکاحوں سے قوم کی

پیداوار زیادہ ہوگی کہ ایک بیوی سے جتنی مدت میں ایک بچہ حاصل ہو سکتا

ہے۔ اتنی مدت میں چار بیویوں سے چار بچے حاصل ہوں گے۔ آج کثرت

سے سلطنتیں بنتی ہیں۔ پاکستان کا قیام کثرت ہی سے ہوا۔ وہ جو حدیث پاک

میں ہے کہ محبت اور زیادہ بچہ جننے والی عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ میں

تمہاری کثرت سے فخر کروں گا۔ اس میں یہ راز بھی ہے۔
 س۔ تو چاہیے کہ اگر کسی جگہ مرد زیادہ ہوں تو ایک عورت چند مردوں سے نکاح کر سکے
 ح۔ ہرگز نہیں۔ مرد حاکم اعلیٰ ہے وہ ایک ہی چاہیے۔ نیز انسان کا بچہ پرورش و
 تربیت دونوں ہی کا حاجت مند ہے۔ پرورش ماں کے ذمہ ہے تربیت باپ
 کے ذمہ۔ اگر عورت کے چند شوہر ہوں تو کوئی بھی بچہ کی تربیت کا ذمہ دار نہ بنے گا
 اور نسب کسی سے ثابت نہ ہوگا۔ چونکہ جانور تربیت کے حاجت مند نہیں۔ لہذا وہاں
 یہ قید بھی نہیں۔ قدرت نے ہاتھ میں انگوٹھا ایک رکھا ہے اور انگلیاں جو کہ موٹنٹ
 ہیں چار تجویز فرمائیں معلوم ہوا کہ مرد ایک ہی چاہیے۔ نیز چند شوہروں میں سے
 عورت کے خرچہ کا کفیل کوئی نہ بنے گا۔ جیسے چند اولاد کے لئے ایک ہی
 باپ چاہیے۔ ایک شخص کے چند باپ نہیں ہو سکتے ایسے ہی بیوی کے لئے
 ایک ہی شوہر ضروری ہے۔

س۔ تو چاہیے کہ نبی کی بھی چار ہی بیویاں ہوتیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کی
 نو بیویاں تھیں۔ اتنی عیش پرستی سے نبوت کے فرائض کیسے انجام پاسکتے ہیں
 ح۔ نکاح فقط عیش پرستی کے لئے نہیں ہوتا۔ ورنہ حضور علیہ السلام کی تمام
 انواع کنواریاں ہوتیں۔ عین شباب کے عالم میں جو نکاح شریف ہوا۔
 وہ عمر رسیدہ بی بی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ جن کی عمر شریف چالیس سال اور
 آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔ ۵۰ سال کی عمر شریف جو بڑھاپے کی عمر ہے
 اس میں دوسرے نکاح ہوئے۔ پھر نبوت کے فرائض ایسے انجام دیئے کہ
 سبحان اللہ انبیاء کے ذمہ تبلیغ ہے۔ تبلیغ کے لئے ضروری ہے کہ قوموں
 سے تعلقات ہوں۔ تعلق پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ لڑکی لینا دینا ہے۔
 حضور علیہ السلام نے ان قبیلوں کے سرداروں کی بیٹیاں نکاح میں قبول
 فرمائیں۔ جن سے پورے قبیلے قبضے میں آگئے۔ جیسے حضرت ام حبیبہ بنتی امیہ
 کے سردار ابوسفیان کی بیٹی۔ حضرت صفیہ قبطی قوم کے سردار حمی ابن خطیب

کی بیٹی وغیرہ جس کا نتیجہ ہوا کہ ان قوموں سے جنگ ختم ہو گئی اور آخر کار وہ سب مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ آج برطانیہ کے تعلق امریکہ سے اسی لئے قوی ہیں کہ ان کی لڑکیاں ایک دوسرے کے گھر ہیں۔ جرمنی سے یہ تعلق نہیں سلاطین کے نکاحوں میں صد ہا راز ہوتے ہیں۔

س۔ عیسائی اور ہندوؤں کے یہاں بے نکاح راہب بڑی عبادت ہے سا دھو

اور دھیان بے نکاح رہتے ہیں اسلام میں ایسا کیوں نہیں؟

ج۔ خدا کی دی ہوئی طاقتوں کو بے کار کر دینا حماقت ہے اور صحیح مقام پر خرچ

کرنا عین کمال ہے۔ آنکھ بتد کر لینا حماقت ہے۔ مگر اسے غیر محرم سے روکنا

کمال ہے۔ قوت شہوانی بھی رب کی نعمت ہے۔ اگر یہ بڑی ہوتی تو رب دیتا

ہی کیوں۔ اس شہوت کو روکنے کے بڑے بڑے سناج زنا کی شکل میں ظاہر

ہوتے ہیں۔ اگر نکاح نہ کرنا کمال ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے دو۔ داؤد

علیہ السلام نے ۹۹۔ سلیمان علیہ السلام نے ایک ہزار بیویاں کیوں رکھیں عیسائی

کیا جواب دیں گے۔ اور رام چندر کے والد راجہ جسرت نے دو۔ کتھیل نے ایک

ہزار بیویاں کیوں رکھیں۔ ہندو کیا جواب دیں گے۔

س۔ مسلمان کا نکاح کفار سے کیوں نہیں ہو سکتا۔ جب ان سے تجارت کر سکتے

ہیں تو نکاح بھی ہونا چاہیے؟

ج۔ اس لئے کہ نکاح کا مقصد گھر کی آبادی ہے یہ جب ہی ہوگی جب زوجین

کے دل ملے ہوں۔ اختلاف دین کی وجہ سے آپس میں نفرت ہوگی جس

سے گھر کی بربادی لازمی ہے۔

س۔ پھر اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیوں جائز ہے۔ وہ بھی تو کافر ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ وہ اسلام سے قریب ہیں۔ لہذا امید ہے کہ ایسی عورت مومن

کی صحبت سے مومن بن جائے۔ اگر مرد کے پھسلنے کا اندیشہ ہو تو اہل کتاب

سے بھی نکاح منع ہے۔ مشرکہ مزندہ چونکہ اسلام سے بہت ہی دور ہے لہذا

اس کے ایمان کی امید نہیں۔ نکاح کی بھی جائز نہیں۔ لڑکی کے لئے بھی کفو کیوں ڈھونڈتے ہیں؟

اس لئے کہ ہر شخص اپنے قبیلہ سے زیادہ مانوس ہوتا ہے جتنا انس زیادہ ہوگا اتنی ہی محبت زیادہ دیر پا ہوگی۔ اعلیٰ خاندان کی لڑکی ادنیٰ شوہر کو نگاہ میں نہیں لاتی جس سے خانہ جنگی رہتی ہے۔

س۔ اسلام نے چچا بھوپھی کی لڑکی سے نکاح کیوں حلال کیا۔ چاہئے تھا کہ بالکل اجنبی جگہ نکاح ہوتا۔ جیسا ہندوؤں میں ہوتا ہے۔

ج۔ اس لیے کہ آپس کے عزیز پہلے سے ایک دوسرے کی عادات سے واقف ہوتے ہیں۔ لہذا جتنی محبت آپس میں ہوگی اجنبی سے نہ ہوگی کہ نہ معلوم اس کی طبیعت کیسی ہو۔ نیز آپس میں ذات وغیرہ کی تحقیق نہیں کرتی پڑتی بینز آپس میں نکاح سے اپنی خاندانی جائداد اور مال خاندان ہی میں رہتے ہیں غیر جگہ نہیں جاتے۔ نیز آپس کے نکاح سے محبت بڑھ جاتی ہے کیونکہ ایک محبت پہلے سے موجود تھی دوسری محبت لڑکی سے قائم ہوگئی۔

س۔ تو چاہئے کہ سگی بہن سے بھی نکاح کیا جاوے کہ یہ سائے فائدے اس میں زیادہ ہیں۔ جیسا پارسی لوگ کرتے ہیں۔

ج۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ بہن۔ ماں۔ خالہ وغیرہ پر کسی کو شہوت نہیں پیدا ہوتی۔ دل میں نفرت رہتی ہے۔ لہذا اس صورت میں یا تو اولاد پیدا نہ ہوگی۔ اگر کسی بے غیرت کے اولاد ہوگئی تو نہایت کمزور ہوگی۔ اور یہ مقصد نکاح کے خلاف ہے۔

س۔ اسلام میں ختنہ کیوں رکھا گیا ہے؟

ج۔ چند وجہ سے ایک یہ سنت ابراہیمی اور سنت نبوی ہے۔ ختنہ نہ ہونے سے بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ختنہ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ اس لئے ڈاکٹر بعض بیماریوں میں ہندوؤں کا ختنہ کرا دیتے ہیں۔ ختنہ کی کھال باقی رہنے سے اس جگہ خارش سی ہوتی ہے اور وہ خارش

جلق کی عادت پیدا کرتی ہے جس سے ہزار ہا بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ختنہ والے کی عورت بہت کم پرچلن ہوگی۔ ختنہ سے اولاد قوی پیدا ہوتی ہے حضرت اسمعیل کی قربانی قبول ہوئی۔ بدلہ میں دُنبہ ذبح کرایا۔ اور بدن کا ایک حصہ یعنی ختنہ کی کھال کٹوا دی گئی یہ ختنہ گویا بدن انسانی کی قربانی ہے۔

س۔ طلاق کو طلاق کیوں کہتے ہیں؟
ج۔ اس لئے کہ طلاق طلق سے بنا۔ جس کے معنی ہیں کھلنا۔ چہرہ کے کھلنے کو طلاقۃ الوجہ اور بے قید کو مطلق کہتے ہیں۔ چونکہ طلاق میں عورت کو نکاح کی قید سے کھول دیا جاتا ہے۔ لہذا اسے طلاق کہتے ہیں۔

س۔ طلاق کیوں جائز رکھا گیا یہ تو جدائی ہے؟
ج۔ اس لئے کہ کبھی مرد و عورت کی علیحدگی سخت ضروری ہو جاتی ہے۔ نکاح کا بقا ایک یا دونوں کے لئے وبال جان بن جاتا ہے اسے شرعاً کیا گیا۔ مگر بعض المباحات یعنی بُری خبر فرمایا گیا۔

س۔ اگر طلاق کی ضرورت پڑ ہی جانی تو چاہیے کہ عورت کو بھی طلاق کا حق ہو۔ یہ کیا کہ مرد تو آزاد ہو اور عورت مرد کی پابند۔

ج۔ عورت میں قدرتی طور پر عقل کم ہوتی ہے اور جوش و غصہ زیادہ۔ اس کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ جن قوموں نے عورتوں کو طلاق کا حق دیا۔ وہاں بات بات پر طلاقیں ہو رہی ہیں اور گھر برباد ہو رہے ہیں جیسے لندن و پیرس۔

س۔ عورت کی اسی پابندی سے بڑے بڑے فتنے پڑے ہوئے ہیں کہ مردوں نے عورتوں پر بڑے ستم ڈھائے ہیں۔ اگر عورت کو بھی طلاق کا حق ہوتا تو یہ ظلم نہ ہوتے۔

ج۔ پھر اس سے سد ہا گنا زیادہ مصیبت ہوتی۔ حق یہ ہے کہ طلاق مصیبت ہے لیکن مرد کے قبضہ میں رہے تو کم مصیبت ہے اور عورتوں کے قبضہ

میں جائے تو زیادہ مصیبت۔ اور جب انسان دو بلاؤں میں گرفتار ہو۔ تو آسان کو اختیار کرے۔ عورتوں کی آزادی سے کوئی گھر قائم نہیں رہ سکتا۔ جیسے نکاح میں جانیبین کی مرضی ضروری ہے ایسے ہی طلاق میں بھی جانیب کی مرضی ضروری ہوتی چاہیے۔ صرف مرد کی رائے سے طلاق کیوں ہو جاتی ہے۔ نکاح میں ایک شے مرد کی ملک میں آتی ہے تو ضروری ہے کہ مالک بننے والے اور ملک میں آنے والے دونوں کی رضا ہو۔ طلاق میں ملک سے نکلنا ہے۔ اسی میں مالک مختار ہے۔ نوکر رکھتے وقت مالک و نوکر دونوں کی رضا ضروری۔ مگر نوکری سے علیحدگی کے وقت صرف مالک کی رضا کافی ہے۔

س۔ نکاح پڑھانے وقت زوجین کو کلمہ کیوں پڑھاتے ہیں۔ وہ دونوں پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔

ج۔ اس لئے کہ نکاح کا وقت گویا معاہدہ کا وقت ہے کہ زوج زوجہ کے لئے ہر اور خرچہ کا عہد کرتا ہے اور زوج زوجہ کے لئے اطاعت فرمایا نہ کرے گا معاہدہ کرتی ہے۔ اور معاہدہ کے وقت کلمہ پڑھانا یا قرآن شریف اٹھوانا ناکید کے لئے ہوتا ہے تاکہ معاہدہ سے کوئی پھرتہ سکے۔ لہذا کلمہ پڑھا کر عہد کرتے ہیں۔ نیز عوام کے منہ سے کبھی کفر کی یہ باتیں نکل جاتی ہیں۔ گناہ کرتا رہتا ہے۔ لہذا کلمہ پڑھا کر توبہ کرا کر نکاح پڑھتے ہیں تاکہ برکت ہے۔

س۔ اب نکاح فساد کی جڑ بن گیا کہ اس سے بنے دل بگڑ جاتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ج۔ اس لیے کہ موجودہ مسلمانوں نے نکاح کو عبادت نہ سمجھا۔ مالی کاروبار بنا لیا۔ لڑکے زیادہ ہمیز کی فکر میں ہیں اور لڑکی زیادہ ہنر کی۔ جب یہ دنیاوی کاروبار بن گیا اور دنیا فساد کی جڑ ہے۔ لہذا اس میں جھگڑے

فساد پیدا ہو گئے۔

اسلامی سزائیں

س۔ اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ یہ جرم سے زیادہ ہے کہ چور مال تلے چار روپے کا اور ہاتھ وہ کٹے جس کی قیمت ہی نہیں۔ رب فرماتا ہے مَنْ جَاءَ بِالسَّيْئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا۔ جو گناہ کرے اسے گناہ کی بقدر ہی سزا دی جائے۔

ح۔ چور کا ہاتھ کاٹنا مال کی سزا نہیں بلکہ قانون شکنی کی سزا ہے۔ قانون ہاتھ سے کہیں باوجود قیمتی ہے قانون کے لئے سینکڑوں قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے اگر چور لاکھ روپیہ مالک کو دے دے تب بھی ہاتھ کٹنے سے نہیں بچ سکتا۔ آیت میں مثلہا سے شرعی مثل مراد ہے نہ کہ قوی تر لعیت نے اس جرم کو ہاتھ کی مثل قرار دیا تو وہ ہی اس کی مثل ہے۔ یا یہ آیت آخرت کے بارے میں ہے۔ یعنی رب تعالیٰ نیکوں کو نیکی کا زیادہ ثواب دے گا کہ ایک کا ثواب سات سو۔ مگر بدی میں بالکل اضاقتہ نہ ہوگا۔ ہمیں۔ چوری میں ہاتھ کاٹنا ظلم ہے۔ چند روپیہ میں انسان کی زندگی خراب نہ کرنی چاہیے۔

ح۔ ظلم وہ سزا ہے جو قانون سے زیادہ ہو۔ ہاتھ کاٹنا قانونی سزا ہے۔ آج چور کو دو سال کی سزا ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ آدھے گھنٹہ میں چوری کرتا ہے۔ مگر چونکہ قانون کے اندر ہے۔ لہذا ظلم نہیں۔ اگر ایک بد معاش کی زندگی برباد ہونے سے لاکھوں زندگیاں سنبھل جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ قوم پر افراد زبان ہوتے ہیں۔ ایک کا ہاتھ کٹنے سے دوسرے بد معاش چوری سے باز رہیں گے۔ نیک معاش آرام سے

سے کیا لے گی۔ رہا امیر طبقہ وہ بھی جرم پر دلیر ہوگا۔ اس خیال سے کہ جرم کر اور روپیہ بھر دیں گے۔ پھر حکومت بھی جرائم کی زیادتی چاہے گی۔ کیونکہ جرم حکومت کے لئے ذریعہ آمدنی ہوں گے۔ اپنی آمدنی کے بڑی لگتی ہے۔ غرضکہ اسلام کا مقصود بد معاشری مٹانا ہے نہ کہ بد معاشیوں سے گمانا۔ اس۔ قابیل سے ہابیل کا قصاص کیوں نہ لیا گیا۔ وہ بعد قتل اپنی بہن اقلیہا کو عدن میں لے بھاگا۔ جس سے اس کی اولاد ہوئی۔ اس نے بڑے گناہ کئے اور وہ اپنی موت مرا۔ اسے پہلے ہی کیوں نہ مار دیا گیا؟

سج۔ تین وجہ سے۔ ایک یہ کہ اس وقت تک قصاص کے احکام نہ آئے تھے دوسرے اس لئے کہ آدم علیہ السلام کو قتل کی شرعی گواہی نہ مل سکی تیسرے اس لئے کہ آدم علیہ السلام مقتول ہابیل کے ولی تھے اور مقتول کے ولی کو معافی کا حق ہے۔

س۔ قابیل نے ہابیل کو ناحق قتل کیا۔ اسے سخت مجرم قرار دیا گیا فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ بلکہ دنیا کے سارے قتلوں میں اس کا رکھا گیا۔ کنعان نے نوح علیہ السلام کی مخالفت کی تو اسے کافر قرار دیا گیا۔ مگر برادران حضرت یوسفؑ نے اتنے بڑے جرم کئے۔ ان کو پھر بھی بعض نے نبی مانا اور صحابی یا ولی تو سب ہی مانتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں تاروں کی شکل میں دیکھا۔ جرم کیسیاں مگر نتیجہ میں فرق کیوں ہے؟

سج۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ قابیل نے عورت کے عشق میں قتل کیا اور کنعان نے کفار کی محبت میں پیغمبر کو ناراض کیا۔ ان کے جرموں کی بنیاد نا جائزہ پر تھی۔ مگر یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ سب کچھ یعقوب علیہ السلام کی محبت اور ان کا نور نظر بننے کی لالچ میں کیا۔ اگر یوسف علیہ السلام نہ ہوں تو ہم ان کے خوب بیٹے ہوں گے۔ انہوں نے جرم کئے مگر بنا جرم پیغمبر کی محبت تھی۔ لہذا فرق ہوا کہ انہیں توبہ نصیب ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ ان برادران

نے یعقوب و یوسف علیہ السلام سے معافیاں حاصل کر لیں۔ وہ دونوں یہ نہ کر سکے۔

س۔ - مرزد کو قتل کیوں کہا جاتا ہے۔ مذہب کی آزادی چاہیے ہے۔
ج۔ - اس لئے کہ مرزد ریائی حکومت کا باغی ہے کہ رب کی وفادار بن کر پھر گیا اور کافر اصلی رعایا بننا ہی نہیں۔ جب ان چھوٹی حکومتوں کا باغی قتل کا مستحق ہے۔ تو حقیقی سلطنت کا باغی بھی قتل کا مستحق ہونا چاہیے اسلام نے دینی آزادی دی ہے۔ کسی کافر کو اسلام پر مجبور نہ کیا۔ کھوڑوں کافروں کو سلاطین اسلامیہ نے حفاظت میں رکھا۔

س۔ - کیا استاد سے شاگرد کا بدلہ لیا جائے گا؟
ج۔ - اگر شاگرد کو قتل یا زخمی کر دیا ہے تو ضرور بدلہ لیا جائے گا۔ کسی تصور پر حیت مار دینے یا قمی لگانے کا بدلہ نہ ہوگا۔ ہاں ضروری یہ ہے۔ کہ بقدر جرم سزا سے زیادہ نہ مارے (شامی)

س۔ - پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ایک صحابی سے کیوں فرمایا۔ کہ مجھ سے اپنا بدلہ لے۔ قریب وفات شریف لوگوں سے کیوں فرمایا۔ کہ مجھ سے اپنا بدلہ لے لو۔ نبی کا حق انتہا سے کہیں زیادہ ہے؟
ج۔ - امت کی تعلیم کے لئے کہ جب ہم پیغمبر ہو کر انتہی احتیاط فرماتے ہیں تو تم کو بہت زیادہ احتیاط چاہیے۔ نیز اس اندیشہ سے کہ مسیادا سزا قصور سے زیادہ دی گئی ہو۔

طریقیت

س۔ - شرعیات کو شرعیات کیوں کہتے ہیں اور طریقیت کا نام طریقیت کیوں ہے؟
ج۔ - شرعیات شرع سے بنا یعنی چوڑا اور سیدھا راستہ۔ رب فرماتا ہے

شَرَعِيًّا وَصِيَّهَا جَا طَرَفِيَّتِ طَرَفِيَّتِ سے بنا بمعنی تنگ اور پھیدہ راستہ اس سے ہے اَطْرَاقِ كَوْمِ شَرَعِيَّتِ اسلام کا وہ راستہ ہے جس پر ہر شخص کو گھومنا بنا کر کے چل سکے۔ طرفیت اسرار کے وہ پھیدہ اور تنگ گلی کوچے ہیں جو دائرہ کے سوا دوسرے طرف سے گزر سکے۔ شریعت میں آسانی ہے مگر کامیابی دیر میں۔ طرفیت مشکل ہے مگر بہت جلد مقصود تک پہنچاتی ہے۔ گلیوں کے ذریعہ جلد پہنچتا ہوتا ہے

س۔ شریعت اور طرفیت میں کیا فرق ہے ؟

ج۔ جسم پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا نام شریعت ہے اور قلب پاک کے احوال کا نام طرفیت سر پاک کے احوال کا نام حقیقت ہے۔ رُوح پاک کے حالات کا نام معرفت ہے۔ غرضیکہ ذات پاک مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان چاروں کا مرکز ہے۔ ان کا جسم پاک شریعت کا مرکز۔ قلب شریعت طرفیت کا۔

س۔ شریعت و طرفیت کا آپس میں کیا تعلق ہے ؟

ج۔ شریعت پوست ہے طرفیت مغز۔ پوست بغیر مغز بے قیمت ہے اور مغز پوست غیر محفوظ ہے۔ با دام کے چھلکے جب مغز سے جدا ہو جائیں تو ان کی قیمت کچھ نہیں۔ اسی طرح مغز یا دام پوست سے علیحدہ ہو کر ہر جانور کی غذا ہے۔ شیطان کی عبارت پوست بے مغز تھی۔ لہذا کوئی قیمت نہ ہوئی۔ جاہل صوفی کی ریاضتیں مغز بے پوست ہیں۔ لہذا ہر دم خطرہ میں ہیں اور وہ مسخردہ شیطان ہے۔ طرفیت گویا حقیقت ہے اور شریعت گویا مجاز۔ طرفیت سمندر ہے شریعت جہاز۔ جو کہے کہ اب دنیا میں ٹولی کوئی نہیں۔ وہ جھوٹا ہے کیسے ممکن ہے کہ مجاز رہے حقیقت نہ رہے۔ شریعت رخت ہے۔ طرفیت اس کا پھیل پھول۔ شریعت راستہ ہے۔ طرفیت منزل مقصود۔ شریعت مضبوط قلعہ ہے طرفیت اس قلعہ کا محفوظ خزانہ۔ شریعت قازی کا جھنڈا ہے۔ اور طرفیت سراپردہ۔

س۔ پیر کی کیا ضرورت ہے کیا ہدایت کے لئے پیغمبر کافی نہیں ہے ؟
 ج۔ جیسے خدا تک پہنچنے کے لئے پیغمبر کی ضرورت ہے ایسے ہی رسول تک پہنچنے کے لئے پیر کی حاجت ہے۔ جس کتے کے گلے میں کسی مرشد کا پٹہ چاہیے۔
 نفس کتاب ہے اسے آزاد نہ رہنے دو۔ اس کے گلے میں زنجیر ڈال کر کسی کے حوالہ کر دو زنجیر میں کڑیاں ہوتی ہیں۔ آخری کڑی پٹہ میں پہلی کڑی مالک کے ہاتھ میں۔ فقیرہ مشائخ اس زنجیر کی کڑیاں ہیں جس کی پہلی حضور علیہ السلام کے ہاتھ مبارک میں ہے۔ آخری کڑی ہمارے نفس کے گلے میں۔ جو کوئی شمع سے دور ہوا سے چاہیے کہ ایسے آئینوں کے سامنے بیٹھے جس سے نور چھین کر آ رہا ہے۔ مشائخ کے سینے شفاف آئینے ہیں اور جمال پاک مصطفیٰ شمع۔ جو کوئی بارش نہ پائے وہ تالاب سے پانی لے۔ حضور رحمت کی بارش ہیں اور مرشد تالاب۔ اپنی ایمان کی کھیتیاں اس سے سیراب کرو۔ مشائخ خاص مہیبت میں کام آتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کنعان میں تھے۔ یہاں مصر میں زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو کمرے میں بند کر کے بلایا۔ یعقوب علیہ السلام نے اس بند کو میں پہنچ کر یوسف علیہ السلام کو ارادہ گناہ سے روکا۔ نجم الدین نے امام رازی کی موت کے وقت امداد کی۔ رب فرمانا ہے۔ یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنْسٍ بِاِمَامِهِمْ فَيَأْتُوا سَبْعَ مِائَاتٍ مِّنْ سَمَوَاتٍ مَّعَهُمْ قُلُوبٌ يُدْرِكُهَا وَهِيَ حَمَلُومَةٌ وَرِجَالٌ مِّنْ دُونِهَا لَمَّا جُمِعَ النَّاسُ لَدَيْ رَبِّكَ وَقَدْ خَلَّوْا فِي الْغُلُوبِ۔ اگر پیر نہ ہو تو کس کے ساتھ اٹھو گے۔ قلب کا تعلق باقی جسم سے رگوں کے ذریعہ سے ہے۔ حضور عالم کے قلب میں عالم جسم پیران عظام کو پارگیں۔ پادریاؤں کا تعلق تمام شہر سے ہزاروں بجلی کے تار سے ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نور کے پادریاؤں میں ہیں۔ ساری دنیا آباد شہر پیران عظام کو پارگیں کی تاریں علماء کرام ان تاروں کے کھمبے۔ انشتی شیشے کے ذریعہ آفتاب کی شعاعیں کپڑے کو جلا دیتی ہیں۔ ہمارے دل کپڑا ہیں حضور آفتاب۔ مرشد کامل انشتی شیشہ۔ اگر یہ واسطہ موجود نہ ہو تو عشق کی جلن نہ پیدا ہوگی۔

س۔ صحابہ کرام کسی کے بیعت و مرید تھے یا نہیں ؟
 ج۔ صحابہ کرام نے بہت سی بیعتیں کیں۔ اولاً اسلام لانے وقت حضور سے
 بیعت کی۔ پھر خاص معاہدوں کے لئے بیعت کی جیسے حدیبیہ میں بیعت
 الرضوان۔ رب فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ۔
 پھر خلفائے راشدین کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ لہذا وہ حضرات مرید تھے
 بے پیرا تو بے نور ہوتا ہے۔

س۔ کیا ایک بیعت کافی نہیں انہوں نے چند بیعتیں کیوں کیں ؟
 ج۔ بیعت چند قسم کی ہوتی ہے ان کی پہلی بیعت حضور کے ہاتھ شریف پر
 بیعت اسلام تھی۔ پھر خاص موقعوں پر بیعت خاصہ ہوئیں۔ پھر خلفاء
 راشدین کے ہاتھ پر بیعت دو بیعتوں پر مشتمل تھی بیعت سلطنت اور بیعت
 طریقت۔ خلفائے راشدین کے زمانہ تک ہر سلطان شیخ بھی ہوتا تھا کیونکہ
 ان کی خلافت خلافت راشدہ تھی۔ ان کے بعد سلاطین اس پائے کے نہ رہے
 لہذا ان سے صرف سلطنت کی وفاداری کی بیعت کی گئی جسے آج علفت و فاداری
 کہتے ہیں۔ اور مشائخ سے بیعت طریقت ہوئیں۔

س۔ مرید کے معنی کیا ہیں اور یہ کس لفظ سے بنا ہے اسے بیعت کیوں کہتے ہیں ؟
 ج۔ یہ لفظ ارادہ سے بنا بمعنی قصد کرنا۔ اس کا ماخذ یہ آیت ہے یُرِیدُونَ
 وَجْہَ اللّٰہِ اَوْلَیَّکَ هُمْ الْفَائِزُونَ ۝ لہذا مرید کے معنی ہوئے ارادہ
 کرنے والا۔ چونکہ مرید اللہ کی رضا کا طالب ہو کر شیخ کے پاس آتا ہے لہذا اسے
 مرید کہتے ہیں بیعت بیعت یعنی بیچا۔ چونکہ مرید شیخ کے ہاتھ پر نیک جاتا ہے۔
 س۔ مرید بننے کا مقصد کیا ہے اور مرید ہوتے وقت پیر کے ہاتھ میں ہاتھ
 کیوں دیتے ہیں ؟

ج۔ اللہ سے عہد کرنا کہ مولیٰ میں میرا بندہ فرما بتروا رہوں گا۔ مگر چونکہ اللہ
 بہک ہماری رسائی نہیں۔ تو اس کے کسی نیک بندے کے ہاتھ پر یہ عہد

کرتے ہیں۔ جیسے جب خدا کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ کو سامنے لے کر سجدہ کر لیتے ہیں۔ کعبہ قبلہ نما ہے۔ پیر قبیلہ عہد و پیمان بادشاہ کے گورنر وزراء سے حلف و فاداری لیتے ہیں۔ سامنے گورنر ہوتا ہے مگر حلف سلطان کے لئے۔ ایسے ہی سامنے شیخ ہوتا ہے مگر حلف اور عہد رب سے۔ اس لئے رب نے فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا حَلَلْتُمْ فَذُكِّرُوا بِاللَّهِ عَمَّالِي**۔ چونکہ عہد کے وقت ہاتھ بھی ملاتے ہیں کہ آؤ ہاتھ ملا لو۔ اس لئے بیعت کرتے وقت شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔

س۔ طریقت کے سلسلے صرف چار ہیں۔ کم و بیش کیوں نہیں؟
ج۔ یہ قدرتی بات ہے۔ رب کو چار کا عدد بہت پیارا ہے۔ بڑے فرشتے چار جبرئیل میکائیل۔ اسرافیل۔ عزرائیل علیہم السلام۔ آسمانی کتابیں چار انبیاء سرسین چار۔ شریعت کے سلسلے چار حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ بلکہ انسان کے غیر میں چیزیں چار آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی۔ حضور کے چار چار۔ لہذا طریقت کے سلسلے بھی چار۔ ایک عمارت میں زاویہ قائم چار ہی ہو سکتے ہیں اگر کم و بیش ہو جائیں تو چار سے یا منفرد ہو جائیں گے۔ عمارت اسلام میں شریعت و طریقت کے سب زاویہ قائم ہیں۔ لہذا چار چار ہونے چاہئیں۔

س۔ صوفیاء کرام قرآن سے دم درو کیوں کرتے ہیں۔ اس سے تعویذ کیوں لکھتے ہیں۔ قرآن کا نزول احکام کے لئے ہے نہ کہ طبابت کے لئے۔

ج۔ نزول قرآن صرف احکام کے لئے نہیں۔ اس سے بہت فائدے ہیں۔ ثواب تلاوت۔ نماز میں قرأت۔ کھانے پر بسم اللہ پڑھنا۔ چھینک وغیرہ پر الحمد للہ پڑھنا۔ احکام شرعیہ جاری کرنا۔ غافل دل کو زندہ کرنا۔ تعویذ اور دعاؤں میں استعمال کرنا۔ رب فرماتا ہے۔ **وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ**۔ قرآن شفا بھی ہے اور رحمت بھی اگر قرآن صرف احکام کے لئے ہوتا تو اس میں منسوخ اور ذات و صفات کی آیات نہ ہوتیں۔ صرف احکام کی آیتیں ہوتیں۔ جب ہم ظاہری اعضاء اور

عبادت اور دنیوی چیزوں سے صد ہا فائدے حاصل کر لیتے ہیں۔ تو کیا کلام ربانی ان چیزوں سے بھی کم ہے۔ ایک بجلی سے روشنی۔ ہوا۔ خبر رسائی ریڈیو۔ تار۔ ٹرینوں کی رفتار مشینوں کی حرکت غرضکہ صد ہا فائدے حاصل کرتے ہیں۔ اب بجلی سے علاج بھی ہو رہے ہیں۔ جب بجلی جو کہ نار ہے۔ تو قرآن جو نور ہے اس کے کتنے فائدے ہونے چاہئیں۔

س۔ منہ کی سانس طبعی قاعدے سے زہریلی ہوتی ہے اس سے پانی پر دم کرنا بیماری کا باعث ہوگا۔

ج۔ آپ نے اتنا مان لیا کہ جو باہر کی ہوا جسم کے اندرونی حصہ سے مل کر آئے۔ اس میں بیمار کرنے کی تاثیر ہو جاتی ہے۔ اتنا اور مان لو کہ جو ہوا اس زبان سے مل کر آئے جس نے ابھی قرآن پڑھا ہے اس میں تندرست کرنے کی تاثیر ہو جاتی ہے۔

س۔ جب قرآنی آیتیں نور اور شفا ہیں تو چاہئے کہ ہر شخص ان پر عمل کر لیا کرے اعمال و وظائف میں اجازت کی اور علم دین میں دستار بندی و سند کی شرط کیوں ہے۔ عمل آگ کی تاثیر رکھتا ہے آگ کا جلانا اجازت پر موقوف نہیں۔ ج۔ اعمال و وظائف اور علم میں دونوں ہیں۔ ایک نوالفاظ کا دوسرے عامل عالم کے تیان کا الفاظ کا نور ثواب ہے اور عامل کا اثر فتح باب اجازت سے فتح باب ہوتا ہے۔ یہ اثر سینہ پاک مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پاک سینوں کے ذریعہ ایسا پہنچتا ہے جیسے شیشوں سے چھن کر نور شمع نلوار دھارا اور وار دونوں ضروری ہیں۔ بغیر وار سیکھے ہوئے دھار بے کار ہے۔ اس وار کے لئے اجازت شیخ کی ضرورت ہے نہ کہ دھار کے لئے۔

س۔ جب قرآن و حدیث نور اور شفا ہیں تو شیخ کی بیعت استاد کی شاگردی اماموں کی تاکید سب بے کار ہیں۔

ج۔ دوا کی شفا طبیب کی تجویز سے ظاہر ہوتی ہے طبیب نبض دیکھنے اور بیماری

پہچانتے دوا تجویز کرنے کی بڑی فہم لیتے ہیں۔ ایسے ہی مشائخ عظام دل کی بیماری کے طبیب ہیں۔ قرآن و حدیث دوائیں ہیں اور محدثین و مفسرین گویا روحانی عطاری ہیں۔ ان کے پاس احادیث و آیات ایسی ہیں جیسے عطاری کی دکان میں صاف سنہری بہترین دوائیں۔ اس کی دکان میں ہے سب کچھ مگر طبیب کے تجویز کے بغیر مر لیں کو مفید نہیں۔

س۔ تعویذ کیوں لکھے جاتے ہیں ان سے کیا فائدہ ہے ؟
ج۔ جیسے بعض مخلوق کے ناموں میں تاثیر ہے کہ کسی کو اٹو گدھا کہہ دو تو وہ رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اور حضرت قلیہ و کعبہ کہہ دو تو خوش ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اٹو گدھا بھی مخلوق ہیں اور قلیہ و کعبہ بھی۔ ایسے ہی خالق کے مختلف ناموں میں مختلف تاثیریں ہیں۔ ثنائی میں شفا کی عفارین بخشش کی۔ پھر خواہ یہ اسماء الہیہ لکھ کر پاس رکھو یا پڑھ کر دم کرو ضرور اثر کریں گے۔ اگر پیاز کی گانتھ پاس ہو تو بو اثر نہیں کرتی۔ ایسے ہی رب کا نام ساتھ ہو تو بلائیں اثر نہیں کرتیں۔ تیرہم پرگنا ہوں کی شامت سے آتی ہیں۔ اور رب کے نام گناہ دور کرتے ہیں جیسے پانی نجاست کو۔ لہذا ان سے شفا ہوتی ہے

س۔ پھر دم درود سے کیا فائدہ ہے ؟
ج۔ جیسے اگر ہوا چمن سے گزرا کر آوے تو دماغ کو معطر کر دیتی ہے گھور سے آدے تو دماغ مڑا دیتی ہے۔ آگ سے لگ کر نکلے تو جھلسا دیتی ہے۔ برف سے مس ہو کر آدے تو ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔ کوہ مری کی ہوائیں دالوں کو شفا دیتی ہے کیونکہ چڑکے درخت سے نکل کر مر لیں کو لگتی ہے۔ ایسے ہی جس زبان سے ذکر اللہ کیا گیا ہو اس سے چھو کر جو ہوائیں نکلے وہ بیمار کو شفا دے گی۔ صحابہ کرام حضور کے بال شریف لباس شریف دھو کر بیماروں کو پلاتے تھے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کے لئے پانی میں اپنی انگلیاں شریف ڈبو دیا کرتے تھے عیسیٰ علیہ السلام دم کے ذریعہ مردے زندہ کر دیتے تھے۔ کیونکہ وہ خود حضرت جبریل

کے دم سے پیدا ہوئے تھے۔ اور جبریل علیہ السلام رُوح الامین ہیں۔
 س۔ پھر چاہیے کہ ہم خود قرآن پڑھ کر دم کر لیا کریں یا لکھ کر پاندھ لیا کریں۔
 پیروں سے کیوں کراتے ہیں ؟

ج۔ آیات قرآنیہ مثل کارتوس کے ہیں اور نیک بندوں کی زبانیں راقل کارتوس
 سے جب ہی شکار ہو سکتا ہے جب راقل سے استعمال کیا جائے ہماری زبانیں
 اس درجہ کی نہیں۔

س۔ پیروں کے وظیفے مختلف کیوں ہیں۔ کوئی زور سے ذکر کرتا ہے۔ کوئی مراقبہ۔
 جب ذکر ایک ہے تو یہ اختلاف کیا ؟

ج۔ جیسے ڈاکٹر اور یونانی طبیب مریضوں کا علاج انہی جڑی بوٹیوں سے کرتے ہیں
 مگر مختلف طریقوں سے پھر لویاتی طبیوں میں لکھتوی اطیاء کا طریقہ علاج اور
 ہے۔ دہلیوں کا کچھ اور۔ حالانکہ دوائیں بھی ایک ہی ہیں اور سب بوعلی سینا کے
 ہی تتبع ہیں ایسے ہی یہ اطیاء ایمان۔ اگرچہ حضور ہی کے نام لبوا ہیں اور قرآن
 و حدیث کی دعاؤں سے علاج کرتے ہیں۔ مگر طریقہ علاج جداگانہ ہیں۔
 اور سب درست ہیں۔

س۔ صوفیاء چلے کیوں کراتے ہیں۔ اس سے کیا فائدہ ہے ؟
 ج۔ نفس کشی اور دل کی صفائی کے لئے تہائی اور ذکر الہی بہت ہی مفید ہیں
 آئینہ دل کے لئے صحبت اختیار ایسی ہے جیسے شیشہ کے لئے گرد و غبار
 اور دُتیادی الجھنیں ایسی ہیں جیسے لوہے کے لئے زین یا پانی۔ جس سے رنگ
 آجاتی ہے۔ چلوں میں ان چیزوں سے علیحدگی ہے۔ لہذا قلب کی صفائی حاصل
 ہوگی۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دینے کے لئے طور پر بلایا۔ تو
 ان سے چالیس دن کا چلہ کرایا۔ فرماتا ہے **وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ
 لَيْلَةً حَضُورَ صَلِيِّ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبُوتَ سَعْدِ بْنِ قَيْسٍ ۖ مَا غَارَ حُورٌ مِّنْ جَلِيٍّ**
 س۔ تو چلوں کے لئے چالیس دن ہی کیوں مقرر ہیں ؟

ح۔ روحانی اور جسمانی ترقیوں کیلئے چالیس کا عدنا ہوا ہے آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال تک خشک کیا گیا پھر ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطقہ پھر چالیس دن بستہ خون پھر چالیس دن تک حیض آسکتا ہے چالیس سال کی عمر میں عقل پختہ ہوتی ہے اسی لئے اکثر پیغمبروں کو نبوت اس عمر میں عطا ہوتی اس لئے چلے کے لئے چالیس دن مقرر ہوئے ہیں۔ صوفیاء کا عرس کیوں ہونا ہے ؟

ح۔ شریعت میں نمازوں۔ حج اور زیارت مدینہ منورہ کے ذریعہ مسلمانوں کو جمع

ہونے کا موقع دیا جاتا ہے۔ تاکہ تعلقات قائم ہوں۔ ایسے ہی اہل طرفیت کو جمع کرنے کے لئے عرس مقرر کئے گئے۔ جس میں ایک پیر کے مریدین آپس میں ایک دوسرے سے مل کر تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں۔ نیز عام مومنین کو عرس کے ذریعہ تلاش پیر کا اچھا موقع مل جاتا ہے۔ ایک جگہ ہزار ہا اہل دل جمع ہو جاتے ہیں۔ علماء کو مدارس کے سالانہ جلسوں۔ کانفرنسوں کے ذریعہ جمع کیا جاتا ہے۔ یہ عرس صوفیاء کی کانفرنس ہیں۔ اس کی اصل حدیث شریفہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سال میں ایک بار شہدائے اُحد کی زیارت فرماتے تھے۔

س۔ اسے عرس کیوں کہتے ہیں ؟

ح۔ اس لئے کہ عرس کے معنی ہے شادی۔ اس لئے دوٹھا کو عرس کہا جاتا ہے بزرگوں کی وفات اپنے پیارے مولیٰ اپنے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔ لہذا وہ ان کا شادی کا دن ہے۔ تیر بنکیر بن امتحان میں کامیاب پاکر ان سے عرض کرتے ہیں۔ نَمَّ كَنُوهَ سَيِّئَةَ الْعُرُوسِ اے اللہ کے بندے دولہا کی طرح سو جا۔ لہذا ان کی وفات کا دن روز عرس کہلایا۔

س۔ بعض عرسوں میں قوالی ہوتی ہے اور بعض میں نہیں۔ قوالی تو بڑی چیز ہے یہ کیوں ہوتی ہے۔ حضور نے گانے بجانے سے منع فرمایا۔

ح۔ گانا برائے رونا اور رونا برائے جانا۔ قوالی ایک درد کی دوا ہے جسے درد ہو وہ استعمال کرے۔ دوسرا اس سے علاحد رہے۔ جن گانوں سے منع کیا گیا۔ وہ

مخرب اخلاق و اہیات گانے بجانے ہیں۔ گانے والے سننے والے سب اہل رُوح

س۔ قوالی وغیرہ میں وجد اور رقص کیوں کرتے ہیں جسم کیوں ہلاتے ہیں ؟

ح۔ پیارے کا ذکر وجد و شوق سے کرنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن

تلاوت کرنے والا ذکر محبوب سننے والا گویا اسلام کے چین کا درخت ہے اور ذکر ایک مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ گویا رحمت کی لٹھنڈی ہوا صحیح طریق سے ثابت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصیدہ بردہ کے بعض اشعار پر خدیش فرمائی۔ انہیں اشعار ماملہ کہتے ہیں۔ اب بھی حکم ہے کہ اس قصیدہ کے وہ اشعار ہل کر پڑھنے چاہئیں۔ سارے قرآن و حدیث کی حالت پیدا کر کے ہل کر پڑھنا چاہیے۔ رب فرماتا ہے۔ **دِينُ جُنُودِ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمُ** ہمارے کلام سے خائفین کے جسم کے رنگ گھٹے ہو جاتے ہیں۔ اور رسول کے ذکر پر جانوروں پتھروں بلکہ لکڑیوں کو وجد ہوا ہے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام تو دیدارِ بار کے وجد میں بے ہوش ہو کر گریں بھی گئے۔ پہاڑ پھٹ گیا **فَجَعَلَهُ دَكَاةً** و **خَرَّ مُوسَىٰ صَاحِقًا**۔ رب فرماتا ہے کہ اگر ہم پہاڑ پر قرآن اتارتے تو وہ خوفِ الہی سے پھٹ جاتا۔

س۔ تو چاہیے کہ سب بزرگ قوالی سنا کریں وجد کیا کریں۔ حالانکہ بعض صوفیا اس سے پرہیز کرتے ہیں۔

ج۔ بعض بزرگوں پر اطاعت و فرمانبرداری کا غلبہ ہے اور بعض پر عشق و محبت کا پہلی قسم کے حضرات اس سے بچتے ہیں۔ دوسرے سنتے ہیں۔ اولیاء صحابہ کے اور صحابہ انبیاء کرام کے نقش قدم پر ہیں۔ بعض صحابہ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشق کا غلبہ ایسے ہی انبیاء کرام ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام پر عشق کا ظہور زیادہ۔ عیسیٰ علیہ السلام تارک الدنیا سلیمان علیہ السلام صاحبِ نعمت و نوح۔ ہمارے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جامع جمیع صفات ہیں اس وجہ سے یہ اختلاف ہے۔

س۔ بعض لوگ خلاف شرع کام کرتے ہیں اور لوگ انہیں بزرگ ملتے ہیں یہ کس حد تک درست ہے۔ کیا بے نمازی ولی بن سکتا ہے؟

ج۔ بعض صوفی عقل و خرد کھو بیٹھتے ہیں جنہیں مجذوب کہا جاتا ہے ان پر بہت سے شرعی احکام جیسے نماز روزہ وغیرہ جاری نہیں ہوتے۔ حضور فرماتے ہیں

کہ تین شخصوں سے تلم اٹھالیا گیا ہے۔ بچہ۔ دیوانہ۔ مجنون ایسے لوگ اللہ کے پیارے ہیں۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مگر جس کے ہوش و حواس درست نہ ہوں۔ پھر خلافت شرع عمل کرے وہ صوفی نہیں شیطان ہے۔ جب انبیائے کرام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر احکام شرع رہے تو دوسرا کس شمار میں ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ہر دیوانہ مجذوب نہیں۔

س۔ بعض مشہور بزرگوں سے خلافت شرع باتیں صادر ہوئی ہیں کسی نے کہا انا الحق کسی نے کہا سبحانی ما اعظم ثانی۔ تعجب ہے کہ فرعون نے دعویٰ خدائی کیا تو کافر ہوا منصور دعویٰ خدائی کرے مومن رہے یہ ہو سکتا ہے؟

ج۔ ان بزرگوں سے ایسے کلمات خودی اور غشٹی عشق میں نکلتے ہیں۔ ظاہر ہے

کہ ان پر شرعی احکام یعنی فتویٰ کفر صادر نہیں ہو سکتے اس وقت زبان ان کی

تھی اور کلام رب کا۔ جیسے فوٹو گرافر کا ریکارڈ یا ریڈیو کی پیڈی کہ یہ خود نہیں

بولتی اور ان میں سے آواز نکل رہی ہے مگر بولتے والا کوئی اور ہے۔ طور

سینا کے درخت آواز آرہی تھی یا موسیٰ اِنِّی اَنَا اللّٰہُ۔ اے موسیٰ میں اللہ ہوں۔

یہ کلام رب کا تھا درخت اس کا منظر۔ کیا وہ درخت کافر ہو گیا۔ ہرگز نہیں

ایسے ہی یہ حضرات ہیں۔ فرعون کا یہ حال نہ تھا۔

چوں رو با تشد انا اللہ از درخت

کے روانہ بود کہ گوید نیک بخت

س۔ بعض صوفیائے کرام وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے؟

کیا سارا جہاں خدا ہے دعا ذالہما ایک شخص کہتا ہے ہم تم ہیں۔ خدا ہر در و

دیوار خدا ہے۔ البیاعقیدہ رکھنے والا مومن کیسے ہو سکتا ہے۔ ہندو دو خدا

ماننے تو مشرک۔ یہ اٹھارہ ہزار عالم کو خدا مانتے ہیں اور مومن نہیں۔

ج۔ وحدت الوجود کے معنی یہ نہیں کہ ہر چیز خدا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ

خدا کے سوا کچھ نہیں۔ پہلی بات کفر ہے نہ کہ دوسری۔ وہ یہ فرماتے ہیں مصرع

ہمہ نیست اندر آنچه ہستی توست

مختصراً یوں سمجھو کہ دیوار کا سایہ دیوار سے علیحدہ مستقل وجود نہیں رکھتا۔ ایٹم خانہ میں کوئی شمع جلائے نو ہزاروں مختلف آئینوں میں نظر آئیں گی۔ شمع چند نہیں بلکہ اس کے عکس چند ہیں۔ جن کا غیر مستقل وجود اس ایک مستقل شمع سے وابستہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایسے ہی عالم کی چیزیں خود مستقل کچھ نہیں۔ یہ رب کے جلوے ہیں جن کا وجود محض اختیاری ہے اصل وجود وہی معبود ہیں۔ وہ کہتے ہیں لا مَوْجُودًا لَّا هُوَ یہ فقط سمجھانے کے لئے کہا گیا ورنہ ان کے نزدیک وہ آئے بھی اختیاری اور اعتبار بھی اختیاری ہے۔ واقفیت رب کے سوا کسی میں نہیں اس کے سوا کچھ عرض کرنے کی گنجائش نہیں۔

س۔ بعض مریدین اپنے پر کے سوا کسی بزرگ کو نہیں مانتے۔ ہر وقت اپنے پر ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ دوسرے ذکر کو پسند نہیں کرتے کیا یہ درست ہے؟
ج۔ ماننا اور بات ہے اور کسی کا ہر وقت تذکرہ کرنا اور بات۔ ہر مرید یا سائے بزرگوں کو مانتا ہے۔ مگر ہر دم اپنے شیخ کا اس لئے دم بھرتا ہے کہ اسے روحانی نعمتیں اسی سے ملی ہیں۔ کتا اپنے مالک کے پیچھے ہی دم لاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ہاتھ سے ہی ٹکڑے کھاتا ہے۔ شاگرد اپنے ہی استاد کے گن گاتا ہے۔ مگر ماننا سائے علماء کو ہے۔ اگر کوئی بد بخت مرید دوسرے بزرگوں کا منکر ہو تو وہ اس شیخ کے فیض سے بھی محروم رہے گا۔ سلسلہ مشائخِ جاہل کے پندے ہیں ایک کھل گیا سب کھل گئے۔ کسی نبی کا منکر شرعی کافر ہے۔ کسی ولی کا منکر طریقت کا مجرم ہے خاکپائے غوثِ اعظم سائبہ ہر ولی۔

س۔ بعض لوگ کسی بزرگ کے جنگل میں شکار نہیں کرتے یا وہاں کے کسی جانور کو نہیں مارتے۔ مخدوم سید اشرف جہانگیر کھوپڑی چھوئی قدس سرہ کے تالاب کی مچھلیاں کوئی نہیں پکڑتا کیا وہ جانور حرام ہیں یا شکار حرام ہے اور مسلمانوں کا یہ فعل خلاف ایمان ہے یا نہیں؟

ح۔ نہ یہ جانور حرام ہیں نہ ان کا شکار وہ سب حلال ہیں۔ ان کے شکار سے بچنا حرامت کی وجہ سے نہیں بلکہ نقصان سے بچنے کے لئے ہے۔ جیسے بلغمی مزاج کا آدمی دہی اور لسی سے بچتا ہے یا ہر شخص کھاری پانی سے کہ یہ چیزیں حرام نہیں مضر ہیں۔ بعض بزرگوں کے جنگلوں کے جانور کے شکار سے لوگوں نے نقصان اٹھایا۔ تجربہ کر کے شکار چھوڑ دیا۔ اطباء بعض زمین کی بعض چیزوں سے بھی پرہیز کراتے ہیں۔ اس کی اصل یہ ہے کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کہ وہ حرام نہ تھی۔ مگر اس کا تکلیف دینا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ اس لئے اسے منع کر دیا گیا۔ ورنہ اونٹ حلال ہے۔ گذشتہ پیغمبروں کی قربانیاں کہ ان کا گوشت کوئی نہ کھا سکتا تھا حضور علیہ السلام قوم صالح کے کنوئیں پر ایک سفر میں گزرے تو صحابہ کرام کو اس پانی کے کنوئیں سے روک دیا گیا کہ جن لوگوں نے اس پانی سے اٹا گو نہ لیا تھا۔ وہ بھی پھکوا دیا۔ وہ پانی حرام نہ تھا۔ اس کا استعمال نقصان دہ تھا۔ حرم مدینہ کا شکار احناف کے نزدیک حرام نہیں نہ اس سے جزا واجب ہے۔ مگر اس سے بچنا لازم ہے۔ حرم مدینہ کے کبوتر کوئی نہیں مارنا۔ کیونکہ یہ فعل نقصان دہ ہوگا حالانکہ کبوتر حلال ہے۔

س۔ صوفیائے کرام دعاؤں کے اول میں اَللّٰهُمَّ کیوں لگاتے ہیں اللہ کے ساتھ میم کیسی۔ اگر کہا جاوے کہ یہ لفظ اصل میں یا اللہ تھا۔ یا کہے بدلے میم لگائی ہے تو بجائے میم کے کوئی اور حرف کیوں نہ لگایا ؟

ح۔ اس لئے کہ میم رب کے ۲ ناموں میں آتی ہے جیسے مومن۔ مہیمن۔ مَالِك۔ مَلِك۔ مُقْتَدِرٌ۔ كَرِيْمٌ۔ رَاحِمٌ۔ حَلِيْمٌ۔ رَحِيْمٌ وغیرہ لہذا جو کوئی اللہ کے ساتھ میم لگا کر پکارے گویا اس نے رب کو ایسے ناموں سے یاد کیا اور ہر نام کے اثر مختلف ہیں۔ لہذا تمام اثرات حاصل ہوئے۔ اسی لئے حضور کے بہت سے اسماء شریف میں میم آتی ہے جیسے محمد۔ احمد۔ مصطفیٰ۔ مجتبیٰ وغیرہ کیونکہ حضور ذات و صفات الہی ہیں۔ لہذا

اللہ میں اللہ کا نام اور حمد کی میم آگئی۔ گویا دعائیں حضور علیہ السلام کا وسیلہ بھی حاصل ہو گیا۔

س۔ صوفیاء کرام توجہ دیا کرتے ہیں۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

ج۔ توجہ کے معنی ہے دھیان دینا۔ اپنے دل کو کسی طرف لگا دینا۔ صوفیاء کرام کا دل کامل نورانی ہوتا ہے اور اعلیٰ نور کی خاصیت روشنی بھی ہے۔ اور پاک کرنا یا فیض پہنچانا بھی۔ دیکھو آفتاب کی نورانی شعاعیں روشنی کے ساتھ گندی زمین کو خشک کر کے پاک بھی کر دیتی ہیں اور کھیتیاں بھی پکاتی ہیں۔ چاند کی نورانی شعاعیں پھلوں میں دودھ پیدا کرتی ہیں نثاروں کی شعاعیں پھلوں میں لذت اور رنگت بھرتی ہیں۔ ایسے ہی قلب شیخ کی نورانی کریم مرید کے قلب میں صفائی ایمانی ثروت وغیرہ پیدا کر دیتی ہیں۔ مسموم دماغے آنکھ کی شعاعوں کے ذریعہ ذرئی چیزیں کھینچ لیتی ہیں نگاد سے نیشے توڑ دیتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے انگلی پاک کی نورانیت سے آسمان پر چاند کے ٹکڑے کر دیئے۔ ایسے ہی شیخ کی توجہ سے مرید کو وہ فائدہ پہنچتا ہے جو تمام قواعد سے اعلیٰ ہے۔

س۔ تصور شیخ کیوں کہا جاتا ہے۔ یہ تو مشترکاتہ فعل ہے۔

ج۔ تصور کے معنی ہی خیال کرنا یا خیال رکھنا۔ بندے کو چاہیے کہ رب کی قدرت و سلطنت کا خیال رکھے تاکہ یہ خیال اسے گناہوں سے روکے۔ بچہ اسناد کو غافل دیکھ کر کھیلنا کو دتا ہے۔ اگر تھپے سے اسناد دیکھ رہا ہے تو برابر پڑھتا رہے۔ یہ خیال نیکوں کی اصل ہے۔ خان تکن نژاد خائے ہر ایک کا یہ ہی مقصد ہے۔ مگر انسان بے دیکھی ذات کا خیال نہیں رکھ سکتا۔ نہ ہم نے رب کو دیکھا ہے نہ رسول کی زیارت کی۔ مجاز حقیقت کی سیڑھی ہے۔ شیخ کو اس خیال سے دیکھا ہے کہ یہ اللہ و رسول کا پیارا ہے۔ اس لحاظ سے اگر صورت شیخ کو دھیان میں رکھا جائے تو یہ

شکل آئینہ حق نما بن جاوے گی کہ کچھ عرصہ بعد اس سے تصور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوگا۔ پھر رب کی صفات پر دھیان جم جاوے گا جو اصل مقصود ہے۔
 س۔ کیا تصور شیخ کی کچھ اصل ہے بھی یا محض صوفیا کی ایجاد ہے؟
 ج۔ اس کی اصل یہ ہے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں رہتے تھے۔ بعض دفعہ روایت کرتے ہوئے زیادہ دیتے تھے کافی النظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گویا میں حضور کو اب دیکھ رہا ہوں۔ اس تصور کو جاننے کے لئے حلیمہ شریفہ کمال طور پر بیان کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو سنایا کرتے تھے قبر میں بھی اسی تصور کا امتحان ہوگا۔ کہ آخری سوال یہ ہی ہوگا کہ تم اس کالی زلفوں والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جانتے ہو۔ اسی تصور کی کامیابی پر اس آخری امتحان کی کامیابی موقوف ہے۔

س۔ کیا تصور شیخ یا تصور رسول نماز میں بھی کرنا درست ہے۔

ج۔ شیخ کا تصور نماز میں عمدانہ لایئے کہ یہ خشوع کے خلات ہے۔ بلا مقصد آجانے پر پکڑ نہیں۔ مگر تصور رسول نماز میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ نماز حضور کی اداؤں کا نام ہے۔ جن کی اداؤں کی نقل کر رہا ہوں۔ ان کا خیال بھی ضرور رکھیئے۔ نیز حضور کا نام تشریف نماز میں آتا ہے۔ قرآن میں رسول نبی یا کہ محمد رسول اللہ وغیرہ جگہ جگہ آ رہا ہے۔ ان خیالات میں صاف طور پر نام تشریف لے کر سلام عرض کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عین نماز میں حضور کا احترام کیا ہے۔ صدیق اکبر نماز پڑھا رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ مقتدیوں نے نماز میں تالی بجا کر حضرت صدیق کو تشریف آوری کی اطلاع دی اسی وقت صدیق اکبر مقتدی ہو کر صف میں تشریف آئے اور حضور درمیان نماز سے امام ہوئے (بخاری تشریف) یہ تو تصور سے آگے بڑھ گیا۔

س۔ صوفیا مراقبہ کیوں کرتے ہیں۔ اس سے کیا فائدہ ہے؟

ج۔ مراقبہ رقبہ سے بنا یعنی گردن جھکانا۔ چونکہ مراقبہ میں گردن جھکائی جاتی ہے

لہذا اسے مراقبہ کہتے ہیں۔ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو سوچنا اور غور کرنا صورتیا کے نزدیک ایک ساعت کی فکر ایک سال کے اس ذکر سے افضل ہے جو بغیر فکر کے ہو۔ انسان غور و فکر کے وقت سر جھکا لیا کرتا ہے۔ گویا مومن سر جھکا کر رب کی کسی خاص صفت کو سوچتا ہے۔ اس سوچنے کا حکم قرآن پاک میں بھی ہے۔ اَقْسَلًا

يَتَذَكَّرُونَ هَذَا الْقُرْآنَ يَا آدَمُ يَتَفَكَّرُونَ فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
دوسرے یہ کہ قلب میں بھی ایک نور ہے اور دماغ میں بھی نور حبیب دماغ کی فکر کو قلب سے لگایا گیا۔ نور و نور مل کر نور علی نور ہوا۔ جس سے قلب دماغ دونوں میں صفائی پیدا ہوئی۔ قلب کے نور نے دماغ کی اور دماغ کے نور نے قلب کی روشنی زیادہ کی۔ کچھ عرصہ بعد اس مراقبہ میں شیخ سلسلے عالم کو ملکہ خالق عالم کے نور کو پایا ہے۔ مسموم و الے نگا جمانے کی مشق کر لیتے ہیں تو ان کی نگاہ میں عجیب تاثریں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو جودل پر خیال جملے وہ کتنی قوتوں کا مالک ہوگا۔ انہی قوتوں کا ذکر تصدیقہ غوثیہ میں فرمایا گیا ہے۔

س۔ قرآن کریم نے راسخین فی العلم کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ راسخین کون لوگ ہیں اور انہیں راسخین کیوں کہا جاتا ہے۔

ج۔ راسخین فی العلم وہ علماء ہیں جنہیں نصوٹ کا بھی حصہ ملا ہو۔ راسخ وہ درخت ہے جس کی رگیں بہت سی زمین میں پھیلی ہوں اور وہ مضبوطی سے گراھا ہو۔ پودا اگرچہ زمین پر کھڑا ہو مگر راسخ نہیں۔ اسی طرح علم کی تین جگہ ہیں۔ دل۔ دماغ۔ زبان۔ زبان سے علم کا بیان دل سے معرفت دماغ سے حفظ ہوتا ہے۔ تیز راسخ دوکان وہ ہے جس میں ترازو اور باٹ ہوں کہ جو کچھ دوکان میں آدے تل کر آدے۔ جو جاوے وزن ہو کر جاوے۔ ایسے ہی راسخ عالم وہ ہے جو اپنے ہر عمل کو علم نہر بعیت سے تول کر کرے۔ یا راسخ عالم وہ ہے جسے علم کے ساتھ عشق بھی ہو۔ یہ ہی عشق والا علم معرفت الہی کا ذریعہ ہے۔ اسی کی رب نے تعریف فرمائی ہے بے عشق کا علم حجاب ہے۔ العلم حجاب اکبر بھی کہا گیا

ہے کہ بے علم نغواں قرار نشا خت۔ رب نے کہیں فرمایا اِنَّمَا بَجَشْتِي اللّٰهُ
مِنْ عِبَادِكِ الْعُلَمَاءِ اور کہیں فرمایا دَا ضَاكُهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمِهِ۔

نوٹ: الحمد للہ کہ تصور شیخ کا مضمون لکھنے کے بعد حضرت قاری صوفی غلام تہی
صاحب للہ شریف والوں سے میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے خود تذکرہ فرمایا کہ
اولاً تصور شیخ میں میرا یہ حال ہوا کہ مجھ کو نماز میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں
اپنے شیخ کی پیشانی پر سجدہ کر رہا ہوں۔ کچھ روز بعد وہ شکل شیخ۔ جمال
مصطفیٰ معلوم ہونے لگی۔ پھر ترقی ہوئی۔ تو ہر طرف نور الہی جلوہ گر نظر
آنے لگا۔ اب بھی مجھے اپنی آنکھوں اور پیشانی میں لفظ اللہ محسوس ہوتا ہے۔
الحمد للہ ایک صاحب حال شیخ الوقت کے بیان سے میرے اس قال کی
تصدیق ہو گئی۔ رب تعالیٰ اپنے پیاروں کے طفیل مجھ کو یہ گناہ گار کو یہ حال
نصیب کرے۔ آمین !

س۔ بعض صوفیاء دنیا کو بُرا کیوں جانتے ہیں۔ اگر دنیا بُری چیز ہے تو رب نے
پیدا کیوں فرمائی اور بعض مشائخ دنیا میں مشغول ہونے میں اس کی کیا وجہ ہے؟
ج۔ ان کی اصطلاح میں دنیا وہ ہے جو رب سے غافل کر دے۔ دنیا کاری کی غار
دنیا ہے اور رب کی رضا کے لئے تجارت کرنا بھی دین۔ اس کا رویا کو
جنہوں نے غفلت کا باعث سمجھا وہ علیحدہ رہے۔

جنہوں نے اسے اختیار کیا وہ اس میں پھنسے نہیں ان کے لیے یہ دنیا تہی۔
س۔ دنیا کو دنیا کیوں کہتے ہیں۔ اس کے معنی کیا ہیں؟
ج۔ یہ لفظ یاد نو سے بنا ہے بمعنی قرب۔ چونکہ دنیا قریب الفنا ہے لہذا
دنیا سے یاد ناء کا بنا۔ بمعنی ذلت و خواری۔ چونکہ یہ حقیر و ذلیل ہے لہذا
دنیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ دنیا صفر کی طرح خالی ہے۔ صفر اگر اکیلا ہو تو خالی ہے
لیکن اگر کسی عدد سے مل جاوے تو اسے دس گنا کر دیتا ہے ایک کو دس اور
دس کو سو بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی دنیا صفر آخرت عدد ہے جب آخرت سے

ملے تو اسے دس گنا کر دے گی۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ مِّثَالِهَا۔
مگر خیال رہے کہ اگر صفر مقتدی کی طرح عدد کی داہنی طرف ہے تو دس گنا کرتا
ہے۔ لیکن اگر نام بن کر بائیں طرف رہے تو پھر خالی۔ ایسے ہی اگر آخرت
مقصود ہو اور دنیا نایع تو ہمارے ہے۔ اور اگر دنیا مقصود بن گئی تو بے کار۔

س۔ پھر دنیاوی احکام میں فرق کیوں ہے؟

ج۔ اس لئے کہ صفر عدد کو دس گنا کرتا ہے جیسا عدد و لسی اس کی زیادتی۔
ہزار کو دس ہزار اور لاکھ کو دس لاکھ بناتا ہے۔ جن حضرات کی آخرت بڑے
عدد کی طرح اہم بالشان ہے ان کی دنیا بھی اعلیٰ۔ جن کی آخرت معمولی ان کی
دنیا بھی معمولی۔ انبیاء کرام کی دنیا ہماری دنیا سے اعلیٰ کیوں کہ ان کی آخرت اعلیٰ ہے

س۔ دنیا فانی اور آخرت باقی کیوں ہے دونوں کا خالق ہی وہی ہے مخلوق زن کیوں

ج۔ اکثر دنیا میں ہمارے کسب کو دخل ہے اور ہم تو فانی۔ لہذا ہمارے کسب بھی

فانی۔ آخرت کی چیزیں ہمارے کسب سے نہیں۔ براہ راست رب سے تعلق

رکھتی ہیں۔ لہذا باقی جیسے گیس اور سوچ کے نور۔ لیکن اگر دنیا سے دین کو ملا دو

تو پھر انشاء اللہ یہ بھی فنا سے محفوظ رہے گی۔ پتہ جڑ سے لگا رہے خشک نہ

ہوگا۔ لیکن علیحدہ ہو کر فوراً سوکھ جائے گا۔ سمندر کا قطرہ سمندر میں رہ کر

نہیں بگڑتا لیکن علیحدہ ہو کر جلد بگڑ جائے گا۔ بگڑنے والے پھل شکر کے

قوام میں رکھ دیئے جائیں تو عرصہ تک نہیں بگڑتے۔ بعض چیزوں میں مصالحو

لگا دیا جائے تو باقی رہتی ہیں۔ اسی طرح نفسانی چیزیں قلبی نور سے مل کر

باقی ہو جاتے ہیں۔ جیسے مقبول اعمال مَا عِنْدَكُمْ يُنْفَدُ وَمَا عِنْدَ

اَعْلَانِ بِنَاقِ

عقائدِ اسلامیہ

س۔ صحیح عقائد کو ایمان کیوں کہتے ہیں۔ ایمان کے معنی کیا ہیں ؟
 ح۔ ایمان امن سے بنا ہے بمعنی سلامتی۔ چونکہ درستی عقائدِ آخرت کے عذاب سے امن میں رہنے کا ذریعہ ہیں۔ لہذا ان کا نام ایمان ہوا۔ بندہ اس معنی سے مومن ہے کہ وہ اپنے کو عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ رب یا بن معنی مومن ہے کہ وہ نیک بندوں کو عذاب سے بچاتا ہے۔

س۔ کافر کو مسلمان کرتے وقت کلمہ کیوں پڑھاتے ہیں۔ عیسائیوں کی طرح بپتسمہ یا آریوں کی طرح کوئی چیز کھلانے کیوں نہیں ؟

ح۔ ایمان علم ہے اور عبادات عمل۔ علم کا درجہ عمل سے پہلے ہے۔ ایمان اللہ رسول کو ماننا ہے۔ عبادات ان کی اطاعت کرنا ہے۔ ماننا اطاعت سے مقدم ہے۔ پہلی تبلیغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے اولاً یہ ہی سوال فرمایا۔ کہ کَيْفَ اَنَا فِيكُمْ بناؤ میں تم میں کیسا ہوں۔ معلوم ہوا کہ معرفت اللہ و رسول مقدم ہے۔ اعمال دنیا میں ہی رہ جاتے ہیں۔ مگر ایمان ساتھ جاتا ہے۔ جنت میں عمل نہ ہوگا۔ مگر ایمان ہوگا۔

س۔ کلمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کو رب کے نام کے ساتھ کیوں ملا یا گیا ہے ؟

ح۔ کیونکہ حضور کو رب سے قریب ہے۔ لہذا ان کے نام کو رب کے نام سے قریب رکھا گیا۔ دیکھو محمد میں چار حروف ہیں۔ چاروں بے نقطہ ایک پر تشدید ہے اس طرح اللہ میں چار حروف ہیں سب بے نقطہ ایک پر تشدید۔ مگر شد پر کھڑا زبر معلوم ہوا کہ رب شمشاد ہے اور حضور ذریرا عظم۔ پھر لا الہ الا اللہ میں بارہ حروف ہیں اسی طرح محمد رسول اللہ میں بارہ۔ ابو بکر الصدیق اور عمر بن الخطاب اور عثمان ابن عفان۔ علی ابن ابی طالب ان سب ناموں کے بارہ حروف ہیں۔

پھر رب کا نام حامد۔ حضور کا نام محمد محبوب کا نام شریف احمد رب کا نام پاک محمود
یعنی رب ان کا حامد وہ رب کے۔

س۔ عیسیٰ علیہ السلام چونکے آسمان پر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرشتہ پر جلوہ
افروزہ ثابت ہوا کہ زیادہ قرب الہی عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے۔
ح۔ صرف اوپر نیچے ہوتے پر افضلیت کا مدار نہیں۔ موتی سمندر میں بیچے رہتا
ہے اور حباب اوپر۔ اشرف المخلوقات انسان زمین پر رہتا ہے اور چاند تارے
سورج آسمان پر۔ آسمان زمین پر ہوتا ہے چڑیاں اونچے درختوں پر۔ عیسیٰ علیہ السلام
کا چونکے آسمان پر جانا دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے ہے اور معراج میں حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عرش پر جانا مہمانی کے طور پر یہ معراج طور اور چہام آسمان
سب سے افضل ہے۔ حضور کے معجزات بے شمار اور قرب الہی بے حد ہے۔

س۔ جب عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو نبی ہوں گے یا نہیں۔ اگر
نبی ہوں گے تو حضور خاتم النبیین نہ رہے اور اگر نبوت سے معزول ہو کر آئیں گے
تو یہ ان کی شان کے خلاف ہے رب کسی کو نبوت سے معزول نہیں کرتا۔

ح۔ نبی کا تعلق رب تعالیٰ سے فیض حاصل کرنے کا یہ نبوت کا لبطن ہے اور خلق
سے تعلق ہے فیض دینے کا مطلب یہ ہے نبوت کا ظہور۔ پہلا وصف نسخ کے
قابل نہیں اور دوسرا وصف قابل نسخ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نزول کے وقت قرب
الہی اور درجہ کے لحاظ سے نبی ہوں گے۔ مگر ظہور کی حیثیت سے مسلمانوں کے دلی
ہوں گے۔ موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام سے ملنے گئے تو نبی ہی تھے۔ مگر
وہاں اپنے احکام جاری نہ فرما سکے۔ شب معراج میں سائے نبی حضور کے پیچھے
نماز میں موجود تھے۔ مگر اجراء احکام کے لئے نہیں۔ ایک کچھری کا بیج دوسرے شہر
کی عدالت میں گواہ بن کر پیش ہو تو وہ اپنی جگہ بیج ہے مگر یہاں اس وقت گواہ
کی حیثیت سے ہے۔ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کسی کو نبوت
نہ ملے۔ عیسیٰ علیہ السلام پہلے کے نبی ہیں آخری بیٹا وہ جس کے بعد کوئی بیٹا پیدا

زکہ پہلی اولاد سب مر جاوے۔ بتی کی وفات سے اور نبی کا دین منسوخ ہونے سے ظہور نبوت نہیں رہتا۔ ان کی نبوت ویسے ہی قائم رہتی ہے اس لئے ہم سب پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر سب کے احکام پر عمل نہیں کرنے۔

س۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ پھر انہیں افضل الانبیاء کیوں کہا جاتا ہے ؟

ج۔ بشر بشرہ سے بنا۔ بمعنی ظاہری کھالی۔ بشر بمعنی ظاہر کھال والا۔ انسان کے سوا کسی کی ظاہری کھال ظاہر نہیں۔ کسی کی کھال پردوں سے کسی کی بالوں سے چھپی ہے۔ سانپ کی کھال بھی کینچلی سے چھپی۔ نیز اس کی پشت ظاہر اور سر پیٹ زمین سے متصل۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری چہرے ہرے میں ہماری طرح محسوس ہوتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن اور دیگر دنیاوی کتابیں کہ کاغذ لکھائی چھپائی میں یکساں معلوم ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت میں بہت فرق ہے۔

ایسے ہی حضور صاحبِ وحی صاحبِ معراج صاحبِ درود ہیں۔ لہذا بڑا فرق ہے۔ خود فرماتے ہیں اَیُّکُمْ مِثْلِي يُطْعَمُنِي رَبِّي وَيَسْقِيُنِي ثُمَّ يَمُّ جِيسَا كُونُ هُوَ بِمِثْلِ رَبِّ كَهْلَانَا بِلَانَا هُوَ۔ جیسے ناطق نے انسان کو تمام مخلوق سے اعلیٰ کر دیا۔ ایسے ہی یوحی الٰہی کی صفت سے حضور سارے انسانوں سے افضل ہوئے۔

س۔ حضور کو اُمّی کیوں کہتے ہیں ؟

ج۔ یہ لفظ یا تو ام القریٰ سے بنا جس میں مکہ معظمہ کی طرف نسبت ہے یعنی مکہ والے رسول مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ تمام زمین کی اصل ہے۔ کیونکہ وہاں سے ہی زمین پھیلی۔ یا اُمّی کے معنی ہیں مالِ دالے۔ حضور کی جیسی والدہ کسی کی نہیں۔ اسی لئے ان کا نام آنتہ ہوا یعنی دنیا کو امن دینے والی یا اللہ کی امانت دار بی بی۔ دالی کا نام پاکِ علیمہ یعنی علم والی بی بی۔ رحمتِ عالم کے نسکم پاک میں علم والی کا دودھ شرافت ہی

جانا چاہیے۔ یا امی کے معنی ہے والدہ والی کے نسب سے عالم یعنی مادر زاد علم والے دنیا میں کسی کے ثنا گرد نہیں۔ اسی لئے جو شخص علم الٰہی رکھے اسے آپ بھی امی کہہ دیتے ہیں یعنی جس حال میں نسب مادر سے پیدا ہوئے اسی حال میں رہے یا امی کے معنی ہیں اصل عالم کی ام یعنی اصل چونکہ نور پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی اصل ہے لہذا حضور کا اسم شریف امی ہوا۔

س۔ حضور کے والدین مومن تھے یا نہیں۔

ج۔ آدم علیہ السلام سے حضرت عبداللہ تک حضور کے سلسلہ نسب میں کوئی مشرک نہیں۔ سارے آباؤ اہمات موحّد گزرتے۔ رب فرماتا ہے۔ وَ تَقْلُبُكَ فِي السُّلْبِ بَيْنَ اَعْلَىٰ مَوْتَىٰ فَمِيتَىٰ ذِبِّہِ مِیْنِ رِکْحَا جَا تَا ہِے۔ نور محمدی اعلیٰ چیز تھی۔ اس کے لئے پاک پیڑھے طاہر ہیٹ لازم ہیں۔

س۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد آزریت پرست تھے۔ حالانکہ وہ بھی حضور کے نسب میں شامل ہیں رب فرماتا ہے لِاِیْسِیَہِ اٰذْمَا

ج۔ آذر ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں والد نہیں۔ ان کے والد تاریخ میں جو مومن موحّد تھے۔ عربی میں چچا کو اب یعنی باپ کہہ دیا جاتا ہے۔ رب نے فرمایا۔ وَاٰیٰتُکَ اٰبْرَہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ رِکْحِیْوَا سَمِعِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں۔ مگر انہیں آیا میں داخل کیا گیا۔ ایسے ہی یہاں ہے۔

س۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے آمنہ خاتون کی قبر کی زیارت کی اجازت رب سے چاہی دیدی گئی۔ مگر دعا مغفرت کرنا چاہی تو اس سے روک دیا گیا۔ اگر وہ مومنہ تھیں تو ان کے لئے دعا مغفرت سے کیوں روکا گیا ہے

ج۔ اس لیے کہ وہ بے گناہ تھیں۔ دعا مغفرت گناہ کے لئے ہوتی ہے دیکھو بچہ کی نماز جنازہ میں میت کو دعائیں کہتے کیونکہ وہ بے گناہ ہے اگر وہ مومنہ نہ ہوتیں تو ان کی زیارت قبر بھی منع ہوتی۔ رب فرماتا ہے وَلَا تَقْرُبُوا عَلٰی الْقُبْرِ

وہ گنہ گار ہوتی بھی کیسے گناہ وہ کر سکتا ہے جو شرعی حکم پائے اور مخالفت کرے
وہ تو اسلام کے ظہور سے پہلے وفات پا گئیں۔ ان کا نام ان کے ایمان کا پتہ
دیتا ہے۔ آمنہ ایمان والی یا امن دینے والی یا امانت الہی رکھنے والی بی بی رضی اللہ عنہا
س۔ حضور عالیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا اِنِّیْ وَ اِیَّتَاکَ فِی النَّارِ نِیْرَا
اور ہیرا پاپ آگ میں ہیں مگر حضرت عبداللہ مومن اور بے گناہ تھے۔ تو آگ میں کیوں

ج۔ یہاں اپنی سے مراد حضور کے چچا ہیں۔ عربی میں چچا کو اب کہا جاتا ہے۔

س۔ حضرت آمنہ خاتون عبداللہ کس نبی کے دین پر تھے عیسائی تھے یا یہودی ؟

ج۔ وہ صرف موحد مومن تھے۔ ان میں سے کسی پیغمبر کے دین پر نہ تھے۔ دوجہ سے۔

ایک یہ کہ وہ دونوں رسول بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے خود فرماتے ہیں ورسولا الی
بنی اسرائیل اور والدین پاک دونوں بنی اسرائیل تھے۔ دوسرے اس لئے کہ عیسائیت

و یہودیت اس وقت اپنے اصلی رنگ میں نہ رہے تھے۔ تورات و انجیل میں بہت

تبدیلی ہو گئی تھی۔ ان پیغمبروں کی تعلیمات مٹ گئی تھیں اس مٹی ہوئی تعلیم کا ماتا
لازم نہ تھا۔ ایسے لوگوں کے لئے صرف توحید کا عقیدہ کافی تھا۔ انہیں کو

اصحابِ فترہ کہتے ہیں۔

س۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بھی کہتے ہیں۔ رسول بھی اور امی بھی۔ ان تینوں

معنی میں کیا فرق ہے۔ یہ الفاظ حضور پر کیونکر صادق آتے ہیں ؟

ج۔ حکومت کے محکمہ بنے ہوتے ہیں۔ داخلی جو اندرون سلطنت کا کام کرے۔

جیسے پولیس چوکنگی وغیرہ۔ خارجی محکمہ جو سلطنت کے باہر عمل کرے۔ جیسے

فوج کا محکمہ۔ وہ محکمہ جو خارج و داخل سے تعلق رکھے جیسے ریل و ڈاک خانہ اندرون

ملک کی خبریں اور چیزیں یاہر اور یاہر کی اندر لانا اور لے جانا ہے۔ اسی طرح

حکومت ریائی کے محکمے ہیں کہ بعض ملائکہ فرشتوں کے منتظم ہیں اور بعض عالم بالا

کے ان دونوں محکموں میں تعلق پیدا کرنے والے انبیاء کرام ہیں کہ رب کے احکام

مخلوق تک لٹاتے ہیں اور مخلوق کی عرض و معروض وغیرہ رب تک پہنچاتے ہیں معاصی

کی معافی کراتے ہیں۔ لہذا وہ حضرات چونکہ بندوں کی خبریں اعمال رب تک پہنچا دیں لہذا وہ رسول ہیں۔ رَبِّكَرُنَ الرَّسُولُ هَلْ يَكْفُرُ شَهِيدًا پھر جیسے ڈاک خانہ تار کی خبریں جلد اور خط کی خبریں دیر سے پہنچاتا ہے۔ ایسے ہی انبیاء کی معرفت سے بعض بندے جلد اور بعض دیر سے رب تک پہنچتے ہیں۔ پھر دیگر انبیاء دنیا میں نشر لیتا لاکر نبی ہوئے اور ہم اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی ہو کر نشر لیتے۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَاَدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطَّيْنِ - لہذا حضور علیہ السلام امی نبی یعنی مادر زاد نبی ہیں۔

س۔ حضور نے جو فرمایا كُنْتُ نَبِيًّا وَاَدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطَّيْنِ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ میں علم الہی میں نبی تھا۔ جبکہ آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ تو اس معنی سے سارے پیغمبر اس وقت نبی تھے۔ اور اگر معنی یہ ہیں کہ میں واقعہ میں نبی تھا تو یہ ناممکن ہے۔ نبوت تو دنیا میں ہے وہاں کیسی ہے نیز نبی انسان ہوتا ہے اور انسان کے لئے یہ جسم ضروری ہے۔ پھر اس وقت نبوت کیسی ہے

ج۔ روح پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عالم اذواح میں سارے عالم کی فی الواقع نبی تھی۔ اس وقت حضور کی روح مبارک اذواح انبیاء کی تربیت فرما رہی تھی۔ سارے انبیاء حضور سے ہی فیض لے کر اس عالم اجسام میں نبی ہوئے بلکہ ان کے ظہور نبوت کے بعد بھی روح پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض آتا رہا۔ جیسے تاروں میں آفتاب کا نور آتا ہے۔ اس لئے آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی سنانِ خرش پر لکھا پایا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ آئینہ جنت میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ ہی کی نبوت کا ظہور ہوگا۔ سارے جنتی حضور ہی کا کلمہ پڑھیں گے اور حذبت کی ہر چیز پر حضور کا نام لکھا ہوا ہے شبِ معراج میں حضور علیہ السلام ہی انبیاء کے امام ہوئے بشریت وغیرہ اس دنیا میں

نبوت کے لئے ضروری ہیں۔ بشریت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی۔
مضور کی نبوت ان سے بھی پہلے ہے۔ جسم میں آدم السلام حضور کی اصل
ہیں اور حقیقت میں حضور آدم علیہ السلام کی اصل ظاہر میں درخت پھل کی اصل
ہے۔ مگر حقیقت میں پھل درخت کی کہ درخت اسی کی خاطر لگایا گیا۔

س۔ عالم ارواح میں نبوت کی ضرورت کیا تھی۔ وہاں روزہ نماز فرض ہی
نہ تھا۔ انہی احکام کے لئے نبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ج۔ ہر مقام اور ہر قوم کے احکام جدا گانہ ہیں۔ اس عالم میں ارواح کے لئے
بھی احکام تھے مگر وہ احکام ان احکام سے جدا گانہ تھے اَلَسْتُ بِدَبِّكُم
کے جواب میں سب سے نبی حضور ہی نے کہا وایا تھا۔ دیکھو مدارج وغیرہ
یہاں بھی حضور علیہ السلام ہر مخلوق کے نبی ہیں۔ مگر روزہ نماز صرف انسانوں
کے لئے ہے۔ درخت وغیرہ پر یہ احکام جاری نہیں انسانوں میں بھی ایسے
دقیقہ جدا گانہ احکام ہیں۔ مگر حضور نبی سب کے ہیں۔ جنت میں حضور سب
کے نبی ہوں گے مگر احکام جدا گانہ ہوں گے غرض وہاں بھی نبوت کی ضرورت
سب کو تھی۔ کبھی رب کا فریض حضور کے بغیر واسطہ کسی کو نہیں ملتا۔

س۔ نبی اور امتی دونوں ہی اسلام کے جہاز میں سوار ہیں تو یہ فرق کیوں ہے؟
ج۔ جہاز کا کپتان اور سواریاں سب ہی ایک جہاز میں سوار ہیں مگر سواریاں تیار
اترنے کے لئے سوار ہیں اور کپتان سب کو پار اترنے کے لئے۔ اسی لئے
سواریاں کو ایسے کر سوار ہوتی ہیں مگر کپتان تنخواہ لے کر۔ ہماری تمسازیں
روزے نجات پانے کے لئے ہیں۔ حضور کی عبادات ہم کو نجات دلانے کے
لئے تاکہ ان کو عبادت کرتے دیکھیں۔ ہم بھی ایسے ہی کریں ورنہ وہ تو پہلے ہی
منقول بارگاہ الہی ہیں۔

س۔ قیامت کے دن ابدیاء کرام کے اعمال میزان میں تو لے جائیں گے یا نہیں؟
ج۔ نہیں۔ وزن اعمال صرف ان لوگوں کا ہوگا۔ جس کے پاس سیکیاں بیدیاں

دونوں ہوں گی۔ کیونکہ وہاں باطل سے وزن نہ ہوگا۔ بلکہ اعمالِ بد کا اعمالِ نیک سے اس لئے کفار کے بارے میں قرآن فرماتا ہے وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنَ يَأْكُفُّ كُفْرًا كَمَا لَمْ يُؤْمِرُوا بِهِ لَوْلَا إِذْ يَخْتَصِمُونَ لَآتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِ هَذَا وَلَآ يُفْتِنُوا بِهِمْ فَلَا تُفْسِدُوا لَهُمْ أَسْمَاءَهُمْ الَّتِي بَدَلُوا لِنَفْسِهِمْ إِنَّهُمْ كَانَ يُغْفَرُ لَهُمْ فَمَنْ يَتَذَكَّرْ فَلْيَذَكَّرْ عَلَيْهِمْ وَلَا يَأْسَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْعَدْلِ وَالْإِيمَانِ أَنْ يَأْمُرُوا بِالْعَدْلِ وَالْإِيمَانِ ذَلِكَ بِمَنْ يَأْسَ مِنْكُمْ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ نَجسًا فَمَنْ يَتَذَكَّرْ فَلْيَذَكَّرْ عَلَيْهِمْ وَلَا يَأْسَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْعَدْلِ وَالْإِيمَانِ أَنْ يَأْمُرُوا بِالْعَدْلِ وَالْإِيمَانِ ذَلِكَ بِمَنْ يَأْسَ مِنْكُمْ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ نَجسًا

نیکیاں ندادہ ہیں۔ نیز انبیاءِ کرام کے اعمال ایسے ذرئی ہیں جنہیں کوئی ترازو نہیں تول سکتا۔ جیسے دنیا کی ترازو زمین و آسمان نہیں تول سکتی۔ ایسے کا خانہ قدرت میں ایسی ترازو بنی ہی نہیں جو نبی کی نیکیاں تولے بعض گناہگاروں کے ذمہ گناہ ایک کلمہ طیبہ سے تو لاجاؤے گا۔ تو کلمہ ذرئی ہوگا۔ اس کے ذمہ لگے۔ کیونکہ وہ اس گناہ کے کام ہیں۔ یہ مصطفیٰ پاک کا پیارا نام ان کا ایک مسجد کو نہیں کی ساری عبادت سے ذرئی ہے۔

س۔ نبی کی توہین کفر کیوں ہے؟

ج۔ اس لئے کہ اس میں رب کے کلام کی تردید ہے اور شیطان کی تائید۔ رب ان کی تعریف فرماتا ہے نِعْمَ الْعَبْدُ۔ یہ بندہ کہتا ہے کہ نہیں وہ بڑے تھے اچھے نہ تھے۔ نبی کی لعنت کلامِ ربانی کی تائید ہے اور ان کی توہین، رب کی تردید۔

س۔ نبی کی ہر چیز کی توہین کفر کیوں ہے چاہے کہ صرف تبلیغی امور کا انکار کفر ہو۔

ج۔ اسی لئے کہ رب نے ان کی مطلق تعریف فرمائی کہ نِعْمَ الْعَبْدُ وہ ہمارے اچھے بندے ہیں اور ظاہر ہے کہ بندہ ہر حال میں ہر وقت کے ساتھ بند ہے جب انہیں بندہ فرما کر اچھا کہا تو گویا ان کے سونے جاگنے چلنے پھرنے ہر حال کی تعریف ہوتی۔ اب جو ان کے کسی حالت کی توہین کرے رب کی تردید کرتا ہے

س۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پانی وہ جو مجھ سے بنی امویں نے عرفین کیا ہیں بے کھا دو ان پر عذاب کیا

ج۔ موسیٰ علیہ السلام نے شوقِ طغیان اور اشتیاقِ دیدار میں یہ کہا تھا۔ نبی نے عناد اور موسیٰ علیہ السلام پر بے اعتمادی کی وجہ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ کما تَحَا كُنْ تَوْحِينَ لَكَ حَتَّى تَشْرَىٰ اِلٰهًا بِغَيْرِ رِبِّكَ رِبِّيْكَ اَبِيْكَ كَيْفَ تَكْفُرُ

مانیں گے اور نبی پر بے اعتقادی کفر ہے۔

س۔ رب نے مسلمانوں کو امتِ وسط یعنی درمیانی امت فرمایا حالانکہ یہ آخری امت ہے۔

ج۔ یہاں درمیانی سے زمانہ کے اعتبار سے درمیانی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ

دین موسوی میں بہت سختی تھی۔ دین عیسوی میں بہت نرمی۔ دین محمدی میں

درمیانی حالت لہذا وسط ہے۔ یا وسط سے افضل مراد ہے۔ افضل چیز درمیان میں

ہوتی ہے۔ امام صفت کے بیچ میں بڑا موتی ہار کے بیچ میں۔ دل حسم کے بیچ

میں۔ مکہ شریف آباد زمین کے بیچ میں۔ لشکر کا جرنیل لشکر کے بیچ میں۔ محراب

مسجد کے بیچ میں۔ کمی کناروں میں ہوتی ہے۔ بیچ بھر پور ہوتا ہے یا اس لئے

وسط کہا کہ درمیانی چیز پر پب کا در و مدار ہوتا ہے۔ مرکز دائرہ کا کیل

چکی کے پیٹھ کا دہرہ پیٹھ کا ترازو کی لسان ساری ترازو کا موقوف علیہ ہے۔

چونکہ مسلمان سارے عالم کے بقا کا ذریعہ ہیں کہ ان کے فنا ہوتے ہی

دنیا فنا ہے۔ لہذا یہ بیچ کی امت ہے۔

س۔ قرآن کو قرآن اور فرقان کیوں کہتے ہیں ؟

ج۔ قرآن کے معنی ہیں ملانے والا۔ انسان غذا۔ زبان۔ لباس۔ شکل۔

دصورت میں جدا گانہ تھا۔ مگر قرآن نے سب کو ملا کر مسلمان بنا دیا۔ جسے مختلف

پھولوں کے رس شہد کی مکھی کی وجہ سے ایک شہد ہو گئے۔ لہذا یہ قرآن

ہے۔ پھر قرآن سے پہلے مومن دکافر صدیق و زندقہ یکساں معلوم ہوتے

تھے۔ قرآن نے ان میں فرق دکھایا۔ جیسے بارش سے پہلے ساری زمین

یکساں معلوم ہوتی تھی۔ خبر نہ تھی کہ مالک نے کس جگہ کیا یویا ہے بارش

کے آنے ہی پودے اُگے۔ جس سے اندر دنی تخم کا پتہ چل گیا۔ لہذا

یہ فرق ہے۔

س۔ جمع قرآن کے لئے عثمان کو کیوں منتخب کیا گیا۔ عثمان جامع قرآن

کیوں ہوئے ؟

حج : اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے
 بائیں ہاتھ شریف کو فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ اور حضور کا ہاتھ رب
 کا دست قدرت بید اللہ فوق ایدیہم اس واسطے سے عثمان کا
 ہاتھ بید اللہ ہوا۔ تو کتاب اللہ کے جمع کرنے کے لئے یہ اللہ ہی چاہیے تھا

س۔ قرآن شریف کی توہین کو فقہانے کفر کیوں لکھا ہے ؟

حج۔ اس لئے کہ حکومت کی کسی چیز کی توہین حکومت کی توہین ہے۔
 عدالت میں حاکم کے سامنے اونچی آواز سے بولنا جرم ہے کہ یہ توہین عدالت
 ہے اور توہین عدالت حکومت کی اہانت ہے۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی بت پرستی دیکھ کر توریت شپک دی۔
 حالانکہ اس کی تختیاں تخریب رب کی طرف سے تھیں۔ جب وہ کفر نہ ہوئی
 تو موجودہ قرآن کا نسخہ جس کا کاغذ دشنامی تخریب بندے کی ہے
 اس کی توہین کفر کیوں ہے ؟

حج۔ کتاب الہی کے گرانے کی تین صورتیں ہیں۔ غلطی سے گرجائے جس سے
 کتاب اللہ ہاتھ سے گرا دی جائے۔ خود کتاب اللہ کی اہانت مقصود ہو اس
 لئے پھینکا جائے۔ پہلی صورت گناہ بھی نہیں۔ دوسری صورت خطا یا
 گناہ ہے۔ مگر کفر نہیں۔ تیسری صورت کفر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے
 تختیاں یا تو بلا قصد گر گئیں۔ کہ قوم پر اللہ کے لئے غصہ آیا۔ جسم شریف
 میں رعنہ پیدا ہوا تختیاں گر گئیں۔ یا یہ ہوا کہ قوم پر غصہ آیا غصہ کے
 جوش میں تختیاں گرا دیں۔ خطا ہوئی جس کی رب سے معافی چاہی :

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَكَافِرِيْهِمْ غَرْبِيْكَ وَهٰلَا تُوْرِيْتِ شَرِيْفِ كِي تُوْهِنِ مَقْصُوْدَهٗ تَهِي
 س۔ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کی داڑھی پکڑی جس میں اڑھی
 کی بھی جرسنت انبیاء ہے توہین ہے اور ایک پیغمبر کی بھی اہانت یہ دونوں
 کفر ہیں اور چونکہ کہ معنی آپ نے بلا وجہ کی۔ لہذا قصاص دینا چاہیے

کہ یہ حقوق العباد ہے۔

حج۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کے یہ افعال کفر تو کیا غلطی و خطا بھی ہوتے تو ان پر عتاب الہی آجاتا۔ جیسے آدم علیہ السلام کو گندم کھانے کی وجہ سے ہوا۔ ہارون علیہ السلام عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے مگر درجہ میں موسیٰ علیہ السلام اعلیٰ کہ آپ سلطان تھے اور حضرت ہارون وزیر۔ موسیٰ علیہ السلام سے خط اجتہادی ہوئی۔ وہ سمجھے کہ ہارون علیہ السلام نے قوم کو شرک سے روکنے میں کوتاہی کی۔ لہذا عتاب فرمایا۔ حقیقت حال دریافت ہونے پر دعادی خطا اجتہادی معاف ہے۔ اگر حاکم غلطی سے کسی کو سزا دے تو معاف ہے حج اپنے بلزم باپ کو سزا دے سکتا ہے۔ غرضکہ یہ توہین نہ تھی۔ تادیب تھی۔ جو خطا اجتہادی سے واقع ہوئی۔

س۔ قرآن فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے پرندے بنا کر پھونک سے زندہ کر دیا کرتے تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مٹی میں جان کیسے پڑ سکتی ہے؟

حج۔ دن رات مٹی میں جان پڑتی رہتی ہے۔ سر میں گرد و غبار پڑی جمع ہو کر زندہ جوں ہو گئی۔ چار پانی میں مٹی میل جمع ہوا۔ جان دار کھٹمل بن گیا۔ بارش مٹی میں گری۔ وہ مٹی ہزار ہا مینڈکوں اور پروانوں کی شکل میں نمودار ہو گئی۔ اگر آپ کی پھونک سے بھی مٹی میں جان پڑے تو کیا حرج ہے۔ آپ کا نام ہی روح اللہ ہے۔

س۔ عیسیٰ علیہ السلام پھونک سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ یہ بھی ناممکن سی بات ہے۔ نکلی ہوئی روح پھونک سے کیسے واپس آ سکتی ہے؟

حج۔ یہ بھی محال نہیں۔ بعض سانپوں کی پھونک سے آدمی کی روح نکل جاتی ہے۔ جب سانپ کی سانس جان نکال سکتی ہے تو روح اللہ

کی سائنس جان ڈال سکتی ہے۔ صور کے ذریعہ امر افسل علیہ السلام کی سائنس تمام عالم کو زندہ کرے گی۔

س۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرب قیامت جب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ تو ان کی سائنس سے کافر میں گے عجیب بات ہے۔ کہ پہلے آپ کی سائنس سے مردے جلتے تھے۔

ج۔ آنکہ داند و خت اوداند درید۔ جو سینا جاتا ہے وہ ادھیڑنا بھی جاتا ہے۔ موت زندگی رب کی طرف سے ہے یہ سائنس شریف ذریعہ ہے وہ جس وقت چاہے کام لے لے۔ امر افسل علیہ السلام کی سبلی پھونک سے زندہ کریں گے۔ پھر دوسری پھونک سے سب مردے زندہ ہوں گے۔

س۔ قرآن سے لوگ گمراہ کیوں ہو جاتے ہیں۔ وہ ہادی ہے۔ ہادی سے گمراہی کیسی؟

ج۔ ایک ہی بار مونیم کا ایک پردہ دیا تو موٹی اور بھاری آواز نکلتی ہے دوسرا دیا تو سرتلی اور باریک آواز دیتا ہے۔ حالانکہ ہوا ایک ہی جاتی ہے۔ انسان کے قلب و دماغ میں رحمانی پردے بھی ہیں شیطانی بھی۔ اگر شیطانی پردہ غالب ہے۔ تو قرآنی ہوا سے کفر کی آواز نکالتا ہے۔ اگر رحمانی پردہ غالب ہے تو اس قرآنی ہوا سے ایمان بولتا ہے۔ یہ قرآن کا قصور نہیں۔ اپنے پردہ کا قصور ہے بارش سے کہیں اللہ اگتا ہے کہیں خار۔

س۔ قرآن تو اچھی چیز ہے اس سے اچھی ہی شے صادر ہونا چاہیے۔
ج۔ قرآن تو اچھا ہے پڑھنے والے کا دل و دماغ بُرا۔ سامری کے بچھڑے کے منہ میں حضرت رُح الامین کی گھوڑی کی خاک پڑی۔ جو نہایت اعلیٰ تھی۔ مگر چونکہ وہ سونا فرعون کا خلیفہ مال تھا اس لئے

اس پاک مٹی نے اگرچہ اس میں زندگی بخشتی اور آواز پیدا کر دی۔ مگر اس آواز سے لوگ گمراہ ہوئے۔ کوئی اللہ کا بندہ وہ مٹی کھاتا تو لاکھوں کو ہدایت دیتا۔ قرآن و علم طیب و اعلیٰ ہیں۔ مگر بے دین عالم سامری کا بچھڑا ہے۔ کہ علم پڑھ کر جو بولتا ہے۔ اس سے لوگ گمراہ ہی ہوتے ہیں۔

قبر و دفن

س۔ میت کو دفن کرنا کوئے کا فعل ہے۔ مسلمانوں نے کوئے کی ثنا گری کر کے دفن کرنا سیکھا ہے۔ میت کا جلانا اچھا ہے۔ زمین گھرتی ہے اور میت کا جسم خراب ہوتا ہے۔ دو گز زمین میں لاکھوں منہ دو جل جاتے ہیں۔ مگر مسلمان اکیلا قیامت تک اس پر قابض رہتا ہے۔ ج۔ مرے کو جلانا فطرت کے خلاف ہے۔ دفن ہی فطرت کے مطابق ہے۔ کیونکہ انسان مٹی کا ہے۔ آگ پانی ہوا تو مٹی کو خمیر کرنے کے لئے اس میں ایسی شامل کی گئی ہے جیسے آٹے میں پانی آگ۔ اسی لئے اسے آدمی کہتے ہیں۔ یعنی مٹی کی چیز۔ پھر انسان کا کھانا پینا لیا اس مٹی ہی سے ہے۔ تو چاہیے کہ خود بھی بعد موت مٹی میں ہی رہے۔ مسلمان بنیاد والی دیوار ہے۔ کیونکہ اس کے زندے زمین کے اوپر اور مرے زمین کے نیچے ہیں۔ ہمارے بنیاد والی دیوار کہ اس کے مرے زندے دونوں زمین کے اوپر ہی ہیں۔ لہذا مسلمان مضبوط ہے مشرک کمزور۔ دفن ہی کیا بہت سے کام انسان نے حیوانا ستا سے سیکھے ہیں۔ چنانچہ آپریشن ایک بیل سے سیکھا۔ کہ ایک دھوبی کو استسقا تھا۔ اتفاقاً دو بیل آپس میں لڑے ایک نے بھاگتے ہوئے

دھوبی کے پیٹ پر لٹ رکھ دی جو سو رہا تھا۔ دھوبی کا پیٹ پھٹ گیا۔ پانی نکل کر آرام ہو گیا۔ ترہر کی دوائیں بتدر سے تھوٹ بتدر اور ننگور سے سیکھے۔ دیکھو حکیم اجمل خاں دہلوی کی کتب۔ تو کیا یہ تمام جانور انسان کے استاد ہوتے۔ اگر کوئی اپنا کام کر رہا ہو دوسرا آدمی اپنی ذکاوت سے اُسے سیکھ لے تو وہ شاگرد نہ ہو جائے گا۔ جب تک کہ سکھانے اور سیکھنے کی نیت سے تعلیم و تعلم نہ کریں۔

س۔ اسلام فرماتا ہے کہ مرد سے سے قبر میں تین سوال ہوتے ہیں۔ یہ تیرا کون۔ دین تیرا کیا۔ ان محبوب کو تو کیا کہتا تھا۔ جس مسلمان نے حضور کو دیکھا نہیں وہ کیسے پہچان سکے گا؟

ج۔ تعلق ایمانی سے پہچانے گا۔ جیسے دنیا میں جان پہچان خونی رشتے یا ظاہری ملاقات سے ہوتی ہے۔ ایسے ہی روحانی پہچان ایمانی رشتہ سے ہوگی۔ جن کفار نے حضور کو دیکھا تھا وہ قبر میں حضور کو نہ پہچان سکے ایسے ہی جن مسلمانوں نے حضور کو نہ دیکھا وہ پہچان لیں گے۔ دیکھو حضور کو دیکھنے والے کافر حضور پر عاشق نہ ہوئے مگر کروڑوں نہ دیکھتے والے مسلمان حضور کے ایسے عاشق ہیں کہ ان کے نام پر مال و جان فدا کر دیتے ہیں۔ جیسے بہاں بغیر دیکھے عشق ہے ایسے ہی وہاں انشاء اللہ بغیر دیکھے پہچان ہوگی۔ دنیاوی محبوبوں کو ہزاروں نے دیکھا مگر ان کا عاشق ایک ایک ہوا۔ ایسے ہی حسن یوسف پر فدا فقط زلیخا۔ مگر مدنی محبوب کو دیکھا کسی نے نہیں۔ مگر عاشق کروڑوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

س۔ جو لوگ دفن نہیں ہوتے آگ میں جل جاتے ہیں یا انہیں شہر کھا جاتا ہے ان سے حساب قبر کیوں کر ہوگا؟

ج۔ قبر سے مراد پیرت یہ غار نہیں ہے جس میں مردہ دفن ہوتا ہے بلکہ اس سے عالم برتخ مراد ہے۔ مردہ کا جسم کہیں ہو مگر روح تو محفوظ ہے۔ اسی

روح کو جسم کے اصل ذرات سے متعلق کر کے اس سے سوال جواب ہو جانے ہیں۔ اگر کوئی دقن ہی نہ کیا گیا ہو یوں ہی میران میں پھینک دیا گیا۔ اس سے اسی حال میں سوالات تیر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں محسوس نہ ہو۔ ماں کے پیٹ میں بچہ بن جاتا ہے ماں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

س۔ حدیث شریفیت میں ہے کہ مومن کی قبر سنتر گز فراخ ہو جاتی ہے۔ سو اگر مومن و کافر کی قبر برابر ہوں اور مومن کی قبر سنتر گز چوڑی ہو تو کافر کی قبر کہاں جائے گی۔ ایسے ہی اگر مومن و کافر ایک ہی قبر میں دقن ہو گئے ہوں تو بناؤ وہ قبر کافر کے لئے تنگ ہوگی یا فراخ اور اس قبر میں جنت کی ہوا آئے گی یا دوزخ کی ؟

ج۔ مومن کی قبر فراخ ہوگی اور کافر کی قبر دہاں ہی رہے گی اور اس ایک قبر میں مومن کے لئے جنت کی ہوا آوے گی۔ اور کافر کے لئے دوزخ کی۔ ایک کا اثر دوسرے پر نہ ہوگا۔ یہ فراخی اور تنگی احساس ہیں۔ نہ کہ دوسری زمین کاٹ کر۔ جیسے ایک چار پائی پر دو آدمی سو رہے ہیں ایک شخص خواب میں اپنے کو بڑے میدان میں دیکھتا ہے دوسرا اپنے کو جیل کی کوٹھڑی میں قید پاتا ہے۔ ایک کو اچھی خواب نظر آتی ہے وہ خوش ہو رہا ہے دوسرے کو بُری وہ تکلیف پارہا ہے۔ دیکھو چار پائی ایک ہے مگر اس پر سونے والوں کے حال مختلف یا بیداری کی حالت میں ایک آدمی اچھے خیالات سے خوش ہو رہا ہے۔ دوسرے بڑے بڑے خیالات سے پریشان ہے۔ دنیاوی زندگی قبر کے لحاظ سے خواب ہے اور قبر کی زندگی قیامت کے لحاظ سے خواب۔

س۔ جب قیامت میں حساب و کتاب اور عذاب و ثواب ہوگا۔ تو قبر میں یہ چیزیں کیوں ہیں ؟

ج۔ قبر میں صرف ایمان و کفر کی جانچ ہے قیامت میں اعمال کی بھی قبر کی

جانچ برزخی زندگی کے لئے ہے اور قیامت کا حساب آئندہ دائمی زندگی کیلئے
قبر کا عذاب ایسا ہے جیسے جیل سے پہلے حوالات قیامت کا دن مقدمہ کا
دن ہے۔ اس فیصلہ پر آئندہ زندگی کا مدار ہے۔

س۔ بعض لوگ کفنی لکھ کر قبر میں رکھتے ہیں۔ یہ بے کار ہے۔ اگر مردہ جاہل
ہے یا عربی نہیں جانتا تو اسے اس تحریر سے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ کیسے پڑھ
کر جواب دے گا ؟

ج۔ یہ تحریر برکت کے لئے ہے۔ جیسے سبزے کی تسبیح سے مرنے کے عذاب
میں کمی ہو جاتی ہے۔ بعض صحابہ کرام حضور کے تبرکات قبر میں ساتھ لے گئے
برکت کے لئے ایسے ہی یہ تحریر ہے۔ اللہ کے ذکر سے دل کو عین آتا ہے۔
خواہ تحریری ذکر ہو یا زبانی۔ نیز اس میں میت کو تلقین ہے لِقِنُوا مَوْتَاکُمْ
جو حالت اور مختلف زبانیں اس دنیا کے حالات ہیں۔ مرتے ہی سب آدمی
پڑھ سکیں گے اور تمام جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔ قیامت میں سب لوگ
اپنے نامہ اعمال پڑھ لیں گے۔ جو عربی میں ہوں گے۔ مگر سمجھ لیں گے۔
سوالات قبر عربی میں ہی ہوتے ہیں۔ جیسے اندھا پن اور دیگر ظاہری
بیماریاں اس جسم کی ہیں۔ وہاں نہ کوئی اندھا ہوگا نہ کوڑھی سب اچھے ایسے
کفر۔ گناہ جہالت۔ جوا۔ شراب خوری سب اس عالم کی چیزیں ہیں۔ وہاں سب
علم والے۔ ایمان والے خوف خدا رکھنے والے ہوں گے۔ اگرچہ اس
ایمان و تقویٰ کا اعتبار نہ ہوگا۔

س۔ زیارت قبور سنت کیوں ہے ؟

ج۔ تاکہ اپنی موت یاد آتی رہے۔ جس سے انسان اس زندگی کے لئے
انتظام کرتا رہے اور تاکہ اس بہانہ سے زندے مردوں کو ایصالِ ثواب
کرتے رہیں۔ غرضکہ اس میں زندوں مردوں دونوں کا بھلا ہے۔
س۔ بعض لوگ وصیت کرتے کہ ہمیں فلاں بزرگ کے پاس دفن کرنا یا مدینہ

پاک ہیں قبر کی تمنا کرتے ہیں۔ اس سے کیا فائدہ۔ مڑے کو مقدس زمین
کیا فائدہ دے سکتی ہے؟

حج۔ کافر کے لئے کسی جگہ دفن ہونا مفید نہیں۔ ہاں گنہ گار مومن کو اس
سے یہ فائدہ ہے کہ جہاں اللہ کے پیارے دفن ہوں وہاں رحمت کے
پتکھے چل رہے ہیں۔ اس مقبول کی طفیل اسے بھی وہ ہوا مل جائے گی۔
اگر کوئی غریب آدمی کسی رئیس کی کوٹھی پر اس سے ملاقات کرنے
جاوے۔ تو جو بجلی کا پنکھا رئیس کے لئے چل رہا ہے۔ اس کی ہوا
سے اُسے بھی فائدہ پہنچ جاوے گا۔

قیامت

س۔ قیامت کو قیامت یا محشر کیوں کہتے ہیں؟

حج۔ قیامت کے معنی ہیں کھڑا ہونا۔ چونکہ اس دن سارے مڑے اپنی
قبروں سے کھڑے ہو کر محشر میں جائیں گے یا دنیا میں کوئی کھڑا ہونا
ہے۔ کوئی بیٹھا کوئی لیٹا۔ مگر اس دن سب انتظار حساب میں کھڑے
ہی ہوں گے۔ لہذا اس کا نام قیامت ہے۔ دنیا میں سب آدمی ایک دم
نہیں آئے۔ کچھ آکر چلے گئے۔ کچھ آنے والے ہیں۔ کچھ ابھی موجود ہیں
مگر اس دن سارا عالم ایک ہی جگہ ایک ہی وقت میں جمع ہوگا۔ لہذا
اس کا نام محشر ہے یعنی جمع ہونے کا دن یا جمع ہونے کی جگہ۔

س۔ سارے آدمی صرف تمام کی زمین میں کیسے سما جائیں گے۔

حج۔ بڑی آسانی سے۔ کتابوں کے مضامین۔ قرآن شریف اور اشعار صد ہا
من کاغذ پر لکھے جاتے ہیں۔ مگر آپ کے دوا نکل کے حافظہ میں بہ ایک۔
وقت لکھ جاتے ہیں۔ سارے آسمان چاند سورج مشرق و مغرب آپ

کی آنکھ کی تل میں سما جاتا ہے۔ جو اس پر قادر ہے وہ اس پر بھی قادر ہے
 س۔ قیامت کیوں ہوگی۔ اس سے فائدہ کیا ہے ؟
 ج۔ کھیت میں بھوسہ غلہ ایک ہی جگہ ہوتا ہے اس کو ایک جگہ گھا کر دانہ کو
 علیحدہ اور بھوسہ کو علیحدہ کر کے انہیں الگ الگ جگہ پہنچاتے ہیں ایسے
 دنیا میں مومن و کافر ایک ہی زمین پر آباد ہیں۔ قیامت میں ان کی چھانٹ
 ہوگی۔ چھانٹ کے بعد مومن جنت میں کافر و زنج میں پہنچیں گے۔
 قیامت چھانٹ کا دن ہے۔ یا نازم کو پہلے حالات میں رکھتے ہیں پھر
 حاکم کے آگے پیش کر کے فیصلہ حاصل کر کے جیل پہنچاتے ہیں۔ قیامت
 مقدمات کی پیشی کا دن ہے۔

س۔ روز قیامت میں اختلاف کیوں ہے۔ بعض آیات میں ہے کہ وہ دن
 ایک ہزار سال کا ہے۔ بعض میں ہے پچاس ہزار سال کا۔ بعض روایت
 میں ہے کہ چار رکعت نماز ادا کرنے کی برابر ان کا مطلب کیا ہے ؟
 ج۔ یہ فرق یا تو احساس کا ہے کہ وہ دن آرام والوں کو چار رکعت کی برابر
 محسوس ہوگا اور تکلیف والوں کو ہزار سال کا زیادہ تکلیف والوں کو
 پچاس ہزار سال کا۔ یا ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ ثنادی دس منٹ میں
 ہوتی ہے۔ ایک ماہ میں ہوتی ہے۔ بیس سال میں ہوتی ہے۔ اصل نکاح
 دس منٹ میں۔ دعوت وغیرہ کا انتظام ایک ماہ میں۔ روپیہ جمع کرنا بیس
 سال میں۔ اسی طرح اس دن اصل حساب نصف دن میں باقی تلاش نسیف
 اور انتظار حساب وغیرہ میں ایک ہزار سال خرچ ہوں گے۔ پہلے نفوز سے
 جنت و دوزخ کے داخلہ تک پچاس ہزار سال کا وقت جس میں بے ہوشی
 اور میدان محشر میں پہنچنا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی مقام
 محمود پر یہ تمام اوقات شامل ہیں۔
 س۔ نیکیوں میں وزن ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو گناہوں سے زیادہ ہے۔

یا کہ کم؟
ج۔ نیکی کا وزن گناہوں سے لاکھوں گنا زیادہ ہے۔ میزان میں ایک کلمہ
 طیبہ تمام عمر کے گناہوں سے لاکھوں گنا زیادہ وزنی ہوگا۔ مگر یاد
 رہے کہ نیکی کا وزن بقدر اخلاص ہے۔ نیکی پوست ہے اخلاص اس
 کا مغز۔ پھل میں مغز کا وزن ہوتا ہے۔ بے مغز کا پھل ہکا ہے اسی
 لئے کفار کی نیکیاں نہایت ہلکی ہیں۔ مومن کی وزنی امام حسین کا کربلا
 والا مسجد ہماری کروڑوں تانوں سے زیادہ وزنی ہے۔

س۔ اگر نیکی میں آنا وزن ہے تو مومن کے سر پر قیامت میں بڑا
 بوجھ ہوگا۔ حالانکہ قرآن فرماتا ہے۔ **وَلِيَحْمِلْ اَثْقَالَہُمْ**۔ وہ
 اپنے بوجھ اٹھائے ہوں گے۔ بوجھ اٹھانا تو عذاب ہے۔ کیا وہ
 مومن عذاب میں ہوگا۔

ج۔ قیامت میں مومن کے تین حال ہوں گے۔ قبر سے محشر تک جاتے
 ہوئے نیکیاں مومن پر ہوں گی۔ مگر اس پر نہایت ہلکی جو محسوس بھی نہ
 ہونگی۔ میزان میں پہنچ کر نہایت وزنی اور میزان سے جنت تک نیکیاں
 سواری ہونگی۔ مومن سواری سواریوں پر پھر اٹھ جائے۔ جیسی نیکی
 ویسی اس کی رفتار۔ لہذا حمل اثقال یعنی بوجھ اٹھانا کفار کا عذاب ہے
 حدیث پاک میں ہے۔ کلمے زبان پر ہلکے میزان میں بھارے رب کو
 پیارے ہیں۔ یہ اسی طرف اشارہ ہے۔

س۔ عقل میں نہیں آتا کہ مومن کی نیکی اس کے کتدھے پر تو ہلکی ہو۔
 میزان میں پہنچ کر بھاری اور صراط پر سواری بن جاوے۔

ج۔ اس کی مثالیں دنیا میں موجود ہیں۔ لکڑی پانی پر ہلکی ہے اس لئے
 ڈوبتی نہیں مگر ترازو میں بھاری۔ خود پانی گھڑے میں بھر کر سر پر رکھو۔
 تو بھاری ہے۔ مگر حوض یا تالاب کی نہ میں بیٹھ جاؤ۔ اگر چہ اب بہت پانی

سر پر ہے۔ مگر ملکائیں کھتی ہے کہ ہوا بہت وزنی ہے۔ ہم
لاکھوں من ہوا کا بوجھ سر پر لئے پھرتے ہیں مگر محسوس نہیں ہوتا۔
جس سونے کے زیور میں موتی جڑے ہوں اسے پانی کی سطح پر رکھ
کر تو لو تو صرف سونے کا وزن آدے گا۔ موتی کا نہ آدے گا۔ ایسے
ہی بھوک سے کم کھانا کھاؤ تو تم کھانے پر سوار ہو اگر تیرا دہ کھایا
تو کھانا تم پر سوار۔ ایسے ہی وہاں تکیوں کا حال ہے۔

س۔ قیامت میں حساب کیوں ہوگا۔ کیا رب کو اعمال کی تعداد معلوم نہیں
ج۔ یہ حساب رب کے علم کے لئے نہیں بلکہ انسانوں کا منہ بند
کرنے کے لئے ہوگا۔ تاکہ جہنمی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے دوزخ کیوں دی
فلاں کو جنت کیوں ملی یا مجھے دوزخ میں سخت جگہ کیوں ملی دوسروں
کو ہلکی کیوں دی گئی؟

س۔ قیامت کے روز لوگ شفیع المذنبین کو کیوں بھول جائیں گے۔
یہاں سب جانتے ہیں کہ حضور شفیع المذنبین ہیں۔ پھر وہاں پہلے
دیگر انبیاء کرام کے پاس کیوں جائیں گے؟

ج۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ آج سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
کوئی دستگیری کرنے والا نہیں۔ اگر پہلے ہی حضور کے پاس
پہنچ جاتے تو شاید کوئی کہہ دیتا کہ شفاعت تو اور جگہ بھی ہو جاتی
ہم اور جگہ گئے نہیں۔

س۔ قیامت میں بعض کے منہ کالے بعض کے سفید کیوں ہوں گے؟

ج۔ دلوں کی تاریکی یا نور چہرے پر ظاہر ہوگا۔ جیسے آج پریشانی حال
دُبلّا اور کالا ہو جاتا ہے۔ مال دار خوش عیش آدمی سرخ سفید نکل
آتا ہے۔

جنت دوزخ

س۔ جنت کو جنت کیوں کہتے ہیں ؟
 ج۔ اس لئے کہ جنت جن سے بنا۔ بمعنی چھپنا۔ اسی لئے دیوانگی
 کو جنون۔ پیٹ کے بچہ کو جنین۔ ڈھال کو جٹہ۔ آتش مخلوقات کو
 جنات۔ تاریکی کو جن کہتے ہیں۔ جنت کے معنی ہوئے چھپا ہوا باغ چونکہ
 وہ باغ دنیا دلوں کی نگاہ سے چھپا ہے۔ یا اس باغ کے درخت ایسے
 گھنے ہیں کہ وہاں کی زمین نظر نہیں آتی۔ لہذا وہ جنت ہے۔

س۔ دوزخ کو جہنم کیوں کہتے ہیں۔

ج۔ یہ لفظ عجیب ہے اصل میں چاہ نم تھا۔ یعنی گہرا کنواں۔ چونکہ وہ نہایت
 گہرا مقام ہے اور گویا آگ کا کنواں ہے۔ لہذا جہنم نام ہے۔

س۔ یہ جنت دوزخ پیدا ہو چکے ہیں یا بعد قیامت پیدا ہوں گے ؟

ج۔ پیدا ہو چکے ہیں۔ وہاں ہی پہلے آدم علیہ السلام رہے۔ وہاں ہی

آج ادریس علیہ السلام اور شہداء کی روحیں رہتی ہیں۔ وہاں کی

ہی کھڑکی مومن کی قبریں کھاتی ہے۔ وہاں کی سیر حضور نے معراج میں

فرمائی۔ وہاں کا ہی پانی حضور نے صحابہ کرام کو پلایا۔ وہاں کے پانی سے ہی

نیل و فرات جاری ہیں۔ جہنم سے دنیا میں آگ آتی۔

س۔ اتنے پہلے انہیں کیوں فرمایا۔ ان میں داخلہ تو قیامت کے بعد ہو گا تب

ہی پیدا فرمایا جاتا۔

ج۔ حکومت کے دفاتر۔ کوٹھیاں جیل خانہ۔ پھانسی گھر پہلے ہی تیار کر لئے جاتے

ہیں۔ اس کا انتظار نہیں ہوتا کہ کوئی پور پکڑ کر آدے تو جیل بنائی جائے

جنت دوزخ سے آج بھی کام لیا جا رہا ہے۔ جنت کے کام اوپر بیت

دبے گئے۔ دوزخ کی آگ دنیا میں کام کر رہی ہے دوزخ ہی سے موسم بنتے ہیں کہ اوپر کی سانس سے سردی یا ہر کی سانس سے گرمی وغیرہ۔
 س۔ سردی گرمی تو سوچ سے آئی۔ اس کا خزانہ جہنم ہے۔ وہاں سے کرنٹ سوچ میں آرہا ہے۔ سمندر میں کہاں سے۔ سمندر پانی کا خزانہ ہے خزانہ میں روپیہ رہتا ہے بنتا نہیں ہے۔ ٹکسال میں ایسے ہی سوچ نور اور گرمی گویا خزانہ ہے۔ مگر اس کا کارخانہ دوزخ وغیرہ ہے۔ جب جنت دوزخ اتنے عرصے سے پیدا ہو چکے تو اب تک وہاں کی ہر چیز پرانی ہو گئی ہوگی۔
 حوریں بڑھیا ہو چکی ہونگی۔

ایسی جنت کا کیا کمرے کوئی!

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہیں

ح۔ زمانی چیز پرانی ہوتی ہے۔ جو زمانہ سے درا ہو وہ کبھی پرانی نہیں ہوتی۔ آپ کا جسم پرانا ہو کر بڑھا ہو جاتا ہے۔ مگر روح کبھی بڑھی نہیں ہوتی۔ چاند تارے سوچ لاکھوں برس کے ہیں مگر نہ پرانے ہوئے نہ ان کے نور میں کوئی کمی آئی ایسے ہی جنت زمانہ سے ورا ہے لہذا ہر وقت یکساں۔
 س۔ وہاں کی نیریں اور نوروں کی چیزیں دودھ۔ پانی شہد وغیرہ خراب ہو چکا ہوگا۔
 ح۔ بگڑنا اور خراب ہونا ان چیزوں میں ہوتا ہے جو مخلوق کی حفاظت میں دیدی جاویں۔ کیونکہ جب محافظ انسان خود فانی ہے۔ تو اس کی حفاظت اور محفوظ چیز۔ دونوں فانی۔ جس کا محافظ رب ہو اس کا بگڑنا سڑنا کیا سمندر خواہ مبیٹھا ہو یا کھاری۔ اس کا پانی لاکھوں برس کا ہے لہذا نہ بگڑا نہ خراب ہوا۔ قرآن رب کی حفاظت میں ہے لہذا نہ بگڑا نہ خراب ہوا۔

س۔ جنت میں حوریں کیوں رکھی گئیں۔ بیویاں اولاد کے لئے ہوتی ہیں جب وہاں اولاد نہیں تو حوروں کی بھی ضرورت نہیں۔

ح۔ بیوی صرف اولاد کے لئے نہیں بلکہ مرد کی خدمت اور دستگی، گھر

کی آبادی رونق اس کا اصل مقصود ہے۔ بہت لوگ اولاد سے گھبراتے ہیں مگر بیوی رکھتے ہیں۔ بڑھا چلے ہیں جب اولاد سے ناامیدی ہو جاوے تب بھی بیوی رکھی جاتی ہے۔ حوریں خدمت اور رونق کے لئے ہونگی۔ س۔ جنت میں اولاد سلطنت فرج روپیہ پیسہ کچھ بھی نہیں۔ لہذا وہاں کی نعمتیں ناقص ہیں۔

ح۔ یہ چیزیں دنیا میں نعمتیں ہیں۔ جنت میں مصیبت۔ اولاد دنیا میں اس لئے نعمت ہے کہ موت سامنے ہے۔ سلطنت فرج اس لئے نعمت ہے کہ دشمن کا خطرہ ہے۔ روپیہ پیسہ اس لئے نعمت ہے کہ ہمارے پاس ضروریات زندگی موجود نہیں۔ پیسہ سے خریدی جائیں گی۔ چونکہ وہاں موت نہیں لہذا اولاد نہیں۔ فساد نہیں۔ لہذا سلطنت اور فرج نہیں۔ ناداری نہیں۔ لہذا پیسہ روپیہ نہیں۔

س۔ جنت کے طبقے سات ہیں اور دوزخ کے طبقے آٹھ کیوں ہیں ؟
ح۔ اس لئے کہ جنتی بھی مختلف درجات کے ہیں اور دوزخی بھی۔ جنتی لوگوں میں پیغمبر اور عام مومنین یکساں نہیں ہو سکتے۔ ایسے ہی دوزخیوں میں ابوہبل اور دیگر عام کفار یکساں نہیں۔ جیل میں بعض اے کلاس کے قیدی ہیں۔ بعض بی کے۔ بعض سی کے۔ لہذا وہاں تینوں درجے تیار کیے گئے۔ س۔ جب دوزخ میں آگ کا عذاب ہے تو اس کے بعض طبقے ٹھنڈے کیوں ہیں اور ان میں ٹھنڈک کہاں سے آئی۔

ح۔ دوزخ کی گرمی بھی آگ سے ہے اور سردی بھی آگ سے۔ قرب سے تو گرمی ہے اور دوری سے سردی۔ جیسے دنیا میں سورج کے قرب سے گرمی کا موسم بنتا ہے۔ اور اس کی دوری سے سردی کا موسم ایسے ہی خط استوا کی اوپر دیگر ممالک کی نزدیکی اور دوری سے ہے۔

س۔ جنت و دوزخ میں انسان کے سوا دوسری مخلوق بھی جاوے گی یا نہیں ؟

ج۔ جنت صرف نیک انسانوں کے لئے ہے اور دوزخ انسانوں اور جنات کے لئے۔ ہاں دوزخ میں کفار کے باطل معبود، پتھر، درخت، سورج بھی جا بیٹھ گئے۔ مگر عذاب پانے کے لئے نہیں بلکہ کافروں کو عذاب دینے اور اپنی بے بسی ظاہر کرنے کے لئے۔

س۔ دوزخ میں فرشتے ہوں گے یا نہیں۔ اگر ہوں گے تو انہوں نے کیا گناہ کیا ہے ؟

ج۔ ہونگے مگر عذاب پانے کے لئے۔ بلکہ دوزخیوں کو عذاب دینے کیلئے۔

جیسے جیل میں پولیس کے سپاہی یا جیلر اور وارو فہ جیل میں رہتے ہیں۔

س۔ شیطان بھی اگر دوزخ میں گیا تو اسے عذاب کیا ہوگا۔ وہ جن ہے۔ آگ کی پیدائش ہے۔ آگ کو آگ سے کیا تکلیف ہے ؟

ج۔ آگ کو آگ سے تکلیف پہنچ سکتی ہے جیسے اگر کوئی آپ کے سر میں

مٹی کا ڈھیلایا اینٹ مارے تو آپ کو زخم پہنچ جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بھی مٹی ہے اور آپ بھی مٹی کے ہیں۔

س۔ فرشتوں کو جنت کیوں نہیں ملتی وہ بھی تو بڑے عابد ہیں۔

ج۔ ان کے پاس نفس نہیں۔ لہذا انہیں عبادت میں کچھ تکلیف نہیں۔

ان کے لئے عبادت ایسی ہے جیسے ہمارے لئے سانس لینا۔ ثواب عبادت

ہوتا ہے نہ کہ عادت کا۔ جزا کے لئے جنت میں پہنچانے والی چیز نفس

امارہ ہے۔ جب اس کے منہ میں شریعت کی لگام ہو۔

س۔ جنات کے پاس تو نفس ہے پھر ان کے لئے جنت کیوں نہیں کہ

ان سے جو پرہیزگار ہوں وہ جنت میں جاویں۔

ج۔ ان کے پاس عقل نہیں۔ عقل و نفس دونوں کے ساتھ جو عبادت ہو

وہ جنت میں پہنچاؤے گی۔ گندے کھاد اور پاک پانی سے مل کر کھدیت

میں پیداوار ہوتی ہے۔ کتوئیں میں گندم پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وہاں

گنڈا کھا دیا خشک زمین نہیں ہے۔ فقط زمین میں بغیر بارش کھیت نہیں
اُگتا کیوں کہ وہاں پانی کی تری نہیں۔

س۔ آخر نیک جنات کا انجام کیا ہوگا ؟

ج۔ جو جانوروں کا انجام ہے کہ انہیں مہی کر دیا جائے گا حکم ہوگا۔
كُوْنُوْا تُرَابًا۔ عذاب سے بچ جانا ہی ان کا ثواب ہے۔

س۔ جب جنت والوں کے لئے ہمیشگی ہے تو آدم علیہ السلام وہاں سے
کیوں آگئے ؟

ج۔ جب مومن جزا پانے کے لئے وہاں پہنچے گا تب اس کے لئے ہمیشگی
ہوگی۔ آدم علیہ السلام کا وہاں ٹریننگ دینے کے لئے نھانا کہ وہاں
کی بناوٹ دیکھ کر زمین کو ایسے ہی آباد کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
وہاں معراج میں تشریف لے جانا۔ سیر یا معائنہ کے لئے تھا۔ لہذا
وہاں سے واپسی ہو گئی۔

س۔ سزا و جزا دنیا ہی میں کیوں نہ دی گئی اتنا دراز ادھار کیوں رکھا گیا ؟

ج۔ اس لئے کہ دنیا میں نہ کوئی راحت خالص ہے نہ تکلیف۔ یہاں کی
تکلیف راحت سے اور راحت تکلیف سے مخلوط ہے۔ اگر کوئی ظاہری
تکلیف نہ ہو تو فتنہ ہونا کافی مصیبت ہے۔ خالص نیکیوں کو خالص
راحت خالص بدوں کو خالص تکلیف چاہیے۔ وہ آخرت میں ہی ہو
سکتی ہے۔ نیز اگر سزا دنیا میں ہوتی۔ تو کوئی کافر نہ رہتا۔ ان چیزوں
کو پردہ غیب میں رکھا۔ تاکہ اللہ رسول کا اعتبار کر کے نیک بنے۔
برائیوں سے بچے۔

س۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنتی لوگ خوب صورت تیس سالہ جوان
ہوں گے۔ اور جہنمی کافر اتنے موٹے ہوں گے کہ ایک دائرہ پہاڑ کے برابر
ہوگی۔ یہ جسموں کی تبدیلی تو تماشخ یا آواگون ہے۔ اسلام نے مانا ہے کہ

بعض توہین مسخ ہوئیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جانا تھا۔ یہ ہی آداگون ہے۔

ح۔ تبدیلی رُوح کا نام آداگون ہے۔ یہ ہی منع ہے اور اس کا ماننا کفر ہے۔ یعنی یہ کہ انسانی رُوح نفسِ ناطقہ۔ گدھے کی رُوح یعنی نفسِ نامقہ تجاڑے یہ ناممکن ہے کیونکہ رُوح بسیط ہے۔ وہی جسم کی تبدیلی وہ دن رات ہوتی رہتی ہے۔ انسان گل کر مٹی بن جاتا ہے پانی اور ہوا آگ بن جاتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں صرف جسم کی تبدیلی ہوگی۔ رُوح وہی انسانی رہے گی۔ جسم میں مادہ اور صورت ہے تبدیلی کے موقع پر مادہ یا قی رہتا ہے۔ صورت بدل جاتی ہے۔ جیسے ایک انسان پہلے بچہ تھا کالاکھا۔ اب جوان گورا ہو گیا۔ جتنی کفار کسی شکل میں ہوں گے مگر سمجھیں گے عقل رکھیں گے بولیں گے کہ فلاں جرم کی عوض ہمیں یہ سزا ملی۔

س۔ جنت میں عورتیں اجنبی مردوں سے پرہیز کریں گی یا نہیں؟
ح۔ نہیں۔ وہاں کوئی چیز واجب یا حرام نہ ہوگی۔ یہ احکام دنیاوی زندگی کے لئے ہیں۔ اگر وہاں پر وہ فرض ہو تو وہ جگہ عمل کی ہو گئی۔ حالانکہ وہ جگہ صرف جزا کی ہے۔

س۔ تب تو بڑا فساد ہوگا۔ عورت و مرد کا ماننا خطرہ کا باعث ہوتا ہے۔
ح۔ وہاں نفسِ امارہ فنا ہو جائے گا۔ یہ ہی فساد کراتا ہے۔ انسان کا دل وہی چاہے گا جو رب کو پسند ہو۔ دنیا کی پابندیاں نفسِ امارہ کی وجہ سے ہیں۔ جب وہ ہی نہ رہا تو پابندی کیسی۔ پرندے کو اسی وقت تک نفس میں رکھتے ہیں۔ جب تک اس کے پر ہیں۔ جب پر ہی کاٹ دیئے گئے۔ تو اب اسے نفس میں رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

معجزات

س۔ اسلام مانتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے۔ یہ قانونِ الہی کے خلاف ہے۔ قانونِ قدرت یہ ہے کہ بچہ ماں باپ دونوں کے نطفوں سے بنتے۔ اس کے بغیر بچہ بننا ناممکن ہے۔

ج۔ معجزہ یا ارعاص کہتے ہی اسے ہیں جو قانون کے خلاف ہو۔ تب ہی تو مخلوق اس کے مقابلہ سے عاجز ہوگی۔ بلکہ بزرگوں کے ہاتھوں پر خلافِ قانون کچھ باتیں ظاہر ہونا بھی ایک قدرتی قانون ہے۔ بغیر باپ بچہ ہونا غیر ممکن نہیں پہلے انسان حضرت آدم و حوا تو بغیر باپ بنے۔ آپ کے سر کی پسلی جوں چار پائی کا پہلا کھٹا برسات کے پہلے کپڑے بغیر ماں باپ کے دن رات بنتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ بن گئے تو کیوں انکار ہے۔

س۔ قرآن کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت جبریل علیہ السلام کی سانس سے یا پھونک سے ہوئی۔ سانس کی ہوا سے خاک کی انسان کیسے بن سکتا ہے؟

ج۔ عام انسان نطفہ سے اور نطفہ پانی ہے جیسے انسان پانی سے بن سکتا ہے حالانکہ پانی انسان سے بہت دور ہے کہ پانی نہ انسان ہے نہ حیوان۔ نہ جسم نامی ایسے ہی بعض انسان ہوا سے بھی بن سکتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اس لئے خاک کی انسان ہوئے کہ حضرت مریم انسان ہیں۔ خاک سے ان کی نشترت ہے۔ لہذا آپ ماں کی طرف سے بشر ہیں اور دوسری طرف سے روح اسی لئے آپ کو انسان کے ساتھ روح اللہ کا خطاب ملا۔ س۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ کیسے ہیں۔ وہاں کیا کھاتے پیتے ہیں۔

پیشاب پاخانہ کہاں کرتے جاتے ہیں ؟

ح۔ جیسے آسمان پر فرشتے زندہ ہیں اور اپنے زندہ رہتے ہیں مادی خوراک وغیرہ کے حاجت مند نہیں ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے ذکر سے زندہ ہیں اور جب مادی غذا کے حاجت مند نہیں تو انہیں انسانی حاجات بھی نہیں۔ آپ اپنی ماں کے پیٹ میں کئی ماہ زندہ رہے۔ بتاؤ وہاں یاورچی خانے اور پاخانے کہاں تھے جو رب ۵ ماہ بچہ کو ماں کے پیٹ میں بغیر غذا زندہ رکھ سکتا ہے۔ وہ انہیں وہاں زندہ رکھ رہا ہے۔

س۔ انسان ماں کے پیٹ میں حیض کا خون پندرلیہ ناف کے چوستا رہتا ہے وہ بھی وہاں غذا استعمال کرتا ہے۔

ح۔ جانوروں کو حیض نہیں آتا۔ ان کے بچے ماں کے پیٹ میں کیا چوستے ہیں۔ مرغ کا بچہ اٹکے میں کئی دن زندہ رہتا ہے۔ وہاں ہوا غذا کہاں سے پہنچتی ہے بعض اولیاء اللہ نے برسوں پانی نہیں پیا۔ اور زندہ رہے۔ جب روحانیت جسمانیت پر غلبہ کر جائے۔ تو غذا کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔

س۔ عیسیٰ علیہ السلام بھونک سے مردہ کیسے زندہ کرتے تھے ؟

ح۔ جیسے خود جبریل علیہ السلام کی بھونک سے زندہ ہو گئے ویسے ہی اپنی بھونک سے مردوں کو زندہ فرماتے تھے۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاکھی سانپ کیسے بنتی تھی یہ بھی خلاف عقل ہے۔

ح۔ جو عقل کے موافق ہو وہ معجزہ نہیں۔ معجزہ کہتے بھی اسے ہیں جو عقل کو

جبران کر دے ہاں ناممکن چیز معجزہ نہیں بن سکتی۔ لاکھی کا سانپ بن جانا

غیر ممکن نہیں۔ بعض دفعہ عورت کے سر کے بال سانپ بن جاتے ہیں۔ خراب

غذا پیٹ میں سانپ بن کر نکلتی ہے جسے گینڈوا کہتے ہیں بعض عورتوں کے

سانپ پیدا ہوتے ہیں جن کے مسائل فقہ کی کتب میں ہیں۔

س۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلام کیسے کیا کیا یہ بھی عقل میں نہیں آتا ہے
 ج۔ پیدا ہوتے ہی بولنا بھی ناممکن نہیں۔ انسان کے سوا دیگر مخلوق کے بچے
 پیدا ہوتے ہی بولتے ہیں۔ بلکہ روزی تلاش کرتے ہیں۔ بہت سے انسان
 پیدا ہوتے ہی بولے۔ آدم علیہ السلام یوسف علیہ السلام کا شاہد جبرئیل کی
 گواہی دینے والا سچہ ان سب نے بچپن ہی میں کلام کیا۔ اس زمانہ میں بعض
 بچے پیدا ہو کر بولے ہیں۔ جو بعض دفعہ اخباروں میں شائع ہوا۔ غرضیکہ
 یہ معجزہ بھی خلافِ عادت تو ہے خلافِ امکان نہیں۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا ان کے بعد دنیا میں رہا یا نہیں ہے
 ج۔ رہا۔ چنانچہ طاہوت کے زمانہ میں جو نابوت سیکینہ اترا۔ اس میں جو تبرکات
 تھے ان میں یہ بھی تھا۔ رب فرماتا ہے: **فِيهِ لَقِيْتَهُ مِمَّا تَرَكُ الْاَلُ
 مُوسَىٰ دَالٌ هَادُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ**۔ پارہ ۲۔

س۔ ان کے بعد اس عصا میں تاثیر تھی یا نہیں ہے
 ج۔ نہیں۔ نہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے یہ تاثیر تھی نہ ان کے بعد عصا کے لئے دست
 موسیٰ اور دست موسیٰ کے لئے اس عصا کی ضرورت ہے۔ جب یہ دونوں جمع
 ہوں تب یہ تاثیر ہو۔ آپ کے ہاتھ شریف میں دوسری لاکھیاں سانپ نہ بنتی
 تھیں۔ نہ یہ لاکھی دوسرے کے ہاتھ میں سانپ بن سکی۔ بجلی کی روشنی جب
 ہی ہوتی ہے جب پورا اور قمقمہ دونوں ہوں۔ اگر قمقمہ الٹین میں لگا دو یا
 بجلی کا کنکشن لالٹین کی بتی سے دور کر دو تو کبھی روشنی نہ ہوگی۔

س۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی پتھر سے پیدا ہوئی یہ کیسے ہو سکتا ہے
 ج۔ مٹی سے دن رات جانور پیدا ہوتے ہیں۔ پتھروں سے درخت سبز پانی کے چشمے
 نکلتے رہتے ہیں۔ اگر پیغمبر کے معجزے سے ایک جانور نکل آئے تو کیا مشکل ہے
 بعض پھلوں میں قدرتی کیڑے ہوتے ہیں جیسے گولر ایسے ہی وہ اونٹنی پیدا ہوئی۔
 س۔ قرآن نے اسے نافتہ اللہ کہا کیا رب تعالیٰ اس پر سوار ہوتا تھا ہے

حج۔ اسے ناقۃ اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی دو وجہ سے کہا گیا یا اس لئے کہ وہ کسی کی ملک نہ تھی جیسے مسجد کو اللہ کا گھر کہہ دیتے ہیں یعنی اللہ کی چیز مخلوق کا اس پر دعویٰ نہیں۔ یا اس لئے کہ اسے رب نے براہ راست بلا واسطہ اسباب پیدا فرمایا۔ جیسے عبس بنی علیہ السلام کو روح اللہ یعنی اللہ کی بھیجی ہوئی روح کہا جاتا ہے یا اس لئے کہ اس اونٹنی سے کوئی دنیاوی کام نہ لیا جاتا تھا۔

س۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کیسے پھاڑ دیا۔ زمین سے آسمان پر اتر کیونکر ہو گیا۔ یہ خلاف عقل ہے ایسے ہی آفتاب کا واپس ہونا عقل میں نہیں آتا۔ حج۔ رب کو یہ بھی کچھ مشکل نہیں۔ آسمان پر سورج ہے لیکن آتشی نشینتہ سے اس کی شعاعیں کپڑا چلا دیتی ہیں۔ جب سورج کا نور اتنی دور سے کپڑا چلا سکتا ہے تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کا نور آسمان پر چاند بھی پھاڑ سکتا ہے۔ مسمر زیم والا نور نگاہ کے ذریعہ دور سے نشینتہ توڑ سکتا ہے۔ چیزیں کھینچ لیتا ہے۔ اگر مسمر زیم والے کی نگاہ دور سے بھاری چیز کھینچ سکتی ہے تو نگاہ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے آفتاب کو بھی کھینچ سکتی ہے۔ مقناطیس لوہا کھینچتا ہے۔ آج سائینس کے ذریعہ ہزار ہا کرشمے دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ یہ سب مادی طاقتیں ہیں تو نوری طاقت تو کہیں اعلیٰ ہے۔

س۔ حضور علیہ السلام معراج میں کیسے پہنچے۔ راستہ کے سرد گرم طبقے کیسے طے کئے۔ آسمان میں دروازہ نہیں ہے۔ اس میں کیونکر داخل ہوئے۔ اتنا دور دراز سفر چند سیکنڈ میں طے کیا۔ یہ خلاف عقل ہے۔

حج۔ اس سائینس کے زمانہ میں معراج کا انکار حماقت ہے۔ حضور عین نور ہیں۔ ہمارا نور نظر عینک کے نشینتہ سے بغیر دروازہ پار ہو جاتا ہے۔ آسمانوں کو چیرتا ہوا آسمانوں آسمانوں کے تارے دیکھ لیتا ہے نہ آگ کے گڑے سے جلتا ہے نہ زہر پر سے ٹھنڈا پڑتا ہے آج شیلی گراف اور بجلی ایک سیکنڈ میں ہی ہزار ہا میل طے کر لیتا ہے۔ یہ کرشمے آگ کے ہیں تو نور کی طاقت اس سے زیادہ ہے۔

معراج کی رات نور انبیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہے۔

س۔ لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم کے ذرہ ذرہ کی خبر رکھتے ہیں یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مدینہ میں بیٹھ کر تمام جہان کو دیکھیں۔

ج۔ فرشتوں اور نبیوں کو رب نے عالم کا انتظام سپرد کیا ہے اس لئے انہیں علم اور قوت بخشی ہے تاکہ انتظام درست رکھ سکیں۔ ریلوے میں ایک افسر ہوتا ہے جسے کنٹرولر کہتے ہیں۔ وہ ایک کمرہ میں بیٹھ کر ہر گاڑی کی خبر رکھتا ہے۔ اور ساری گاڑیوں کا کنٹرول کرتا ہے۔ ایک تختہ اس کے سامنے ہوتا ہے جس میں بجلی کے ذریعہ ہر گاڑی کی حرکت اسے معلوم رہتی ہے۔

لاہور کا کنٹرولر پشاور سے کراچی تک کی تمام گاڑیوں پر ایک وقت ایسی نظر رکھتا ہے کہ سبحان اللہ! اگر دنیا کا اعلیٰ کنٹرولر مدینہ پاک کے حجرہ میں تشریف رکھ کر دنیا کے ذرہ ذرہ کی خبر رکھے تو کیا مشکل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں خطیبہ پڑھتے ہوئے نماز کی قوج کی کمان فرما سکتے ہیں۔ تو جس سوچ کے یہ ذرہ ہیں ان کے علم کا کیا حال ہونا چاہیے۔

س۔ احادیث تشریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہوا۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

ج۔ تعجب ہے کہ سائل یہ تو مان لیتا ہے کہ پتھر سے پانی کی نہریں اور دریا نکلتے ہیں۔ کنوئیں کی نہ کی مٹی سے پانی نکلتا ہے۔ حالانکہ پتھر نہایت سخت ہے اور مٹی بالکل خشک۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نازک نرم نرم انگلیاں اگر پانی بہائیں تو کیوں انکا ہے۔ معجزہ بالکل حق ہے۔

س۔ اچھا وہ پانی کیونکر نکل آیا۔ کہیں سے آیا یا وہاں ہی بنا؟

ج۔ یہ تو رب ہی جانے۔ سمجھ میں تین صورتیں آتی ہیں۔ یا تو اس وقت اس پیالہ کا کنکشن حوض کوثر سے کر دیا گیا۔ وہاں کا پانی انگلیوں سے اُبلتا۔ جیسے واٹر ورکس کا پانی ہمارے گھر میں نل سے نکلتا ہے یا اس پاس کی

ہوا انجلیوں مبارکہ سے مس ہو کر پانی بن گئی۔ جیسے ٹھنڈے گلاس یا پائٹی کی چینی سے ہوا لگ کر پانی بن جاتی ہے۔ یا رب نے اپنی قدرت سے وہاں ہی پانی پیدا فرمایا۔ جیسے پتھروں اور کتوئیں کے ساتھ کی مٹی کہ ان سے وہاں ہی پانی بن کر پھوٹتا ہے۔

س۔ حضور نے کنگروں، درختوں، جانوروں سے اپنا کلمہ کیسے پڑھا لیا۔ ان میں تو بولنے کی طاقت ہی نہیں۔

ج۔ یہ بھی ناممکن نہیں۔ موجودہ سائنس مانتی ہے کہ درخت بولتے ہیں۔ قرآن بھی ثنابہ ہے کہ ہر چیز کی تسبیح کرتی ہے۔ آج لوہا تانبہ بول رہا ہے۔ ریل سیٹی دیتی ہے۔ فوٹو گراف کاریکارڈ ایک سونی لگانے سے صاف گانے گاتا ہے۔ اگر نبوت کے حکم سے یہ چیزیں بول پڑیں۔ تو کیا تعجب ہو سکتا ہے؟

س۔ اس کلام کی کیا صورت تھی آیا انہیں بلوایا گیا۔ یا وہ بول رہے تھے لوگوں کو منوایا گیا۔

ج۔ دونوں صورتیں ہوتی ہیں۔ صحابہ کرام قرآن پڑھتے ہیں کہ ہم کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ وہاں تسبیح پہلے سے ہو رہی تھی۔ ان کے کانوں کو سُنادی گئی۔ ستون خانہ حضور کے فراق میں رویا۔ اور عرض و معروض کیا فیدی ہرنی نے حضور سے فریاد کی۔ اونٹوں نے حضور سے مالک کی شکایت کی۔ یہاں اس وقت میں یہ کلام ان سے جاری ہوا۔ یہ دونوں معجزے ہیں۔

س۔ کیا جسم پاک مصطفیٰ علیہ السلام بے سایہ تھا یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

جسم کا سایہ ضروری ہے؟

ج۔ نورانی اور لطیف جسموں کا سایہ اب بھی نہیں ہوتا۔ ہوا کا سایہ نہیں کیونکہ لطیف ہے گیس کی روشن بتی چراغ کی لو کا سایہ نہیں کیونکہ یہ نورانی ہے۔ زیادہ صاف شیشہ کا سایہ نہیں پڑتا۔ کیونکہ شفاف ہے۔ کرۂ نار بہ میں

جو آگ ہے اس کا سایہ نہیں۔ حالانکہ ان کی نورانیت کا کوڑاں حصہ بھی نہیں سوج
وچاند تاروں کا سایہ نہیں تو دینہ کے چاند کا سایہ کیوں ہو؟

س۔ نوازنج میں ہے کہ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کے لئے
شفاعت کی۔ نوزائیدہ بچہ سجدہ کرنا بات کرنا رب کی حمد و ثنا کیا جانے؟
ج۔ ہمارے عام بچے نا سمجھ پیدا ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کتاب
رسالت ہیں۔ حضور کی امت میں بعض بچے پڑھے ہوئے پیدا ہوئے ہیں
نے خود اجمیر شریف کی ۵ سالہ بچی دیکھی جو مکمل قرآن کی حافظہ تھی۔ اس کا
نام آمنہ بی تھا۔ پھر کاٹھیاواڑ میں اس کی بہن غالباً ۳ سالہ بچی کی زیارت
کی جسے قرآن نہایت اعلیٰ درجے کا یاد تھا۔ اس کی دانی کا بیان تھا۔ کہ
یہ حافظہ پیدا ہوئی جو سب کو سکھانے آتے ہیں وہ رب سے سیکھ کر
آتے ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہور نبوت سے پہلے رب کے
عابد و ساجد تھے۔ وہ عبادت و سجدے اپنے الہام سے کئے اور الہام
بعد والی وحی کے مطابق ہوئے۔ (دیکھو شاہی)

س۔ ابراہیم علیہ السلام پر آگ کیسے گرا۔ ابن گئی آگ تو گلزار کو جلا دیتی ہے
ج۔ اللہ کے حکم سے دیکھو پارس سے لوہا چھو کر سونا بن جاتا ہے بعض جڑی
بوٹیوں کے عرق سے مس ہو کر تانبا سونا اور قلعی چاندی بن جاتی ہے۔
ایسے ہی آگ حضرت خلیل سے مس ہو کر پھول بن گئی تھی۔

س۔ موسیٰ علیہ السلام پر ساحروں کا جادو نہ چلا حضور پر جادو کیوں ہو گیا۔
ج۔ وہاں جادو معجزہ کے مقابلہ میں کیا گیا۔ لہذا فیل ہو گیا۔ یہاں مقابلہ
نہ تھا بلکہ چور کی طرح جادو کرنے عمل کیا۔ جس کا اثر حکم بشریت کچھ
ہو گیا۔ جیسے بعض پیغمبر شہید ہوئے تو تلوار کا اثر ان کے اجسام بشری
پر ہو گیا۔

مسئلہ تقدیر

س۔ تقدیر کے معنی کیا ہیں اور اسے تقدیر کیوں کہتے ہیں ؟
 ج۔ تقدیر قدر سے بنا۔ بمعنی اندازہ اور نقرر۔ تقدیر کے معنی ہیں اندازہ
 لگانا یا مقرر کرنا۔

س۔ تقدیر کی حقیقت کیا ہے ؟

ج۔ تقدیر رب کے اس علم کا نام ہے جو عالم کے احوال کے متعلق ہے۔
 رب کو علم تھا کہ فلاں بندہ اپنی زندگی میں فلاں فلاں کام کرے گا۔
 یہ اس کی تقدیر ہوئی۔ اسی علم کو لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا۔ یہ اس کی تقدیر
 کی تخریر ہوئی۔ پھر بندے نے ویسے ہی اعمال کئے جو نامہ اعمال
 میں لکھ لیے گئے۔ یہ تقدیر کا نتیجہ ہوا۔

س۔ جب علم الہی میں سب کچھ آچکا اور اس کے خلاف ہونا ناممکن ہے تو
 چاہیے کہ بندہ گنہ گار نہ ہو کہ اس نے وہی کیا جو پہلے لکھا جا چکا تھا
 بندہ مجبور ہے۔

ج۔ جیسے بندہ نیکی کر کے ثواب کا مستحق ہے۔ ایسے ہی بدی کر کے عذاب
 کا بھی۔ رب کے علم اور تخریر سے بندہ مجبور کیسے ہو گیا۔ مجبور وہ ہے
 جس سے بے ارادہ کچھ ہو جائے۔ جیسے رعشہ کی حرکت یا بلا قصر
 گر پڑنا۔ جو کام ارادے سے ہو۔ وہ اختیاری کہلاتا ہے۔ اور بندہ
 مختار ہے۔ رب کے علم میں یہ تھا کہ بندہ اپنے اختیار و ارادے سے
 یہ کام کرے گا۔ اسی کی تخریر ہوئی۔ رب نے نہ اس گناہ کا حکم دیا
 نہ اس سے راضی ہوا۔

س۔ ارادہ الہی کے مطابق واقع ہونا واجب ہے اور واجب میں بندے

کا اختیار نہیں ہوتا۔ جب کفر ابلیس کا ارادہ رب کا ہو چکا تو کفر ضروری ہو گیا۔ پھر اختیار کہاں ؟

ج۔ کفر کے ساتھ ارادہ کفر بھی واجب ہو گیا یعنی ضروری ہو گیا کہ ابلیس ارادہ کر کے کافر بنے چونکہ کفر ارادہ کے ساتھ ہوا۔ لہذا کفر اختیاری رہا۔

س۔ جب رب نے بندوں کے گناہوں کا ارادہ کیا تو ان گناہوں سے راضی ہوا۔ ورنہ ارادہ ہی کیوں کرتا۔ اور جس کام سے رب راضی ہو وہ گناہ نہیں تو گناہ گناہ نہ ہوا۔

ج۔ ارادہ۔ حکم اور رضا علیحدہ چیزیں ہیں۔ ارادہ کو رضا اور حکم لازم نہیں رب نے ذبح اسمعیل کا حکم دیا مگر ارادہ نہ کیا۔ ابو جہل کو اسلام کا حکم تھا مگر ارادہ نہ تھا۔ ایسے ہی ابو جہل کے اسلام سے رب راضی مگر اس کا ارادہ نہیں فرمایا۔

س۔ قرآن کہتا ہے۔ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّكُمْ
بغیر چاہے تم کچھ بھی نہیں سکتے۔ پھر ہم مختار کیسے ؟

ج۔ بے شک ہم چاہتے ہیں غیر مختار رہے مگر اس فعل میں تو مختار ہوئے۔ مثلاً زید قتل کرے گا۔ رب ارادہ فرما چکا تو یقیناً زید ارادہ سے ضرور قتل کرے گا۔ تو زید ارادہ قتل میں مجبور ہوا۔ مگر فعل قتل میں مختار رہا۔ کیونکہ وہ ارادے سے ہے۔ اور سزا قتل کی ہے نہ کہ ارادہ قتل کا اگر یہ نہ ہو تو رعشہ کی حبش اور ہاتھ ملانے میں فرق نہ ہو اور انسان محض پتھر بن کر رہ جائے۔

س۔ انسان تو غیر مختار ہی معلوم ہوتا ہے۔ واقعی پتھر اور انسان ارادہ الہی میں برابر ہی ہیں۔

ج۔ تعجب ہے کہ بے عقل گناہ تو پتھر میں اور تم میں فرق کرے کہ اگر تم گناہ

کو پتھر مارو تو وہ تمہیں کاٹتا ہے نہ کہ پتھر کو اور تم عاقل ہو کر فرق نہ کرو۔ اور یہ بھی محض کہنے کی بات ہے۔ ورنہ تم ظالم پر مقدمہ کیوں کرتے ہو۔ سمجھ لو کہ وہ پتھر کی طرح سنا رہا ہے۔ پتھر پر کوئی مقدمہ نہیں کرتا۔ تم بھی ظالم سے بدلہ نہ لو۔

س۔ رب فرماتا ہے جسے خدا گمراہ کر لے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ نے ان کے دلوں پر حیر کر دی۔ جب رب گمراہ کرے دلوں پر حیر لگائے پھر بندہ بالکل بے قصور ہے۔ اندھا۔ بہرہ۔ دیوانہ۔ نہ دیکھنے نہ سننے۔ نہ سمجھنے میں بالکل بے قصور ہے۔ اندھا۔ بہرہ۔ دیوانہ۔ نہ دیکھنے نہ سننے۔ نہ سمجھنے میں بالکل بے قصور ہوتا ہے۔

ح۔ ان آیات میں ختم اللہ کے معنی تو ظاہر ہیں کہ ان کفار نے کفر کر کے ایمان اور دیگر نیکیوں سے دور رہ کر اپنے قلب کو ایسا سیاہ کر لیا کہ آئندہ اس کا نیکی کی طرف مائل ہونا مشکل ہو گیا۔ اسی کو مہر یا ختم کہتے ہیں اس ختم میں ان مجرموں کے جرموں کا بڑا دخل ہے۔ جو کوئی خود اپنی آنکھ پھوڑے کان پھاڑ کر بہرا بن جاوے یا خود کشتی کر لے۔ تو اس کے اندھے پن یا موت کا خالق تو رب ہی ہے۔ مگر وہ بھی یقیناً مجرم ہے جیسے حلق پر تلوار پھیر لیا اپنی موت کا سبب ہے۔ ایسے ہی زیادتی گناہ دل کا لاہونے کا سبب۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: **كَلَّا بَلْ رَأٰنَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ** ان کے بد اعمال نے ان کے دلوں کو رنگ آلود بنا دیا۔ یہاں مہر اور رب کا خالق گناہوں کو قرار دیا۔ **وَمَنْ يُضِلِلْهُ** میں گمراہی کی طرف اس لئے نسبت کیا گیا کہ وہ اس کا خالق ہے۔ یا اس کی خبر دے چکا ہے۔ لہذا گمراہی کا سبب بندہ ہے۔ اور رب خالق۔ مطلب یہ ہوا کہ جس کی گمراہی رب کے علم میں آچکی یا جس پر اس کے اعمال کی وجہ سے گمراہی پیدا کر دی اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

س۔ بندہ مطلق مختار ہے یا مطلق مجبور اگر مختار ہے تو رب کا ارادہ بیکار۔
اگر مجبور ہے تو معذور ہے۔

ج۔ نہ مطلقاً مختار ہے نہ مطلقاً مجبور کسب میں مختار اور خلق میں مجبور ہے کسب کہتے ہیں۔ اسباب جمع کرنے کو خلق کہتے ہیں۔ نیستی کو ہستی بخشتا۔ بکری کے حلق پر چھری چلا دیتا۔ یہ موت کا کسب ہے۔ اور موت دینا یہ خلق۔ پہلے میں بندہ مختار ہے دوسری چیز میں مجبور ہے۔
س۔ رب نے شیطان کو پیدا ہی کیوں فرمایا جو گناہوں کی جڑ ہے۔

ج۔ شیطان دنیا کا معمار ہے اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا میں کچھ نہ ہوتا۔ کیونکہ پھر پولیس۔ فوج۔ کچھری۔ حتیٰ کہ بادشاہ وغیرہ سب بے کار تھے۔ جب کوئی مجرم اور فسادی نہ ہوتا تو ان محکموں کی ضرورت کیا تھی۔ بلکہ پھر انبیاء کرام کی نشر لہف آدری اور تبلیغ کی بھی کیا ضرورت تھی۔ دوزخ اور ملائکہ خدا بھی بے کار تھے۔ خدا کی صفات بمعنی غفاری۔ ستاری۔ جباری۔ قہاری کا ظہور بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ صفات بندوں کے گناہوں سے ظاہر ہوتے ہیں بلکہ پھر آدم علیہ السلام نہ گندم کھاتے نہ زمین پر نشر لہف لاتے نہ دنیا بستے۔

غور سے معلوم ہوتا ہے کہ گرم سرد پاک ناپاک اچھی بُری چیزوں سے دنیا کا نظام قائم ہے۔ اگر ان میں سے ایک نہ ہو تو دنیا ختم ہے۔ گندے کھاد پاک پانی سے دانہ بنتا ہے۔ گرم ٹھنڈی طاقت سے بجلی بنتی ہے بھوک اور سہری سے دنیا قائم ہے۔

س۔ پھر تو شیطان بڑی اچھی چیز ہے اسے لعنت کیوں کرتے ہیں ؟
ج۔ نہیں شیطان تو بُرا ہے۔

س۔ جب شیطان مردود نہ ہوا تھا تو زمین پر بسنے والے جنات نے فساد کیوں کیا۔ انہیں کس نے بھکایا۔ اور خود شیطان کو کس نے بھکایا۔

ح۔ ان کے نفس امارہ نے، دکھیو رمضان میں شیطان قید ہوتا ہے۔ مگر گناہ بچھڑھوتے ہیں۔ نفس کی وجہ سے نفس شیطان سے زیادہ خطرناک ہے۔ ہم کو گمراہ نفس ہی کرتا ہے۔ شیطان تو نفس کو بُری راہ دکھا کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔

س۔ انسان فرشتوں سے افضل کیوں ہے۔ فرشتہ نفس و شیطان سے محفوظ اور گناہوں سے معصوم ہیں۔

ح۔ انسان ایسی عبادتیں کر سکتا ہے جو فرشتوں سے نہیں ہو سکتیں روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ صبر۔ شکر۔ فرشتے نہیں کر سکتے کیونکہ وہ کھانے پینے سے پاک ہیں۔ پھر ان عبادات میں سے ہر ایک میں صد ہا عبادتیں ہیں۔ روزے میں کھانا۔ پینا۔ جماع۔ غیبت۔ جھوٹ وغیرہ چھوڑنا یہ پانچ عبادتیں ہوئیں۔ افطار۔ سحری۔ تراویح۔ اعتکاف وغیرہ یہ بھی پانچ۔ ایسے ہی حج و زکوٰۃ کو سمجھ لو۔ اور جو عبادتیں فرشتے اور انسان میں مشترک ہیں جیسے اللہ کا ذکر اور نماز ان میں انسان اعلیٰ ہے۔ کیونکہ مقرب فرشتوں میں سے کوئی صرف نیام میں ہے کوئی رکوع میں کوئی سجدہ میں۔ ایسے ہی جانوروں کا حال ہے۔ مگر انسان کی نماز میں یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ پھر انسان مسجد آکر عبادت۔ گھر پہنچ کر دنیاوی انتظام کرتا ہے۔ لہذا یہ مقرب بھی ہے اور مدبرات امر بھی اسی لئے نبوت صرف انسان کو ملی۔ پھر انسانوں کو عبادت سے روکنے والی لاکھوں چیزیں ہیں۔ فرشتوں کے لئے کچھ نہیں۔ لہذا اس کی تھوڑی عبادت بھی زیادہ ہے۔

سے انسان فرشتے سے افضل ہے۔

س۔ شریعت میں کوئی دن منحوس ہے یا نہیں ہے؟

ح۔ نہیں۔ ہاں بعض دن بعض کاموں کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ اتوار۔ باغ لگانے۔ مکان بنانے کھیت بونے کے لئے زیادہ موزوں ہے کیونکہ

اسی دن حنت کا باغ لگا۔ سوموار تجارتی سفر کے لئے بہتر ہے کہ اسی دن حضرت شعیب علیہ السلام نے تجارت کا پہلا سفر کیا جس میں بہت نفع ہوا۔ سہ شنبہ کو فصد لینا پر لیشن یا حجامت کرنا بہتر نہیں۔ یہ دن خون کا ہے۔ اس دن یہ کام کرنے سے برص کا اندیشہ ہے اسی دن حضرت حوا کو خون آیا۔ ہاہیل کا قتل ہوا۔ حضرت زکریا بھی علیہ السلام اور جبریل اور فرعون کے جادوگر حضرت کسبہ قتل کئے گئے۔ بدھ کا آخری حصہ علم شروع کرنے کے لئے بہتر ہے۔ جمعرات کا دن امراء و سلاطین سے ملنے اور مقدمہ دائر کرنے کے لئے بہتر ہے کہ اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے مناظرہ میں فتح پائی۔ جمعہ کا دن نکاح کے لئے بہتر ہے کہ اسی دن حوا کا حضرت آدم علیہ السلام سے زلیخا کا یوسف علیہ السلام سے اور بلقیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام سے اور نبی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

(روح البیان سورہ یونس آیت فی سنتہ الایام)

س۔ جب ہر چیز تقدیر میں آچکی۔ تو دعا میں کیوں مانگی جاتی ہیں۔ جو ہونا ہے وہ خود ہو جائے گا۔

ح۔ دُعا مانگنا بھی تقدیر میں آچکا ہے کہ بند یہ دعا کرے گا۔ تب یہ نعمت پائے گا۔ اسی لئے بیماری کی دوا۔ رزق کے لئے روزگار، بیمار سے پرہیز کروائے جاتے ہیں۔ کہ اگرچہ صحت و رزق سب مقدر ہے۔ مگر یہ اسباب بھی تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں۔

س۔ کیا تقدیر میں تبدیلی ہو سکتی ہے اگر ہو سکتی ہے تو اس کے کیا معنی؟ اِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَ لَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ اگر نہیں ہو سکتی تو اس حدیث کا کیا مطلب

کہ دعا قضا کو بدل دیتی ہے۔ یاد اور علیہ السلام کی عمر ۶۰ سال تھی۔
 لیکن آدم علیہ السلام کی دعا سے سو سال ہو گئی یا صدقہ عمر بڑھاتا ہے۔
 ج۔ تقدیر جو علم الہی ہے اس میں تبدیلی ناممکن ہے۔ اس کا نام
 قضا و مبرم ہے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے اور تقدیر جو اعمال
 الہی ہے جس کا فرشتوں میں اعلان ہوتا ہے۔ اسے قضا معلق
 کہتے ہیں۔ ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ ان احادیث میں اسی تقدیر
 کا ذکر ہے۔ اس کے لئے یہ آیت ہے۔ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ
 وَيُثَبِّتُ وَعِثَّةً اٰمَمٌ الْكِتَابَ۔

س۔ جب بعض ارواح جنتی بعض دوزخی پیدا ہوتی ہیں تو اعمال کی کیا
 ضرورت ہے۔ ہر روح اپنے مقام پر پہنچ جائے گی۔
 ج۔ رُوحوں کے جنتی دوزخی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ رب کو یہ علم ہے کہ
 فلاں رُوح بخوشی نیکیاں کر کے جنت میں اور فلاں کر کے دوزخ میں
 جاوے گی۔ مگر جنتی دوزخی ہونا اعمال سے ہوگا۔ اور عمل۔ عامل کے
 ارادے سے عمل بیج کی طرح ہیں کہ کسان نہ تو بیج سے بے پرواہ
 ہے اور نہ ہی بیج پر اعتماد کر سکتا ہے۔ اگر وقت پر بارش اور دھوپ
 پہنچے اور درخت آفات سے محفوظ رہے تو دانہ میسر ہو ایسے ہی نہ تو
 اعمال سے ہمیں بے پروائی ہے نہ ان پر پورا اعتماد۔ اعمال ہوں۔ بیاخرابی
 خاتمہ سے محفوظ رہیں اور قبولیت کی ہوا چلے۔ تب جنت دیکھنا نصیب ہو
 غرض عمل کرتے رہو ڈرتے رہو۔

س۔ تو چاہیے کہ نیکیوں کے بغیر کوئی جنتی دوزخی نہ ہو سکے کیونکہ بغیر
 بیج درخت ہو سکتا ہی نہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کے بچے دیوانہ بعض بد عمل
 مومن جنتی ہوں گے جنت بھرنے کے لئے ایک قوم پیدا کی جائے گی۔
 بعض کے نزدیک مشرکین کے بچے دوزخی ہیں۔ حالانکہ انہوں نے

کفر نہیں کیا۔

ح۔ عمل بیچ کی طرح اس کے لئے ہیں۔ جسے عمل کا موقع ملے جو موقع

نہ پائے۔ اس کا حکم دوسرا ہے۔ بعض درخت ٹخمی ہوتے ہیں بعض قلمی

بعض خود رو۔ مومن ٹخمی جنتی ہے۔ اس کے فوت شدہ بچے قلمی جنتی۔

اور وہ جنتی قوم جو جنت بھرنے کے لئے پیدا ہوگی اعمال سے خود رو جنتی

عرض جنت ہیں طرح حاصل ہوگی اعمال کسی وراثت سے (میراثی) محض فضل

س۔ کافر اور سرکش انسان شیطان سے بہتر ہے یا بدتر؟

ح۔ بعض وجہ سے بدتر شیطان ناری ہے انسان خاکی۔ انسان کو چاہیے

کہ اس میں انکسار و تواضع ہو۔ اس کی سرکشی شرت کے خلاف ہے۔

شیطان مشرک نہیں وہ مشرک ہے۔ جتنے گناہ وہ انسان کر لیتا ہے۔

اتنے شیطان بھی نہیں کر سکتا۔ رب کی بارگاہ میں شیطان جھوٹ نہ بولا۔

اس نے منافقت کی باتیں نہ کیں عرض کیا لَا غُيُوتَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

مگر سرکش انسان رب کی بارگاہ میں بھی جھوٹ اور منافقت سے باز نہیں

آتا۔ انبیاء اولیاء کی قوت و عصمت کا وہ بھی قائل ہے۔ اس لئے اس

نے کہا تھا۔ اَلَا عِبَادَكَ مِنْهُمْ اَلْمُخْلِصِينَ۔ تیرے خالص بندوں کو

نہ بھکاسکوں گا۔ مگر بے دین آدمی انبیاء اولیاء کی عظمت و عصمت کا انکار

کر جاتا ہے شیطان اپنے کو گمراہ مانتا ہے۔ اس لئے اس نے کہا۔ سَرِيتْ

بِمَا اَغْوَيْتَنِي۔ مگر کافر کفر کر کے اپنے کو ہدایت پر جاتا۔ تفسیر کبیر

نے فرمایا۔ کہ شیطان ہر دین کے مسئلہ سے واقف ہے۔

س۔ جب خدا کے علم نہیں تھا کہ آخر کا شیطان گمراہ ہو جائے گا تو اسے

پہلے اتنی عظمت کیوں دی۔ علم و عبادت اور ملائکہ میں رہتا۔

ح۔ تاکہ قیامت تک علماء عابدین، زاہدین کو عبرت ہو کہ مخالفتِ انبیاء

سے علم و عمل سب برباد ہو جاتا ہے۔

س۔ نبیوں و لیبوں کو خوف ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو ایمان کیسے حاصل ہوا۔ ایمان تو خوف و امید کے درمیان ہے۔ اگر ہوتا ہے تو اس آیت کے کیا معنی ہیں۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَاَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

ج۔ خوف کی نین نوعیتیں ہیں۔ رب پر بے اعتمادی کی وجہ سے کہ نہ معلوم وہ اپنے وعدے پورے کرے یا نہ کرے۔ یہ کفر ہے۔ کسی مومن کو بھی یہ خوف نہیں ہوتا۔ اپنے پر بے اعتمادی کی وجہ سے۔ نہ کہ معلوم مرتے وقت ایمان تقویٰ قائم ہے یا نہ رہے۔ یہ ہم جیسے گنہگاروں کو ہے۔ خاص اولیاء اور انبیاء اس سے محفوظ ہیں۔ جن کے جنتی ہونے کا وعدہ ہو چکا۔ رب کی ہدایت اور رب درباریہ انبیاء اولیاء کو بہت زیادہ ہے جتنا قرب زیادہ اتنی ہی ہدایت زیادہ۔

متفرق مسائل

س۔ عربی سال ذی الحجہ پر ختم اور محرم سے شروع ہوتا ہے۔ ان مہینوں میں کیا مناسبت ہے۔ ہجرت ربیع الاول میں ہونی تو چاہیے تھا کہ ہجری سنہ ربیع الاول سے شروع ہوا کرے۔

ج۔ اسلام کی ہر چیز کی بنیاد عبادت اور قربانی پر ہے۔ ہولی دیوالی میں کھیل کود ہے۔ نگہ عید بقر عید میں عبادت و قربانی۔ چونکہ ذی الحجہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کی قربانی پیش فرمائی۔ اور محرم میں بہت سے پیغمبروں نے قربانیاں پیش کیں۔ اسی محرم میں امام حسینؑ کی بھی قربانی ہونے والی تھی۔ لہذا اسلامی سال قربانی کے

عہدہ پر ختم ہوتا ہے۔ اور قربانی کے عہدہ سے شروع۔ تاکہ معلوم ہو کہ مومن کی ابتدا زندگی بھی قربانی پر ہے اور انتہا بھی۔

س۔ فقہانے اور احادیث نے بہت سے شرعی جیلے سکھائے۔ حالانکہ بنی اسرائیل نے ہفتہ کے دن شکار کا جیلہ کیا۔ سب بتدریج بنا دیئے گئے۔ معلوم ہوا کہ جیلہ کرنا سخت حرام ہے۔

ح۔ جیسے بنی اسرائیل پر یہ عذاب تھا کہ ان پر حلال چیزیں جیسے حلال جانوروں کی چربی حرام کر دی گئی۔ ایسے ہی یہ بھی عذاب تھا۔ کہ نہیں جیلہ کرنا حرام کر دیا گیا۔ نیز جیلہ کی دو صورتیں ہیں۔ خواہش نفسانی کے لئے یہ اب بھی منع ہے اور ضرورت شرعی پوری کرنے کے لئے وہ حلال ہے۔ بنی اسرائیل کا جیلہ پسلی قسم کا تھا۔

س۔ جمعہ کو جمعہ کیوں کہتے ہیں۔ اور ہفتہ کو یوم السبت اتوار کو یوم الاحد کہنے کی کیا وجہ ہے ؟

ح۔ دنیا پیدا کرنے کی ابتدا اتوار کے دن ہوئی۔ لہذا اس کا نام یوم الاحد یعنی پہلا دن ہوا۔ بعد کے دنوں کے نام ترتیب وار ہوئے یعنی سوموار کو یوم الثالثین یعنی دوسرا دن اور منگل کو یوم الثالث۔ یعنی تیسرا دن کہا گیا۔ جمعہ کو جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جمع سے بنا بمعنی جمع ہونا۔ اس دن دنیا کی پیدائش مکمل ہوئی اور تمام چیزیں وجود میں جمع ہو گئیں۔ یا اس لئے کہ اسی دن آدم علیہ السلام کے اجزاء عنصر یہ جمع ہوئے۔ نیز امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن جمع ہو کر نماز جمعہ پڑھتی ہے۔ نیز قیامت اس دن قائم ہوگی۔ جس میں تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے۔ لہذا اسے جمعہ کہا گیا۔ ہفتہ کو یوم السبت اس لئے کہتے ہیں کہ السبت کے معنی ہیں خالی۔ چونکہ یہ دن خلق سے خالی رہا۔ جمعہ کو

تخلیق مکمل ہو چکی تھی۔ لہذا اس کا نام یوم السبت یعنی خالی دن رکھا گیا ہفتہ میں جمعہ کے دن کام کی ایک دن اچھٹی اس لئے ہوتی ہے۔
 س۔ تو چاہئے کہ یا تو ہفتہ کو تعطیل ہو کرے۔ کیوں کہ رب نے یہ دن خالی رکھا یا اتوار کو۔ کیونکہ اس دن دنیا کی تخلیق شروع ہوئی۔ و خوشی کا دن ہے۔

ح۔ اتوار کا دن عالم کی بنیاد رکھنے کا دن ہے اور جمعہ کا دن آدم علیہ السلام کی پیدائش اور عالم کی تکمیل کا دن ہے۔ لہذا خوشی منانے چھٹی کرنے کے لائق یہ ہی دن ہے۔ مکان کی بنیاد رکھنے کی خوشی تمہیں منائی جاتی۔ بلکہ مکان مکمل ہونے کی۔ چونکہ دنیا کی تکمیل اور نسل انسانی کی ابتدا جمعہ کے دن ہوئی۔ لہذا وہی ہفتہ کا پہلا دن ہوا۔ اور وہ ہی عبادت کے لئے خالی رکھا گیا۔

س۔ رب فرماتا ہے کہ دنیا فقط کُن کہ دینے سے پیدا ہوئی۔ پھر چھ دن میں پیدا ہونے کے کیا معنی؟

ح۔ چھ دن میں پیدا ہوئی۔ مگر کُن فرمانے سے کُن فرمانا پیدائش کی نوعیت ہے اور چھ دن پیدائش کا زمانہ آج کے کُن سے آسمان بنا۔ کل کُن فرمایا تو زمین بنی۔ مادہ صورت اور ہتھیاروں کی ضرورت پیش نہ آئی۔
 س۔ جب پہلے سورج ہی نہ تھا تو چھ دن کیسے مقرر ہوئے۔

ح۔ مراد چھ دن کی مقدار ہے۔ یعنی اتنا وقت صرف فرمایا گیا کہ اگر سورج ہوتا تو چھ دن ہوتے۔

س۔ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی پیروی کی کیا ضرورت ہے۔ کیا ہدایت کے لئے پیغمبر کافی نہیں۔

ح۔ اہل بیت اُمت کی گمشدی ہیں۔ اور صحابہ کرام قطب نما۔ سمت در میں دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ حضرات اسلام کی صفت

اول ہیں ہی ہیں۔ جنہیں امام کی ہر حرکت معلوم ہے۔ ہم لوگ صفتِ اخیر میں۔ ان کے خبر دینے سے ہمیں حضور کے حالات معلوم ہوں گے اگر ان کی نماز یا ایمان غلط ہے تو ہمارا ایمان کیسے صحیح ہو سکتا ہے وہ حضرات اسلام کی ریل کا پہلا ڈبہ ہیں جو انجن سے ملا ہوتا ہے۔ ہم لوگ آخری ڈبہ جس کا انجن سے تعلق پہلے ڈیلے کے ذریعے ہوتا ہے اگر وہ حضرات ہی انجن سے کٹ کر رہ گئے۔ منزل مقصود پر پہنچنے تو ہم کیسے پہنچ سکتے ہیں ہمارا حضور سے تعلق تو انہی کے ذریعے ہے۔ ہماری نجات ان ہی کی طفیل ہے۔

س۔ روافض کہتے ہیں کہ خلافت معصومین کو ملنی چاہیے تھی۔ بارہ امام معصوم ہیں۔ لہذا وہ ہی خلیفہ ہونے چاہیے تھے نہ کہ خلفاء ثلاثہ۔ کیونکہ وہ اگر مومن بھی ہوں تب بھی معصوم نہیں۔
ح۔ اگر خلافت معصومین کا حق ہوتی تو اولاد کو نہ ملتی بلکہ فرشتوں کو ملتی۔ یہ ہی تو فرشتوں نے عرض کیا تھا کہ انسان خون بہائے گا۔ فساد پھیلے گا یعنی معصوم نہ ہوگا۔ آخر کار خلافتِ الہیہ فرشتوں نے مانی۔ ابلیس نے نہ مانی۔ خلافتِ مصطفوی بھی مومنین نے مانی نہ شیاطین انس نے نہ مانی۔ دونوں کا حال یکساں ہے۔

س۔ اللہ کے نام تو فیقی ہیں پھر اسے خدا کیوں کہتے ہیں۔ یہ نام بھی کسی آسمانی کتاب سے ثابت نہیں۔

ح۔ خدا رب کا نام نہیں بلکہ اس کی صفت یعنی مالک کا ترجمہ ہے۔ خدا کی صفت کا ترجمہ ہر زبان میں کرنا جائز ہے مگر نام کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ عربی یا عبرانی زبان کا ہو۔ کیونکہ زبانی کتابیں اور صحیفے انہی زبانوں میں آئے۔ لہذا اسے گاڈ یا رام پر صو پر ماننا نہیں کہہ سکتے۔ کہ یہ عجمی نام ہیں اور پروردگار یا لہنہارا کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ نام نہیں بلکہ عجمی زبان میں اس کے صفات کے ترجمے ہیں۔ اگر یہ الفاظ نام

ہوتے تو وظائف۔ نماز۔ اذان اور زبح کے وقت بولے جاتے۔

س۔ سب سے بدتر کافر کون ہے ؟

ج۔ بدترین کافر پیغمبر کی توہین کرنے والا شیطان اسی قسم کا کافر تھا۔ وہ الوہیت حشر و نشر و صفات الہیہ کا منکر تھا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو طین کہتا تھا۔ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ۔ جس کے جواب میں العام بلا۔

انبیاء کرام کی تعلیم شریفین کی بھی توہین کفر ہے ؟

اس لئے کہ ان کی ہر چیز رب کی تجویز سے ہے تو ان کی کسی چیز پر اعتراض رب پر اعتراض ہے جیسے فوج کی وردی پگڑی پر اعتراض بادشاہ پر اعتراض ہے کہ یہ چیزیں اس کی تجویز ہیں۔

س۔ کسی پیغمبر نے نبوت و تبلیغ پر اجرت نہ لی لَا اسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اور نہ خلفائے راشدین نے خلافت پر علماء تعلیم پر و اعظمین و عظمیٰ پر اجرت لینے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی تبلیغ ہی کرتے ہیں۔

ج۔ جس کے انتخاب میں بندوں کی رائے کو دخل نہ ہو بلکہ اس کا تقرر محض حکم الہی سے ہو۔ اس کی اجرت محض رب کے کرم سے ہوگی بندوں سے نہ لی جاوے گی اور جہاں تقرر میں بندوں کو اختیار ہو وہاں اجرت بھی بندے ہی دیں گے۔ جیسے کچھری کا جج اور وکیل و مختار منشی جج کی تنخواہ حکومت کے ذمہ ہے۔ کیونکہ اس نے اسے مقرر کیا ہے۔ مگر وکیل مختار کی اجرت رعایا کے ذمہ کہ وہ خود انتخاب کرتی ہے۔ اسی طرح نبوت میں بندوں کی رائے کو دخل نہیں لہذا ان کی خدمت کا معاوضہ محض رب پر ہے وہ خود کہتے ہیں۔ اِنَّ اَجْرِيْ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ اور خلیفۃ المؤمنین۔ عالم۔ واعظ کو خود بندے انتخاب کر کے اپنے یہاں رکھتے ہیں۔ لہذا ان کی خدمت خود کریں۔

س۔ قرآن فرماتا ہے کہ اللہ کی آیتیں تھوڑی قیمت سے نہ بیچو۔ معلوم ہوا کہ زیادہ قیمت سے بیچنا جائز ہے۔

ج۔ قرآن کے لئے ساری دنیا بھی تھوڑی قیمت ہے۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ۔ کیونکہ دنیا فانی ہے اور قرآن باقی۔ کہ دنیا قبر حشر ہر جگہ کام آتا ہے۔ فانی کتنی بھی زیادہ ہو۔ باقی کے مقابلہ میں تھوڑی ہے غرضیکہ آیات قرآنیہ تمام دنیا کے عوض بیچنا بھی تھوڑی قیمت سے بیچنا ہے۔ لہذا حرام ہے۔

س۔ تو چاہیے کہ وعظ۔ تعویذ۔ قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا حرام ہو اور قرآن شریف کی تجارت تو ڈبل حرام ہو کیونکہ یہ تو سارے قرآن کا بیچنا ہے۔

ج۔ یہ قرآنی آیت کا بیچنا نہیں ہے۔ واعظ۔ معلم وغیرہ اپنے پابندی و نیت پابندی جگہ اور محنت کی اجرت لیتے ہیں۔ پولیس والے کاغذ لکھائی چھپائی کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ قرآن بیچنے کے معنی یہ ہیں کہ پیسے لے کر قرآنی آیت کا حکم بدل دے۔ جیسا کہ یہود کرتے تھے یہ حرام ہے۔

س۔ قرآنی احکام صرف مسلمانوں کے لئے ہیں یا پیغمبر کے لئے بھی ہیں۔ اور کفار سے بھی ان میں خطاب ہے یا نہیں مثلاً اَقِمُوا الصَّلَاةَ سے نماز صرف مسلمانوں پر فرض ہوئی یا حضور علیہ السلام پر بھی اور ہر نماز فرض ہے یا نہیں۔

ج۔ ایسے احکام امتی نبی تمام کے لئے ہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ عذاب آخرت کے لحاظ سے یہ احکام کفار پر بھی جاری ہیں۔ یعنی دنیا میں ان پر نماز پڑھنا فرض نہیں۔ مگر عذاب ترک نماز بھی ہوگا۔ کہ تم نے مسلمان ہو کر نماز کیوں نہ پڑھی۔ لہذا تو مسلم زمانہ کفر کی

نمازیں قضا نہیں کرنا۔

س۔ تو پھر نبی اور غیر نبی میں فرق کیا ہوا ؟

ج۔ بڑا فرق ہے۔ حضور کے لئے شرعی احکام ایسے ہیں جیسے ہمارے لئے کھانے پینے کے حکم۔ کہ اگر ہمیں یہ حکم نہ بھی دیا جاتا جب بھی ہم ضرور کھاتے پیتے لیکن حکم آجانے سے کھانا پینا ثواب بن گیا۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام حکم کے بغیر بھی شرعی احکام ادا کرتے۔ چنانچہ حضور معراج سے پہلے بھی نمازیں پڑھتے تھے۔ پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا۔ اس وقت سجدہ اور نماز کا حکم کہاں تھا۔ مگر حکم سے ان کا قرب اور زیادہ ہو گیا۔ غرض کہ یہ احکام کفار کے لئے تو زیادتی عذاب کا باعث ہیں۔ اور مسلمانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زیادتی قرب کا موجب۔

س۔ یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ حضور کی مثل ناممکن ہے۔ رب قادر ہے کہ ہزاروں ایسے پیغمبر پیدا فرمائے۔

ج۔ سارا عالم جو خدا کے سوا ہے۔ وہ حضور کے نور سے بنا۔ اب حضور کا مثل کیسے ہو سکتا ہے۔ جو مثل ہو گا وہ بھی حضور ہی کے نور سے بنا ہو گا۔ پھر وہ مثل کہاں رہا۔ جب ایک شخص اپنے باپ کے لطف سے پیدا ہو چکا۔ تو اب اس کا دوسرا حقیقی باپ نہیں بن سکتا۔ جب دنیا حضور کے نور سے پیدا ہو چکی تو اب دوسرا مصطفیٰ کیسا بھی نہیں ہو سکتا۔

س۔ اسلام میں عورتوں پر پردہ کیوں رکھا گیا ہے۔ اس سے عورتوں کو تپ ہو جاتی ہے۔

ج۔ بخار روکنے کے لئے زکام اور طاعون روکنے کے لئے چوہوں کی زیادتی روکتے ہیں۔ زنا حرام ہوا لہذا اس کے اسباب یعنی

عورتوں کی بے حجابی بھی حرام ہوئی۔ دولت موتی چھپا کر رکھو۔ عورت قوم کی بیش قیمت دولت موتی ہے۔ اسے چھپاؤ۔ شیشہ پتھر سے علیحدہ رکھو۔ عورت نازک شیشہ ہے۔ اجنبی کی نگاہ پتھر۔ پھول گلشن میں اچھا ہے۔ عورت پھول ہے گھر اس کا گلشن۔ تپ دق پیاس سال ہے اور پردہ چودہ سو برس سے۔ اب بھی بے پردہ عورتوں میں دق زیادہ ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ إِحْبَابِهِ کہ یہ رسالہ عجلالہ ۲۱ جمادی اولیٰ ۱۳۶۸ھ ووشنبہ کے دن شروع ہو کر ۲۵ جمادی الآخر ۱۳۶۸ھ ووشنبہ کے دن بعد نماز ظہر ختم ہوا۔ جو کوئی اس رسالہ سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ فقیر بے نوا کے لئے حسن خاتمہ کی دعا کرے۔ کہ اسی لالچ میں یہ محنت کی ہے۔ رب تعالیٰ اسے قبول فرما کر میرے لئے توشیح آخرت و صدقہ جاریہ بنائے۔ اور میرے ولی نعمت حضرت صدرالافاضل قدس سرہ العزیز کے سایہ میں مجھے اور تمام اہل سنت کو رکھے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهَا وَنور عرشہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ واصحابہ
وَسَلَّمَ

○
احمد یار خاں نعیمی
عفی عنہ

۲۵ جمادی الآخر ۱۳۶۸ھ ووشنبہ

تقدیم: سیدنا فضل شاہ انور فلکار عفی عنہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْخَنَّانِ الْمَنَّانِ

کہ دریں زبان نہادتہ تواناں

حَجْمُوعَسَادَرُوسِ الْفِرْقَانِ

درس القرآن

جسٹیفائیڈ

حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی
کے کچھ روزہ قرآنی درس جمع کر بیٹے گئے جو آپ مدت سے جامع مسجد
غوثیہ گجرات میں مسلسل دیتے رہے

❖

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَحْمَدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَصْفِيَاءِ

محمد بن المصطفى وعلى إليه البردة التقى

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت
اتم سے خطہ گجرات علم و عرفان کا گوارہ رہا۔ سرزمین گجرات کو ہی یہ شرف
حاصل ہے کہ یہاں حضور غوث الثقلین نجیب الطرفین قطب ربانی محبوب
سجانی حضرت شیخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ
ارشد حضرت کبیر الدین دریائی دو طہا عرت شاہد لہ صاحب رضی اللہ عنہ
آرام فرما رہے ہیں۔ حضرت شاہد لہ صاحب وہی بزرگ ہیں جن کی ڈوبی
ہوئی برات بارہ برس کے بعد حضور غوث پاک نے مع دامن و براتیوں

کے بحیریت دریا سے نکالی تھی۔ اس لئے ان کا لقب دریاٹی ڈولہا ہے۔ جو کچھ فرق کے ساتھ شاہد ولہ بن گیا۔ گجرات میں ہمیشہ سے ہی علم و معرفت کے چھٹے پھوٹتے رہے۔ اس مردم خیز خطے نے بڑے بڑے علماء فضلاء اور صوفیا پیدا کئے۔ جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گجرات شہر میں حضرت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب لغبی کو گجرات بھیجا۔ آپ کی ذات سے فقط گجرات ہی کو نہیں بلکہ پاکستان و بیرون پاکستان کو برکتیں حاصل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے بڑے بڑے علماء دین پیدا فرمائے۔ جن سے زمانہ فیض پارہا ہے۔ آپ کے دارالافتاء سے ہر سال بہت شرعی فتوے جاری ہوتے ہیں۔ آپ کی تصنیفات سے بہت سے ممالک کے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ خصوصاً تفسیر لغبی اور تفسیر نور العرفان مکمل اور مرآة شرح مشکوٰۃ شریف مسلمانوں میں بہت مقبول ہوئیں

ان فیوض میں سے سب سے بڑا فیض صبح کا درس قرآن بھی ہے انیس سال میں قرآن شریف ختم ہوا۔ اب دوبارہ تین سال سے شروع ہے۔ جو ڈیڑھ پارے تک پہنچ گیا ہے۔ اس درس کی لذت و کیفیت وہی حضرات جانتے ہیں۔ جنہیں اس میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ بعض بعض آیتوں پر مسلسل ایک ایک ہفتہ درس ہوتا ہے اور آیات کا نشان نزول تفسیر عالمانہ و صوفیانہ آیت کے مسائل و فوائد اعتراضات و جوابات۔ غرض کہ تحقیق کے دریا بہتے ہیں۔

دلت سے بزرگان اہل سنت خصوصاً حضرت سید الحاج محمد معصوم شاہ صاحب جیلانی قادری بظلم کا اصرار تھا کہ یہ درس قلمبند کیے جائیں تاکہ ان کا فائدہ عام منتقل و دیر پا ہو مگر اس کی کوئی صورت بن نہ آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حکیم سردار علی صاحب کو تمہیت و توفیق بخشی کہ انہوں نے

نہایت جانفشانی سے کچھ درس لفظ بہ لفظ قلب بند کئے کیسے کئے یہ نہ پوچھیے۔
 جو رسالہ آستانہ فیض عالم میں دربار داتا صاحب لاہور سے شائع ہوتے رہے
 پھر حضرت سید محمد معصوم صاحب ہی کے ارشاد سے وہ درس اب آپ کے سامنے
 کتابی شکل میں حاضر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب حضرت شاہ صاحب کے اخلاص کی برکتیں ہیں
 جو ان درسوں سے فائدہ اٹھائے وہ ہم سب کے لئے دعائے خیر کیے۔ کہ
 ہم لوگوں نے اس ہی لالچ میں یہ محنتیں سکی ہیں۔ وصلى الله تعالى على خير
 خلقها ونور عرشه سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحابة
 وبارک وسَلِّم



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

درس القرآن

كَمَا رُسَلْنَا فَيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يُتْلُوْا عَلَيْكُمْ
اٰیٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ
مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ : جیسے ہم نے تم میں ایک شاندار رسول بھیجا جو تم میں سے
ہیں۔ جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں۔ اور تمہیں پاک کرتے ہیں۔
اور تمہیں کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ جو تم نہیں جانتے تھے۔
اس سے پچھلی آیتوں میں تبدیلی قبلہ کا مفصل ذکر ہوا۔ جس میں فرمایا
گیا کہ کعبے کا قبلہ ہونا تمہارے لیے انعام ہے۔ اور اس آیت میں حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کی تشریح آوری کا ذکر ہے۔ جو اس سے بھی بڑھ کر رب کا
انعام ہے۔ غرض کہ ان آیتوں میں اس کعبے کا ذکر تھا جو نماز کا قبلہ ہے۔
اور یہاں اس محبوب کا ذکر ہے جو ایمان کا قبلہ ہے۔ یعنی قبلہ سر کے بعد
قبلہ دل کا ذکر ہے۔ اس آیت کریمہ کا ہر کلمہ حضور انور کی کھلی نعمت ہے۔
چنانچہ کہا فرمایا کہ ہم نے تمہیں کعبے کو پھیرا۔ تم پر یہ ہمارا پہلا
احسان نہیں۔ ہم تمہیں اس سے پہلے وہ شاندار نبی عطا کر چکے ہیں جن کی
صفات یہ ہیں۔

اَرْسَلْنَاكُمْ مِّنْ تَحْتِ السَّمَاءِ مَائِدًا مِّنْ سَمٰوٰتِنَا
فَرَايَا كَيْفَ يَخْرُجُ السَّمٰوٰتُ سَائِبٰتٍ مِّنْ سَمٰوٰتِنَا
فَرَايَا كَيْفَ يَخْرُجُ السَّمٰوٰتُ سَائِبٰتٍ مِّنْ سَمٰوٰتِنَا
فَرَايَا كَيْفَ يَخْرُجُ السَّمٰوٰتُ سَائِبٰتٍ مِّنْ سَمٰوٰتِنَا

اے مسلمانو! تمہیں کلہ نماز۔ کعبہ اور اسلامی عقیدے سے اور اعمال تو ہم نے سچے دیتے سب سے پہلی جو نعمت دی وہ اس محبوب کی نشر لیتا آوری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم درختِ اسلام کی جڑ ہیں۔ اور تمام عقائد و اعمال اس کی شاخیں۔ سب سے پہلے جڑ قائم ہوتی ہے۔ شاخیں وغیرہ بعد میں نمودار ہوتی ہیں۔ پھر شاخوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب تک جڑ سے وابستہ رہیں ہری رہیں گی۔ پھل پھولوں سے لدی رہیں گی۔ مگر جڑ سے بے تعلق ہونے ہی بالکل بے کار۔ آگ کے لائق ہو گئیں۔ اسی طرح رب العالمین نے سب سے پہلے حضور کو نبوت بخشی۔ اور گیارہ سال تک کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل نہ بھیجا۔ گیارہ سال کے بعد معراج میں بلا کر نماز دی۔ اور بعد ہجرت دوسرے احکام اس گیارہ سال کے عرصے میں جو مسلمان فوت ہوئے وہ یقیناً جنتی تھے۔ دوستو! اس کی مثالیں تو ہزاروں ملیں گی کہ بعض لوگ بغیر عمل جنتی ہو گئے۔ مگر اس کی مثال کہیں نہ ملے گی کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر محض اعمال سے جنتی ہو گیا ہو۔ جن عبادتوں کو حضور کے دم قدم سے وابستگی ہے ان میں قبولیت کے پھول بھی ہیں اور ثواب کے پھل بھی مگر جو عبادتیں اس ذاتِ کریم سے آگے جائیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں جس کیلئے شیطان کی مثال موجود ہے اسی لئے اَرْسَلْنَا مَا ضَىٰ مَطْلِقًا قَرَّيَا۔

اسی اَرْسَلْنَا کے متعلق دوسری بات یہ سمجھ لو کہ رب العالمین نے ہمارے دنیا میں آنے کو خلق یعنی تعبیر کرنے سے تعبیر فرمایا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشر لیتا آوری کو یا اَرْسَلْنَا سے یا بَعَثَ سے جاء سے ارشاد فرمایا۔ کہ فرمایا۔ اِذْ بَعَثْنَا فِيهِمْ رَسُولًا۔ اور فرمایا قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ۔ وجہ فرق یہ ہے کہ ہم یہاں آنے سے پہلے کچھ نہ تھے۔ رب فرماتا ہے۔ هَلْ آتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ هَيْئًا مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّا دُّكُورًا۔ دنیا میں اگر ہم سب کچھ بنے۔ مومن۔ عالم۔ متقی وغیرہ بنے۔ اس لئے

ہمارے لئے خلق فرمایا گیا۔ خلق کے معنی ہیں نیست کو ہست کر دینا۔ اور جو کچھ نہ ہو اُسے سب کچھ کر دینا۔ مگر انبیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آنے سے پہلے ہی سب کچھ تھے۔ بنی بھی تھے۔ خدا کے عابد بھی تھے۔ اس لئے ان کے آنے کو ارسال کہا گیا۔ بھیجا وہ جاتا ہے جو پہلے اپنے پاس موجود ہو۔ اور عہدہ اسے دیا جاتا ہے جو عہدہ سنبھالنے سے پہلے سب کچھ ہو چکا ہو۔ وزارت عظمیٰ کا قلمدان دینے سے پہلے تعلیم و تربیت مکمل کر دی جاتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ ہم اس وقت بھی بنی تھے۔ جب آدم علیہ السلام آبِ دَکَل میں تھے۔ نیز یہ بھی فرق ہے کہ ہم دنیا میں اپنے کام کو آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بکار سرکار تشریف لائے۔ لہذا ہمارے لئے خلق فرمانا بہتر ہے۔ اور حضور کو ارسال کرنا ہی موزوں۔

فیکر میں تین احتمال ہیں یا تو اہل عرب سے خطاب ہے یا سارے مسلمانوں سے۔ یا تمام انسانوں سے۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے ریگستانِ عرب کے باشندو! تمہاری تقدیر کھل گئی کہ تم ذروں کو چمکانے کے لئے وہ نہ چھپنے والا سورج تشریف لایا جس نے تمہیں تمہارے خاندانوں کو تمہارے ملک کو۔ تمہاری زبان کو دنیا میں چمکا دیا۔ کہ اب ساری دنیا تمہارے پاس کھچ کر آئے گی۔ مگر تمہیں کسی عبادت کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ چنانچہ دیکھ لو حج۔ عمرہ۔ طوافِ زیارت وغیرہ کرنے کے لئے تمام دنیا رہیں جاتی ہے۔ اگر اس بخرِ خطے میں حضور کی تشریف آوری نہ ہوتی۔ تو دنیا اس کے نام سے بھی خردار نہ ہوتی۔ بلکہ اس علاقے کو بے آب و دانہ رکھا ہی اس لئے گیا کہ یہاں جو کھی آئے۔ حضور کی خاطر آئے۔ کاروبار یا تفریح کے لئے نہ آئے۔

اور اگر عام مسلمانوں سے خطاب ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم وہ خوش قسمت لوگ ہو جنہیں وہ رسول ملا۔ جس کی گردِ قدم کو انبیاء کرام

ترستے تھے۔ ان کی برکت سے نہاے عیب چھپ گئے۔ میل دھل گئے۔ مشکلیں کھل گئیں۔ نصیبے چمک گئے۔

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نعمت پر مَنْ فرما کر احسان نہیں بتایا۔ سوائے حضور کی نشر اپنا آوری کے کہ فرمایا۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنْ دَارِهِمْ لِيُحْيِيَهُمْ وَلَهُمْ فِيهَا مَغْرِبٌ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ فِيهَا مَغْرِبٌ قَبْلُ وَلَهُمْ فِيهَا مَغْرِبٌ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ فِيهَا مَغْرِبٌ قَبْلُ وَلَهُمْ فِيهَا مَغْرِبٌ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ فِيهَا مَغْرِبٌ قَبْلُ

دوسرے یہ کہ دنیا کی ساری نعمتیں اگر حضور کے فرمان کے ماتحت خرچ کی جائیں تو نعمتیں ہیں ورنہ زحمتیں۔ گویا حضور نعمت بھی ہیں اور دیگر نعمتوں کے نعمت گر بھی۔

تیسرے یہ کہ ساری نعمتیں حتیٰ کہ ہمارے ہاتھ پاؤں رب کے ہاں ہمارے پردہ دار ہوں گے کہ ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پردہ پوش۔ فرماتے ہیں خدایا اچھے تیرے۔ بُرے میرے اس لئے فرمایا گیا فَيُكْفَرُ

اور اگر سارے انسانوں سے خطاب ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اسے گروہ انسان میں پر بڑی مہربانی کی کہ تیری جماعت میں اپنے حبیب کو بھیجا فرشتوں کو جنت میں نہ بھیجا۔ جس کی وجہ سے تیری عزت کو چار چاند لگ گئے۔ خیال رہے کہ انسان اشرف المخلوقات مانا گیا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ وَكَأَنَّ كَرْمًا بُنِيَ آدَمَ۔ اس لئے نہیں کہ انسان طاقت میں دوسری مخلوق سے زیادہ ہے بلکہ انسان کمزور ہے۔ رب فرماتا ہے۔ خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا۔ اس لئے نہیں کہ انسان کے اعمال دیگر مخلوق سے بہتر ہیں۔ فرشتے اذی معصوم ہیں۔ اور انسان جب بگڑے تو ایسے

گناہ کرے جو ابلیس کے باوا کو بھی نہ سوجھیں۔ اس کے باوجود ان شرف المخلوقات ہے۔ خلافتِ الیہ کا تاج اسی کے سر پر ہے۔ کیوں؟ اس لئے اور صرف اس لئے کہ انبیاء کرام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ میں تشریف لائے۔ چنانچہ دیکھ لو کہ جن لوگوں نے نبی علیہ السلام سے رشتہ غلامی نہ جوڑا۔ وہ کتنوں سوڑوں سے بدتر مانے گئے۔ رب تعالیٰ کفار کے بارے میں فرماتا ہے۔ اُولَئِكَ هُم شَرُّ الْبَرِيَّةِ ط یعنی یہ لوگ ساری مخلوق سے بدتر ہیں مخلوق میں سارے جانور بھی آگئے۔

نوح علیہ السلام کی کشتی میں بندر۔ گدھے۔ کتنے کی جگہ تھی۔ مگر کنعان کو جگہ نہ تھی کہ وہ کافر تھا۔ جیسا کہ سورہ ہود میں مفصل مذکور ہے۔ اور جن لوگوں نے اس شہنشاہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ غلامی مضبوط جوڑا۔ ان کا درجہ عرش و کرسی۔ لوح و قلم۔ فرشتے۔ جنات غرض سب سے اعلیٰ ہو گیا۔ وہ بہترین مخلوق ہوئے۔ رب تعالیٰ صالحین کے بارے میں فرماتا ہے اُولَئِكَ هُم خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ط اس لئے فرمایا گیا۔ فَبِكُمْ رَسُولًا ط علماء کرام نے توفیکم کے معنی بیان کئے کہ ہماری جماعت میں آئے مگر صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ فَبِكُمْ سے مراد یہ ہے کہ تم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تشریف لائے جیسے جسم میں جان یا آنکھوں میں نظر۔ آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریں دل میں ہیں جیسے جسم میں جان ہیں مجھ میں، لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے فَبِكُمْ ایک ہے مگر صوفیاء اور علماء کی نظریں مختلف۔

رَسُولًا مِّنْكُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار صفات بخشے۔ لیکن ان صفات کے ظہور کے موقع مختلف ہیں۔ حضور اللہ کے بندے بھی ہیں۔ اس کے رسول بھی۔ نبی بھی اور اللہ کے نور بھی ہیں۔ مگر جب ان کے یہاں آنے کا ذکر ہوتا ہے تو انہیں رسول۔ نبی۔ نور حق۔ برہان

کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جب معراج میں بلانے کا ذکر فرمایا۔ تو
عبدہ ارشاد ہوا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں رسالت کی شان سے
آئے ہیں۔ اور وہاں عبدیت کی شان سے گئے تھے۔

خیال رہے کہ حضور کو رسول اللہ کہا جاتا ہے وکیل اللہ نہیں کہا
جاتا۔ کیونکہ وکیل وہ ہے جو دوسرے کا کام اپنی ذمہ داری پر کرے اور اس
کام کو اپنی طرف نسبت دے۔ چنانچہ خریدار کا وکیل کہتا ہے کہ میں خریدتا
ہوں۔ اور سائے حقوق بیع اسی پر ہوتے ہیں۔ اور سائے حقوق بیع وہ خود
ہی ادا کرتا ہے۔ مگر رسول وہ ہے جو دوسرے کا کام خود اس دوسرے کی
ہی ذمہ داری پر کرتا ہے۔ زبان رسول کی ہوتی ہے الفاظ مرسل کے حضور
اللہ کے رسول ہیں کہ حضور کے ہر قول و فعل کا ذمہ دار پروردگار ہے۔ کیا
تمہیں خبر نہیں ہے

سنگریزہ می نزد دست جناب مَارْمِیْتِ اِذْ رَمِیْتِ اَبْدِ خَطَابِ
تا اید گھر شرح ابن معضیل کتم جُزْ تَجِیْرٌ مِیْجَ نَهْ لُودِ حَاصِلِمْ
بیعت حضور کے ہاتھ پر ہوتی ہے۔ مگر بت فرماتا ہے کہ مجھ سے بیعت
ہوتی۔ ان کے ہاتھوں پر میرا ہاتھ ہے۔ اس لئے فرمایا رَسُوْلًا۔ پھر یہ کہا کہ
کس کا رسول۔ اس لئے کہ جیسے خدا کی خدائی مطلق کہ ہر موجود کا وہ معبود مسجود
ہے۔ اور ہر ذرہ اس کے لئے سربسجود۔ اسی طرح حضور کی رسالت مطلق
ہے کہ ہر مخلوق کے حضور رسول ہیں۔ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے یہ
کہہ سکتے ہیں کہ آپ رسول بنی اسرائیل ہیں۔ آپ کی توریت کے احکام
مجھ پر جاری نہیں۔ میرے بعض کام آپ کی شریعت کے خلاف ہوں گے۔
اس لئے آپ میرے ساتھ نہ رہیں۔ موسیٰ علیہ السلام یہ جواب دے سکتے تھے۔
کہ میں آپ کا رسول بن کر نہیں آیا۔ بلکہ ثنا گردین کر کچھ سیکھنے آیا ہوں۔
مگر وہی خضر علیہ السلام شریعت محمدیہ کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور اس

شرعیات کے سارے احکام جو ان کے لائق ہیں۔ ان پر جاری ہیں۔ بیعت رضوان میں صحابہ کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام نے بھی حضور کی بیعت کی جیسا کہ عینی فتح الباری شرح بخاری اور تفسیر روح البیان وغیرہ میں ہے اور تم نے بھی اسے اپنی کتاب شانِ حبیب الرحمن میں لکھا ہے۔

کیوں نہ ہو کہ حضور رسول مطلق ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ اور خدائی کے رسول۔ پھر رسول کی تتوینِ تعظیم کی ہے جس کے معنی ہوئے تاناں رسول کہ سب رسولوں نے اپنی اپنی اُمتوں پر راج کئے مگر ہمارے آقا رسولوں کے بھی رسول ہیں۔ ان تمام مثالوں کے باوجود حال یہ ہے کہ ہُنکے تم میں سے ایک۔

غریبوں کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ مسکینوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب قریب ہیں کوئی کہے سے یاس و اُمید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں اول قیامت میں تمام مخلوق انہیں ڈھونڈے گی مگر نہ پاسکے گی الا بہرہ سیری عیسیٰ علیہ السلام۔ یہ آپ کے شرف کا اظہار ہوگا۔ اور آخر قیامت میں حضور اپنے ہر گتہ گار کو ایسے ڈھونڈیں گے جیسے مہربان ماں اپنے جنے ہوئے اکلوتے کو۔ یہ آپ کے کرم کا ظہور ہوگا۔

وہ لیں گے چھانٹ اپنے نام لہو اول کو محشر میں غضب کی بھڑ میں ہیں انکی اس پہچان کے صدقے غرضکہ رسولکلامکے اجتماع نے بہت ہی لطف دیا۔ یَسْئَلُوا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو اللہ کے حبیب نے مخلوق کو عطا فرمائیں :

- ۱۔ آمینیں پڑھ کر سنانا۔
- ۲۔ مخلوق کو پاک فرمانا۔
- ۳۔ قرآن سکھانا۔
- ۴۔ حدیث شریف کی تعلیم دینا۔

اور نہ جانی ہوئی باتیں بنانا۔

جن میں سے پہلے تلاوت کا ذکر فرمایا کہ وہ محبوب تمہارے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں۔ کیونکہ تلاوت آیات ہر کافر و مومن پر فرض کی گئی۔ اگلی چار نعمتیں مسلمانوں ہی کو دی گئیں اس جملہ کے تین منشا ہیں۔

ایک یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر تم میں رہے۔ کہیں باہر نہ رہے تاکہ یہ شبہ نہ ہو سکے کہ وہ کہیں سے فصاحت و بلاغت یا باتیں سیکھ کر آئے ہیں۔ پھر اچانک تمہیں ایسی باتیں سنانے لگے جن کے

مقابلہ سے دنیا عاجز ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ سچے رسول ہیں اور بذریعہ وحی یہ سب کچھ بڑھ رہے ہیں۔ یہ تلاوت ان کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔

دوسرے یہ کہ آیات قرآنیہ عرشی ہیں اور تم سب فرشتی۔ نہ تم انہیں وہاں سے لے سکتے تھے۔ اور نہ وہ آیتیں تمہارے پاس آسکتی تھیں۔ اس لئے

ایک ایسے بزرخ کی ضرورت تھی جو حسباً فرشتی ہو اور روحاً عرشی۔ جو عرش سے لے کر فرشت پر دے سکے۔ جس کی آنکھ عرش پر لگی ہو اور ہاتھ اور زبان فرشتوں کو دینے کے لئے کام کر رہی ہو۔ اگر یہ بزرخ درمیان میں نہ ہوتا۔ تو تمہیں یہ آیتیں کبھی نہ مل سکتیں۔

تیسرے یہ کہ آیات قرآنیہ کی صحیح تلاوت کرنا حفظ قرآن و علم تجوید کے بعد ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ! یہ محبوب نہ کہیں حفظ کرنے گئے اور نہ کسی

سے تجوید کا علم سیکھا بلکہ تمام جہان یہ سب کچھ ان سے سیکھے گا۔ ہماری اس تفسیر سے یہ اعتراض اڑ گیا۔ کہ تلاوت قرآن ہر شخص کر لیتا ہے۔ پھر اُسے حضور کی محامدا و خصوصیات میں کیوں ذکر کیا گیا۔

آگے ارشاد ہوا وَیُزَكِّيْكُمْ۔ یہ لفظ تزکیہ سے بنا جس کے معنی ہیں پاک کرنا۔ صفائی بیان کرنا اور بڑھانا۔ تفسیر کبیر یعنی تمہیں پاک کرتے ہیں یا کبریٰ گے یا تمہیں بڑھائیں گے۔ پہلے معنی کی بنا پر مقصد یہ ہو گا کہ

تہیں محض نلاوتِ قرآن یا اعمالِ ظاہری پاک و صاف نہیں کر سکتے۔ صرف ان کی نگاہِ کرم ہی پاک کرتی ہے۔ تم تو کیا ہو تمہارا قبلہ کعبہ معظمہ بھی ان کے ہاتھ لگے بغیر بتوں سے پاک نہ ہو سکا۔

خیال رہے کہ یہاں فرمایا گیا تم کو پاک کرتے ہیں۔ ہمارے پاس پانچ چیزیں ہیں۔ جسم۔ دل۔ دماغ۔ روح اور نفسِ امارہ۔ جن میں سے پہلی چار چیزیں عارضی ناپاک ہو جاتی ہیں۔ مگر نفسِ امارہ نجس العین ہے عارضی ناپاک چیزیں پانی۔ مٹی یا ہوا وغیرہ سے پاک ہو جاتی ہیں جس کی تفصیل مسائل فقہ میں موجود ہے۔ مگر نجس العین ان میں سے کسی چیز سے پاک نہیں ہوتا۔ گنتے سورا اور گوبر کو جتنا بھی دھوؤ زیادہ ہی گندہ ہوگا۔ اس کی پاکی کی صرف ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کی خفیفیت بدل دی جائے۔ مثلاً نمک کی کان میں کٹنا گدھا کر کر نمک بن گیا۔ وہ پاک ہو گیا۔

آگ میں گوبر راکھ بن کر پاک و صاف ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف کرنے والا ہو جاتا ہے۔ کہ اس راکھ سے برتن صاف کئے جانے لگے۔ اب اس کلمے کا مطلب یہ ہوا کہ اے لوگو! وہ محبوب تمہارے جسموں کو نسر لیت کے پانی سے تمہارے دلوں کو طریقت کے پانی سے۔ تمہارے دماغوں و خیالات کو حقیقت کے پانی سے اور تمہاری روحوں کو معرفت کے پانی سے پاک فرماتے ہیں۔ مگر یہ نفسِ امارہ جو نجس العین ہے اس لئے وہ ان چیزوں سے پاک نہیں ہوتا۔ اُسے خوفِ الہی کی آگ میں جلا کر اور عشقِ مصطفوی کی کان میں دبا کر اس کی خفیفیت بدل دیتے ہیں۔ کہ وہ نفسِ بجائے امارہ کے مطمئن بن جاتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے: **إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَاتٌ بِالسُّوءِ الْأَمَّا حَبِيبَتِي نَفْسٌ فَئِي** جانا ہے تو پھر یہ حال ہوتا ہے کہ دُونی مٹ جاتی ہے اور ہم اور میں کے

جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور تو ہی تو رہ جاتی ہے۔ مولانا جامی کہتے ہیں۔
 بندہ عشقِ شہدی ترکِ نسبِ کُن جامی
 کہ دریں راہِ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

اشعارِ دیگر

پوچھا کہ تیرا کام کیا ہیں نے کہا شہدائیرا
 پوچھا کہ تیرا کام کیا ہیں نے کہا سودائیرا
 پوچھا کہاں رہتا ہے تو میں بولا۔ کوئے پار میں
 پوچھا کہ تیرا کیا پتہ۔ میں نے کہا رستہ تیرا
 آگ لگنے سے پہلے شیشم ببول وغیرہ مختلف لکڑیاں تھیں مگر جل کر سب کا
 نام راکھ ہو گیا۔ جب نفسِ امارہ مطمئنہ بن جاتا ہے تو یہ حال ہوتا ہے تو بُرے
 کام تو کیا معنی بُرے خیال بھی نہیں کرتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا گیا کہ اے عثمان جو چاہو کرو تم جنتی ہو چکے۔
 اس میں حضرت عثمان کو گناہ کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ ان کے نفس کو مطمئنہ
 بنا دیا گیا کہ اب وہ بُرے کام کر سکتے ہی نہیں جیسے جنتیوں سے کہا جائے گا کہ
 تم جو چاہے کرو۔ اس کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ دوسروں کی عورتوں کو نکو بلکہ مطلب
 وہی ہو گا کہ تمہارا نفس امارہ ہے ہی نہیں تم بُرے کام کرو گے ہی نہیں۔
 اور اگر تزکیہ سے مراد صفائیِ بیان ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ
 محبوب تمہاری ہی نہیں بلکہ گذشتہ تلبیوں و لیبوں کی بھی صفائی بیان کرتے
 ہیں۔ دیکھو یہود نے کنواری مریم کو تمت لگائی۔ حضرت مسیح کو عیب لگائے
 اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادو گر کہا۔ حضور نے ان بزرگوں کی صفائی
 بیان کیں تو بزرگانوں کی زبانیں گونگی ہو گئیں۔ دنیا میں ان کی عظمتوں کے
 ڈنکے بج گئے۔

اسی طرح حضور انور نے صحابہ کبار اور اہل بیت اطہار کے مراتب اور فضائل بیان کئے تو روافض اور خوارج پر اوس پر گئی کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھ کر منہ سجالیں۔ مگر صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما کو اپنے پہلوؤں میں سلا کر تمام جہان سے انہیں سلام کرا لیا اور اپنی آل پاک کو درود ابراہیمی میں اپنے ساتھ ملا کر ہر نمازی سے ان پر درود پڑھوا لیا۔ اپنی امت کے فضائل بیان فرما کر ان کے خطبے پڑھوا دیئے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کے معنی ہیں کہ تمہارے قبیلوں کو صاف و شفاف کرتے ہیں خیال رہے کہ انسان کا دل آئینے کی طرح ہے۔ جیسے صاف آئینہ میں گھر کی تمام چیزیں بلکہ خود گھر والا اور اس کی حرکت نظر آتی ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان کا قلب صاف ہو تو عرش فرش۔ لوح و قلم۔ بحر و بر۔ دشت و جبل۔ ساری خدائی بلکہ خود خدا تعالیٰ کی تجلی ہیاں نظر آتی ہے۔ **رَبِّ فَرَمَاتَا هِيَ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ** ہم تمہارے دلوں میں ہیں۔ تم دیکھتے کیوں نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است من نہ گنجم ہیچ در بالاد لپست

در دل مومن گنجم اے عجیب گھر مرا جوئی دریں دلہا طلب

لیکن اگر آئینہ دھندلا ہو تو بے کار ہوتا ہے جیسے آئینے کو گرد و غبار دھواں وغیرہ دھندلا کرتے ہیں ایسے ہی دل کو بد عقیدگیاں۔ بڑے اعمال حسد و کینہ وغیرہ دھندلا کر دیتے ہیں۔ اور جیسے دھندلے آئینے پر پالش یا زوال وغیرہ پھیر دیا جائے تو صاف ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اتباع سنت خوف خدا محبت جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس آئینے کی جلا ہے۔

حکایت

شیخ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ایک دھنیے کی دکان اُسے گزے۔ روٹی دھنتے ہوئے دیکھ کر آپ کو وجد آ گیا اور یہ شعر پڑھ کر چل دیئے

تو دُھن کے دُھینے اپنی دُھن ۛ پرانی دُھنی کی پاپ نہ پُچن
تیری کیا سس میں چار بنولے ۛ سب سے پہلے ان کو پُچن

تو دُھن کے دُھینے اپنی دُھن
حِرس و حسد سے غصہ کبیتہ ۛ ایک ایک کر کے ان کو پُچن
تو دُھن کے دُھینے اپنی دُھن

دل اس بٹھیک کی طرح ہے جس کا ایک دروازہ تو مکان کی طرف ہو۔
اور دوسرا سڑک کی جانب۔ اگر سڑک والا دروازہ کھل جائے تو وہ اغیار کا
مجمع ہوگا۔ اور اگر گھر والا دروازہ کھل جائے تو اپنے بال بچوں گھر پار کا اجتماع
ہوگا۔ غرض کہ کبھی جاوت خانہ کبھی خلوت خانہ۔ ایسے ہی دل کی ایک کھڑکی دنیا
کی طرف بھی ہے دوسری دین کی طرف۔ اگر دین والی کھڑکی کھل جائے تو کائنات
یار ہے کہ پھر اس میں تقویٰ عشق و خوف وغیرہ سب کچھ ہوگا۔ اور اگر خدا نہ
کرے دنیا والی کھڑکی کھل گئی تو پاخانہ اغیار ہوگا۔ یہاں رب نے ارشاد
فرمایا۔ کہ یہ محبوب اپنی نگاہِ کرم سے تمہارے خانہ دل کو کورے کچرے سے
صاف فرماتے ہیں۔ تاکہ یہ خانہ خدا بن جائے یا نشیثہ دل پر وہ پالش کرتے
ہیں جس سے ساری خدائی اور خدا کے جلوے نظر آئیں۔

یا اس کے معنی ہیں کہ کل قیامت میں وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ
الہی میں تمہاری صفائی دیں گے۔ اہم مقدمات میں دعویٰ پر گواہی لہجباتی
ہے۔ پھر خفیہ طور پر گواہی کی صفائی جب انبیاء کرام کا مقدمہ بارگاہ الہی
میں اپنی قوموں کے خلاف پیش ہوگا۔ تو اُمتِ مصطفویٰ اس میں بطور گواہ
حاضر لائی جائے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان گواہوں پر گواہ بھی ہونگے
اور اپنی اُمت کے گواہ صفائی بھی۔ کہ یا اللہ اُمتِ فاسق و فاجر مردود الشہادت
نہیں۔ عادل ہے منتقی ہے۔ ان کی گواہی قابل قبول ہے۔ مگر گواہ کی صفائی وہ
دے سکتا ہے جو گواہ کے ہر کھلے چھپے حالات سے خیردار ہو۔ بے خیر کی

صفائی معتبر نہیں۔ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر امتی کے عمل سے خبردار ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ گواہ صفائی چوہے حضور نے ایک موقع پر فرمایا کہ یہاں دو شخص مدفون ہیں۔ ان پر عذاب ہو رہا ہے ایک چغل خور اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے غیر محتاط۔ سرکار کا تیسرا وصفت بیان ہوا **وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ**۔ وہ تمہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔

عربی میں تعلیم اور ہے اعلام کچھ اور ہے تعلیم کے معنی ہیں سکھانا۔ اعلام کے معنی ہے بتانا۔ رب نے فرمایا **يُعَلِّمُكُمُ** یہ محبوب تمہیں بتاتے نہیں۔ بلکہ سکھاتے ہیں۔ سکھانا زبان سے ہوتا ہے۔ قلم سے بھی عمل سے بھی۔ بالواسطہ بھی اور بلا واسطہ بھی۔ حضور نے صحابہ کرام کو قرآن و حکمت بلا واسطہ سکھائی۔ اور قیامت تک ساری امت کو بالواسطہ۔ کیونکہ سارے علماء اور مشائخ حضور ہی کے مدرسہ سے پڑھ کر قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں لفظیں بھی ہیں جن کا مقام ہے کاغذ۔ الفاظ بھی ہیں جن کا مقام ہے زبان۔ معانی اور احکام بھی ہیں۔ جن کا مقام ہے دماغ۔ اسرار بھی ہیں جن کا مقام ہے دل۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام چیزوں کی تعلیم جناب امیر معاویہ وغیرہ کا تبین وحی کو قلم بکھڑانا۔ حروف قرآنیہ کے دائرے بنانا۔ اور اس کا لکھنا بھی سکھایا۔ سارے صحابہ کو تجوید کے قاعدے۔ حروف کے مخارج۔ تلاوت کا طریقہ اور آداب بھی سکھائے اور قرآن کے مسائل اور اسرار بھی سمجھائے غرض کہ کوئی پہلو نشہ نہ چھوڑا۔

پھر جیسے قرآنی نقوش کو گندہا تھ نہیں چھو سکتا۔ قرآنی الفاظ کو گندی زبان نہیں پڑھ سکتی۔ ایسے ہی قرآنی احکام کو گندے دماغ نہیں سمجھ سکتے اور قرآنی اسرار کو گندے دل اپنے اندر نہیں لے سکتے۔ اسی لئے رب العالمین نے تعلیم کتاب کا ذکر تزکیہ کے بعد کیا۔ یعنی حضور پہلے تمہارے ظاہر و باطن کو پاک کرتے ہیں۔ پھر قرآن کے ظاہر و باطن کو اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچاتے ہیں۔

حِکْمَتے۔ حُکْم سے بنا حِکْم یعنی مضبوط یا فائدہ مند چیز۔ اس کا مقابل ہے عبت یا لغو۔

اس میں گفت گو ہے کہ یہاں حکمت سے کیا مراد ہے کسی نے کہا کہ اس سے قرآنی مراد ہیں۔ کوئی بولا کہ اس سے قرآنی اسرار مراد ہیں۔ مگر دونوں غلط۔ کیونکہ یہ دونوں تو کتاب میں ہی آگئے۔ حکمت سے کچھ اور مراد ہونی چاہیے یقیناً اس سے حدیث رسول اللہ اور سنت مصطفیٰ مراد ہے۔ چونکہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور احادیث کو ایسا مضبوط بنایا کہ انہیں نہ زیادہ مٹا سکا نہ کوئی اور طاقت فنا کر سکی۔ آج چودہ سو برس کے بعد بھی حضور کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک اداء اسی طرح دنیا میں زندہ اور موجود ہے۔ جیسے کہ آپ کی حیات تشریف میں تھی۔ حالانکہ اس دوران میں بڑے بڑے بادشاہ اور سلاطین گزرے۔ جنہیں دنیا بھول چکی۔ اس لئے حدیث کو حکمت فرمایا گیا۔ یعنی مضبوط اور نہ مٹنے والی چیز۔

یا چونکہ حضور کا ہر قول و فعل ہزار ہا فائدوں سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی بے فائدہ نہیں اس لئے اسے حکمت کہتے ہیں۔ اس جملے سے چند مسئلے معلوم ہوئے :

ایک یہ کہ علم دین اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ حضور نے لاکھوں نعمتیں ہم کو دیں۔ تخت دیا، تاج دیا۔ راج دیا۔ یاج دیا۔ بیٹیوں کو پالا۔ بیواؤں کو معزز کیا۔ مگر رب نے خصوصیت سے علم دینے کا ذکر فرمایا ہے

بوریا ممنون خواب راتش

تاج کسریٰ زیر پائے اُمتش

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی افضلیت فرشتوں پر اور خلافت کا استحقاق مال و دولت یا زیادہ عبادت سے نہیں ظاہر کی۔ بلکہ زیادتی علم سے۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

رَضِينَا قِسْمَتَ الْجَبَّارِ فِيْنَا
لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَالِ مَالٌ
فَإِنَّ الْمَالَ يَفْنَى عَنْقَرِيْبِي
وَإِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَا يَزَالُ

یعنی ہم اللہ کی تقسیم پر راضی ہیں
ہم کو علم دین بخشا اور جاہلوں کو مال
کیونکہ مال کو بہت جلد زوال ہے
اور علم کو قیامت تک زوال نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بالکل برحق ہے مال کی حفاظت
انسان کرتا ہے مگر علم انسان کی حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرتے گھٹتا ہے
مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس کا اللہ
بھلا چاہتا ہے اسے دینی فقیہ بنا دیتا ہے۔

حضرت امام محمد جو مذہب حنفی کے جامع ہیں انہیں بعد وفات کسی
نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیسی گزری۔ ہنس کر بولے۔ رب نے بڑا فضل
کیا مجھے نور کی کرسی پر بٹھا کر مجھ پر نور کی بارش کی اور فرمایا۔ اے امام
محمد! اگر تمہیں عذاب دینا ہوتا تو ہم تمہیں دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کا اتنا بڑا عالم نہ بناتے۔ اسی لئے رب نے فرمایا کہ عالم و جاہل برابر نہیں۔
نیسرے یہ کہ علم دین تقویٰ اور طہارت سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔
گندے گھر میں بادشاہ نہیں آتا۔ تو گندے دل میں قرآن حدیث کیسے
آئیں۔ اسی لئے رب نے یہاں پہلے فرمایا يُزَكِّيْكُمْ پھر فرمایا لِيُعَلِّمَكُمْ
پاکی پہلے تعلیم لعدیں۔

جو تھے یہ کہ کسی شخص کو صحابہ کرام جیسا علم قرآن و حدیث حاصل
نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم لوگوں نے اپنے استادوں سے علم سیکھا۔ مگر
ان حضرات نے براہ راست رب تعالیٰ سے۔ رب فرماتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ
عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔ رب نے اپنے حبیب کو قرآن سکھایا۔ اور یہاں فرمایا۔
وَعَلَّمَكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ براہ راست حضور سے فیض لینے والے
صحابہ کرام ہی ہیں۔ انجن پہلے اگلے ڈبے کو ہی کھینچتا ہے باقی ڈبے اس

کے ذریعے کھینچتے ہیں۔

پانچویں یہ کہ جو کہتا ہے حضور کچھ نہیں دیتے غلط کہتا ہے۔ دیکھو یہاں چھ نعمتوں کا ذکر ہے۔ جن میں صرف ایک نعمت میں رب نے اپنا ذکر کیا۔ یعنی حضور کو بھیجا اور باقی پانچ میں اپنے حبیب کا۔

قرایا۔ ہم نے تم میں رسول بھیجا۔ اور وہ رسول تمہیں قرآن دیتے ہیں۔ پاکی بخشتے ہیں۔ قرآن و حدیث کا علم عطا فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کے لئے براہ راست ہمارے پاس دوڑے مت آؤ۔ بلکہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کو ہمارے حبیب کے آستانے پر جاؤ۔ دیں گے ہم ہی مگر ان کے ہاتھوں سے پیاسا کنوئیں کے پاس جائے۔ بھوکا روٹیوں کے بازار میں۔ بیمار ہسپتال میں۔ لہذا گندہ یلبے علم یا گندہ گارا آستانہ پاک مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم پر حاضر ہو۔

چھٹے یہ کہ کوئی شخص کسی درجے اور مرتبے پر پہنچ کر حضور سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یہاں خطاب صحابہ سے لے کر قیامت تک کے مسلمانوں کو ہے کہ تمہیں وہ پاک کریں گے اور تم پاک ہو گے۔ تمہیں وہ علم سکھائیں گے۔ علم دیں گے تو تم عالم بنو گے۔ تمہاری اس میں عزت ہے کہ تمہیں ان سے ثروت نسبت حاصل ہو جائے۔ ان کے تھوڑے سے چھینٹے سے تمہارا سب کچھ بن جاتا ہے۔ ان کے سمندر میں کمی نہیں آتی۔

حکایت

گلستان میں ہے کہ ایک بادشاہ اپنے وزراء امرا کے ساتھ شکار کھیلنے گیا راستے میں شام ہو گئی۔ گھر دوڑ تھا۔ سوچا کہاں جائیں کسی دیہاتی کا جھونپڑا نظر پڑا۔ بادشاہ نے کہا۔ چلو وہاں رات گزار لیں۔ وزیر بولا۔ حضور آپ کی شان شاہانہ کے لائق نہیں۔ دیہاتی کے جھونپڑے میں رات گزارنا۔ ہم یہیں جیسے لگانے ہیں

سب سامان ساتھ ہے ہر طرح انتظام کیے لینے ہیں۔ ادھر دیہاتی کو خبر لگی کہ بادشاہ نے میرے فقیر خانے میں آنا چاہا۔ مگر وزیر نے روک دیا۔ وہ بھاگا ہوا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آستانہ بوسی کر کے بولا کہ سوچ نے میرے جھونپڑے پر چکنا چاہا تھا مگر بادلوں نے میرے جھونپڑے کو محروم رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اگر سوچ میری کرے تو بادل دم میں چھٹ سکتے ہیں اور میرا تاریک جھونپڑا جگمگا سکتا ہے۔

کچھ اس درد سے اس نے عرض و معروض کی کہ بادشاہ کو رحم آگیا۔ حکم دیا تمام خیمے اکھڑ لو۔ سب اس دیہاتی کے جھونپڑے پر چلو۔ ہم بھی نفس نفیس وہاں ہی آرام فرمائیں گے۔ سب کو مجبوراً وہاں جانا پڑا۔ کو کچھ دیہاتی ماحول کے مطابق اُسے جڑا بنا۔ اس نے بارگاہ میں حاضر کیا۔ بادشاہ نے بہت رغبت سے ملاحظہ فرمایا اور سو گیا۔

صبح کو بادشاہ نے اس دیہاتی کو دولت، عزت، تمغوں اور خلعت سے مالا مال کر دیا۔ جب روانہ ہونے لگا تو دیہاتی نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور یوں بولا۔

ز نشان و شوکت سلطان نہ گشت چیزے کم
ز انفتات بہ ہماں سرائے دہستانے
کلاہ گوشہ دہقاں بہ آفتاب رسید
کہ سایہ بہ سرش افگند چون تو سلطانے

یعنی ایک دیہاتی کے جھونپڑے میں بٹھرنے سے بادشاہ کی نشان کم نہ ہوئی مگر دیہاتی کی پگڑی کا طرہ چوتھے آسمان پر پہنچ گیا۔ ہم نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

جو کرم سے اپنے شاہِ اُمم
میرے شاہ کی نہ ہو نشان کم
رکھیں اس غریب کے گھر قدم
کہ گلے سے ان کو پیار ہے

وے اس غریب کا غم کدہ بنے نرسک حسد بریں نشا ہا
 کرے ناز اپنے نصیب پر بنے شاہ وہ جو گنوار ہے
 ان کی نگاہ کرم سے ہم گندے پاک ہو جاتے ہیں۔ ہم جاہل عالم بن جاتے
 ہیں۔ ہم ناقہ کے قدر والے ہو جاتے ہیں ہم جنہیں مفت کوئی نہ لے قیمتی بن
 جاتے ہیں۔ شعر

بہائے خویش می دامنم بہ نیم جو نمی ارزد
 وگراو فضل فراید۔ بہائم بے بہا گرد
 میاں محمد صاحب نے فرمایا ہے

نہ میں یار کہا دن لائق نہ میں تساں پیارا
 گولا کر کے رکھ بندے نوں آن نلا بیچارا
 حسن حسن جتنا قدر نہ میرا صاحب نوں ڈیاں
 میں گلیاں داگوڑ کوڑا محل چڑیا شایاں
 آگے ارشاد ہوا وعلیٰ علیہ السلام تکتو کوؤا تعلمون۔

(ترجمہ) وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں وہ باتیں سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے
 تھے۔ عالمانہ مشرب پر اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ محبوب تمہیں صرف مسائل ہی
 سکھاتے بلکہ ازل سے لے کر اب تک جو کچھ واقعات عالم میں گزر چکے اور وہ جو
 اب سے لے کر قیامت تک ہونے والا ہے وہ سب کچھ تمہیں سکھاتے اور
 بتاتے ہیں اس کی تفسیر وہ حدیث ہے جسے بخاری و مسلم وغیرہ نے
 روایت فرمایا۔

کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد ممبر پر قیام
 فرما کر وعظ فرمایا حتیٰ کہ وقت ظہر آ گیا۔ پھر نماز ظہر ادا کی۔ پھر وعظ شروع فرما دیا۔
 حتیٰ کہ وقت عصر ہو گیا۔ پھر عصر پڑھ کر وعظ شروع کیا۔ حتیٰ کہ مغرب ہو گئی۔
 اس وعظ میں ابتداء آفرینش سے لے کر قیامت تک بلکہ جنیوں کے جنت

اور دوزخیوں کے دوزخ میں پہنچتے تک کے سائے حالات اس طرح بیان فرمادیئے کہ جو پرندہ پر سائے گا وہ بتا دیا اور جو ذرہ حرکت کرے گا وہ بھی بتا دیا اور جو قطرہ گرے گا اس کی خبر بھی دیدی۔ جسے یاد رہا اُسے یاد رہا۔ جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ یہ بھی حضور کا معجزہ ہے کہ اس مختصر وقت میں اتنا طویل بیان فرمادیا۔

جب داؤد علیہ السلام گھوڑے پر زین کسنے سے پہلے ساری زبور پڑھ سکتے ہیں تو ہمارے حضور اتنے وقت میں سب کچھ بیان بھی فرما سکتے ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہاں مَا لَا تَعْلَمُونَ سے مراد ہمارے نفس کے عیوب ہیں جیسے طلبیب بیماریاں اور اس کے ہر قسم حالات بنانا ہے خود بیمار کو اپنے حال کی خبر نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہمیں اپنے نفس کے عیوب خود معلوم نہیں۔ اس شاہنشاہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائے تو معلوم ہوئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس کے دھوکوں اور فریبوں سے وہ ہی بچ سکتا ہے جسے اللہ بچائے۔

چلنے زمین کے ذرے۔ آسمانوں کے تارے ہماری گنتی سے باہر ہیں۔ ایسے ہی نفس کے فریب ہمارے خیال سے وراہ ہیں۔ سائے دشمن ہم سے دور رہتے ہیں۔ ہم ان سے بھاگتے ہیں مگر یہ مارا نہیں ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ یہ منت چھو کہ یہ سب کو عبادتوں سے روکتا ہی ہے۔ نہیں بعضوں سے عبادتیں کرانا بھی ہے لیکن وہ ساری عبادتیں کرانا حقیقت ان کے روکنے کے لئے ہوتا ہے۔

کسی سے کہتا ہے کہ تو خوب نوافل پڑھ وہ نوافل میں مشغول ہو کر فرائض چھوڑ بیٹھتا ہے۔ کسی کو رات بھر اللہ اللہ کر داکر آتا تھکا دیتا ہے کہ وہ آئندہ عبادت کے قابل رہتا ہی نہیں۔

قربان جاؤ اس محبوب کے جس نے ہمیں ان خطرات پر مطلع کیا۔ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نیکی وہ ہے جو ہمیشہ کی جائے اگرچہ تھوڑی ہو ایک

بارابی بن کعبؓ یا کوئی اور صحابی فجر کی جماعت میں شامل نہ ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عبادت کی نیت سے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ یہ سمجھے کہ وہ ایسے بیمار ہو گئے ہوں گے کہ مسجد میں کسی کی امداد سے بھی نہ پہنچ سکے۔ تو ان کی بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ وہ رات بھر نوافل میں مشغول رہے صلح ہوتے ان کی آنکھ لگ گئی دیر سے جاگے اور جماعت نہ پاسکے اور المؤمنین نے فرمایا۔ بہتر تھا کہ عشاء پڑھتے ہی سو جانے مگر فجر جماعت سے پڑھتے۔ نوافل کی وجہ سے واجب مت ترک کرو۔ یہ تھی وہ تعلیم جس کی برکت سے انسان نفس کے دھوکوں سے بچ سکتا ہے اس لئے فرمایا گیا وَ لَعَلَّكُمْ مَا كُمْ تَكُونُونَ ہمارے اس تقریب سے پتہ لگ گیا ہوگا کہ آیت تشریف کے جملے بکر نہیں۔ کتاب اور حکمت کی تعلیم میں اور جانب اشارہ ہے اور اس اخیر جملے میں کسی اور طرف۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَصَحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

۷۸۶

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَانْكُرُوا لِي وَلا تَكْفُرُون ۝

(ترجمہ) اے میرے بندو! تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہمیں اپنے ذکر و فکر کا حکم دیا۔ اس آیت کا ہر ایک جملہ اپنے اندر لے لیا فوائد رکھتا ہے۔ فَاذْكُرُونِي کی ف یا جزائیہ ہے یا صلہ کی یعنی تم میری نعمتیں سن چکے تو اس کے شکر یہ میں میرا ذکر و شکر کرو یا چونکہ میں نے تم کو اپنے محبوب پاک کی غلامی عطا فرمائی۔ لہذا مجھے یاد کرو اور میرا شکر گزارو۔

پہلے جملے میں دو جگہ لفظ ذکر ارشاد ہوا۔ ایک اَذْكُرُونِي میں اور دوسرا اَذْكُرْكُمْ میں۔ قرآن کریم میں ذکر کے پانچ معنوں میں استعمال ہوا ہے

یاد کرنا۔ یاد رکھنا۔ تعظیم کرنا۔ عزت دینا۔ مشہور کرنا۔

رب فرماتا ہے وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ اور فرمایا۔ فِيهِ ذِكْرُكُمْ۔
یہاں ذکر بمعنی عزت افزائی اور شہرت ہے۔ فَأَذْكُرُوْنِي کے ذکر میں تین احتمال
ہیں اور اَذْكُرْكُمْ میں پانچ احتمال یعنی اے میرے بندو۔ تم مجھے یاد
کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ یا تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ یا تم
میری تعظیم کرو میں تمہاری تعظیم کروں گا۔ یا تم مجھے یاد کرو میں تمہیں عزت دوں گا۔
یا تم مجھے یاد کرو میں تمہیں شہرت دوں گا۔ اگر پہلے معنی مراد ہوں یعنی تم
مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ تو اس کی تفسیر وہ حریت قدسی ہے کہ
رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے
دل میں یاد کرتا ہوں اور جو بندہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اُسے
بہترین جماعت یعنی فرشتوں میں یاد کرتا ہوں۔ سبحان اللہ! زہے نصیب
کہ ہماری تھوڑی سی جنبش لب کی برکت سے ہماری یاد یا رگاہ الہی میں ہو جائے۔
ذکر اللہ یعنی اللہ کی یاد کے متعلق چند چیزیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ
ذکر اللہ کتنی نوعیتوں کا ہے۔ دوسرے یہ کہ ذکر اللہ کتنی طرح ہوتا ہے۔ تیسرے
یہ کہ ذکر اللہ کے کیا فائدے ہیں۔ چوتھے یہ کہ کون سا ذکر افضل ہے!

ذکر اللہ کی تین قسمیں ہیں :

براہ راست خدا کی ذات و صفات کا ذکر

دوسرے اللہ کے محبوبوں اور اس کی پیاری چیزوں کا عظمت کے ساتھ

ذکر۔ تیسرے اللہ کے دشمنوں کا اہانت اور ذلت کے ساتھ ذکر۔

دیکھو سارا قرآن ذکر اللہ ہے۔ مگر کہیں رب کی ذات و صفات کا ذکر ہے

جیسے قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اِنَّمَا كُتِبَ عَلَيْهِ سُمُّوْنَ وَرُؤُوسٌ وَغَيْرَ ذَلِكَ

جیسے سورہ کوثر۔ سورہ قصص۔ سورہ شعراء وغیرہ اور کہیں رب کے دشمنوں کا ذکر۔

جیسے سورہ لہب وغیرہ بلکہ رب کے احکام کا ذکر بھی اللہ کا ذکر ہے۔

(۲) ہر عضو کا ذکر اللہ علیحدہ ہے۔ آنکھ کا ذکر ہے اللہ کی چیزوں کو محبت سے دیکھنا یا اُسے یاد کر کے رونا۔ کان کا ذکر ہے اللہ کا چرچا بغور سننا۔ زبان کا ذکر ہے اللہ کی یاد میں تر رہنا۔ ہاتھ کا ذکر ہے قرآن شریف وغیرہ اچھی چیزوں کا چھونا۔ نیکوں سے مسافحہ کرنا۔ پاؤں کا ذکر ہے مسجدوں، خانقاہوں اچھی مجلسوں وغیرہ میں چل کر جانا۔ خصوصاً حرمین مطہین میں حاضری دینا دل دماغ کا ذکر ہے اپنی خطاؤں اور رب کی عطاؤں۔ اپنی بد کاریوں اور رب کی ستاریوں کو سوچنا۔ یہ سب ذکر فا ذکر وونی میں شامل ہے۔

(۳) ذکر کے بے شمار فوائد ہیں۔ جن میں سے ایک تو وہ ہے جو یہاں مذکور ہوا۔ یعنی اس کی برکت سے رب کی بارگاہ میں ہم گنہ گاروں کا ذکر ہوتا ہے۔ جو یہ جاننا چاہیے کہ رب کے ہاں میرا کتنا ذکر ہوتا ہے۔ تو وہ اپنا حال دیکھ لے۔ کہ وہ رب کا کتنا ذکر کرتا ہے۔ ذکر کرو ذکر کرا لو۔ دو کے وہ جو قرآن کریم کی اس آیت میں مذکور ہے۔ اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اللہ کے ذکر سے بے چین دل چین میں آجاتے ہیں۔ کیوں نہ آئیں ہماری بے چینی ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اللہ کا ذکر ان گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ گناہ معاف ہوئے دل کو چین آگیا مولانا فرماتے ہیں

چوں بیاید نام پاکش در وہاں نے پلیدی ماند و در دل در وہاں
ذکر حق پاکست چوں پاکی رسید رخت می بندد بیروں آید پلید
نیز ذکر اللہ روح اور دل کے اپنے وطن کا خط ہے۔ پر دلی کو دلیس کے
خط اور ذکر سے چین ملتا ہے۔ ایسے ہی روح اور دل کو اللہ کے ذکر سے چین
ملتا ہے۔ آج کل لوگوں نے سمجھا ہے کہ دل بہلانے اور بے چینی دور کرنے
کے لئے سینما۔ گانے۔ باجے اور بد معاشی کے سامان چاہئیں۔ ان سے دل
تہیں بہلتا۔ بلکہ نفس امارہ بہلتا ہے۔ جیسے جاہل ماں پیٹ کے بیمار بچے کو

جو پیٹ کے درو سے تڑپ رہا ہو خاموش کرنے کے لئے اپنا پستان متہ میں سے دیتی ہے۔ جس سے کچھ دیر کے لئے بچہ پیپ تو ہو جاتا ہے۔ مگر بیماری اور بڑھ جاتی ہے۔

اگر دل کا حقیقی چین چاہتے ہو تو گناہوں کی پلیدی ذکرِ حق کے ذریعے دور کرو۔ تیسرے ذکر اللہ سے بندے کی عزت و عظمت بڑھتی ہے۔ جتنا تمہارے منہ میں اللہ کا ذکر زیادہ ہوگا اتنا ہی لوگوں کے دلوں میں احترام زیادہ ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ خواہی زسپتن باآورد

ذکر ادا کن ذکر ادا کن ذکر ادا

چوتھے یہ کہ ذکر اللہ ایمان کا زیور ہے اس کی برکت سے ذکر کو لوگوں سے استثناء حاصل ہوتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

ہر گدار ذکر او سلطان کند ذکر او مرز یوسے ایماں بود

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق زبیر پالیش عرش و کرسی نور فلک

خیال رہے کہ بعضے ذکر اللہ مقبول ہیں اور بعضے ذکر محبوب اور

بعضے ذکر مردود۔ عذاب الہی سے بچنے یا رحمت الہی حاصل کرنے کے لئے

ذکر اللہ کرنا انشاء اللہ مقبول ہے۔ رب تعالیٰ اس کی برکت سے بندے

کی آس پوری کر دے گا۔ دوزخ سے بچائے گا۔ جنت عطا فرمائے گا

اور محض اللہ کی محبت سے اسے یاد کرنا نہ کہ جنت اور دوزخ کے

خیال سے۔ یہ ذکر محبوب ہے اس کی برکت سے بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا

ہے۔ کیونکہ اس ذکر میں بندے کی اپنی غرض شامل نہیں۔ اس محبوبیت کا

نتیجہ وہ ہوتا ہے جو ایک حدیث قدسی میں ارشاد ہوا کہ میں اس بندے کی آنکھ

بن جاتا ہوں جس سے دد رکھتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ

سنتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ چھو تا ہے۔ اس کے پاؤں

بن جانا ہوں جن سے چلتا ہے یعنی اس کے اعنایا میں خدائی طانتیں آجاتی ہیں اور بندہ خدائی کے کام کرنے لگتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ بندہ نعوذ باللہ خدا بن جاتا ہے اور نہ اس لئے کہ بندے میں خدا اتر آتا ہے۔ یہ ماننا تو عین شرک ہے بلکہ اس لئے کہ بندہ مظہر ذاتِ کبریا ہو جاتا ہے۔

نشانات آئینے کو سوچ کے سامنے کر دو تو آئینے میں چمک دکھائیں گری سب نمودار ہو جاتی ہیں۔ مگر نہ آئینہ سوچ بن گیا اور نہ آئینے میں سوچ اتر آیا بلکہ سوچ کی گرم نوازی سے اس کی تجلی آئینے میں پڑ گئی۔

پانی کو آگ پر کھول لایا تو یہ کھولتا پانی آگ کے سے کام کرنے لگا جسم پر آبیے ڈال دیتا ہے۔ کمال پھاڑ دیتا ہے۔ حالانکہ نہ پانی آگ بن گیا اور نہ آگ پانی میں سما گئی۔ قرآن کریم میں انبیاء کرام کے ایسے معجزات اور اولیاء اللہ کی ایسی کرامتیں مذکور ہیں۔ جہاں عقل رنگ رہ جاتی ہے۔ طانت انسانی وہ کام کر سکتی نہیں صرف طانتِ ربانی کے جلوے ہوتے ہیں۔ صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت مریم شرم کے مارے جنگل میں چلی گئیں۔ دروازہ کی شدت سے گھبرا کر بولیں۔ فَلَیْتَنِي وَهَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا هَذَا کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی۔ اور بھولی بوسری بن جاتی کیونکہ ولادت کی سخت تکلیف اور پاس نہ دائی نہ مائی۔

فَرَأَى عِيسَىٰ آدَا زَاآئِي - فَتَادَا لَهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي وَتَدَّ
جَعَلَ رَبِّكَ تَحْتِكَ سَرِيًّا ه فَهَزِي إِلَيْكَ بِجِدْعِ النَّخْلَةِ
تَسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا ه اے مریم! گھبراؤ نہیں۔ تمہارے پاؤں
کے نیچے پانی ہے۔ اور وہ سوکھی کھجور کا ڈنڈ جس میں نہ سبزی ہے نہ برگ
و بار۔ اُسے ہاتھ لگا۔ ابھی سر سبز ہوگی۔ ابھی اس میں ہرے پتے لگیں گے۔
ابھی پھل آئیں گے ابھی پک جائیں گے ابھی گریں گے وہ کھا لو۔ پانی پی لو۔

دیکھو دلی کے ہاتھ کی طاقت کہ سوکھ رخت کو چھو جائے تو فقط ہلری نہیں بلکہ آن کی آن میں پھیل دار ہو جائے گا۔ بولو یہ کس کی قوت ہے۔ یہ ہیں ذکر محبوب کی تاثیریں۔ جب ولیوں کے ہاتھ سے سوکھے رخت ہرے ہو جاتے ہیں تو ان کی نگاہ کرم سے خشک دل بھی سبز ہو جاتے ہیں۔ مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ میاں محمد صاحب فرماتے ہیں

مشکل دی کنجی یا رو تھ مرداں دے آئی
مردنگا د کرن جس دیے مشکل رہے نہ کائی

مردور ذکر رہتا ہے کہ کوئی خوب بیٹ لفس والا ناسدا غراض کے لئے دھوکہ بازی یا خود غرضی کے لئے رب کا نام لے۔ پیشہ در کھکاری دن رات اللہ اللہ ہی کرتے پھرتے ہیں۔ صبح سے شام تک شاید دو ہزار بار اس کا نام لیتے ہیں۔ مگر چند لغموں کے لئے۔ جھوٹی قسمیں کھانے والے قرآن بھی اٹھا لیتے ہیں۔ رب کا نام بھی چپ لیتے ہیں۔ مگر محض دھوکہ دینے اور جھوٹ کو سچ کرنے کے لئے لغو فرماتے ہیں کہ جھپک مانگتے کے لئے تلاوت قرآن حرام ہے۔ اور شراب پینے یا زنا کرنے وقت بسم اللہ پڑھنا کفر ہے۔ کہ اس میں رب کے نام کی توہین ہے۔

خیال رہے کہ ذکر محبوب والے حضرات پر ایک وقت وہ آتا ہے کہ جب وہ اپنی انا فنا کر دیتے ہیں۔ پہلے تو ان اعضا پر قدرت کام کرتی ہی تھی۔ اب بعض حالات میں کبھی کبھی ان کے منہ سے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ یَا اَنَا الْحَقُّ یَا سُبْحٰنِیْ مَا اَعْظَمَ شَتَاۤیِیْ نکلنے لگتا ہے۔ اس وقت وہ لوگ عدائی دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ان کی زبان پر خود رب تعالیٰ بولتا ہے۔ میں اللہ ہوں۔

جیسے ریڈیو کی بیٹی پر جب وزیر اعظم تقریر کرتا ہے تو کہتا ہے میں وزیر اعظم ہوں۔ تمہیں یہ حکم دیتا ہوں تو ہر جگہ ریڈیو کی بیٹیوں میں سے

یہ ہی آواز نکلتی ہے۔ نہ وہ پیٹیاں وزیر اعظم بن گئیں اور نہ وزیر اعظم ان میں آکر بیٹھ گئے۔ بلکہ اس پیٹی نے اس آواز کو آپ تک پہنچا دیا۔

دیکھو جب موسیٰ علیہ السلام پہلی بار طور کے پاس وادی ابمن میں پہنچے آگ لینے کے لئے تو دیکھا ایک درخت ببول کا یا پیری کا یا عناب کا منور ہے جس میں سرت رشتی ہے نہ دھواں نہ نیش اور اس درخت میں سے آواز آرہی ہے کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں۔ رب فرمانا ہے۔ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يَا مُوسٰى اِنِّىْ اَنَا اللّٰهُ۔ یہ درخت خدا نہ تھا اور نہ خدا تعالیٰ اس میں آگیا تھا۔ بلکہ رب نے اپنا کلام اس درخت کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کو سنایا۔ ایسے ہی ان کا حال ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں روایا شد انا اللہ از درخت
کے روائی ہو کہ گوید نیک بخت

قطرہ دریا میں پہنچ آئیے دریا ہونے کا اعلان کرنے لگتا ہے۔ وہ دریا نہیں بن گیا تاکہ دریا میں فنا ہو گیا۔ کسی شخص نے کہا ہے۔

بندہ از بندگی خدا گوید نہ تو اند کہ مسطفیٰ گوید

قطرہ دریا برفت آب شود نہ تو اند کہ دریا ناب شود

چونکہ یہاں ذکر اللہ کی گفتگو ہو رہی ہے اس لئے یہ عرض کر دینا مناسب ہے کہ حضرات نقشبندیہ کے ہاں ذکر خفی بہتر ہے۔ اور باقی تینوں سلسلوں میں ذکر با لہجہ فہم ہے۔ یہ ان ذکروں میں گفتگو ہے جن میں شریعت نے جہر یا خفا کی قید نہ لگائی۔ ورنہ اذان۔ اقامت۔ حج میں تلبیہ۔ تین نمازوں کی قرأت ان سب میں سب کے ہاں جہر واجب ہے اور ظہر اور عصر کی قرأت وغیرہ میں سب کے ہاں خفا واجب ہے۔

حضرات نقشبندیہ کی دلیل یہ ہے اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً

بیزدہ فرمانے ہیں کہ جسے سنانا ہے وہ آہستہ بھی سن لیتا ہے۔ جہر میں ریا کا

اندیشہ ہے آہستہ ذکر میں یہ احتمال نہیں۔ باقی تین سلسلوں والے اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ قَدْ كَرَّمَ اللَّهُ كَرِّكُمْ آيَاءَ كُمْ وَأَوْشَدَّ ذِكْرًا نِزْوَةً حَدِيثِ تَدْرِي جِسِّ مِی نَرَبَا یَا كِبَا جُو بِنْدَ مَجِّ دَل مِی یَا ر كِرْنِ اُسے مِی بھئی اِنے دَل مِی یَا د كِرْنَا ہوں اور جُو مَجِّ مَجِّ مِی یَا ر كِرْنِ مِی اُسے اس سے بہتر مَجِّ مِی یَا د كِرْنَا ہوں۔ نِزْوَةً فرماتے ہیں کہ اونچی آواز سے ذکر میں دل پر حماس اثر ہوتا ہے اور دوسروں کو ذکر کی رغبت ہوتی ہے۔ جہاں تک آواز پہنچے وہاں تک کاہر ذرہ اور پتہ اس کے اہلان کے گواہ بن جاتے ہیں۔

مگر حق یہ ہے کہ سات سے اللہ کے پیار بندے ہیں۔ نقشیند ربہ کا ذکر حقیقی بھی حق ہے اور باقی سلسلوں کا ذکر جہر بھی حق۔ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر شب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بہت آہستہ تلاوت کرتے دیکھا اور جناب عمر رضی اللہ عنہ کو بلند آواز سے تلاوت کرتے سنا۔ صبح کے وقت ان دونوں بزرگوں سے ان کے اپنے اپنے طریق کار کی وجہ پوچھی تو جناب صدیق نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ! جسے سنانا تھا اُسے میں نے سنا لیا۔ اور جناب عمر نے عرض کیا کہ میں سوتوں کو جکار یا نھسا شیطاں کو جھکار یا نھسا۔ رب کو منار ہا تھا۔ یہ تمام گفتگو تب ہے جبکہ ذکر اللہ سے مراد اللہ کو یاد کرنا یا یاد رکھنا ہو۔ لیکن اگر آیت کے معنی یہ ہوں کہ تم میری تعظیم کرو تو میں تمہیں عزت دوں گا تو پھر گفتگو ہی اور ہے۔

کیونکہ براہ راست حق تعالیٰ کی تعظیم ہم سے نہیں ہو سکتی۔ کسی کی تعظیم کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی آمد پر کھڑے ہو جاؤ۔ اس کے ہاتھ پاؤں چوم لو۔ اس کو جھک کر سلام کر لو۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تعظیم رب کی کیسے ہوتی ہے۔ لہذا اب رب کی تعظیم کی یہی صورت ہے کہ اس کے نبیوں ولیوں۔ اس کی مسجدوں۔ اس کے قرآن شریف اس کے مہمان وغیرہ غرض ہر اس چیز کی تعظیم کی جائے جسے رب سے نسبت ہو۔ ایسے شخص کو رب تعالیٰ دین و دنیا میں عزت دیتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کی تعظیم رکنِ ایمان ہے اور توہینِ ادل دے کا کفر۔ جس سے دل پر ایسی مہر لگتی ہے کہ وہاں ایمان پہنچ سکتا ہی نہیں چنانچہ اس بارے میں چند حکایات سن لو۔

حکایت : حضرت نسلیؒ اولاً بڑے فسق و فجور میں گرفتار تھے۔ حتیٰ کہ ہر وقت شراب میں محمور اور نشے میں چور رہتے تھے۔ ایک بار کہیں جا رہے تھے کہ کاغذ کا ایک پرزہ کچھڑ میں پڑا ہوا نظر آیا۔ اٹھایا تو دیکھا کہ اس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ تڑپ گئے۔ اُسے صاف کیا۔ بہت روئے بولے اے پرزے یہ جگہ تیری نہیں بلکہ میری ہے اور اُسے بھلتے احترام سے نہایت محفوظ جگہ رکھ دیا۔ بارگاہِ الہی میں یہ ادب مقبول ہو گیا۔ نوبہ کی توفیق مل گئی۔ آستانہ نبوی تک رسائی ہو گئی۔ اور اولیاءِ کاملین میں سے ہو گئے۔ **شعر**

ازیں مے قطرہ پاکاں چشیدند جنید و شبلی و عطار شد مست

ازیں مے قطرہ نوشید منصور اناحق می زد و بردار شد مست

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم

ازیں مے ہجو من بسیار شد مست

حکایت : حضرت جنید بغدادیؒ سرگردو اولیا اور سرخیل اصفیاء

ہیں حتیٰ کہ حذیر غوث پاک سرکار بغداد کے سلسلہ مرشدین میں سے ہیں۔ آپ پہلے خلیفہ بغداد کے نامی گرامی پہلوان تھے۔ بادشاہ نے اعلان کیا تھا کہ جو ہمارے جنید کو پچھاڑے ہم سے منہ مانگا اور من بھاتا انعام لے۔ مگر کسی پہلوان نے مقابلے میں آنے کی ہمت نہ کی۔ ایک سید صاحب جو نہایت پریشیاں حال اور تنگ دست تھے انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں جنید سے کشتی لوں۔ اگر جیت گیا تو مال مال ہو جاؤں گا اور اگر ہار گیا تو میرا بگاڑنا ہی کیا ہے۔ بی بی صاحبہ نے مہنس کر کہا کہ تم یہ کیا

بانیں کر رہے ہو۔ نہ تو تمہارے جسم میں زور نہ بدن میں طاقت۔ اور نہ تم کشتی کے ہنر سے خبردار اور نہ کسی داؤ بیچ کے واقف۔ سید صاحب بولے۔ یہ تو میں جانتا ہوں مگر داؤ ایسا یاد ہے اگر وہ کام آگیا تو جنید کو بچھاؤ۔ لونگا آخر کار سید صاحب پہنچ گئے۔ اور اپنے ارادے پر بادشاہ کو مطلع کیا۔ بادشاہ ان کا زرد چہرہ دُپلا بدن۔ کمزور ہاتھ پاؤں دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اور کہا اگر آپ کو کشتی کا شوق ہے تو ہمارے کسی اور پہلوان سے لے لے لے ابھی تمہیں جنید کی طاقت کی خبر نہیں۔

سید صاحب بولے کہ اے بادشاہ! تو میرے مر جھائے ہوئے بدن کو نہ دیکھو۔ انشاء اللہ میرے جو سرا کھاڑے میں آ کر کھلیں گے۔ بادشاہ بھی راضی ہو گیا اور سارے علاقے میں کشتی کا اعلان کر دیا۔ دُور دراز سے خلق یہ دنکل دیکھنے جمع ہو گئی۔ بڑے وسیع میدان میں اکھاڑا تیار کیا گیا۔ امرا وزراء بلکہ خود بادشاہ بہ نفس نفیس یہ حیرت ناک کشتی دیکھنے کے لئے پہلواں کو بلا کر ہوا۔ وقت مقرر دہر جنید مست ہاتھی کی طرح جھومتے ہوئے لنگر لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں کود پڑے۔ ادھر سید صاحب بھی جنہیں آج کئی دن کا فاقہ تھا۔ اُفتان و خیزان سامنے آگئے۔ سید صاحب کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ کشتی شروع کس طریقے سے کی جاتی ہے۔

جنید نے حسب دستور ہاتھ ملایا۔ دوسرے ہاتھ سے گریز بکھری۔ اور سر سے سر ہلا۔ تو سید صاحب نے چپکے سے کان میں کہہ دیا کہ میں پہلوان نہیں ہوں۔ سید ہوں اور بھوکا ہوں۔ یہ سنتے ہی جنید کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ تمام دم خم جانا رہا۔ برائے نام پونہی معمولی زور دکھانے چت کر گئے اور سید صاحب کو ایسے پر لے لیا۔ اسٹورجج گیا کہ مار دیا۔ مار دیا۔ بادشاہ بولا کہ شاید ہمارے جنید کو دھوکا ہو گیا۔ کشتی پھر ہوئی۔ دونوں دوبارہ پھر کھڑے ہو گئے۔ سر ملتے ہی سید صاحب نے پھر وہی کہا۔

کہ جنید ایک سید کی ننگدستی پر نظر رکھنا۔ جنید پھر اسی طرح کچھ جھوٹا موٹا زور دکھا کر چپت گر پڑے۔ بادشاہ نے سید صاحب کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔
 ادھر جنید کے ساتھیوں اور شاگردوں کو بہت ندامت ہوئی سب نے انہیں گھر لیا۔ اور بولے کہ آج تمہیں کیا ہو گیا۔ تم نے اپنے مقابل کا ہاتھ ڈھبلا کیوں پکڑا۔ تم نے فلاں داؤ بیچ کیوں نہ استعمال کیے۔
 جنید رو پڑے اور بولے کہ میں ٹمہرنہ کھا۔ بزیڈنہ کھا۔ عمر بن سعد نہ کھا۔ کہ سیر کی چھاتی پر بیٹھتا۔ یا ان کے مقابلہ میں داؤ بیچ استعمال کرنا۔ میں تو ان کے گھرانے کا پروردہ اور نمک خوار تھا۔

رات کو سوئے۔ تقدیر جاگ گئی۔ آنکھیں بند ہوئیں۔ نصیب اکھل گیا۔ دیکھا کہ دربار محمدی گرم ہے۔ لاکھوں کا مجمع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ ہمارا پہلوان جنید نہیں آیا۔ دوڑ کر قدموں سے لپیٹ گئے۔ نلووں سے آنکھیں اور پتلیاں ملنے لگے۔ فرمایا۔ جنید تو نے میرے اہل بیت کو عزت دی خدا تجھے دونوں جہان میں عزت دے۔ تو آج سردار اولیاء قرار دیا گیا۔ یہ ہے فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ کی جبرہ گری کہ تم میری تعظیم کرو میں تمہیں عزت دوں گا۔

حکایت

ایک بھوری کو اس کے مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ جنت کے باغوں میں ٹہل رہا ہے۔ پوچھا کہ جنت تو کافروں پر حرام ہے تو یہاں کیسے پہنچا۔ کہنے لگا ایک مرتبہ میرا بیٹا رمضان کے مہینے میں بازار میں دن کے وقت کچھ کھا رہا تھا۔ میں نے اسے چپت لگایا اور چھپر کا کہ اسے بے حیا مجھے شرم نہیں آئی کہ مسلمانوں کا رمضان شریف ہے۔ سب لوگ روزه سے ہیں اور تو سامنے کھڑا کھا رہا ہے۔ میرا وہ رمضان کا احترام رب نے قبول فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے مرنے وقت کلمہ نصیب

ہو گیا اور میں مسلمان ہو کر مرا۔ اور میرے سائے گناہ معاف ہو گئے۔
 یہاں تک تو آپ نے ان خوش نصیبوں کے حالات سننے جو ادب کی وجہ
 سے پار لگ گئے۔ اب اس بد نصیب کا حال بھی سن لو۔ جس کا ایک ہی بے ادبی
 کی وجہ سے عبادتوں اور ریاضتوں کا بھرا ہوا جہاز بیچ سمندر کے ڈوب گیا۔
 آپ حضرات کو معلوم ہے کہ شیطان کتنے عرصہ کا عابد اور زاہد تھا اور کہاں رہتا
 تھا ایک سجدے کے انکار سے مارا گیا۔ خیال رہے کہ شیطان کا مردود ہونا۔
 محض سجدہ نہ کرنے سے نہ تھا ورنہ آج بے نمازی مسلمان ہزاروں سجدے کھا
 جاتے ہیں مگر مسلمان ہی رہتے ہیں۔ اور نہ اس حکم کے انکار کی بنا پر تھا۔ ورنہ
 آج لاکھوں کافر ب کے ہزاروں احکام کے منکر ہیں مگر شیطان نہیں بنتے
 بہتوں کو ایمان کی توفیق مل جاتی ہے شیطان پر جو کفر اور بے دینی کی ہرنگی
 کہ بولا خَلَقْتَنِي مِنْ ذَاہِرٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طَيِّبٍ۔ اس بے ادبی نے اُس کا بیڑا
 غرق کر دیا۔ اس لئے رب نے فرمایا قَدْ كُفِرْتُمْ أَذْكَرُ كُمْ۔

دوستو! یہ آیت رب تعالیٰ کی رحمتوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔ رب
 فرمانا ہے تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ یعنی تم مجھے تو یہ سے یاد کرو۔ میں
 تمہیں مغفرت سے یاد کروں گا۔ تم گناہ کرنے کے یاد کرو۔ میں تمہیں بخش کر یاد کروں گا۔
 تم مجھے فرشتہ پر یاد کرو میں تمہیں عرش پر یاد کروں گا۔ تم مجھے زمین پر یاد
 کرو۔ میں تمہیں زمین میں جانے کے بعد یاد کروں گا۔ تم مجھے رو کر یاد کرو۔ میں
 تمہارے گناہ دھو کر تمہیں یاد کروں گا۔ تم مجھے زندگی میں یاد کرو میں تمہیں
 تمہاری موت کے بعد یاد کروں گا۔ کہ تمام خلق سے تمہیں یاد کروں گا۔ یہ
 آیت عاشقوں کی جان اور عارفوں کا ایمان ہے۔ ہم زندگی کی چند گھڑیوں
 میں اُسے یاد کر لیں تو وہ ابدالاً یاد تک ہمیں یاد کرنا ہے۔

وَإِنَّكَ كَرُؤِي دَا تَكْفُرُونَ۔ رب العالمین نے ذکر کے بعد نکر
 کا حکم دیا کیونکہ ذکر میں بھی رب کی یاد ہے۔ اور نکر میں بھی اس کی یاد۔ لیکن

چونکہ ذکر ہر حال میں ہوتا ہے۔ اور نعمت کے موقع پر ذکر عام اور شکر خاص۔ اس لئے ذکر کا پہلے حکم دیا گیا۔ اور شکر کا بعد میں۔ شکر کا لغوی معنی ہیں ظاہر کرنا۔ اذکار کرنا قدر دانی کرنا۔ اگر رب کی صفت ہو تو قدر دانی کے معنی میں ہوگا۔ اور اگر بندے کی صفت میں ہو تو ظاہر کرنے اور سنانے کے معنی میں ہوگا۔ اصلاح میں شکر کے معنی ہیں کسی کی نعمت پا کر اس کی خدمت یا تعظیم یا تعریف کرنا۔ زبان سے ہو دل سے یا ہاتھ پاؤں سے۔ رب تعالیٰ کی نعمتیں ہمکے شمس سے یا ہریں۔ خود فرماتا ہے وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تَحْصُوْهَا۔ ۵

گزن من زباں شود ہر مو

احسان ترا شمار نہ تو انم کرد

تو کس میں طاقت ہے جو رب کا کما حقہ شکر یہ ادا کر سکے۔ مگر رب حکم دے گا ہے کہ میرا شکر کرو۔ اس معنی کے حل کرنے میں عقل انسانی جبران تھی کہنتی تھی کہ خدایا ہم تو تیری نعمتیں گن نہیں سکتے شکر کیسے کریں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گتھی کو سلجھایا۔ سرکار نے تین حدیثوں میں شکر کے تین درجے بیان فرمائے درجہ عامہ تو یہ بیان فرمایا کہ صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں ۳۶ جوڑے ہیں۔ چاہیے کہ روزانہ تین سو ساڑھے صدقے کیا کرے تاکہ ان کا شکر یہ ادا ہو جائے۔ ان حضرات نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ روزانہ اتنے صدقے کون کر سکتا ہے۔ فرمایا صدقے سے مراد صرف مالی خیرات ہی نہیں۔ اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی صدقہ ہے۔ محبت کے ساتھ اس سے مصافحہ کرنا صدقہ ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے راستے تے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے۔ عرض کیا حضور پھر بھی ۳۶ نیکیاں نہیں ہو سکتیں فرمایا کہ سورج نکلنے پر اشراق کے دو نفل پڑھ لینا۔ ۳۶ جوڑوں کا صدقہ ہو جاتا ہے۔ یہ شکر عام تھا جو رب العالمین نے معمولی نیکیوں کو اپنی بے شمار نعمتوں کا شکر یہ بنا دیا۔

شکرِ خاص کے لئے وہ حدیث پڑھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاڑھے کی لمبی لمبی راتیں نوافل میں گزار دیتے تھے۔ حتیٰ کہ پاؤں مبارک پر درم آگیا۔ جاں نثاروں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے حبیب رب نے تو آپ سے مغفرت و جنت کے وعدے فرمائے ارشاد فرمایا **أَخْلَا آكُونَ عِبْدًا شُكْرًا**۔ کیا میں بندہ شکر گزار نہ بنوں۔ پتہ لگا کہ ایک دو نعمتوں کے شکر یہ میں رات بھر عبادتیں کی جاتی ہیں۔

شکر کا تیسرا درجہ وہ ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا۔ کہ فرمایا اللہ تم نے تیری عبادت کا حقیقہ نہ کی۔ ہم نے تجھے کما حقہ نہ پہچانا۔ سبحان اللہ! ساری خلق سے بڑھ کر حضور نابرد و عارت ہو کر بھی اپنی انکساری کا اس طرح اظہار و اقرار فرماتے ہیں

-: ضروری نوٹ :-

خیردار خیال رہے کہ کوئی شخص اس حدیث کی بنا پر یہ نہ کہ بیٹھے کہ رنعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کما حقہ عبادت نہ کی یا اُسے کما حقہ نہ پہچانا یا کما حقہ رب کا شکر ادا نہ کیا۔ جو یہ کہے گا کافر ہوگا۔ حضور کا فرمان ہمیں سکھانے کے لئے ہے کہ ہم ہیں سے بڑے سے بڑا عابد بھی اپنی عبادتوں پر باضنتوں پر ناز نہ کرے۔ ہمیشہ اپنے کو تصور وار جانے یا آپ کی یہ عرض و معروض انکساری و اظہارِ خیدیت کے لئے ہے۔ جیسے آرم غایبہ السلام نے عرض کیا کہ **رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا بِالْخَيْرِ يَا حَسْبِيَ بُولَسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ** نے عرض کیا۔ **أَنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** اب جو ان کو ظالم کہے وہ ظالم ہو جائے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے پورے عابد۔ عارت نہ بنا کر نہ ہوں۔

رب تو نوح علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے **إِنَّكَ كَانِ عِبْدًا شُكْرًا**۔ تو کیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ان سے کم ہے

جب نوح علیہ السلام بڑے نسا کر ہیں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑوں سے
بڑے نسا کر ہیں۔ لطف یہ ہے کہ بندہ کسے کہ میں گنہ گار۔ رب کے نوزبان بردا
صدیق اکبرؑ کہتے تھے ۷

كَيْفَ حَالِي يَا إِلَهِي كَيْسَ لِي تَحِيْرًا لِعَمَلٍ

سُوْءًا اَهْمَانِي كَثِيْرًا وَّ طَاعَتِيْ قَلِيْلًا

خداوند! میرا کیا ہوگا۔ میرے پاس تو کوئی نیکی نہیں۔ رب اس کے
متعلق فرمائے وَ سَيُجِيبُهَا اِلَّا لَفِي الْمَذِيْ يُؤْتِيْ مَالًا۔ اس سے کیا فائدہ
کہ بندہ کہے ہیں فرما بردار اور رب کے نوید کار۔ غرض کہ ان تینوں حدیثوں
میں نسا کر کے تین درجے بیان ہوئے۔ اس بیان پر علماء قرآن فرماتے ہیں۔ کہ
نسا کر عام تو یہ ہے کہ بندہ رب کی نعمتوں کو گناہوں میں صرف نہ کرے اور
نسا کر خاص یہ ہے کہ بندہ رب کی نعمتوں کو عبث اور بے کار باتوں میں ضائع
نہ کرے۔ اور نسا کر خاص انخاص یہ ہے کہ بندہ رب کی نعمتوں کو اس کی
عبادتوں ہی میں صرف کرے۔ کہ کوئی سائنس اس کے نسا کر سے خالی نہ ہو۔
صوفیاء فرماتے ہیں کہ نسا کر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ کی ہر نعمت میں سے
رب کا حصہ نکالے اور اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے ۷

دل تیرا جان تیری عاشق شیدا تیرا

سب تو تیرا ہی ہے پھر کس لئے میرا تیرا

یعنی حصہ کیا کرنا۔ رب کی ہر نعمت ہر وقت اسی لئے خرچ کرے
اب پڑھو وَ اَنْتُمْ كَرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنَ ۝ خیال رہے کہ نسا کر کی بنا دو
چیزوں پر ہے۔ ایک یہ ہے کہ دنیاوی چیزوں میں ہمیشہ اپنے سے نیچے
کو دیکھے اور دنیوی کاموں میں ہمیشہ اپنے سے اونچے پر نظر رکھے انشاء اللہ
کبھی ناشکری نہ کرے گا اور کبھی اپنی عادتوں پر نازاں نہ ہوگا۔

حکایت: شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ دوپہر کا وقت

تکھا۔ تپش سخت تھی۔ میرے پاس جوتا نہ تھا۔ جس سے پاؤں بھل رہے تھے۔ میں جوتے والوں اور سواری والوں کو دیکھ کر درج تھا کہ یہ لوگ سواریوں پر سواری ہیں۔ اور مجھے جوتے بھی بیسر نہیں۔ رستے میں دیکھا کہ ایک شخص ایسا ہے کہ جس کے پاؤں ہی نہیں۔ اسی گرم زمین پر چوڑوں کے بل گھسٹتا آرہا ہے۔ میں سجدے میں گر گیا۔ کہ خدایا تیرا شکر ہے۔ میرے پاس پاؤں تو ہیں۔ دوسرے یہ کہ انسان ہمیشہ اپنی اصل کو یاد رکھے کہ میں کیا تھا اور رب نے مجھے کیا بنا دیا۔

حکایت

حضرت ایاز سلطان مجبور کے بڑے چہینے غلام تھے۔ جن پر سلطان دل و جان سے قربان تھا۔ ایسے لوگوں کے حاسد بہت ہوتے ہیں جو ہمیشہ موقع کی تاک میں رہتے ہیں۔ ایاز کا قاعدہ یہ تھا کہ روزانہ کچھ دہرے کے لئے سرکاری موتی خانے میں اندر سے دروازہ بند کر کے بیٹھا کرتے تھے۔

حاسدوں نے مخبری کی کہ حضور شاہد ایاز چور ہے۔ جس نے خزانے کی بڑی بھاری چوری کی۔ جسے سنبھالنے کے لئے روزانہ موتی خانہ بند کر کے بیٹھتا ہے۔ سلطان نے فرمایا۔ اب جب کبھی ایاز بیٹھے۔ مجھے خبر کر دو۔ چنانچہ دوسرے دن ہی مخبروں نے پھر خبر کر دی کہ حضور موقعہ واردات پر خود چلے۔ ایاز اندر بیٹھا ہوا ہے۔ سلطان نے نفسِ نفیس موتی خانے کے دروازے پر آئے۔

آواز دی ایاز!

جواب آیا حضور! حکم دیا کھولو۔ عرض کیا بہت اچھا۔ مگر دروازہ نہ کھلا۔ لوگ کہنے لگے۔ ابھی کیسے کھولے۔ مال مسروقہ سنبھال لے تو کھولے گا۔ پھر آواز دی کھولو۔ جواب آیا۔ ابھی کھولتا ہوں۔ اب تیسری بار بادشاہ نے جھڑک کر کہا۔ فوراً کھول ورنہ سزا پائے گا۔

کوڑا کھولے۔ سلطان مع حاسدوں کے اندر داخل ہوا تو بجز ایک مضبوط صندوق کے جس پر بہت بڑا قفل لگا تھا اور کوئی قابل اعتراض چیز نظر نہ آئی۔ سب کی

انگلیاں اس زندگی کی طرف اٹھنے لگیں کہ جو کچھ کرامات ہے اسی میں ہے۔
سلطان نے فرمایا۔ ایاز کیا ہے؟ ایاز ہاتھ جوڑ کر بولا۔ حضور اس میں
میرے عیب ہیں پر وہ پوشی کیجئے۔ ع

پردہ رہنے دو کہ اس پردے میں سہوائی ہے

ایاز کی اس گفتگو سے لوگوں کا شبہ اور قوی ہو گیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ
ضرور کھولو۔ آخر کار تھر رویش برجان درویش۔ کھولا۔ دیکھنے والوں کی نگاہوں
نے دیکھا کہ اس میں صرف تین میلے کپڑے تھے۔ ایک پھیٹی ٹوپی جس کا چند لا
ندارد تھا۔ ایک نمبیس جس کا گریبان چاک۔ ایک گریبان جس میں تیس چالیس
پیوند۔ وہ بھی ٹسکتے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ ایاز کیا ہے؟

ایاز رو پڑا اور بولا کہ جس دن میں حضور کے ہاں خریدنا ہوا آیا تھا اس دن
میرے جسم پر یہ کپڑے تھے۔ حضور کی مہربانی سے بہترین پوشاکیں پہنتا ہوں۔
اندیشہ تھا کہ میرے نفس میں تکبر پیدا ہو جائے۔ اس لئے روزانہ آدھ گھنٹے
کے لئے یہ کپڑے پہن لیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اے نفس بادشاہ کی پوشاکیں
پہن کر اور شاہی نعمتوں میں رہ کر اپنی اصل نہ بھول جانا۔ تاکہ توبندہ بنا کر رہے۔
یہ سن کر بادشاہ پر رقت طاری ہوئی اور بولا۔ اے ایاز! تو اپنی اصل کو نہ بھولا۔
مگر میں بھول گیا۔ کہ ماں کے پیٹ سے ننگا آیا تھا۔ کمزور اور ناتوان پیدا ہوا
تھا۔ رب نے بہترین لباس بخشے۔ قوت اور توانائی دی۔ والی ملک بنایا۔
لیکن میں اس کی یاد سے غافل ہو گیا۔

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو جائز ہے جہازوں میں اڑو چرخ پہ پھولو
پر ایک سخن بندہ مسکین کا رکھو یاد اللہ کو اور اپنی خفیت کو نہ بھولو
رب العالمین نے فرمایا دَاشْکُرُوْا۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ
میرا شکر کرو۔ اور یہ بھی کہ میرے لئے شکر کرو۔ پہلی صورت میں منشا یہ ہو گا۔
کہ تم پر کوئی احسان کرے کوئی مہربانی کرے مگر شکر میرا ہی ادا کرو کہ حقیقی منعم

میں ہی ہوں۔ جب میں نے اس کے دل میں ڈالا تو اس نے تم پر مہربانی کی۔
 حجازاً خلق کا بھی شکر ادا کرو اور حقیقتاً شکر میرا ہی کرو۔
 سائیں نیری روکھڑے سے میرا آدر کرے نہ کو
 ڈر ڈر کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں تو
 دیکر

نہ کس می دہاند نہ کس سے دہد خدامی رہاند حسد امی دہر
 دوسری صورت میں منشا یہ ہو گا کہ محض نعمتوں کی زیادتی کے لئے شکر نہ کرو
 بلکہ میرے لئے اور مجھے راضی کرنے کے لئے کرو۔ رب نے فرمایا کہ اگر تم شکر کرو گے
 تو میں تمہیں زیادہ نعمتیں دوں گا۔

اہل بیتہ خدا کہ کوئی اس آیت سے دھوکا کھا کر محض بزنس اور کاروبار کے
 جیسو سے پر اس لئے شکر کرے کہ چلو محنت مزدوری نہ کی تھی ہی کر لیا۔ غرض تو
 مال ملنے پر ہے۔ کیسے ہی ملے۔ فرمایا گیا خبردار! یہ خیال ہرگز نہ کرنا فقط مجھے
 راضی کرتا۔ اگر میں راضی ہو گیا تو سب کچھ تمہارا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ بعض نمازوں اور بعض دعاؤں و طیبوں سے
 منسکلیں حل ہوتی ہیں۔ آفتیں ٹلتی ہیں۔ نعمتیں ملتی ہیں۔ مگر وہ سارے اعمال اس
 مفہم سے نہ کرے۔ محض رضائے الہی کے لئے کرے اور امید رکھے کہ شاید وہ راضی
 اور خوش ہو کر یہ آفتیں دور کر دے۔ یہ منشا ہے کہ دنیا میں تمہارا باپا اُستاد، پیر
 اور ایسے دیگر محسنوں کا شکر بہ ادا کرو۔ مگر اس لئے کہ یہ میرا حکم ہے تب یہ تمہارے
 سارے شکر بے عبادات بنیں گے۔ جن کا ثواب تمہیں دنیا و آخرت میں ملیگا۔
 اسی لئے شرعی مسئلہ یہ ہے کہ دہبادی نام و نمود کے لئے ماں باپ کی خدمت
 محض دلی خوشی میں اپنی اولاد یا اہل قرابت سے محبت باعث ثواب نہیں کہ
 یہ تو کفار بھی بلکہ جانور بھی کر لیتے ہیں ان خدمتوں اور محبتوں پر ثواب تب
 ملے گا جب یہ سمجھ کر کرے کہ یہ سنتِ رسول اللہ ہے اور حکمِ الہی ہے۔

حکایت

ایک جنگ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس شریک تھے۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ سب کا فرم و عورتیں گرفتار ہو کر آئے۔ قیدیوں سے ایک عورت نے کسی غازی سے پوچھا کہ تمہاری اس فوج کی کمان کون کر رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ بولی مجھے ان کے پاس لے چلو۔ غازی نے کہا ہم سے ہی کہہ دے تیرا پیغام انہوں تک پہنچا دیا جائیگا۔ وہ بولی نہیں۔ تمنا ہے کہ براہ راست انہیں کو اپنے دکھ درد کی داستانیں سنائے۔ یہ بندہ ہو وہ آقا ہو یہ منگتا ہو وہ دانا ہو

ہوں میرے ہاتھ پھیلے جوش میں ہو رحمت باری

اشعار دیگر

میرے عربی ماہی درتے بلکہ میرا وضع تے آدن نوں جی کردا
بلکہ کدی ناں اپنا چہرہ دکھا میرا دکھڑے سناو نوں جی کردا
اس کے اصرار پر وہ غازی اس بی بی کو باقی قیدی عورتوں کے ساتھ بارگاہ بکس
پناہ میں حاضر لے آئے۔ اس نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ
پہچانتے ہیں۔ فرمایا تو ہی بتا۔ بولی میں حلیمہ دانی کی دودھ پیتی ہوں۔ جو پستان
آپ نے چوسے وہ میں نے بھی چوسے۔ یہ سنتے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
کو رفت طاری ہو گئی اور حاضرین کی چنجیں نکل گئیں۔ فرمایا ان سب کو آزاد کر دو۔
اور انہیں ساتھ ہی اتنی اتنی بوریوں سے دو۔ وہ سب بولیں یہاں تو آزاد کر دیا۔
دوزخ کی آگ سے بھی آزاد کریں۔

گر کے قدموں پہ وہ فریاں ہو گئیں

پڑھ لیا کلمہ وہ مسلمان ہو گئیں

ان بانوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنے بھائی بہنوں سے محبت و سلوک کرے۔

حکایت

ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مجمع میں جلوہ گر تھے۔ جیسے تاروں کے بیچ میں چودھویں رات کا چاند کہ ناگاہ ایک چادر پوش بی بی تشریف لائیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعظیم کو کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر ان کے نیچے بچھا دی۔ صحابہ حیران تھے کہ یہ کون خوش نصیب بی بی ہیں۔ کہ سلاطین زمانہ خاک آستانہ چائیں۔ روح الامین حضرت جبرئیل پابوسی کو اپنا فخر سمجھیں مگر ان کے لئے چادر نہ بچھائی جائے۔ جب تک وہ تشریف فرما رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کلام نہ فرمایا۔ وہ واپس ہوئیں تو سرکارِ دوزخک انہیں پہنچانے گئے۔ والہوسی پر کسی نے پوچھا حضور! یہ کون تھیں۔ فرمایا تمہیں خبر نہیں۔ یہ میری ماں حلیمہ تھیں۔ یہ وہ تھیں جن کی گود میرا گوارہ بنی۔ جن کے پستان میرے مشیکرے تھے۔

سبحان اللہ! یہ تو اس ماں کا نسر یہ ہے جس نے فقط دودھ پلایا سوچو کہ اگر آج حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ ہوتیں جس نے نوحینے اس دُرِ نقیم کو اپنے صدق میں رکھا تو ان کی تعظیم و توقیر اور خدمت کتنی کی جاتی۔ بہر حال **وَأَشْكُرُ وِلْيَٰ دَرِيَا سَ نَآپِيَا كَنَارِ بَ عَ خِيَالِ رَ بَ عَ كَ جِبِ كَفَرِ اِيْمَانِ** کے مقابل آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں بے رینی۔ مگر جب شکر کے مقابل آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کفرانِ نعمت یا ناشکری۔ یہاں شکر کے مقابل ہے۔ اس لئے اس سے ناشکری مراد ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میرا شکر کرونا ناشکری سمجھی نہ کرو۔ جیسے اقسامِ شکر عرض کئے گئے۔ اس کے مقابل سائے اقسامِ کفر کے بھی ہوں گے۔ یعنی جنائی۔ جسمانی، زبانی ناشکریوں سے بچے رہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہم سب کو اس آیت پر صحیح معنی میں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ
 إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

(ترجمہ) اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے۔ بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے (ربط) پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ذکر اور شکر کا حکم دیا تھا۔ اس سے دھوکا ہو سکتا تھا کہ دنیا میں ہمیشہ رب کی نعمتیں ہی آئیں گی اور زندگی ان کے شکر میں ہی کٹے گی۔ کیونکہ شکر نعمت پر ہی ہوتا ہے۔ اس دھم کو دفع کرنے کے لئے اب صبر کا حکم دیا گیا۔ تاکہ پتہ لگے کہ دنیا میں کبھی آزمائشیں اور تکلیفیں بھی آئیں گی۔ جس میں تمہیں صبر کرنا ہوگا۔ ہماری یادگار ہاں شاکر و صابر بن کر آنا نیز دنیا کے راستے اگر تھوڑے ہوں تو دو پاؤں سے طے کئے جاتے ہیں۔ اور اگر کچھ لمبے ہوں۔ تو سائیکل یا ٹنگے سے اور اگر زیادہ دراز ہوں تو سپر ٹرین سے۔ اور اگر زیادہ دراز ہوں تو میل سے اور اگر بہت ہی دُور جانا ہو تو ہوائی جہاز سے۔ اسی طرح دین کے بعض راستے محض ایمان سے بعض نماز روزے سے بعض حج اور زکوٰۃ سے طے ہو جاتے ہیں۔ قرب حضوری کا سفر صبر اور شکر کے دوپروں سے ہی طے ہوتا ہے۔ پچھلی آیت میں ایک پر یعنی شکر کا ذکر تھا۔ اور اس آیت میں دوسرے پر یعنی صبر کا ذکر ہے۔ نیز پچھلی آیت میں ذکر و شکر کا حکم تھا اور اس آیت میں نماز کا حکم دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ بے نمازی کا نہ کوئی ذکر قبول ہے نہ شکر۔ نہ کوئی عمل نہ وظیفہ۔

علماء فرماتے ہیں کہ ناکرِ فرض کے نوافل قبول نہیں۔ اور بات بھی عقل میں آتی ہے۔ کیونکہ وہ ہی مزدور یا نوکر اور ٹائم (OVERTIME) کا مستحق ہے۔ جو پوری ڈبوٹی ادا کرے۔ جو ڈبوٹی نہیں دیتا۔ اُسے اور ٹائم کا کوئی حق نہیں۔ فرض عبادات ہماری ڈبوٹیاں ہیں۔ نفل اور ٹائم۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ سارے

ذکروں اور شکروں پر فرض نماز سے مدد لینا یعنی ان کے ذریعہ سے انہیں قابل قبول بنانا۔
 تفسیر: اللہ تعالیٰ نے صبر اور نماز کے حکم سے پہلے مسلمانوں کو یاد کیا اَلَّذِينَ آمَنُوا کہہ کر پکارا۔ دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ دونوں حکم بہت اہم تھے اور نفس
 انسانی پر گراں تھے۔ صبر اور نماز کی پابندی کوئی معمولی بات نہیں اس لئے پیار
 والے خطاب سے پہلے ان کی ہمت بندھائی۔ پھر حکم دیا گیا۔ یعنی اے وہ لوگو! جو
 ایمان لا کر اپنا جان و مال سب کچھ ہمارے ہاتھ جنت کے عوض فروخت کر چکے۔
 گھبراؤ نہیں۔ صبر اور نماز کا دامن مضبوط ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ دوسرے یہ کہ ایمان
 کے بغیر کوئی بدنی یا مالی عبادت قبول نہیں۔ کیونکہ ایمان گویا جڑ ہے عبادات
 اس کی شاخیں ایمان و وضو ہے عبادات نماز۔ اسی لئے کافر کو پہلے مسلمان کرتے
 ہیں پھر نماز کا حکم دیتے ہیں۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرماتے ہی
 عبادات کا حکم نہیں دیا۔ گیارہ برس تک صرف ایمان کی دعوت دی۔ گیارہویں سال
 معراج میں نماز فرض ہوئی۔ اسی لئے رب نے امنوا ماضی فرمایا اور صبر و نماز بصیغہ امر
 ارشاد فرمایا۔ یعنی اے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو نماز اور صبر کو مضبوط پکڑو۔
 یہاں امنوا فرمانے میں نہایت نفیس دو اشارے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی ساری
 نعمتوں میں بڑی نعمت ایمان ہے۔ سلطنت۔ وزارت۔ دولت۔ جائیدادیں۔ ایمان
 کے مقابل بیچ ہیں۔ دیکھو یہاں رب نے یہ نہ فرمایا کہ اے بادشاہو! یا اے
 چودھریو! یا اے امیرو! بلکہ سب کو ایک پیارے خطاب سے پکارا اے ایمان والو!
 دوسرے یہ کہ رب نے ایمان کا ذکر کیا توحید کا ذکر نہ فرمایا۔ یہ نہ کہا کہ اے
 توحید یو! یا مجھے ایک ماننے والو! کیونکہ جس چیز سے تمام نعمتوں کے دروازے کھلتے
 ہیں اور جو مدار نجات ہے وہ ایمان ہے۔ نہ کہ محض توحید۔ انسان مومن ہوتے ہی نماز
 روزے کے لائق ہو گیا۔ تلاوت قرآن کا مستحق اور ایمان پر مرتے ہی جنت کا جاگیردار
 ہو گیا۔ اس لئے رب نے ہر جگہ مومن کو پکارا۔ اگر فقط عقیدہ توحید کافی ہوتا۔ تو
 سب سے نجات والا ابلیس ہوتا۔ کیونکہ وہ بڑا موحد تھا۔

خیال رہے کہ اللہ کی ذات و صفات کو ماننے کا نام توحید ہے اور اس کی ذات و صفات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کو ماننا ہی ایمان ہے۔ یعنی نبی کو رب کے ساتھ ملانا ایمان ہے۔ الگ کرنا کفر۔ رب فرماتا ہے یُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَأَلَمَّا تَكُ هُمْ الْكَافِرُونَ حَقًّا أَسَى لَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نَهَيْتُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) ذریعہ نجات صرف توحید ہی نہیں بلکہ ایمان ہے۔ آسمانی دین بہت سے آئے جو کچھ روزہ کر منسوخ ہوئے رہے ان دینوں کا اختلاف۔ ان کا منسوخ ہونا۔ توحید کی بنا پر نہ تھا بلکہ نبوت کی بنا پر تھا۔ توحید کبھی منسوخ نہ ہوئی بلکہ نبوتیں منسوخ ہوئیں۔ پتہ لگا کہ دین نبوت سے پرلتا ہے نہ کہ توحید سے۔ قرین بھی کامیابی سوال نبوت کے جواب پر ہوتی ہے نہ کہ توحید کے جواب پر۔ ان وجوہ سے رب نے ہمیں الَّذِينَ آمَنُوا کہہ کر پکارا۔

ایمان نین طرح کا ہے۔ ایمانیات کو سن کر ماننا۔ دیکھ کر ماننا اور ان میں داخل ہو کر ماننا۔ ہم لوگوں نے اللہ۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن۔ قیامت دوزخ فرشتوں وغیرہ ان سب کو سن کر ہی مانا ہے۔ بعض انبیاء کرام نے ان میں سے بعض چیزوں کو دیکھ کر مانا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ الٰہی مجھے مڑے جلا کر دکھا دے۔ فرمایا اے ابراہیم! کیا تمہارا ایمان اس پر نہیں؟ عرض کیا ایمان تو ہے اطمینان چاہتا ہوں (پہلے)

یہاں اطمینان سے مراد وہ اطمینان نہیں جو ایمان کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ تو آپ کو پہلے ہی حاصل تھا۔ بلکہ ایمان شہودی مراد ہے۔ یعنی خدا یا! میں سن کر مطمئن ہوں۔ دیکھ کر اطمینان چاہتا ہوں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان شہودی سے بھی آگے ہے کہ حضور نے اپنی نبوت علم حضوری سے جانی۔ فرشتوں، جنت دوزخ وغیرہ کو پہلے اور پیدا ہونے

ہوئے دیکھا۔ خود خدا تعالیٰ کی ذات کو معراج میں ان سر کی آنکھوں سے
ملاحظہ فرمایا ۵

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا

جب نہ خدا ہی چھپا تم پر کروڑوں درود

حق تو یہ ہے کہ رب نے حضور کو معراج کرائی اس لئے تھی تاکہ سارے
عالم کے ایمان سے حضور کا ایمان ممتاز ہو جائے کہ رب تعالیٰ کو حضور کے
سوا نہ کسی فرشتے نے دیکھا نہ کسی نبی نے۔ اس ایک کو ایک ہی نے دیکھا۔
غرضیکہ لفظ ایمان ایک ہے۔ مگر حقیقت ایمان میں بھی بڑا فرق۔ حتیٰ کہ جو چیزیں
حضور کے لئے ایمان ہیں۔ ہمارے لئے عین کفر۔ چنانچہ کلمہ حضور کا یہ تھا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أُنِّي رَسُولُ اللَّهِ - آپ کی اذان یہ تھی اَشْهَدُ اُنِّي رَسُولُ
اللَّهِ - آپ کا درود یہ تھا۔ صَلَّى اللَّهُ عَلَيَّ وَ عَلَيَّ اٰبِيَ وَ اَصْحَابِي - یعنی

میں رسول اللہ ہوں یا اللہ مجھ پر رحمتیں بھیج۔ ہم ایسا کہیں تو کافر ہو جائیں۔

قرآن شریف میں جہاں کہیں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ارشاد ہوتا ہے اس
میں ہم لوگ ایمان کے لقب رکھنے والے مراد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے

پیارے حبیب کو اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے نہیں پکارتا بلکہ اس رب کریم نے
اپنے حبیب کو پکارنے کے لئے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ وغیرہ

پیارے الفاظ بنائے۔ دیکھو ہم ایسی آیتیں سناتے ہیں جن میں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ہے اور ان میں حضور قطعاً داخل نہیں۔ رب فرمانا ہے :

اے ایمان والو! اللہ رسول سے

آگے نہ بڑھو۔ اللہ سے ڈرو۔

بے شک اللہ سننے اور جاننے

والا ہے۔

اے ایمان والو! جب نبی صلے

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدَّمُوا

بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَ

اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

رب ۲۶

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

تَدَّخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِذَا
ذَلِكَ يُؤْذَى النَّبِيَّ الْخ
(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا
بُيُوتَكُمْ قُبُورِ صَوْتِ النَّبِيِّ
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ -

(۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا
تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا
(سورہ بقرہ)

(۵) لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ
بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا
(پ ۱۸ سورہ نور)

(۶) وَلَا تَنْجَسُوا أَدْوَابَكُمْ
مِنْ بَعْدِهَا أَبَدًا (احزاب)

اللہ علیہ وسلم کے ہاں دعوت ہو تو بغیر بلائے
مت پہنچ جاؤ اور کھانا کھا کر وہاں بائیں نہ کرو
اے ایمان والو! اپنی آواز رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اونچی
نہ کرو۔

اے ایمان والو! ہمارے محبوب
صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں
راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو۔

اے ایمان والو! رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو ایسے نہ پکارو جیسے
ایک دوسرے کو پکار لیتے ہو اور ان
کے حضور چلا کر نہ بولو۔

ان کے بعد ان کی بیویوں سے
نکاح نہ کرو۔

اب بناؤ کہ ان آیات میں الَّذِينَ آمَنُوا موجود ہے مگر ان میں حضور انور
صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز داخل نہیں۔ اب وہ آیتیں جن میں الَّذِينَ آمَنُوا ہے
اور وہاں نماز۔ صبر۔ قصاص وغیرہ کے احکام ہیں۔ حق یہ ہے کہ ان میں بھی
حضور داخل نہیں کیونکہ یہ آیتیں تو ظہور نبوت سے چودہ پندرہ سال بعد
اتریں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے ہی عابد عارف اور ساجد سب
کچھ تھے لہذا فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ اس الَّذِينَ آمَنُوا میں بھی حضور انور صلی
اللہ علیہ وسلم داخل نہیں۔

آگے ارشاد ہوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ۔ اسْتَعِينُوا اسْتَعَانَتْ
سے بنا جس کا مادہ عَوْن ہے یعنی مدد۔ اسْتَعَانَتْ کے معنی ہیں مدد مانگنا۔ نصر

کے معنی بھی مدد ہے اور عون کے معنی بھی مدد۔ لیکن کبھی ان دونوں میں یوں فرق کیا جاتا ہے۔ کہ مدد ظاہری کو نصر کہتے ہیں۔ اور اندرونی مدد و خفیہ امداد کو عون اگر یہاں خفیہ امداد کے معنی میں ہو تو مطلب یہ ہوگا۔ اے مسلمانو! صبر اور تمار کے ذریعے ہماری خفیہ امداد حاصل کرو۔ جہاد۔ بیماری۔ قرض۔ مصیبتوں وغیرہ میں صرف ظاہری امداد کے پیچھے نہ پھرو۔ بلکہ صبر اور نماز کے ذریعے ہماری خفیہ امداد بھی حاصل کیا کرو۔ ظاہری ہتھیار کفار کے پاس تم سے زیادہ ہیں مگر یہ ہتھیار وہ ہے جس سے کفار یکسر محروم ہیں۔

جھولیاں سب کی بھرتی جاتی ہیں دینے والا نظر نہیں آتا
جو نظر آتے ہیں نہیں اپنے جو ہے اپنا نظر نہیں آتا

زیر سایہ میں ان کے رہتا ہوں

جس کا سایہ نظر نہیں آتا

صبر کے معنی ہیں روکنا اور مہلت دینا۔ دوسرے معنی سے بہ رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ اسی لئے اس کا نام صبار و صبور بھی ہے یعنی مہلت دینے والا۔ رب تعالیٰ کا مجرم بندوں کو مہلت دینا کبھی رحمت ہے کبھی زحمت۔ اگر اس لئے مہلت دی جا رہی ہے کہ اس مجرم کا نام نیکیوں کی فہرست میں ہے یا آخر کار توبہ کر لے گا تو وہ مہلت عین رحمت ہے اور اگر اس لئے ہے کہ ابھی اس کا پیالہ بھرا نہیں خوب گناہ کر لینے دو تا کہ زیادہ عذاب کا مستحق ہو تو یہ مہلت عذاب ہے۔ دیکھو رب نے فرعون کو بھی مہلت دی تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادو گروں کو بھی کہ یہ سب ہی عرصہ تک کفر اور فسق کرتے رہے مگر جادو گروں کی مہلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے ہر ایک مومن۔ صحابی۔ صابر فہمید ہوا۔

اور دوسرے معنی سے صبر بندے کی صفت ہے جس کے معنی ہیں نفس کو روکنا۔ اور صبر کے تین درجے ہیں۔ مصیبت میں نفس کو گھراہٹ سے روکنا اور عیش و ہانپت کے دروازے جبکہ بندے کے لئے کھل گئے ہوں

تو گناہوں سے روکنا ہمیشہ اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں روکنا یعنی اس پر قائم رہنا۔

یہاں یہ تینوں صبر مراد ہیں۔ ان تینوں صبروں کی تفسیر میں گذشتہ انبیاء کرام کے واقعات۔ صحابہ کرام کے حالات۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک ہیں۔ اسی لئے رب نے قرآن کریم میں انبیاء کرام اولیا کے صبروں کے قصے بیان کیے اور سید الشہداء۔ شہید کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یگستان کے ورقوں پر اپنے خون کی روشنائی سے وہ جیتی جاگتی زندہ جاوید تفسیر لکھی ہے جسے زمانے کے ہاتھ مٹانہ سکے۔

پہلے صبر یعنی مصیبت میں صبر کا نشا یہ ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کی حکمت۔ رحمت پر ایمان لائے اور سمجھے کہ وہ رحیم بھی ہے حکیم بھی ہے۔ اس کی بھی مصیبت میں بھی کوئی راز ہے۔ بیمار طبیب کی حکمت اور خیر خواہی پر اعتماد کرتا ہے تو اس کے ہاتھ سے اپریشن بھی کر لیتا ہے۔ کڑوی دوائی بھی پی لیتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کا انجام میرے لئے اچھا ہے۔ ایسے ہی بندہ جب رب کی رحمت۔ حکمت پر کامل اعتقاد رکھے تو اسے یقین ہوگا کہ ان مصیبتوں کا انجام انشاء اللہ میرے لئے اچھا ہوگا۔

حکایت

مثنوی شریف میں ہے کہ ایک عورت کے بیٹے بیٹے تھے قضائے الہی سے ہر سال ایک ایک بیٹا اٹھارہ اٹھارہ سال کی عمر میں فوت ہوتا شروع ہوا انیس تک یہ صابرہ رہی۔ جب بیسیویں بچے کو وہ ہی بیماری ہوئی تو یہ گھبرا گئی بہت کچھ علاج معالجہ کیا۔ لڑکا جان بزنہ ہو سکا اور مر گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماں یوانی ہو گئی۔ ایک رات اسی جنون کی حالت میں خواب میں ایک نہایت دلکش باغ دیکھا۔ جس کی سرسبزی۔ نروں کی روانی۔ زیبائش بیان نہیں ہو سکتی۔ اس

میں بے شمار ننگے بنے ہوئے تھے۔ ہر ایک پر مالک کا نام کندہ تھا۔ ایک نہایت نفیس ننگے پر اپنا نام لکھا ہوا دیکھا۔ بہت ہی خوش ہو کر اندر چلی گئی۔ اندر کی رونق اور بہار دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس کے باغ میں ٹہلنے لگی اور مکان کے کمروں میں گھومتے پھرنے لگی۔ ایک کمرے میں دیکھا کہ اس کے بیسیوں لڑکے نہایت عیش و آرام سے بیٹھے ہیں۔ اُسے دیکھ کر بولے کہ اماں ہم اپنے رب کے پاس نہایت آرام سے بیٹھے ہیں۔ پکارنے والے نے پکارا کہ اے مومنہ! تیرا مقام یہ ہے مگر تیرے اعمال تجھے یہاں تک نہیں پہنچا سکتے تھے اس لئے تجھے بیسیں غم دیئے گئے۔ یہ بیسیں غم اس منزل کی بیسیں سیڑھیاں تھیں۔ جن کو تو نے رب کے کرم سے ملے کر لیا۔ اب تیرے لئے خوشی ہی خوشی ہے۔

جب وہ یہ خواب دیکھ کر چونکی تو جیجی کہ خدایا! تو مجھے سو بیٹے دے اور تنوہی کو جوانی کی موت دے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ تیرے قہر میں ہر لوشید ہے۔

ناخوش او خوش بود در جان من

جان فدائے یار دل رنجان من

کار بگر کا سونے یا لوہے کو بھٹی میں تپا کر کوٹنا پٹینا سے کام کا بنانے کے لئے ہوتا ہے اس لئے ارشاد ہوا اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۝ مصیبت میں انسان خیال رکھے کہ میرے کفر کبنے یا بے صبری کرنے سے مصیبت ٹل نہ جائے گی بلکہ صبر کا ثواب جو ملنا ہے وہ جانا رہے گا۔ مصیبت سے صبر کی حقیقت یہ ہے کہ نفس مست گھوڑے کی طرح ہے جوش مستی میں اپنے مالک کو ہلاک کرنا چاہتا ہے ضرورت ہے کہ اس کے منہ میں لگام دو اور کوشش کرو کہ کوئی شیخ کامل اسے اپنی مضبوط گرفت میں لے لے۔ جب نفس گناہ پر مائل ہو تو یہ سوچو کہ کیا مجھ میں دوزخ کی آگ برداشت کرنے کی طاقت ہے یا میں رب تعالیٰ کا مقابلہ کر سکتا ہوں جب یہ دونوں باتیں ہمیں تو گناہ کیوں کرے !!

حکایت

ایک صاحب کسی رنڈی پر عاشق ہو گئے اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ روزانہ اسے اپنے پاس رہنے کا حکم دیا۔ کرتے یہ تھے کہ وہ سامنے بیٹھی رہتی تھی اور یہ اسے دیکھتے اور اپنا کام کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح عرصہ گزر گیا۔ ایک روز رنڈی بولی۔ آپ اپنا پیسہ اور میرا وقت کیوں ضائع کرتے ہیں جبکہ مجھ سے کوئی کام نہیں لینا ہے۔ تو مجھے اجازت دیجئے۔ اس کے اس کہنے پر نفس نے بہت جوش مارا۔ اٹھے اور چراغ جلایا اور اس کی لوہے کی انگلی رکھ دی حتیٰ کہ کھال گوشت سب جل گیا۔ پھر کہا تو جا اور اب مت آنا۔ وہ بولی میں جاتی تو ہوں مگر مجھ کو یہ بتاؤ کہ تم مجھے کیوں بلاتے تھے اور اب کیوں بھیج رہے ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے عرصے سے اس نفس نے تیرے حال میں گرفتار کر رکھا تھا۔ میں بہت جبر سے اس کو روکے ہوئے تھا۔ آج تیری اس گفتگو سے بہت ہیجان پیدا ہوا۔ شہوانی خیالات بھڑک اٹھے تو میں نے اس سے کہا کہ پہلے تو یہاں کی آگ کی تیزی دیکھ لے اگر اُسے برداشت کر سکے تو دوزخ میں جانے کی ہمت کرنا ورنہ باز آ۔ جب انگلی کی چربی جل گئی تو نفس نے آواز دی کہ بس مجھ میں طاقت برداشت نہیں۔ عذاب الہی سے وہ تمام جوش اور جذبے ختم ہو چکے اب تو جا اور کبھی نہ آنا۔ چونکہ یہ بات دل سے نکلی تھی اس لئے اس رنڈی کے دل پر ہی پڑی۔ رونے لگی۔ بولی میرا کیا بنے گا۔ رب کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ توبہ کی اور صالحہ بن گئی۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ مشکل تو صبر سے آسان ہوتی ہے مگر صبر کرنا بھی تو تو ایک مشکل چیز ہے وہ کاہے سے آسان ہو۔ بخار کڑوی دوا سے جاتا ہے۔ مگر وہ کڑوی دوا کیسے پیٹ میں جائے۔ فرماتے ہیں کہ صبر کو آسان کرنے والی تین چیزیں ہیں خوف۔ شوق اور ذوق یعنی عذاب الہی کا سچا خوف صبر کو آسان کر دیتا ہے۔ دیکھو۔ جیل اور حوالات کا خوف ہم کو صد ہا تکالیف پر صابر بنا دیتا ہے۔

تو رب کا خوف صابر کیوں نہ بنائے گا۔ یونہی حبیب کے حاصل کرنے کا شوق۔ یہ بھی انسان کو صابر کر دیتا ہے۔ دیکھو! بی۔ اے ایم اے کا طالب علم کہ جب اُسے اعلیٰ مرتبے پر پہنچنے کا شوق ہوتا ہے تو بڑی بڑی پر صبر کر لیتا ہے۔ لوگ راتیں سو کر گزارتے ہیں مگر یہ کتابوں کے مطالعہ میں جب بالو یا ڈپٹی تینے کا شوق انسان کو رات بھر جگا لیتا ہے تو جنتی بننے کا شوق کیا تہجد اور فجر کے واسطے نہ جگائے گا؟

مگر ہاں شرط یہ ہے کہ شوق فقط زبانی نہ ہو دل کا ہو۔ جو شخص زبان سے کہتا پھرے کہ مجھے بی۔ اے کرنا ہے اور محنت نہ کرے تو جھوٹا ہے۔ ایسے ہی جو منہ سے کہے کہ مجھے جنت کا شوق ہے اعمال اس کے خلاف کرے وہ جھوٹا وعیدار ہے

کام دوزخ کے کئے جنت کے ہیں امیدوار

قصرِ جنت تو بنا ہر پارسا کے واسطے

حیث تو سوتا رہے مسجد میں ہوتی ہو اذال

مرغ و ماہی سب اٹھیں یادِ خدا کے واسطے

رب ذوق یعنی عشق پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوق دیدارِ الہی یہ

تو سب سے اعلیٰ درجے کی چیز ہے جو انسان سے بڑے بڑے کھٹن کام کرا لیتی ہے

جب عشقِ شیریں کا شوق فرہاد کے تیشے سے نہایت مضبوط پہاڑ توڑا لیتا ہے۔

تو کیا عشقِ الہی کا ذوق امام حسین رضی اللہ عنہ سے سر نہیں کٹوا سکتا۔ گھر نہیں لٹوا سکتا

دوستو! شیریں والا پہاڑ نہ فرہاد نے کھودا نہ اس کے تیشے نے بلکہ اس کے

عشق نے کھودا۔ انسان کی ہر چیز کمزور ہے۔ حتیٰ کہ اس کی عقل بھی کمزور۔ خود

رب فرماتا ہے۔ خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا۔ لیکن اگر نصیب ہو جائے تو اس کا عشق

بہت قوی ہے جو فرشتوں سے نہ اٹھ سکا نہ زمین و آسمان سے۔ رب فرماتا ہے

رَحِمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝

اب لفظ صلوٰۃ کو لیتے۔ اس کے تین معنی ہیں۔ رحمت نازل کرنا۔ رحمت کی دعا کرنا اور نماز۔ پہلے معنی رب کی صفت ہے۔ دوسرے معنی فرشتوں کو بھی اور انسانوں وغیرہ کو بھی ملی رب فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يَصلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا مگر تیسرے معنی میں نماز صرف انسان ہی کو عطا ہوئی اور خاص کر وہ نماز جس میں رکوع اور سجدہ قیام تلاوت قرآن رب کچھ ہے وہ تو صرف اُمت مصطفویٰ کو ہی نصیب ہوئی نہ کسی فرشتے کو ملی اور نہ کسی پہلے نبی کو اور نہ ان کی اُمتوں کو یہاں تیسرے معنی مراد ہیں بلکہ اسمیں گفتگو ہے کہ یہاں نماز پنجگانہ مراد ہے یا خاص حالات کی خاص نمازیں پہلی صورتیں اس آیت کے معنی یہ ہونگے کہ مسلمانو! پنجگانہ نماز کسی پابندی کر کے ہر گز نہیں لو اسکی تفسیر و حدیث پاک کے سببی کریم نے فرمایا کہ جس میں کمال ہفت نماز کی طرف لگا ہے اور پنجگانہ نمازیں مسجد میں باجماعت پڑھا کرے جائے بلکہ کچھ دیر وہاں بیٹھے تو اس کی زندگی بھی طیب ہوگی اور موت بھی۔ رب فرماتا ہے قُلْنَا حَیِّیْنٰہُ حَیْوَةً طَیِّبَةً اِیْسے شخص پر نماز کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ مصیبتیں آتی ہی نہیں اور اگر آجائیں تو ٹھہرتی ہی نہیں۔ جلد ہی چلی جاتی ہیں اور اگر ٹھہر بھی جائیں تو اس کے دل پر نہیں اترتیں۔ ان مصیبتوں پر دل ایسا تیرتا ہے جیسے پانی پر کشتی ہے

آب در کشتی ہلاک کشتی است ؟

آب اندر زیر کشتی لشتی است

دریا میں کشتی ہو تو سینکڑوں کو پار لگا دیگی لیکن اگر کشتی میں دریا آئے تو ڈوب جائے گی۔ افسوس ان لوگوں پر جو بظاہر منتفی بنتے ہیں تسبیح و وظائف پر بہت زور دیتے ہیں۔ مگر نماز اور جماعت کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کی آخری تین سانسیں آئی ہیں تو پہلی سانس میں فرمایا۔ الصلوٰۃ یعنی اے میرے اُمتی نماز کی پابندی کرنا دوسری سانس میں فرمایا۔ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اِپنے ماتحتوں پر مہربانی کرنا۔ اور

اور نماز کے بعد قرآن پڑھیں

تیسری سانس میں فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ بِاللَّيْلِ نَفِيْقِ اَعْلٰى خَدَايَا ! مجھے اوپر والے ساتھیوں کے پاس پہنچا دے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔

غوش نصیب ہے وہ اُمتی جو اپنے پیارے حبیب کی اس وصیت پر مُتکتے وقت تک عمل کرے اور اگر نماز سے خاص نمازیں مراد ہیں تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے مومنو! مصیبت پر صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ اسلام نے نہ تکلیف پر نماز کی تعلیم دی۔ سو جگر ہن لگ جائے تو نماز کسوف پڑھو۔ چاند گم ہن لگے تو نماز خسوف پڑھو۔ بارش نہ ہو تو نماز استسقا پڑھو کوئی دینی یاد دنیاوی حاجت درپیش ہو تو نماز حاجت پڑھو۔ غرض کہ نماز مومن کی پناہ ہے۔

یہاں ایک سوال قائم ہوتا ہے کہ رب نے یہاں دوسری عبادتوں کا ذکر کیوں نہ فرمایا یعنی یہ کیوں نہ کہا کہ صبر اور زکوٰۃ سے یا صبر اور حج سے مدد لو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کے علاوہ اور کسی عبادت میں مدد کی صلاحیت کم ہے اولاً اس لئے کہ ساری عبادتیں صرف فرش پر ہوتی ہیں۔ مگر نماز وہ عبادت ہے جو فرش و عرش ہر جگہ ہوتی ہے کیونکہ اجزائے نماز یعنی رکوع سجدہ وغیرہ۔ حاملین عرش کے فرشتوں سے لے کر پہلے آسمان کے فرشتوں تک کے لئے ہے۔ کہ فرشتوں کی کوئی جماعت رکوع میں ہے کوئی سجدے میں وغیرہ۔

گویا کہ اس کے کل پُرزے آسمانی ہیں جن کی ہم فلنگ کر لیتے ہیں تیر دنیا بننے سے لاکھوں برس پہلے نور محمدی پیدا ہوا اور وہ برابر عبادات میں مشغول رہا۔ کونسی عبادات میں؟ زکوٰۃ۔ حج۔ جہاد وغیرہ میں؟ نہیں! بلکہ صرف نماز اور ارکان نماز میں۔ چونکہ یہ نورانی مخلوق رنج و غم سے آزاد ہے تو نمازی بھی رنج و غم سے آزاد ہی رہے گا۔ اصل کا اثر نقل میں آجاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ علاج کا طریقہ ایک یہ بھی ہے کہ مرہن کا دھیان مرض سے ہٹا دیا جائے تو اس کو مرض کی تکلیف یا تو محسوس ہی نہیں یا بہت کم محسوس ہوتی ہے۔ نماز نمازی کے دھیان کو دنیا سے ایک دم ہٹا دیتی ہے بلکہ عملی طور پر اسے

دنیا سے نکال ہی دیتی ہے کہ تکبیر نحر میہ کہتے ہی کھانا پینا۔ بولنا چالنا غرض کہ دنیا کے سارے کام حرام ہو جاتے ہیں اور نماز ختم ہونے پر نمازی کہتا ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گویا اپنے ساتھ والے فرشتوں اور انسانوں کو سلام کرنا ہے۔ کیونکہ عالم بالا کی سیر کر کے آ رہا ہے جب دنیا سے فاسد ہوا تو یہاں کے رنج و غم بھی یہیں چھوڑ گیا۔ یہ تو ہم گنہ گاروں کی نماز کا حال ہے جتنیں اللہ احسانی و شہودی نماز عطا کرتا ہے۔ جس کی تفسیر حضور نے یہ بیان فرمائی کہ عبادت ایسے کیا کرو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ سمجھ سکو تو سمجھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے ان کا کہنا ہی کیا وہ تو نماز میں قتل بھی کر دیئے جائیں۔ تو انہیں احساس نہیں ہوتا۔

کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حسیم اطہر میں ایک تیر پوست ہو جاتا ہے جس کے نکلنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ تیر کیسے کھینچا جائے۔ علیؓ کی جان کا خطرہ ہے۔ فرمایا ان سے کہہ دو کہ نماز شروع کریں۔ نیت باتدھی۔ حکم دیا تیر کھینچ لو۔ کھینچ لیا گیا۔ اور آپ کو احساس بھی نہ ہوا۔

جب مصری عورتیں جمال بوسفیٰ میں ایسی وارفتہ ہو گئیں کہ ہاتھ کاٹ ڈالے مگر خبر نہ ہوئی تو اگر نمازی جمال محمدی یا مشاہدہ تخلیقات انوار الہی میں ایسا مشغول ہو جائے کہ اسے دنیا کی خبر نہ رہے تو کیا بعید ہے آرزو کہ جب نمازی کا دھیان دنیا میں لگ جاتا ہے تو مقتدیوں کو امام کی قرأت کی خبر نہیں رہتی بلکہ خود امام صاحب کو اپنی قرأت پر دھیان نہیں رہتا کہ میں نے کیا پڑھا تو اگر نماز میں اصحیح دھیان ہو تو اس کا اُلٹ بھی ہو جائے گا یعنی دنیا کی خبر نہ رہے گی اس لئے وَاسْتَعِينُوا بِالصَّابِرِينَ وَالصَّلَاةِ۔

آگے ارشاد ہوا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ مکانی ہماری سے پاک ہے کیونکہ وہ تو کسی مکان یا جگہ میں نہیں۔

اس کی ہمراہی کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اس کے علم و قدرت کی ہمراہی۔ اس لحاظ سے وہ بندے کے ہر وقت ساتھ رہتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ اور فرماتا ہے وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلكِنْ لَا تُبْصِرُونَ۔ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَيْثُ الْوَسْرَاءِ۔

(۲) اور رحمت کے لحاظ سے صرف مومنوں کے قریب ہے۔ فرماتا ہے کہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ تَرِيْبٌ مِّنَ الْمُهْسِنِيْنَ۔ اور قہر و عذاب کے لحاظ سے کافروں کے ساتھ۔ یہاں دوسری معیت مراد ہے یعنی اللہ کی رحمت اس کا کرم صابروں کے ساتھ ہے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ شکر سے صابر افضل ہے اور شکر سے صبر بہتر۔ کیونکہ شکر کا بدلہ زیادتی نعمت ہے مگر صبر کا عوض رب تعالیٰ کی معیت۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے بندوں سے ادا دلینا جائز ہے۔ شکر نہیں۔ دیکھو صبر اور نماز جو ہمارے کام ہیں ان کے ذریعے مدد لینے کا حکم دیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام تو ہماری نمازوں سے کہیں افضل ہیں۔ ان سے مدد لینا بھی جائز۔ جن آیتوں میں خدا کے سوا سے مدد لینے کی ممانعت ہے وہاں حقیقی مدد مراد ہے۔ یا رب کے مقابلے میں کسی کی مدد۔ لہذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ ان کی مکمل تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول۔ علم القرآن اور فہرست القرآن میں دیکھو۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کرم نے مختلف مقامات پر نماز کے مختلف فوائد بیان کئے۔ یہاں تو یہ بتایا کہ نماز حل مشکلات ہے اور دافع بلیات ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ نماز بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے مگر دیکھا یہ جارہا ہے کہ بہت سے نمازیوں پر آفتیں بھی مسلط رہتی ہیں۔ رب کے وعدوں میں خلاف کیسا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاثریں مکمل نماز کی ہیں۔ مکمل نماز وہ ہے جس کا قالب بھی درست ہو اور قلب بھی۔ ظاہری

اعضاء کے ارکان نماز کا ڈھانچہ ہیں۔ دل کا خشوع و حضور نماز کا قلب یا روح ہے جس نماز میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوں وہ نماز مکمل ہے۔ اسی کی بہ تاثیر میں ہیں۔ اگر ہماری نماز میں صرف ڈھانچہ ہے روح نہیں تو ہم اپنی نماز میں مکمل کریں قرآن شریف پر اعتراض نہ کریں یہ بالکل درست ہے کہ بجلی کا بلب روشنی دیتا ہے مگر کب جبکہ اس میں پاور بھی تو ہو۔ مگر کوئی شخص یہ سمجھ کر نماز نہ چھوڑے کہ کہ میری نماز میں خشوع و حضور نہیں تو اس سے کیا فائدہ۔ بے جان نماز بیکار ہے۔ بلکہ پڑھے جائے کبھی اللہ تعالیٰ اس میں جان بھی ڈال دے گا۔ بارشِ فیض سے جنگل میں سوکھی گھاس کے پتے ہرے ہو جاتے ہیں۔

حکایت

ایک مرید نے اپنے شیخِ کامل کو لکھا کہ مجھے نماز میں حضور نہیں ہوتا۔ پراگندہ خیالات بہت سنتے ہیں کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ شیخِ کامل نے جواب دیا کہ تمہارے کھانا کھانے وقت نکھیاں بہت آتی ہیں تو کیا تم ان کی موجودگی کا چھوڑ دینے ہو؟ کہا نہیں۔ نکھیاں اڑانے مچھے کھانا کھائے جانا ہوں۔ فرمایا نماز بھی روحانی کھانا ہے۔ پراگندہ خیالات دور کئے جاؤ اور نماز پڑھے جاؤ۔ شعر دو یاد کرو گراؤد کے بخدمت شاہ سوئم ہر آئینہ درے کند بلطف نگاہ امید ہست پرستندگان حضرت را کہ نامیہ نہ گردند ز آستانِ الہ یعنی جو کوئی روزانہ بادشاہ کو سلام کر آیا کرے آخر کبھی نہ کبھی سلطان پوچھ ہی بیگا کہ تو کیوں آتا ہے اسی طرح جو روزانہ مسجد میں حاضر ہو دیکر نماز پڑھ جایا کرے اس کی بھی کبھی نہ کبھی پوچھ گچھ ہو ہی جائے گی۔ رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایسی نماز نصیب کرے جو ہر جگہ کام آئے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ وَتُوِّرَ عَرْشُهُ مُحَمَّدًا وَعَلَى الْاٰلِ وَاَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

لِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أحيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ
 (ترجمہ) جو اللہ کے راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں۔ مگر تم
 شعور نہیں رکھتے

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم
 کی امت کے اس گروہ کی تعریف فرمائی جسے شریعت میں شہید کہا جاتا ہے۔ اس
 آیت کی تفسیر سے پہلے دو باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

ایک یہ کہ شہید یا شہود سے بنایا شہادت سے۔ شہود کے معنی ہیں حاضر ہونا
 اور شہادت کے معنی ہیں گواہی۔ لہذا شہید کے معنی ہیں حاضر۔ یا گواہ۔ چونکہ
 شہید فوت ہوتے ہی بارگاہ الہی میں حاضر ہوتا ہے رب فرماتا ہے کچھ تمتا کر۔
 وہ عرض کرتا ہے آرزو یہ ہے کہ پھر دنیا میں لوٹا یا جاؤں اور پھر شہید ہوؤں۔
 کیونکہ جو لذت اور لطف اس پستی ریت۔ جنگ کی شدت اور تلوار کی دھار
 میں پایا وہ کسی سے اور چیز میں نہ دیکھا۔ رب فرماتا ہے کہ ہم ایک دفعہ
 امتحان میں پاس کر کے کسی کا دوبارہ امتحان نہیں لیا کرتے اس لئے اسے
 شہید کہتے ہیں۔ یعنی فوت ہوتے ہی بارگاہ میں حاضر۔

سارے مسلمان قیامت کے بعد جنت میں جائیں گے مگر شہید جان نکلنے
 ہی وہاں پہنچ جاتا ہے۔ وہاں کے بیوسے کھاتا ہے وہاں کی نروں میں جاتا
 ہے۔ اس لئے اسے شہید کہا جاتا ہے یعنی جنت میں فوراً حاضر بلکہ روایات میں
 یہاں تک آیا ہے کہ بعض نمازیوں نے شہادت سے پہلے ہی جنت اور وہاں
 کی نعمتیں دیکھ لیں۔ لوگوں سے کہا۔ دوستو! آؤ جنت وہ ہے۔

چونکہ سب لوگ حقانیت اسلام اور توحید و رسالت کی گواہی اپنی

زبان قلم یا اعضاء سے دیتے ہیں مگر یہ نرالا گواہ اپنے خون کے قطرہوں سے گواہی دیتا ہے لہذا یہ شہید کہلاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جیسے دنیاوی بادشاہوں کے ہاں بہت سے محکمے ہوتے ہیں ہر محکمہ کا نام و کام جداگانہ ایسے ہی سلطنتِ مصطفویٰ کے بہت سے محکمے ہیں۔ علماء۔ صوفیاء۔ غازی شہید وغیرہ۔ پھر علماء میں مفسرین۔ محدثین۔ فقہاء۔ مجتہدین وغیرہ اور صوفیاء میں غوث قطب ابدال وغیرہ۔

اور جیسے دنیاوی حکمرانوں میں سب سے زیادہ محکمہ فوج کی قدر کرتی ہے۔ اس محکمہ کا تنخواہ کے علاوہ کھانے کا ایسا باقاعدہ انتظام ہوتا ہے کہ خواہ تمام مملکت میں ننگی ہو مگر فوج میں تنگی نہیں آنے دی جاتی۔ پھر ان میں جو مارا جائے اس کی بیوی بچوں کو بہادری کے نئے مرحمت ہوتے ہیں۔ پنشن مقرر ہوتی ہے تعلیم کا انتظام مفت۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ فوجی لوگ اپنے خون سے حکومت کی خدمت کرتے ہیں۔ اسی طرح مملکتِ الہیہ اور سلطنتِ مصطفویہ میں جو قدر شہید کی ہے دوسروں کی نہیں۔ اگر اس کی تفصیل دیکھنا ہو تو قرآنی آیات اور احادیث کا مطالعہ کریں کیوں کہ یہ کہ یہ لوگ اپنی جان اور خون سے اس سرکار کی خدمت گزار ہیں جب یہ دنوں یا تین سمجھ لیں تو اب اس آیت کریمہ کی تفسیر سنو :

ارشاد ہوا **وَلَا تَقُولُوا**۔ نہ کہو۔ کسی کو کچھ کہنے سے روکنے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بات تو نہایت اچھی ہو گمراہی کا کہنا منع ہو۔ جیسے اسرار و رموز کی باتیں۔ جو امانت کے طور پر سینوں میں چھپائی جاتی ہیں کسی کو بتائی نہیں جاتیں۔ اسرارِ اعیان سے چھپائے جاتے ہیں۔ جیسے شربِ معراج کی لامکان والی باتیں کہ رب نے فرمایا۔ **فَادْحِي إِلَىٰ عَبْدِي مَا أَدْحِي** اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منع فرمادیا۔ کہ یہ باتیں غیروں سے نہ کہتا۔ بلکہ عشاق تو یہاں تک کہتے ہیں۔

اندازِ حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے
امی نقبی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے
ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا
جو جہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

تم اس طرح پڑھ لو

اغیار کو اسرار بتائے نہیں جانتے

پر یار سے اسرار چھپائے نہیں جانتے

دوسرے یہ کہ بات سچی ہو مگر اس کا کہنا منع جیسے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا**

رَاعَيْنَا۔ **رَاعَيْنَا** فی نفسہ ہر نہ تھا مگر چونکہ اس سے گستاخوں کو بے ادبی کا موقع ملتا تھا۔

اس لئے ایسا کہنے سے روک دیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں بے ادبی کا سبب کفر ہے اور ادب کا

جھوٹ عین ایمان۔

ابلیس نے کہا **تَهَارَبُ بِمَا آخُو بَيْنِي**۔ خدایا تو نے مجھے گمراہ کر دیا بات سچی تھی۔

باری اور **مُضِلُّ اللّٰهِ** تعالیٰ ہی ہے مگر اس کا بولنا کفر ہوا کہ بے ادبی تھا۔ آدم علیہ السلام نے

عرض کیا تھا۔ **رَبِّكَ ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا**۔ خداوند! اپنی جانوں پر ہم نے ظلم کیا۔ آیت خلاف

تھی۔ بتدہ بے ارادہ الہی کیا کر سکتا ہے۔ مگر اس کا بولنا عین ایمان۔ وہ محبوب بندے

جو کبھی گناہ کے قریب بھی نہ گئے۔ یہی کہتے رہے کہ ہم گنہ گار ہیں۔ خطا کار ہیں۔ بات

خلاف واقعہ ہے مگر یہ گناہ درجات کا ذریعہ ہے۔

تیسرے وہ کہ بات بھی بُری ہو جھوٹ ہو۔ بے ادبی ہو اور گناہ بھی بُرا ہو جیسے

ناشکاری اور کفر یہ باتیں۔ یہاں تیسری قسم کی ممانعت ہے یعنی شہیدوں کو مڑہ کہنا۔

بات بھی جھوٹ ہے اور گناہ بھی جرم لہذا **لَا تَقُولُوا** کی نہی اول درجے کی ہے۔

تیز قرآنی خطابات میں اکثر و بیشتر احکام کے خطابات صرف انسانوں سے ہیں۔

چنانچہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ جہاد وغیرہ فرشتوں پر فرض نہیں۔ مگر ادب

کی آیتوں میں سب سے خطاب ہے۔

دیکھو رب نے فرمایا۔ ہمارے محبوب سے آگے نہ بڑھو۔ ان کی آواز پر اپنی

آوازیں ادھی نہ کرو۔ یا ان کے گھروں میں بے اجازت نہ جاؤ۔ وغیرہ۔ ان میں رُوحے سخن

انسانوں جنات فرشتوں سمی سے ہے کہ حضرت ملک الموت بھی حضور کی اجازت

کے بغیر نہ گھر میں آئیں اور نہ جان تشریف قبض کریں۔ شش

یہ ادب کی بسیل بے نوا کبھی کھل کے کرنے کے نوا
 نہ ہوا کی نیز روش روا نہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے
 بہ ادب جھکا لو سر ولا کہ میں نام لوں گا گل و باغ کا
 گل تر محمد مصطفیٰ

چمن ان کا پاک دیار ہے

یہاں بھی لَا تَقْوُلُوا میں جن دانش فرشتے وغیرہ سبھی سے خطاب ہے۔

کہ خبر دار ایسی بے ادبی نہ کرنا کہ شہیدان راہ خدا کو مردہ نہ کہنا۔

مَنْ يُقْتَلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ - قَتْلٌ قَاتِلٌ كَمَا مَقَابِلٌ هُوَ - لغت میں قتل

کے معنی ہیں بٹنا۔ بٹنا۔ اور قتل کے معنی ہیں ادھیڑنا اور کھولنا۔ اصطلاح میں

جسم کی ساخت بگاڑ کر جان نکال دینے کو قتل کہتے ہیں۔ تلوار۔ گولی۔ لاکھی

پتھر وغیرہ مار کر جان نکال دینا قتل میں داخل ہے۔ بلکہ کسی کو زہر دے کر

مار ڈالنا بھی قتل میں شمار ہے۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر میں

کھائے ہوئے زہر سے اور حضرت صدیق اکبر کا غارتور میں سانپ کے کاٹنے

کے زہر سے وفات پانا بھی اس میں شامل ہے۔ بسیل اللہ سے مراد تمام وہ

عقائد و اعمال ہیں جن کے اختیار کرنے سے بندہ رب تک پہنچے۔ لہذا عقائد

کی حفاظت کرتے ہوئے یوں ہی نماز۔ اذان۔ قریانی وغیرہ تمام شعائر دینیہ کی

حفاظت کے لئے جو شخص مارا جائے اس میں داخل ہے۔

خیال رہے کہ فقہ میں ہر ظلماً مقتول مسلمان عاقل بالغ شہید ہے اگرچہ اپنی

جان مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے۔ اس کو نہ غسل دیں گے نہ کفن نگر

اللہ کی راہ میں قتل کیا ہوا بہت درجے والا ہے اسی لئے یہاں فی بسیل اللہ کی

قیما رثا د ہوئی۔ اور اسلام میں حکمی شہید تو بے شمار ہیں۔ چنانچہ مسافر سفر میں مرے

تو شہید ہے۔ عورت نفاس میں مرے تو شہید اور جو روزانہ موت کو یاد کر لیا کرے

وہ شہید ہے۔ وغیرہ وغیرہ کہ یہ لوگ کل قیامت میں شہداء کے زمرے میں اچھیں گے

بَيْنَ أَهْبَاءٍ وَوَالِكِينَ لَا تَشْعُرُونَ ۝ شہیدوں کی زندگی کے متعلق
 آج کل مسلمانوں میں تین فرقے ہیں۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ بعد وفات نہ ہی
 زندہ ہیں نہ ولی نہ شہید۔ ان کی دلیل حسب ذیل آیات ہیں :
 رَبِّ فَرَمَانَا هِيَ اِنَّكَ دَیِّتٌ وَاَنْتُمْ مَیْتُونَ ۝ اے محبوب آپ کو
 وفات آئی ہے اور ان سب کو بھی۔ اور فرماتا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَاقَةُ الْمَوْتِ
 ہر جان کو موت چکھنی ہے اور فرماتا ہے كُلُّ مَنْ عَلَيهَا هَانٍ جَوْزِیْنِ پَرِیْ
 اُسے فنا ہے۔ ان آیات میں نبی ولی شہید کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ پھر اس آیت
 کے بارے میں ان لوگوں نے بہت غوطے کھائے۔ کبھی کہتے ہیں کہ ان کی
 رُوْحیں زندہ ہیں نہ کہ جسم۔ کبھی کہتے ہیں کہ ان کے کام زندہ ہیں یعنی وہ دُہِن
 کے لئے شہید ہوئے اور دین زندہ ہے نوگو یا وہ ہی زندہ ہے۔

مگر ان عقلمندوں سے کوئی پوچھے کہ اگر آیت کریمہ کے یہ معنی ہوتے تو
 شہداء کی قید کیوں لگائی جاتی۔ قیامت میں ہر مردہ زندہ ہوگا اور بعد موت
 روح ہر ایک کی زندہ ہی رہتی ہے اور ہر صدقہ جاریہ کرنے والے کا کام زندہ
 رہتا ہے۔ نیز دوسری آیت شہداء کی زندگی اس طرح ارشاد فرماتی ہے۔ وَلَا
 تَحْسِبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا۔ بَيْنَ اَھْبَاءٍ عِنْدَ رَبِّہِمۡ
 یُرِیْقُوْنَ ۝ فَرِحِیْنَ بِمَا اَنْتُمْ مِّنْ قَضِیْبِہٖ وَکَیْسِیْشِرِیْنَ بِالَّذِیْنَ
 لَمْ یَلْحَقُوْا بِہِمۡ مِّنْ خَلْقِہِمۡ ۝ اَلَا خُوْفٌ عَلَیْہِمۡ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ
 سبحان اللہ! رب نے فیصلہ کر دیا کہ شہید راہِ خدا کو مردہ سمجھو بھی مت۔
 وہ رب کے ہاں زندہ ہیں۔ روزیاں پاتے ہیں۔ خوشیاں مناتے ہیں۔ دنیا
 والوں کے حالات کو دیکھ رہے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ان کی کوئی تحویل
 نہیں چل سکتی۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ خیر ہم شہداء کو تو زندہ مان لیتے ہیں کیونکہ
 قرآن کریم اس کا اعلان کرتا ہے مگر انبیاء اولیاء کی حیات کہیں ثابت نہیں بلکہ ان

کی موت کی آیت موجود ہیں۔ لہذا وہ کوئی زندہ نہیں یہ لوگ یہاں تک کہ ڈالتے ہیں کہ اگر وہ زندہ ہوں تو ان کا غسل کفن کیسا۔ ان کی میراث کیوں تقسیم ہوئی۔ ان کی بیویاں اور جگہ نکاح کیوں کر لیتی ہیں۔ ان تمام احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات زندہ نہیں۔ مردہ ہیں۔

تیسرے فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء۔ شہداء اولیاء اور بعض علماء کرام پروردگار اور وفات زندہ ہیں۔ کیوں نہ ہو جیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کٹ مرنے والے شہید حیات ابدی زندہ ہیں تو جن کے دم قدم کی یہ بہا رہے وہ کیونکر زندہ نہ ہوں۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔ فقیر اس صحبت میں حیات انبیاء۔ شہداء و اولیاء کے متعلق کچھ تحقیق پیش کرنا چاہتا ہے۔

خیال رہے کہ انسان میں قدرت نے دو رُوں رکھی ہیں۔ ایک رُو سلطانی جس کا ہیڈ کوارٹر دماغ ہے۔ جس سے بیداری قائم ہے اور دوسری رُو حیوانی جس کا مرکز دل ہے۔ جس سے زندگی قائم ہے۔ مگر یہ دونوں رُوں جسم کی رگ رگ میں ایسی سرایت کی ہوئی ہیں جیسے انگارے میں آگ یا پھول میں رنگ و بو۔

جسم میں سے رُو سلطانی کے نکل جانے کو نیند کہتے ہیں اور رُو حیوانی نکل جانے کا نام موت ہے۔ اولاً ہم اپنی اور مقبولان بارگاہ الہی کی نیندوں میں قوکھاتے ہیں۔ ہماری رُو سلطانی نیند میں جسم سے نکل کر جسم کو چھوڑ دیتی ہے اور ہم نیند میں ایک دم غافل ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ نیند سے ہمارا وضو بھی جاتا رہتا ہے کبھی احتلام بھی ہو جاتا ہے۔ اور ہماری خواب کا اعتبار بھی نہیں رہتا۔ اور ہمیں نیند کی حالت میں اپنے تن بدن کا ہوش بھی نہیں رہتا۔ یعنی ہماری رُو سلطانی نیند میں ہم سے نکل بھی جاتی ہے اور جسم کو چھوڑ بھی دیتی ہے۔

اب آجائے حضرات انبیاء کرام کی نیند کی طرف۔ رُو سلطانی ان کے اجسام سے نکل بھی جاتی ہے مگر انہیں چھوڑتی نہیں بلکہ تعلق برابر قائم رکھتی ہے جس کی وجہ سے انہیں نیند میں غفلت نہیں طاری ہوتی اسی لئے ان کی نیند وضو نہیں توڑتی۔

انہیں کبھی احتلام نہیں ہوتا۔ ان کی خواب وحی الہی ہوتی ہے۔ غرض کہ ان پر نیند کی حالت میں بھی بیداری کے احکام جاری رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی خواب سے شرعی احکام منسوخ ہو جاتے ہیں۔

دیکھو بے گناہ بچے کو ذبح کرنا ہر دین میں حرام ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواب نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ اور وہ خواب کی بنا پر اپنے فرزند ابراہیم کے ذبح پر تیار ہو گئے۔ مگر اس کے باوجود انہیں سوتا ہوا بھی کہا جاتا ہے۔ اور ان پر بہت سے احکام جاگنے والوں کے جاری نہیں ہوتے۔ اس حال میں ان پر نہ نماز فرض ہوتی ہے نہ تبلیغ نہ سلام کا جواب۔ اور نہ بیداری کے دوسرے احکام۔ اب اس وقت میں انہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ سو رہے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ترندہ ہیں۔ مگر الگ الگ خلیفوں سے۔ جب اپنی اور پیغمبروں کی نیند میں فرق سمجھ لیا۔ تو اب موتوں میں فرق بھی دیکھ لو۔

ان کی رُوح حیوانی بھی ان کی موت کے وقت جسم سے نکل جاتی ہے۔ اسی رُوح کے نکل جانے کا نام موت ہے۔ اس لحاظ سے انہیں میت فرمایا گیا۔ اور اسی خروج رُوح کی وجہ سے ان پر کفن دفن کے احکام جاری ہو گئے مگر ہماری رُوح جسم سے نکل جانے کے بعد جسم کو چھوڑ بھی دیتی ہے اس کی حفاظت نہیں کرتی جس کی وجہ سے ہمارے جسم بالکل بے جان ہو جاتے ہیں۔ ہمارا علم سمع بصر ختم ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دو تین دن کے اندر اندر جسم گن مٹنے کے برابر ہو جاتا ہے۔ اور ہم پر سائے مردوں کے احکام جاری ہو جاتے ہیں مگر ان حضرات کی رُوح نکل جانے کے باوجود ان کے جسموں کو چھوڑتی نہیں بلکہ ان کی پرورش و نگاہداشت برابر کرتی رہتی ہے۔

اس بنا پر ان کے جسم گلنے نہیں اور ان کی تمام قوتیں بحال رہتی ہیں بلکہ یہی زندگی سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اس دوسرے معنی کے لحاظ سے وہ حضرات

مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ اس کی تائید خود سرکار انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کلمات ہیں **فَانِيْ اُمْرًا مَّقْبُوْضًا**۔ یعنی میری رُوح قبض ہونے والی ہے۔ فیض رُوح اور چیز ہے اور ترکِ رُوح کچھ اور۔ اسی طرح جسم سے رُوح کا نکل جانا کچھ اور ہے۔ اور جسم کا بے جان ہو جانا کچھ اور۔ ہم حیاتِ البنی کے مسئلے پر چند دلائل قرآن و حدیث۔ فقہ اور اُمت کے اجماع سے پیش کرتے ہیں۔

(۱) ہر زبان میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ زندوں کے لئے کچھ اور لفظ استعمال کرتے ہیں مردوں کے لئے کچھ اور۔ چنانچہ اردو میں مردوں کے لئے **تھا** فارسی میں **بود** عربی میں **كان** انگریزی میں **was** وغیرہ الفاظ ہیں۔ اور زندوں کے لئے اردو میں **ہے** فارسی میں **ہست** انگریزی میں **is** وغیرہ ہیں۔ چنانچہ زندے کی حکایت یوں کرتے ہیں کہ فلاں بڑا اچھا ہے۔ عالم ہے۔ سخی ہے۔ بادشاہ یا وزیر ہے۔ لیکن بعد موت کہا جاتا ہے کہ وہ اچھا تھا۔ سخی تھا۔ مرنے کو کوئی ہے۔ نہیں بولتا۔ اور ہے بولنے والے کو جھوٹا کہا جاتا ہے۔ غرض کہ **ہے** زندے کی حکایت ہے اور **تھا** مرنے کی۔ جب یہ سمجھ لیا تو غور کرو۔ کہ اسلام کا کلمہ شریف ہے **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ حضور کی حیاتِ ظاہری میں بھی صحابہ نے یہی کلمہ پڑھا اذان اور نماز میں بھی اس کی گواہی دی گئی اور وفات شریف سے اب تک یہی رہا۔ اور قیامت تک یہی رہے گا۔ اور قیامت تک یہی ہے۔ اگر حیاتِ البنی درست نہ ہو۔ آپ کی موت کا عقیدہ رکھا جائے۔ تو تمام مسلمانوں کا کلمہ۔ نماز۔ اذان سب غلط ہو گئے اور تمام لوگ اس کلمے میں جھوٹے ہو گئے بلکہ اب کلمہ یوں ہونا چاہیے **تھا كان مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ مَّصْطَفٰى اللّٰهِ رَسُوْلٌ تَحْيٰى**۔

حضرت انسان مسلمان بیچھے ہوتا ہے اذان اور نماز بیچھے ادا کرتا ہے۔ حیاتِ البنی پہلے مان لیتا ہے۔ مسئلہ حیاتِ البنی ایمان اور نماز وغیرہ کی اصل ہے۔

دلیل (۲) قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوا أَزْوَاجَكُمْ مِمَّنْ بَعْدَہَا
آبَدًا۔ یعنی ہماری سے حبیب کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی نکاح نہ کرو۔ اس
آیت شریفینے دو طرح حیات النبی کا مسئلہ ثابت کیا۔ ایک اس طرح کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی ان کی ازواج پاک کو ان کی بیویاں ہی
مانا کہ فرمایا **أَزْوَاجُہُمْ** معلوم ہوا کہ ازواج پاک حضور کی وفات کے بعد بھی ان کی
بیویاں ہی رہیں۔ ان کا نکاح ٹوٹا نہیں۔ ورنہ خاوند کی موت نکاح ٹوٹ دیتی
ہے۔ دوسرے اس طرح کہ مسلمانوں کو ان سے نکاح کرنا حرام قرار دیا۔ کیوں
اس لئے کہ وہ بیوہ نہیں ہوئیں۔ ان کے خاوند صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔
بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ نکاح کی حرمت اس لئے ہے کہ وہ مسلمانوں کی
مائیں ہیں۔ رب فرماتا ہے **وَإِذَا دَاخِلَہُمْ أُمَّہَاتُہُمْ** مگر یہ غلط ہے کیونکہ
وہ بیبیاں احترام میں مائیں ہیں۔ نہ کہ احکام میں۔ اسی لئے ان کی بیبیاں
مسلمانوں کی بہنیں نہیں ان کی بہنیں بھائی مسلمانوں کی خالہ بھانجیاں نہیں۔
ان سے پردہ فرض ہے۔ رب فرماتا ہے: **وَإِذَا سَأَلْتُمُوہُنَّ عَنْ مَا**
فَعَلُوْا قُلْنَ مِنْ وَّرَآئِہِ حَاجِبًا ط

نہ ان کی میراث مسلمانوں کو ملتی ہے نہ مسلمانوں کو ان کی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کسی بیوی کو طلاق دیدیں تو اس کا نکاح دوسرے مسلمان سے ہو سکتا ہے جیسے امیہ
بنت جحون کا ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ **إِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا**
فَتَعْلَمُونَ أَنَّہُمْ كُنْتُمْ سَرَاحًا جَمِيلًا یعنی یہ پیدا ہوئے ہیں
دنیوی زندگی اور بیاں کی زینت اور ٹیپ ٹاپ مرغی ہے۔ تو آؤ میں تمہیں عدت کا
سامان دے دوں۔ اور طلاق دے دوں۔ اگر طلاق سے وہ بیاں کہیں نکاح نہ کر سکتیں
تو طلاق ان پر سخت ظلم ہوتا۔ کہ وہ معلقہ ہو کر رہ جائیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا
مِمَّنْ بَعْدَہَا آبَدًا۔ یعنی پیغمبر کی وفات کے بعد ان سے نکاح نہ کرو۔ صاف
معلوم ہوا کہ :

وہ بیبیاں تعظیمِ ادب و احترام میں تو مائیں بلکہ ماؤں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ مگر احکام میں مائیں نہیں۔ ان سے نکاح نہ ہونا اسی بنا پر ہے کہ حضورِ حیات البتہ ہیں۔ شعر۔

اس کی ازواج سے جائز ہونکاح اس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے
روح تو سب کی ہے زندہ لیکن ان کا جسم بھی روحانی ہے
حلیل (۳) رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَ سَأَلُ مَنْ أَرُ سَأَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا۔ اے محبوب گزشتہ نبیوں سے پوچھ لو کیا ہم نے کچھ اور معبود بنانے ٹھے۔ جن کی عبادت کی جائے۔ رب العالمین نے اپنے پیارے حبیب کو از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام تمام نبیوں سے پوچھنے کا حکم دیا۔ اور پوچھا اسی سے جانتا ہے جو زندہ بھی ہو جواب بھی دے۔ اس آیت نے حسب ذیل مسائل ثابت کئے۔

(۱) سائے بنی زندہ ہیں۔ (۲) وہ اپنی قبروں میں پابند نہیں۔ عالم کی سیر کر سکتے ہیں۔ زندہ مقبول بندوں سے کلام بھی کر لیتے ہیں۔ ان کے سوالوں کا جواب بھی دے دیتے ہیں۔ کیونکہ یہاں یہ فرمایا نہیں گیا۔ کہ خطبا ڈاک بانٹا رکے ذریعے ان سے پوچھ لو۔ نہ یہ کہ ان کی قبروں سے جا کر پوچھو۔ نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مزارات پر کبھی گئے۔ یہی مطلب ہے کہ اے پیارے وہ حضرات تمہارے پاس آتے ہی رہتے ہیں۔ آپ ان سے ملتے ہی رہتے ہیں۔ معراج میں وہ آئے۔ حج واداع میں وہ شریک ہوئے۔ آپ ان سے کبھی پوچھ لیں۔ یہ آیت حیات الانبیاء کے لئے ایسی صریح ہے۔ جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ کہ زندہ نہ ان نبیوں کی امانتوں سے پوچھنا مراد ہے۔ نہ ان کی کتابوں سے۔ کیونکہ ان کی امانتیں فنا یا مشرک ہو چکی تھیں۔ اور ان کی کتابیں یا ختم ہو گئی تھیں یا محرق۔ جن میں کفر و شرک بھرا ہوا تھا۔

حلیل (۴) مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا جَاءَهُ الْآرَضُ ثُمَّ يَعْنِي سَلِيمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كِي دَفَات بجز دیک اور کسی نے انہیں نہ بتائی۔ اس دیک نے آپ کی

لاٹھی کھالی۔ اس آیت نے بتایا کہ حضرت سپہان علیہ السلام وفات کے بعد لاٹھی کی ٹیک پر اتنا عرصہ کھڑے رہے کہ وہ لاٹھی پرانی ہو کر دیکھ خورده ہو گئی اس دوران میں آپ کا جسم شریف نہ گلانا بگڑا۔ پتہ لگا کہ نبیوں کی روح جسم سے نکلنے کے بعد بھی جسم کی حفاظت کرتی رہتی ہے۔ یہی معنی حیات کے ہیں۔

دلیل (۵) : وَلَا تَقْوُلُوا یہی آیت اس میں رب العالمین نے صراحتاً شہداء کو زندہ کہا۔ اس زندگی میں کسی ناول کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ یہاں موت کی نفی کے بعد بن کے ساتھ حیات کا ثبوت ہے اور بدل کے معنی علم بیان والوں پر مخفی نہیں۔

دلیل (۶) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا یہ آیت بھی نہایت شاندار طریقہ سے حیات شہداء ثابت کر رہی ہے۔ اس میں بھی ناول کی گنجائش نہیں۔

دلیل (۷)۔ مشکوٰۃ شریف۔ باب فضائل جمعہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ہم پر درود شریف زیاد پڑھا کر دو کیونکہ تمہارے درود ہم پر پیش ہوتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ بعد وفات کیسے پیش ہوں گے؟ آپ کا جسم پاک گل چکا ہوگا۔ ارشاد فرمایا۔ اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ اللہ کے نبی زندہ رہتے ہیں۔ رزق دیئے جاتے ہیں۔

دلیل (۸) فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہم شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر گزے تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

دلیل (۹) ایک صحابی بجالت سفر کسی میدان میں رات میں کھڑے گئے تو انہوں نے زمین کے نیچے سے سورہ ملک کی تلاوت کی آواز سنی۔ حیران ہو گئے۔ جب پارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو یہ ماجرا عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہاں کسی مومن کی قبر ہے۔ جو زندگی میں سورہ ملک پڑھنے کا عادی

تھا۔ وہ بعد موت بھی اپنے مشغلے میں لگا ہوا ہے۔

دلیل (۱۰)۔ معراج میں سارے نبیوں کا بیت المقدس میں حاضر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنا۔ پھر مختلف آسمانوں پر مختلف نبیوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے موجود ہونا بہت سی احادیث سے صراحتاً ثابت ہے۔

دلیل (۱۱)۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تک میرے حجرے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون ہے تو میں بے حجاب اندر داخل ہو جاتی تھی۔ سمجھتی تھی کہ ایک میرے خاوند ہیں دوسرے میرے والد۔ مگر جب سے جناب عمر رضی اللہ عنہ یہاں دفن ہوئے تب سے بغیر حجاب اندر نہیں جاتی۔ حضرت عمر سے حیا کرتی ہوں۔

ان احادیث سے پتہ لگتا ہے۔ کہ حضرات انبیاء و اولیاء بعد وفات زندہ ہیں۔ زندوں کو ملاحظہ فرمانے ہیں۔ دنیا کی سیر کر لیتے ہیں۔ یہاں کے حالات سے خبردار رہتے ہیں۔ ان کی رفتار ہماری نگاہ و خیال کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہے۔

دلیل (۱۲)۔ صحابہ کرام سے لے کر آج تک سارے مسلمانوں کا عقیدہ رہا ہے کہ حیات نبی و حیات دلی۔ حیات شہداء برحق ہے اور بعض اولیاء اللہ کے مدفون جسم صدیوں بعد ویسے ہی دیکھے گئے جیسے کہ ابھی تازہ دفن ہوئے۔ ابھی ہمارے ضلع گجرات موضع نوشہرہ شریف میں سید ماگھن شاہ صاحب کی قبر کھل گئی۔ ان کو وفات پانچ تقریباً ۷۰۰ سال گزر گئے ہیں۔ مگر ان کا کفن بھی میلانہ ہوا تھا۔ تمام اعضاء درست اور نرم تھے جیسے سوئے ہیں۔ زیارت کے لئے نین ماؤتک لوگوں کا اتنا بندھا رہا۔

اور یہ واقعہ بخاری شریف میں بھی ہے اور جذب القلوب وغیرہ کتب تواریخ میں بھی ہے۔ کہ عبد الملک ابن مروان کے زمانے میں روضہ مطہرہ کی دیوار

گر گئی جس میں ایک قبر شریف نشق ہو گئی۔ اور ایک پیٹلی ظاہر ہو گئی لوگ گھرا گئے کہ کہیں یہ پیٹلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ ہو۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھ کر فرمایا۔ کہ یہ پیٹلی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہے دیوار گرنے اور بنانے کا واقعہ بخاری شریف میں بھی ہے۔ اس قسم کے واقعات اتنے ہیں کہ ہمارے شمار سے باہر ہیں۔

غرضیکہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ۔ عفا اللہ صحابہ اجماع امت تجربہ اور مشاہدہ سے حیات النبی۔ حیات الولی و حیات الشهداء ثابت ہے۔

آگے ارشاد ہوا وَ لَکِن لَّا تَشْعُرُونَ ط اور لیکن تمہیں شعور نہیں۔ اس میں عالم مسلمانوں سے خطاب ہے کہ عوام مومنو! ان کی حیات کا شعور تمہیں نہیں ہونا۔ جیسے جلتے ہوئے چراغ کو کسی ناندیا بڑے بزن سے ڈھک دیا جائے تو چراغ تو اپنی جگہ روشن ہے مگر دیکھنے والے کے لئے وہ ناندیا ٹری ہوئی ہے ان کی حیات تو اس مثال سے بھی کہیں ارفع و اعلیٰ ہے جو دیدہ دل رکھنے والے ہیں۔ وہ ان کی حیات کو محسوس بھی کرتے ہیں اور ان سے کلام اور گفتگو بھی کر لیتے ہیں۔ ان سے یہاں خطاب نہیں۔

آخر میں ہم ان لوگوں کے شبہات بھی رفع کر دیتے ہیں جو غلط فہمی کی بنا پر اس مسئلہ کے منکر ہیں۔ واہیات گفتگو میں نوبے شمار ہیں مگر اصول و اغراض فقط نہیں ہیں۔ ایک نودہ آیات قرآنیہ جن کو ابھی ہم نے ذکر کیا اور ان کے جوابات دیئے۔ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھِمْ یَیِّتُونَ و غیرہ۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ لوگ زندہ ہیں تو کھاتے پیتے کیا ہیں اور بغیر کھانے پینے زندگی قائم رہنا عقل کے خلاف ہے۔ اس کے جوابات بہت ہیں۔ ایک نودہ جو قرآن کریم نے دیا یُدْرَقُونَ یعنی وہ اللہ کے فضل سے جنت کی نعمتیں کھا رہے ہیں۔ دوسرے خود انسان پر بعض موقعے ایسے آتے ہیں جیکہ وہ ظاہری کھانے پینے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

ماں کے پیٹ کے چمکے ہیں چار مہینے میں جان پڑتی ہے مگر پیدا ہوتا ہے نو مہینے بعد۔ پانچ ماہ کے عرصہ میں وہ کیا پینا ہے۔ پیشاب پاتا خانہ کہاں کرتا ہے۔ سانس کدھر لیتا ہے۔ یہ سب باتیں عقل سے وراہ ہیں۔ امام رازی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ اس راز کو بڑے سے بڑا فلسفی بھی نہ پاسکا۔ سچے اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اس کے ناک اور منہ پر دھنی ہوتی روئی رکھ دی جائے تو گھٹ کر مر جائے۔ گروہی سچے چھٹی۔ رحم۔ پیٹ کے علاقوں میں رہتا ہے۔ اور زندہ رہتا ہے۔ اس سے بڑی بات یہ ہے کہ مرغی کا بچہ انڈے میں رہتا ہے۔ جس میں نہ روزن ہے نہ سوراخ مگر زندہ رہتا ہے۔ اصحاب کھت ہزار ہا سال سے سو رہے ہیں۔ بغیر کھائے پئے زندہ ہیں۔ ان کی زندگی تو قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام فریبا دو ہزار برس سے آسمان پر زندہ ہیں۔ وہاں کون سیادورچی ہے اسی طرح یہ حضرات زندہ ہیں۔ اور اس رزق سے بے نیاز ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے روزوں میں کسی کسی روز تک نہ کھاتے پیتے تھے۔ ایک مرتبہ سلطان العارفين حضرت یارید سلطانی نے تین سال تک پانی نہ پیا۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت عزیز علیہ السلام سو برس تک بے جان رہنے کے بعد جب زندہ ہوئے تو سمجھے کہ میں ایک دن سویا یا اس سے بھی کم۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ قَالَ كَيْفَ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔

اصحاب کھت ۳۰۹ سال سونے کے بعد جب جاگے تو بولے کہ ہم دن بھر یا یا اس سے کم ٹھہرے۔ ان کے متعلق بھی قرآن کریم فرما رہا ہے۔ قَالُوا كَيْفَ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۝

پتہ لگا انبیاء و اولیاء و وفات کے بعد اس عالم سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ آنتاب کا نکلنا۔ چھپنا۔ زمانہ گزرنانا ان پر مخفی رہتا ہے اور تم کہتے ہو کہ سب کی خبر رکھتے ہیں۔ تمہارا یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔

جواب :- ان بزرگوں کو رب العالمین نے اس طرف سے بے توجہ کر کے

اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ یہ خصوصی واقعہ ہے۔ قانون نہیں ہے اس میں وہ حکمتیں
تھیں جو قرآن کریم انہیں اپنے مقامات پر ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر مخلوق
کے سامنے آئیں۔ مخلوق ان کی زندگی رکھ کر قیامت کی قائل ہو جائے جیسے
عزیر علیہ السلام کے پاس کھانا اور پانی سو سال تک رکھا رہا اور نہ بگڑا۔ تو
کھانے کا نہ بگڑنا قانون نہیں بلکہ ایک خصوصی واقعہ ہے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ
نیند میں ہماری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔ مگر ایک بار سفر میں سرکار
دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تمام صحابہؓ کی ایسی آنکھ لگی کہ نماز فجر قضا ہو گئی۔
جب آفتاب بلند ہو گیا تو آنکھ کھلی۔ اس واقعہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نعوذ باللہ
سرکار کا وہ فرمان غلط ہے بلکہ یہی کہا جائے گا کہ چونکہ رب چاہتا ہے کہ حضور
کی امت کو قضا نماز پڑھنے کا طریقہ معلوم ہو جائے اس لئے اس رات اپنے
جیب کو اپنی طرف متوجہ فرمایا۔ غفلت نہ تھی بلکہ اس طرف توجہ ہونے کی وجہ
سے اس طرف سے بے توجہی تھی۔ اور یہ خصوصی واقعہ تھا قانون نہ تھا۔

تفسیر صوفیانہ: جسم کی زندگی جان سے ہے اور جان کی زندگی ایمان سے۔
دل کی زندگی عشق رحمان سے ہے اور نفس امارہ کی زندگی کفر و طغیان سے۔
نفس امارہ کی زلیبت دل اور روح کی موت ہے اس لئے اس کو مار دینے کا
حکم ہے۔ نفس امارہ کی زلیبت دل اور روح کی موت ہے۔ اس لئے اس کو
مار دینے کا حکم ہے۔ دودھک کی زندگی ٹٹالے رہ چکے کی موت ہے۔
اور خود رو گھاس بھوس کی زندگی کھیت کی موت ہے۔ اسی لئے کسان ان
زائد چیزوں کو مارتے رہتے ہیں۔ مشائخ اپنے مریدین پر اس لئے ہر ذرت
نظر رکھتے ہیں۔ مجاہدے کی تلوار عبادات کے نیزے ترک دنیا کے تیروں
سے اس کو ہمیشہ مردہ رکھتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں: ۵

پیر۔ اگزیں کہ بے پیراں پفر ہست بس پرفاقت و خوف و خطر
چوں گرفتاری پیرہن تسلیم شو ہجو موسیٰ زیر حکم حضرت زرو

گر چہ کشتی بشکند تو دم مزن !
گر چہ طفلے را کشد تو مو ممکن

صوفیاء فرماتے ہیں۔ آیت کا منشا یہ ہے کہ اے مسلمانو! ان لوگوں کو
مردہ نہ کہو۔ جن کے نفس امارہ عشق الہی کی راہ میں مجاہدے کی تلوار سے قتل
و فنا کیے جا چکے ہیں۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے کیونکہ ان کی روح
اور دل کو دائمی زندگی مل گئی۔ جسے ملک الموت بھی فنا نہ کر سکے۔ البتہ ہمیں
ان کی زندگی کا احساس نہیں کیونکہ دماغ کی آنکھ سے صرف جسم کی زندگی دیکھی
جاسکتی ہے۔ مگر دل کی آنکھ سے دل اور روح کی زندگی دیکھی جاسکتی ہے اگر
تمہیں ان کشتوں کی زندگی دیکھنا ہو تو دل والی آنکھ پیدا کرو۔

سونا کشتہ ہو کر بے بیوں بیماریوں کو شفا دیتا ہے۔ یہ عشاق کشتہ ہو کر
ہزاروں کشتوں کو زندگی بخش دیتے ہیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے زندے
کافروں کو مردہ فرمایا کہ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ اور ان کشتوں کو زندہ قرار دیا کیونکہ
ان کے نور روح اور دل مردہ تھے مگر ان کے نفس امارہ مردہ اور روح و دل زندہ
ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسی زندگی عطا کرے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَ نُوْرٍ عَرَفَتْهُ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْكِتٰبِ وَالْهُدٰى مِنْ
بَعْدِ مَا يَنْتَهٰ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ
اللّعنُونَ ہ (ترجمہ) یقیناً وہ لوگ جو چھپاتے ہیں کتاب کی روشن آیتوں اور

یہ آیتوں کو اس کے پیچھے کہ ہم نے وہ لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کی تھیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرے گا اور سب لعنت کرنے والے بھی۔

تعلق: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ چونکہ صفا و مروہ پہاڑ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اس لئے ان پر بتوں کا آجانا ان کی عظمت کو نہیں گھٹاتا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس ہی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ایمان کا کعبہ ہیں۔ عرفان کا کوہ صفا ہیں۔ رحمت رحمان کا کوہ مروہ ہیں۔ ان کی شان و عظمت نہ کسی کے چھپائے چھپ سکے اور نہ مٹائے مٹ سکے۔ اور نہ گھٹائے گھٹ سکے۔

شان نزول: جیسے کہ آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ فرمائے قریباً چودہ صدیاں گزر چکیں مگر حضور کا چرچا نہ پرانا ہوا نہ گھٹا۔ بڑے بڑے بادشاہوں کا ذکر ان کے مرے بعد ہفتہ دو ہفتے رہتا ہے مگر جسے زمانہ نہ مٹا سکے وہ ذکر جمیل مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایسے ہی ازہ آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام سارے انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں حضور کے نام اور صفات عالیہ کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ توریت۔ انجیل وغیرہ میں آپ کے گیت گائے گئے۔ جیسا کہ قرآن شریف کی بہت سی آیتوں سے ثابت ہے یہود مدینہ بھی آپ کی نشانی آدری کی بشارتیں لوگوں کو دیتے تھے اور اس لگائے بیٹھے تھے کہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل میں سے ہوں گے۔ جس سے ہماری عزتوں کو چار چاند لگ جائیں گے مگر جب آپ کا ظہور بنی اسمعیل میں ہوا تو وہ لوگ حسد کی آگ میں جل گئے اور توریت و انجیل کی وہ آیات جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کا ذکر تھا چھپانے یا بدلنے لگے اور کہنے لگے کہ نہیں یہ وہ نبی نہیں جس کا ہمیں انتظار ہے۔ ایک بار کچھ صحابہ علمائے یہود کے پاس گئے اور انہیں قسم دے کر پوچھا کہ سچ بتاؤ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تمہاری کتابوں میں ہے یا نہیں۔ ووصاف

انکار کر گئے اور بولے کہ قطعاً ذکر نہیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔
تَفْسِيرٌ: إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ۔ رب جانتا تھا کہ اب بھی حضور کی
 آیاتِ نعت میں ہیر پھیر کرنے والے اور ان کا ذکر روکنے والے یہود و نصاریٰ
 موجود ہیں اور آئندہ بھی خود کلمہ گو مسلمانوں میں وہ فرقے پیدا ہوں گے جو حضور کے
 ذکر کو روکیں گے۔ اور آیاتِ نعت کبھی نہ سنائیں گے۔ بلکہ ان کے معنی اور
 مضامین بدلنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے **يَكْتُمُونَ** مطلق فرمایا۔ یعنی
 سانسے ہی وہ لوگ خود عیسائی یہودی ہوں یا مسلمانوں کے لباس میں منافقین
 جو اب چھپا رہے ہیں یا آئندہ چھپائیں گے۔ ان سب کا وہی حال ہے۔ جو
 آگے بیان ہو رہا ہے۔

يَكْتُمُونَ۔ کتْم سے بنا کتْم کے معنی بھی چھپانا ہے اور ستر کے
 معنی بھی چھپانا۔ مگر ان میں فرق یہ ہے کہ چھپانے کے لائق چیزوں کو چھپانا
 ستر ہے اور جو چیز چھپانے کے لائق نہ ہو بلکہ اس کا ظاہر کرنا ضروری
 ہو۔ اس کے چھپانے کا نام کتْم ہے۔ ستر کمال ہے اور کتْم عیب۔ اسی لئے
 رب کا نام ستر ہے کتْم نہیں۔

رب نے بعض چیزیں چھپانے کیلئے پیدا کی ہیں اور بعض دکھانے
 کے لئے۔ ہمارے بدن میں چہرہ دکھانے کے لئے ہیں اور نیگیڑ چھپانے
 کے لئے۔ نیگیڑ ڈھکنا کمال ہے اور بلا وجہ چہرہ چھپانے پھرنا حماقت۔
 چونکہ حضور کی ذات و صفات اللہ کا نور ہیں۔ نور کا چھپانا عیب ہے۔
 اس لئے رب العلیین نے یکتُمون فرمایا نہ کہ لیسترون۔

مَا أَنْزَلْنَا الخ اس آیت میں کتاب سے مراد توریت و انجیل وغیرہ ہے۔
 اور بیبیاں و ہدیٰ وغیرہ سے مراد ان کتابوں کی نعتیہ آیات ہیں۔ رب نے ان
 آیتوں کی تین صفتیں بیان کیں۔ بتیہ ہونا۔ ہدیٰ ہونا اور لوگوں کیلئے آنا۔
 ظاہر۔ جلی اور بتیہ۔ تینوں کے معنی قریباً ایک ہی ہیں۔ مگر فرق یہ ہے

کہ ظاہر وہ جو ہلکے غلاف اور معمولی آرٹ سے چھپ جائے۔ جلی وہ جو بھاری غلاف اور سخت آرٹ سے چھپے۔ لیکن بینہ وہ ہے جو نہ تو کسی آرٹ سے چھپے اور نہ موٹے سے موٹے غلاف سے۔ وہ ہر آرٹ کو بھاڑ کر رکھ لے۔ اس کے چھپانے والے کی ساری کوششیں بیکار ہو جاتیں۔ چونکہ توریت و انجیل کی لغتیں آئینیں اس تیسرے درجے کی ظاہر کی تھیں کہ سارے یہود و نصاریٰ کے انتہائی زور کے باوجود نہ چھپ سکیں۔ اس لئے انہیں بتیات فرمایا گیا۔

آیات احکام تو نسخ و تبدیل ہو گئیں مگر آیات نعت نہ نسخ ہو سکیں نہ تبدیل کیے ہوتیں۔ رب نے وہ آئینیں قرآن شریف میں نقل فرمادیں۔ انہیں ہدیٰ یعنی ہدایت دینے والی اس لئے فرمایا کہ توریت و انجیل کے سارے احکام نسخ سے پہلے ہدیٰ تھے۔ مگر نسخ کے بعد ہدیٰ بن کے رد گئے۔ یعنی گمراہی اور نفسانی خواہش مگر انہیں کتابوں کی توحید و صفات کی آئینیں اور نعت مصطفیٰ کی آئینیں پہلے بھی ہدایت تھیں اور اب بھی ہدایت ہیں۔ ان پر نسخ طاری نہیں ہوتا۔ ایسا نسخ تو تب ہوں۔ جب خدا نہ رہے یا حضور مصطفیٰ نہ رہیں۔ آگے ارشاد ہوا مِنْ بَعْدِ مَا يَدِينُهُ كَلَنَاسٍ۔ یعنی ہم نے وہ آئینیں لوگوں کے لئے بیان کی تھیں۔ اس کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے ایک بات یوں سمجھ لو کہ جیسے دنیا کی سب نعمتیں رب تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔ مگر ان میں بعض خاص ہیں۔ جن کا فائدہ خاص لوگ اٹھاتے ہیں۔ اور بعض عام کہ جن سے عام مخلوق نفع اٹھاتی ہے۔ دیکھو غریبوں کی جھوٹیڑیوں میں چراغ۔ ان کے اوپر کے طبقہ کے گھروں میں الٹینیں۔ اور ان کے اوپر گیس و بنیاں۔ امیروں کی کوٹھیوں میں بجلی کے بلب ہیں۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ مگر خاص خاص۔ لیکن چاند اور سورج اس کی نعمتِ عامہ ہیں۔ جن سے ہر شاہ و گدا۔ امیر و فقیر فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یوں ہی ہر کھیت کے کنوئیں اللہ کی نعمتیں ہیں مگر مخصوص۔ کہ ہر کنواں اپنے مالک کے ہی کھیت کو سیراب کرتا ہے۔ لیکن بادل وہ عام نعمت ہے جو کسی امیر یا غریب میں فرق نہیں کرتا۔ اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ چراغ غریبوں کے لئے اور بجلی امیروں کے لئے ہے۔ مگر چاند اور سورج سب لوگوں کے لئے۔ کنواں۔ کنوئیں والوں کے لئے اور بادل سب لوگوں کے لئے جب جسمانی نعمتوں کی مثال آپ سمجھ گئے تو روحانی نعمت یعنی کتاب آسمانی کو بھی سمجھ لو کہ اس کی بعض آیتیں کافروں کے لئے ہوتی ہیں۔ بعضی گنہگار مومنوں کے لئے۔ بعض نیکو کار خوش نصیبوں کے لئے اور بعضی کسی کے لئے بھی نہیں صرف پیغمبر کے لئے۔ یعنی ان ساری آیتوں کو مانیں گے سب۔ لیکن عمل کوئی کوئی کرے گا اور تعلق کسی سے ہو گا۔

دیکھو رب فرماتا ہے اے لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ یہاں روئے سخن کافروں سے ہے کیونکہ مسلمان تو پہلے ہی ایمان لایچکے ہیں اور فرمان ہے اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ یہاں روئے سخن گنہگاروں سے ہے اے ایمان والو نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو۔ نماز کا تعلق بچوں دیوانوں ناپاک عورتوں و مردوں کے سوا باقی مسلمانوں سے ہے۔ اے ایمان والو! تم پر حج فرض ہے اس کا تعلق بھی ان مالداروں سے ہے جنہیں حج کا موقعہ نصیب ہو۔

یسین۔ طہ۔ الراد وغیرہ تشابہات صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ جبریل ابن کو بھی ان کے معنی کی خبر نہیں۔
 قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَأِرَاقِي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ أَوْ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَكُنْ لَنَا رَاحَةً سَوَّاهُ لَنَكُونَنَّ مِنَ الخاسرين
 پر ہے۔ کوئی دوسرا اگر ان کے لئے یہ الفاظ استعمال کرے تو وہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

یہ ساری آیتیں کتاب اللہ کی ہی ہیں۔ اور سب اللہ کی نعمتیں ہی ہیں۔ مگر تعلق ان کا خاص لوگوں سے ہے۔ لیکن حمد الہی اور لعنت مصطفویٰ کی آیتیں سورج کی روشنی اور بادل کی بارش کی طرح ایسی عالمگیر نعمتیں ہیں کہ جن کا تعلق اللہ کی ہر مخلوق سے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے احکام کی آیتوں میں اکثر مسلمانوں سے خطاب کیا۔ اور حضور کی میلاد کی آیتوں میں اکثر سارے لوگوں سے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأُرْسِلْنَا بِرُوحِنَا وَصَا
 آتَسَلْتَنَا إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ جس سے پتہ لگا کہ حضور کی رحمت اللہ کی ربوبیت کی طرح عالمگیر ہے۔

جب یہ سمجھ لیا تو اس آیت کا مطلب بالکل ظاہر ہو گیا۔ یعنی اسے یہودیوں اور عیسائیوں! میں نے اپنے حبیب کی لعنت کی آیتیں توڑیں اور انجیل میں سارے لوگوں کے لئے بیان کی تھیں۔ تمہیں ان کے چھپانے کا یا بدلنے کا کیا حق ہے۔ ہاں توڑیں اور انجیل کی احکام کی آیتیں تمہارے لئے تھیں۔ تم انہیں دوسرے لوگوں تک پہنچاتے یا نہ پہنچاتے۔ تم نے اس سورج پر غلاف ڈالنے کی کیوں کوشش کی۔ غرض کہ ان لوگوں کا یہ جرم بیان فرما کر اب اب اس کی سزا بیان فرمائی جا رہی ہے کہ ارشاد دہور ہا ہے اُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ ۝ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے یا لعنت کرے گا اور ساری مخلوق لعنت کرتی رہے گی۔

لعنت کا فاعل اگر اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اپنی ہر رحمت سے دور کر دینا۔ اس طرح کہ زندگی میں انہیں ہدایت۔ مرتے وقت ایمان پتھر میں امتحان کی کامیابی اور حشر میں نجات۔ اس کے بعد دوزخ سے چھٹکارا۔ جنت کا داخلہ نصیب نہ ہو۔ اس سخت سزا کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ہر رحمت کی اصل ہیں۔ جب ان کا دامن چھوٹا تو خدا کی ساری نعمتیں جاتی رہیں۔ دیکھو اگر یار سنسن نہ ہو تو شہروں کی رونق، کھیتوں کی سرسبزی، درختوں

کے پھل، زندگی گزارنے کے لئے دلنے، کنوؤں کا پانی، دریاؤں کی روانی
 چشموں کی آبرائی، نالابوں کی فراوانی سب ختم۔ ایسے ہی اگر اس آستانہ سے
 نکالا گیا تو ایمان، عرفان، رحمتِ رحمن سب سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اور اگر لعنت
 کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ دُوری رحمت
 کی بددعا کرنا یعنی ان لوگوں پر خدا کی پھٹکار اور تمام مخلوق کی درکار
 ہوتی رہے گی۔ خیال رہے کہ حضور کے دشمن کو ریت کے ذرے
 دریا کے قطرے۔ درختوں کے پتے۔ سائے فرشتے بددعا میں دیتے
 ہیں۔ بلکہ وہ خود بھی اپنے پر لعنتیں کرتا ہے کہ کافر بھی کہتے ہیں بروں
 پر خدا کی لعنت اور بُرے خود ہی ہوتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ حسابِ محشر سے فارغ ہو کر جب کفار
 دوزخ میں جانے لگیں گے تو پہلے انہیں دروازہ جہنم پر کھڑا کر کے
 ان پر سب کی لعنت ڈلوائی جائے گی۔ پھر دوزخ میں بھیجا جائے گا۔
 اور وہاں پہنچ کر ان کا یہ حال ہو گا۔ کہ ہر کافر دوسرے کو لعنت کرے گا۔
 رَبِّ فَرَّانَا هِيَ وَجَلَعُنَّ لِعَاصِيكَمُ بَعْضًا

اس کے بعد رحیمِ اپنی رحمت کا انہیں بھی امیدوار بنا رہا ہے کہ
 ارشاد فرماتا ہے اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنَّوْا اَلْمَ عْنِ هٰاں
 جو توبہ کر لیں اور بگڑے ہوؤں کی اصلاح کر دیں۔ اور چھپائی ہوئی آیتوں
 کو ظاہر کر دیں۔ اُن کا اعلان کر دیں۔ ان کی توبہ قبول ہوگی کیونکہ رب
 تعالیٰ تو آپ بھی ہے، رحیم بھی۔ یعنی صرف توبہ کر لینا کافی نہیں بلکہ اس
 کے لئے نین شرطیں ہیں۔

ایک تو گزشتہ پر شرمندگی۔ دوسرے ان کے اس چھپانے
 یا بدلنے سے جو لوگوں سے بد عقیدگی پھیل گئی ہو اس کی اصلاح۔ تیسرے
 چھپائی ہوئی آیتوں کا علانیہ اظہار کیونکہ جیسا گناہ ویسی توبہ۔ کھلے گناہ

کی کھلی تو یہ۔ چھپے گناہ کی چھپی تو یہ۔ اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔
پہلا فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت پاک کو چھپانا یا آیاتِ
 لعنیہ میں تاویلیں کر کے انہیں بگاڑنا۔ ان کے ذکر کو حیلوں بہانوں
 سے روکنا بدترین کفر ہے۔ یہ انہیں پادریوں اور پوپوں کا عمل ہے۔
 جن پر رب کی اور ساری مخلوق کی لعنت ہے۔ اس آیت کریمہ سے وہ
 لوگ عبرت پکڑیں۔ جو خدا کے طرفدار۔ توحید کے ٹھیکیدار بن کر آیاتِ
 لعنیہ کے چھپانے کو توحید کا رکنِ اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ
 ہے کہ جس دل میں عظمتِ مصطفویٰ نہیں۔ وہاں توحید کی جگہ ہی نہیں
 توحیدِ الہی لمیب کی ایک لورانی بنتی ہے۔ اور نبوتِ مصطفائی صلی
 اللہ علیہ وسلم اس کی رنگین چمپی۔ توحید کے لور کے ساتھ ساتھ رسالت
 کا رنگ لازم ہے اگر کوئی خالص توحید چاہے کہ جس میں نبوت کا
 رنگ نہ ہو تو وہ مثل شیطان کے پاگل ہے۔

دوسرا فائدہ: آسمانی کتابوں خصوصاً قرآن شریف کا ماننا اور
 جاننا اور عمل کرنا کچھ اور۔ دیکھو قرآن کریم کا ہر لفظ ہر مومن کے
 ماننے کے لئے اُترا۔ مگر جاننے اور عمل کرنے کے لئے نہ اُترا۔ چنانچہ
 تشابہات اور اسرار کی آئیتیں ہمارے عمل سے درآ رہیں۔ منسوخ آیتوں
 پر عمل ناممکن ہے۔ اسی لئے رب نے بئینہ للناس فرمایا یعنی ہم نے وہ لعنت
 کی آئیتیں لوگوں کے ماننے، جاننے پہچاننے کے لئے بیان کی تھیں ظاہر و باطن
 ہر چیز کا ہے ہم اپنے ظاہری اعضا کو ماننے بھی ہیں جانتے بھی ہیں مگر روح کو ماننے ہیں جانتے نہیں پھیل
 کے ظاہر کو جانتے ماننے ہیں مگر اس کے اندر فی رس کو جس پر اس کی نازگی کا مدار ہے
 ماننے ہیں جانتے نہیں۔ بجلی کی ٹنگ۔ بلب۔ نار وغیرہ کو ہم ماننے بھی
 ہیں جانتے بھی ہیں۔ پاور کو ماننے ہیں جانتے نہیں کہ یہ کیا چیز ہے اسی
 طرح کتاب اللہ کی ساری آیتیں مانی جاتی ہیں۔

تیسرا فائدہ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا۔ ان کو نبی کہنا انہیں نبی کہلوانا یہ نینوں مختلف چیزیں ہیں۔ ان کے زمانے بھی مختلف ہیں۔ یہ توجہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی کب سے ہیں۔ اتنا پتہ لگا ہے کہ جب آدم علیہ السلام اب وگل میں تھے اس وقت بھی حضور نبی تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اور سرکار ابدالایاد تک نبی رہیں گے یعنی حضور کی نبوت کی ابتدا تو ہے مگر انتہا کوئی نہیں۔ یعنی نبوت سرکار ساری نہیں مگر ابدی ہے رہا آپ کو نبی کہنا اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ جب سے مخلوق نبی۔ تب سے حضور کو نبی کہا گیا۔

فرشتوں نے آپ کو نبی کہا۔ جنت میں درخت طوبی کے پتوں پر حوض کوثر کے کوزوں پر۔ علمائوں کے سینوں پر۔ حوروں کی آنکھوں کی پتلیوں میں۔ جنت کے دروازے پر۔ عرشِ اعظم کی ساق پر لکھا گیا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہو کر آنکھ کھلتے ہی عرشِ اعظم پر کلمہ لکھا دیکھا۔ اور پڑھا۔ رَبِّ تَعَالَى قَرَأْتَهُ بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَلَأْتَهُ رَحْمَةً يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ الْآنَ اللہ اس نبی پر رحمتیں بھیج رہا ہے اور فرشتے رحمتوں کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ رَبِّ كَيْفَ سَعَى رَحْمَتِي بِإِذْنِ اللَّهِ۔ جب سے نور پاک مصطفیٰ پیدا ہوئے ہیں۔ اور فرشتے کب سے دعائیں کر رہے ہیں۔ جب سے وہ پیدا ہوئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔ مِيشَا بَرَسُو لِي يَا قَوْمِي مِنْ بَعْدِي اِسْمُهُ اَحْمَدٌ میں ایسے رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے۔ ان کا نام پاک احمد ہے۔ یعنی ان کا نام میرے بعد ہے مگر وہ رسول آج ہیں۔ ان کا نام پاک بھی آج ہی احمد ہے۔

اس آیت کریمہ نے جس پر ہم تقریر کر رہے ہیں۔ بتایا کہ نوریت انجیل زبور ابراہیمی و نوحی صحیفے سب میں حضور کی نبوت کا اعلان تھا۔ اس کی

مثال بالکل یوں سمجھو کہ سورج ہر وقت چمک رہا ہے مگر زمین کے کسی حصے میں دن ہے اور کسی پر رات اور جہاں دن ہے وہاں بھی کبھی سویرا کبھی دوپہر کبھی شام یہ فرق آفتاب کی حرکتوں کا ہے نہ کہ اس کی تابشوں اور نورانیت کا۔ اسی طرح حضور کی ولادت، ہجرت کی مدنی ہونا۔ وفات پا جانا۔ یہ حضور کی آمد و روانگی کے نام ہیں۔ ورنہ حضور ولادت سے پہلے بھی نبی ہیں اور ابدالآباد تک بھی نبی ہیں۔

یہ دونوں گھر نبی کے ہیں جہاں جی چاہا بیٹھے
کبھی اس گھر میں بیٹھے کبھی اُس گھر میں جا بیٹھے

رہا حضور کا نبی کہلانا۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ رب تعالیٰ نے تو فرشتوں حور و علمان چاند تاروں۔ ذروں۔ فطروں کو پیدا فرماتے ہی حضور کو نبی کہلوانا شروع کر دیا تھا پھر انبیاء کرام نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی امتوں سے حضور کو نبی کہلوا دیا۔ جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے مگر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت سے چالیس سال کے بعد اپنے کو لوگوں سے نبی کہلوا دیا۔

نطف یہ ہے کہ اس چالیس سال کے دوران میں حضور انور نے کسی سے نہ کہا کہ مجھے نبی کہو مگر لکڑیاں پتھر جانور۔ علاوہ حضور کو نبی کہتے تھے۔ گویا رب فرما رہا ہے کہ تم تو چالیس سال کے بعد اپنی نبوت کا اعلان فرماتا۔ مگر ہم پہلے ہی سے اعلان کر آئے دے رہے ہیں۔ سورج سچے نکلنے لگا ہے مگر نہ سارا تارا پہلے ہی اس کی آمد کی خبر دے دیتا ہے۔ مشرق کی جانب کا نور۔ تاروں کا پھیلا پڑ کر چھپ جانا پہلے ہی سے دُتیا کو بتا دیتا ہے۔ نمازیوں کو مسجدوں میں پہنچا دیتا ہے۔ غافلوں کو چونکا دیتا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ۔ آفتاب آ رہا ہے غرض کہ زمانہ نبوت اور ہے اور زمانہ ظہور نبوت کچھ اور۔

جو تھا فائدہ: دینی ضرورتوں کی باتیں چھپانا کفر ہے۔ دیکھو رب نے ان علماء یہود پر لعنت فرمائی جو دینی ضروریات کو چھپاتے تھے۔ لہذا ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری چیزیں امت کو پہنچا گئے اور کوئی چیز امت سے چھپا کر نہ لے گئے۔ رب اعلان فرما چکا۔ اَلَيْدُمْ اَكْمَلْتُمْ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي۔ اگر کوئی بات دین سے متعلق چھپی رہ گئی ہوتی تو نہ دین کامل ہوتا نہ نعمت پوری ہوتی۔ جو شخص یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

خلافت کا اعلان کرنا چاہتا تھا اور کاغذ پر لکھنا چاہتا تھا۔ مگر جناب عمرؓ نے منع کرنے سے نہ لکھا پورا نئے دین ہے کیونکہ وہ بظاہر تو جناب عمرؓ پر اعتراض کر رہا ہے مگر در پردہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض باتیں چھپانے کا الزام لگا رہا ہے اور دین چھپانے والے کا وہ حشر ہے جو اس آیت میں مذکور ہے خدا کے لئے بغض صحابہؓ کی آڑ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض نہ کرو جب حضور انورؐ کو کوئی دنیا کی طاقت اعلان توحید سے نہ روک سکی تو آپ جناب عمرؓ کی وجہ سے کیوں یہ حق ظاہر نہ کر سکے غور تو کرو کہ کاغذ طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن پیش آتا ہے اور وفات شریف اُس کے پانچویں دن یعنی پیر کو ہوئی ہے۔ خاکش بدہن اگر جناب عمرؓ نے جمعرات کے روز لکھنے سے روک بھی دیا تو ان پانچ دنوں میں کون روکنے والا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور انورؐ کاغذ پر بعض وہی باتیں لکھوانا چاہتے تھے جن کا بارہا اعلان کر چکے تھے اور جو عین وفات کے وقت فرمائیں الصَّلَاةَ وَهَذَا مَلَكْتُ اِيْمَانِكُمْ یعنی نماز کی پابندی رکھنا اور اپنے ماتحتوں کے حقوق ادا کرنا۔

پانچواں فائدہ:۔ یہ کہ حضرات اہل بیت اطہار خصوصاً جناب علی جیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کوئی دینی بات کسی کے خوف سے نہ چھپائی نہ کسی موقع پر ترقیب کیا کیونکہ دینی بات چھپانے کا وہ انجام ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث قابل تقسیم ہوتی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جناب مرتضیٰؑ کو کسی بائع۔ کھیت۔ مکان یا درخت کی وصیت فرما گئے ہوتے پھر بعد میں حضرت ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُس حکم کی خلاف ورزی کی ہوتی تو جناب علیؑ کا فرض ہوتا کہ ان کے خلاف آواز اٹھاتے اور نہ کبھی ان کی خلافت تسلیم کرتے نہ ان کا ان تمام چیزوں پر قبضہ مانتے اور نہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرہ میں دفن ہونے دیتے نہ جناب صدیقؑ کو اور جناب عمر فاروقؑ کو۔ بلکہ وہ فرما دیتے کہ مقبرہ وقف ہوتا ہے اور حجرے حضور کے وارثوں کی ملکیت ہیں۔ تم انہیں مقبرہ کیوں بنائے دیتے ہو۔ اگر جناب جیدر کرارؑ نے ان تمام باتوں کو جانتے ہوئے خاموشی اختیار کی بلکہ خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں پر بیعتیں بھی کر لیں تو وہ یقیناً اس آیت کی زد میں آگئے۔

صحابہ کے بغض میں حضرات اہل بیت کے دامن پر دھتے نہ لگانے چاہئیں اگر حضرات اہل بیت اظہار کی حق گوئی دیکھنا ہے تو کربلا کے میدان پر نظر ڈالو کہ جناب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس پلید کو خلافت کے لائق نہ سمجھا۔ اس کے مقابلے میں جان سے دی بیعت نہ کی چنانچہ ان کے سامنے یہ آیت کریمہ تھی اور وہ جانتے تھے کہ حق کو چھپانے والا لعنت کا مستحق ہوتا ہے

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِرَاتِ الْاٰیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفَلَکِ الَّتِیْ تَجْرٰی فِی الْبَحْرِ بَیٰنًا یُنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاٰخِیَا بِهٖ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآءٍ مِّنْ تَحْرِیْفِ الرِّیْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَوِّیٰتِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَا یُبٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ :- یہے شک آسمان وزمین کی پیدائش اور رات دن کے بدلنے اور کشتی جو دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے چلایا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانے اور ہوائوں کی گردش اور وہ بادل جو کہ آسمان وزمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں تعلق :- رب تعالیٰ نے پچھلی آیت میں دعویٰ توحید فرمایا تھا کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اب یہاں دلائل توحید بیان فرمائے جا رہے ہیں کیونکہ دعویٰ دلیل سے ہی ثابت کیا جاتا ہے۔

دوسرا تعلق :- پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ رحمن بھی ہے اور رحیم بھی۔ اب اس کے ثبوت کے لئے اپنی آٹھ ایسی نعمتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن میں ہمارے کسب کو بالکل دخل نہیں۔ محض عطیہ ربانی ہیں آسمان وزمین کی پیدائش وغیرہ۔

شان نزول :- مشرکین عرب توحید الہی کا مسئلہ سن کر حیرت میں کہتے تھے کہ اتنے بڑے جہان کو اکیلا رب نہیں سنبھال سکتا۔ اس کے انتظام کے لئے خداؤں کی جماعت چاہیے جو اس

دنیا کے انتظامات سنبھالے اور خدا کا ہاتھ بٹائے ان کی تردید یہ آیت کریمہ اتھی۔
خیال رہے کہ مشرکین عرب کی یہ حیرت محض اس لئے تھی کہ انہوں نے دنیا کے پھیلاؤ
کو تو دیکھا۔ مگر خالق کی قدرت پر نظر نہ ڈالی۔ اس لئے حیران رہ گئے۔ جیسے کوئی دیہاتی مال گاڑی
کے بھرے ہوئے بیٹروں سے دیکھ کر کہے کہ اتنی بڑی گاڑی کو ایک انجن نہیں کھینچ سکتا۔ کیونکہ اس نے
ابھی انجن دیکھا ہی نہیں۔ مومن جو رب کی قدرتوں کو جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ایسے ایسے
کوڑوں عالم رب تعالیٰ کی قدرت کے سامنے گھاس کے پتوں کی طرح ہیں۔

تفسیر:- اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار کے لئے یہاں آٹھ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ پہلی چیز
آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے چونکہ سب چیزیں اس کے بعد ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر بعد میں فرمایا
حکایت:- امام فخر الدین رازیؒ نے کسی بڑھیا سے پوچھا کہ خدا ہے، بولی ہے۔ آپ نے
پوچھا۔ اس کا ثبوت۔ بولی میرا چرخہ۔ فرمایا کیسے؟ بولی ایسے کہ جب تک میں اُسے نہ گھاؤں
نہیں گھومتا جب بغیر گھمانے والے کے یہ معمولی چرخہ نہیں گھوم سکتا تو اتنے بڑے آسمانوں کا
چرخہ بغیر گھمانے والے کے کیسے گھوم رہا ہے۔ فرمایا بہت ٹھیک۔ اچھا بتا رہا ہے کہ چپندر
بولی ایک۔ فرمایا ثبوت۔ بولی میرا چرخہ۔ فرمایا کیسے۔ بولی اس لئے کہ اگر میں اکیلی گھاؤں تو ناعد
سے اور صحیح گھومتا ہے۔ لیکن اگر اس کے گھمانے میں دوسرا ہاتھ لگ جائے تو نہ تو صحیح گھومے
اور نہ روٹی کا تار بنے۔ جب ایک چرخہ دو چلانے والوں سے ٹوٹ جاتا ہے تو آسمانوں کے
چرخے چلانے والے اگر وہ ہوتے تو ان کا نظام قائم نہ رہتا اور ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ بہر حال
آسمان وزمین توحید الہی کی بے مثال دلیل ہے۔

خلق کے معنی ہیں نیست سے ہست کرنا۔ بے مثال بنانا (ایجاد کرنا) وَتَخْلُقُونَ اَفْكَاءَ۔
ر صورت بنانا) اَخْلَقُكُمْ مِنَ الطِّينِ۔ یہاں پہلے معنی ہو سکتے ہیں یعنی آسمان وزمین
کے پیدا یا ایجاد فرمانے میں۔

خیال رہے کہ اگرچہ آسمان بھی سات ہیں اور زمینیں بھی سات مگر چونکہ ہر آسمان کی حقیقت
جدا گاتہ ہے اور تمام زمینوں کی حقیقت ایک ہی ہے یعنی مٹی۔ نیز ہر آسمان دوسرے سے بہت
دور ہے کہ ان میں پانچ سو برس کا راستہ ہے اور ساری زمینیں پیاز کے چھلکوں کی طرح چمٹی

ہوئی ہیں کہ دیکھنے میں ایک محسوس ہوتی ہیں اس لئے آسمانوں کو جمع اور زمینوں کو واحد فرمایا جاتا ہے اگرچہ آسمان زمین سے کچھ بنے ہیں مگر چونکہ آسمان دینے والے ہیں اور زمین لینے والی۔ اور دینے والا لینے والے سے افضل ہوتا ہے اس لئے آسمانوں کا ذکر پہلے ہوا اور زمین کا بعد میں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آٹھوں چیزوں میں سے ہر ایک کے متعلق فرمایا کہ ان میں بے شمار نشانیاں ہیں۔ لہذا آسمان میں بھی بہت نشانیاں ہیں اور زمین میں بھی جن میں سے کچھ عرض کی جاتی ہیں۔

(۱) آسمان کی بڑائی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کسی کو اس کی پیمائش کا پتہ نہیں اور ان کا وزن تو جانتا ہی کون ہے لیکن اس کے باوجود نہ تو وہ کسی چیز پر رکھے ہیں اور نہ کسی چیز پر ٹنگے ہیں متعلق ہیں گرتے نہیں۔

(۲) اتنے عرصے سے کام میں لگے ہوئے ہیں مگر نہ گھسے نہ ٹوٹے نہ کبھی ان کی مرمت کا اعلان ہوا۔ یعنی وہ زمانے کی دست برد سے محفوظ ہیں۔

(۳) آسمان سات ہیں ہر آسمان پر ایک تارا ہے اور آٹھویں آسمان یعنی کرسی پر بے شمار تارے ہیں اور نواں آسمان یعنی عرشِ اعظم تاروں سے نکالی ہے۔ فلاسفہ تو ان آسمانوں ہی کی حرکت مانتے ہیں۔ عرشِ اعظم یعنی آسمان کی حرکت کا چوبیس گھنٹے میں پورا ایک دورہ اسی حرکت سے دن رات۔ تاروں کا طلوع و غروب۔ مہینے۔ سال۔ صدیاں وابستہ ہیں اور آٹھویں آسمان یعنی کرسی کی حرکت ایسی سست کہ وہ چھ ہزار سال میں ایک دورہ طے کرتا ہے۔ چوتھے آسمان جس پر آفتاب ہے اس کی حرکت ۳۶۰ دن میں ایک دورہ ہے پہلا آسمان جس پر چاند ہے وہ ۲۸ دن میں ایک دورہ کر لیتا ہے پھر ان میں کسی کی حرکت مشرق سے مغرب کو اور کسی کی مغرب سے مشرق کو۔ مگر شریعت مطہرہ اس سے خاموش ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے **كُلُّ شَيْءٍ ظَالِمٌ لِّبَيْتَابِعُونٍ** ہر تارا اپنے آسمان میں تیرتا ہے۔ یعنی آسمانوں کا توام پتلا ہے۔ پانی کی طرح اور ہر تارا اس میں تیر رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ آسمان بھی حرکت کر رہے ہیں اور تارے بھی۔ پھر ہر آسمان سے زمین پر مختلف قسم کے فیض آرہے ہیں چنانچہ چاند کی شعاعوں سے پھلوں اور دانوں میں دودھ پڑتا ہے۔ آفتاب کی شعاعیں اس دودھ کو جما کر گودا اور آٹا بنا دیتی ہے اور دیگر تاروں کی شعاعیں مختلف اثر کرتی ہیں کسی سے

پھلوں میں رنگ پیدا ہوتا ہے کسی سے لذت۔ کسی سے خوشبو۔ غرضکہ، شعر
 ابرو بادوسمہ و خورشید و فلک در کار اند تا توانے بکف آری و بغفلت نہ خوری
 ہمہ از بہر تو مسر بستہ و فرمانبردار شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بہی
 جس تارے کا زمین سے جتنے فاصلے پر ہونا ضروری تھا۔ اتنے ہی فاصلے پر رکھا اگر سورج
 پہلے آسمان پر ہوتا تو کھیتیاں جل جاتی بلکہ کھوپڑیاں کھول جاتی ہیں اور اگر چاند چوتھے آسمان پر
 ہوتا اس کی چاندنی اتنی ہلکی آتی کہ پھلوں میں دودھ پیدا نہ کر سکتی۔ اسی طرح زمین میں قدرت
 کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ دیکھو ہزار ہا سال سے زمین ہر قسم کی نعمتیں اُگل رہی ہیں کبھی نہیں
 کہتی کہ اب میں خالی ہو گئی ہوں۔ پھر تمام شکل و صورت یکساں۔ مگر ظاہری و باطنی تاثیریں
 مختلف۔ زمین پنجاب زعفران نہیں اُگاتی اور زمین کشمیر آم نہیں پیدا کر سکتی یہ تو ظاہر کا
 حال ہے اب باطن زمین کی سیر کرو۔ کہیں اس میں پانی کے چشمے ہیں کہیں تیل کے۔ کہیں سونے
 کی کان۔ کہیں فولاد کی وغیرہ وغیرہ۔ غرض کہ ایک زمین ہزاروں کرشمے دکھا رہی ہے اس
 لئے فرمایا گیا۔ آسمان و زمین کی پیدائش میں نشانیاں ہیں۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسانوں میں انبیاء کرام گویا آسمان ہیں اور عام لوگ گویا زمین
 ہیں۔ اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم گویا نواں آسمان ہیں۔ جو سارے آسمانوں اور
 زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ آسمان ہمیشہ دیا ہی ہے لیتا نہیں۔ حضور ہمیشہ بیتے ہی ہیں۔
 ہم سے لیتے نہیں۔ اور زمین ہمیشہ آسمان کی محتاج۔ اور ہم ہمیشہ حضور کے محتاج ہیں۔
 آسمان سے روشنی۔ بارشیں وغیرہ صد ہا نعمتیں زمین پر آتی رہتی ہیں۔ اسی طرح حضور کی
 طرف سے ایمان، عرفان، قرآن، رحمت، رحمان، غرضیکہ ساری نعمت الہیہ ہم کو ملتی رہتی ہیں۔
 (۴) زمین ہر وقت آسمان کی محتاج ہے۔ کھیت پکنے سے پہلے بارش کی ضرورت ہے۔
 اور پکتے وقت دھوپ کی ضرورت بلکہ کٹنے کے بعد گرم خشک موسم کی محتاج۔ جسے تو ان کی
 نمازوں کے محتاج۔ مرتے وقت ان کے کلمے کے حاجت مند قبر میں جا کر ان کی پہچان کے محتاج
 حشر میں ان کی شفاعت کے حاجت مند۔ غرضکہ مرتے ہی دنیا کی ساری ضرورتیں ختم مگر ان کی
 ضرورت باقی۔ اللہ اس آستانے کو آباد رکھے۔ خیراتیں وہاں سے ٹپتی رہیں ہم لیتے وہ دیتے رہیں

شعرو۔ بر تو او پاشد تو بر ما! تا ابد ایں سلسلہ ہو! اے سخی کریم ہمیشہ خدا تم پر برسائے جائے۔ تم ہم پر برسائے جاؤ نہ تمہارا دینا ختم ہو نہ ہمارا لینا ختم۔

(۵) زمین خواہ کتنی ہی اعلیٰ ہو اور اس میں کتنا ہی اعلیٰ بیج بویا ہو مگر آسمان سے بے نیاز نہیں۔ جیسے زمین بنگال آسمان کی محتاج ہے ویسے ہی زمین کشمیر بھی۔ ایسے ہی کوئی انسان کسی درجے پر پہنچ جائے اور کیسے ہی نیک اعمال کیوں نہ کرے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہیں ہم سیاہ کار بھی انہیں کا منہ تکتے ہیں۔ اولیاء و ابرار بھی انہیں کے دست سخاوت کو دیکھ رہے ہیں باجگزار اور تاجدار انہیں کے دسترخوانِ کرم سے ریڑھ خوار رہے۔

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھا دو

جس کو میری سرکار سے نکرانا نہ ملا ہو!

بھکاری امیروں کے دروازوں پر ان کے مال و اولاد کی خیر مانگ کر بھیک پالیتے ہیں۔ انشاء اللہ ہم دروازہ الہی سے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر مانگ کر بخشش کی بھیک لے سیں گے۔

(۶) زمین کے کسی خطے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے کو آسمان کی مثل کہے کیسے کہہ سکتی ہے۔ یہ ہمیشہ مانگنے کھانے والی، جھولی پھیلانے والی، وہ ہمیشہ دینے والا۔ اسی طرح کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم حضور کی مثل ہو گئے۔ لینے والا دینے والے کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے او چنا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ہم نچلے ہاتھ والے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور نچلے ہاتھ والے سے۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم ہیں سخی کے مال میں مقدار ہم

(۷) آسمان کو دروں میل دور رہ کر بھی زمین کو ہر طرح کا فیض دیتا ہے نہ وہ دینے کے لئے زمین کے پاس آنے کا حاجت مند ہے۔ اور نہ زمین کو اپنے پاس بلانے کا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دین آنے یا دینے پر موقوف نہیں۔ ایک نگاہ میں بیڑے پار کر دیتے ہیں۔ آسمان زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے کہ زمین کا کوئی حصہ آسمان کا گھیرا توڑ نہیں سکتا

اسی طرح نبوتِ پاکِ مصطفیٰ سارے عالم کو گھیرے میں لٹے ہوئے ہے۔ انبیاءِ اولیاء و کفار اور ہم جیسے گنہگار غرض کہ ساری خدائی حضور کی مصطفائی کے گھیرے میں ہے رب فرماتا ہے۔

لَيَكُونَنَّ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا اور فرماتا ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ شعر

س جس کے گھیرے میں ہیں انبیاء و رسل
اس ہمہ گیر بعثت پہ لاکھوں سلام

جس کے زیرِ لواءِ آدم و من سوا !!!

اُس کی تاہر ریاست پر لاکھوں سلام

وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں

اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

اس لئے ارشاد ہوا اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَیٰعْنٰی اِنَّ اَسْمٰوٰنَ وَاَرْضَیْنَ کِی
پیدائش میں نشانیاں ہیں۔

(۸) آسمان کے تارے جیسے دنیا کی پیداوار میں دخل رکھتے ہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ایسے

ہی مسافروں کے لئے ذریعہ ہدایت بھی ہیں کہ مشرق و مغرب وغیرہ کی سمتیں اُن سے ہی مقرر ہوتی

ہیں۔ وقت کی تقسیم انہیں کی رفتار سے ہے۔ غرض کہ جہت اور زمانہ انہیں سے معلوم ہوتا ہے

خشکی اور تری کے مسافر انہیں کے ذریعہ منزل مقصود پہنچتے ہیں گھڑیاں اور قطب نما انہیں پر بنے ہیں

اسی طرح آسمانِ نبوت کے تارے یعنی صحابہ کرام کی ذات پر ہماری ہر قسم کی ہدایت کا

مدار ہے۔ مسافرِ آخرت خواہ خشکی کا مسافر ہو جو راہِ شریعت طے کر رہا ہو یا تری کا مسافر۔ جو

طریقت کا سمندر عبور کر رہا ہو انہیں حضرات کی ہدایت کا محتاج ہے۔ یعنی اُن کی پیروی کئے بغیر

عالم، فاضل، مفتی، غازی، نعوث، قطب اور ابدال تو بہت دور ہیں۔ مومن نہیں بن سکتا۔

اصل ایمان اُن کی غلامی پر موقوف ہے۔ اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَبْجَحٰی

كَالْجَوْمِ بِاَبْهَمِ اِقْتَدٰی تَقْتَدٰی اِهْتَدٰی مِیْرَے صحابہ تارے ہیں جن کی پیروی کرو گے

ہدایت پا جاؤ گے۔ اس حدیث شریف میں ہدایت کو مطلق فرمایا۔ جس میں ہدایت ایمان، ہدایت

تقویٰ، ہدایت عرفان، ہدایت راہِ جنات، غرضکہ دینی دنیاوی ہدایتیں شامل ہیں۔ لہذا

سارے مسلمانوں کو ہر قسم کی ہدایت صحابہ کی پیروی ہی سے ملے گی بغرضیکہ خالق اور مخلوق کے درمیان بربخ کبریٰ ہیں اور حضور اور امتی کے درمیان صحابہ کرام و سیدہ عظمیٰ ہیں اس لئے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ رب نے صحابہ کرام کے ذریعے ہم تک پہنچائیں۔
 وَ اَخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ يَوْمَئِذٍ اَمَّا يَوْمَئِذٍ فَسَيُكْفَىٰ بِنَا
 بمعنی پیچھے۔ اس کے معنی بدلتا بھی ہیں اور ایک دوسرے کا خلیفہ ہونا بھی اور آنا جانا بھی۔
 یہاں یہ تینوں معنی درست ہیں یعنی دن کی تبدیلیوں میں یا ان کے آنے جانے میں یا ان کا ایک دوسرے کا خلیفہ ہونے میں نشانات قدرت ہیں۔

تبدیلی کی چند صورتیں ہیں۔ رات کا آنا دن کا جانا۔ ان دونوں کا چھوٹا بڑا ہونا کہ سردیوں میں رات بڑی دن چھوٹا اور گرمیوں میں اس کے برعکس۔ ان دونوں کا ٹھنڈا یا گرم ہونا۔ رات کا روشن یا تاریک ہونا یہ سب اختلاف میں داخل ہے۔ دن رات آپس میں ضدیں ہیں کہ کبھی جمع نہیں ہوتے مگر پھر ان کی آپس میں اتنی صلح ہے کہ کبھی دن اپنا بہت سا حصہ رات کو بخش دیتا ہے جس سے رات بڑی ہو جاتی ہے اور دن چھوٹا اور کبھی رات اپنا حصہ دن کو دے کر چھوٹی ہو جاتی ہے۔ اور دن بڑا۔ یہ بھی اس اختلاف میں داخل ہے۔ اس میں اشارتاً بندوں کو سمجھایا گیا ہے کہ تم ہمیشہ ایک حال پر نہ رہو گے۔ جب زمانے کو قرار نہیں تو تم زمانے والوں کو قرار کیسے ہو سکتا ہے۔ اس زمین پر ہمیشہ ایک قوم کا راج نہ رہے گا۔ کبھی کفار اس پر اندھا راج کریں گے اور تمام زمین پر رات پھیلادیں گے۔ کبھی یہاں اسلامی روشن حکومت ہوگی۔ اور زمین پر ہدایت کا دن پھیل جائے گا۔ جس قوم کو کبھی زمین پر راج کا موقع ملے وہ اسے غنیمت جانے اور اچھے کام کر جائے۔

حکایت :- زبیدہ خاتون شاہ بغداد ہارون رشید کی بیوی حج کے لئے حجاز مقدس گئی۔ دیکھا کہ حجاج کو پانی کی سخت تنگی ہے دل میں ٹھان لیا کہ انشاء اللہ تاقیامت حاجیوں کو پانی پلاؤں گی۔ چنانچہ عراق سے ایک زمین دو زہر مکہ معظمہ پہنچائی اور پانی کا اتنا اونچا یول (L E W E L) لیا کہ مکہ مکرمہ کی پہاڑیوں پر تہ پہنچا دی اور سارے شہر مکہ میں اس نہر کا جال پور دیا۔ قریباً ساڑھے بارہ سو سال سے آج تک یہ نہر جاری ہے اور حجاج اس کا پانی

پی رہے ہیں اور اُسے دعائیں دے رہے ہیں۔ جب زبیدہ کا انجیئر تہر کا حساب دینے زبیدہ کے پاس آیا تو بولی اگر حساب لینا ہے تو مجھ سے لے لو۔ اور اگر مجھے کچھ واپس دینا ہے۔ تو مَدَّ كُنْتُ الْحِسَابَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ میں نے قیامت کے لئے وہ حساب چھوڑ دیا۔ جو کچھ بقایا ہے فقرا میں تقسیم کر دو اس توفیق خیر ملتے کے شکر تھے میں صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کی دنیا پر کبھی غفلت کی رات آتی ہے کبھی بیداری کا دن۔ جیسے دن سُورج کی روشنی سے اور رات خود زمین کے اپنے سائے سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی بیداری کا دن مدینے والے سُورج سے پیدا ہوتا ہے اور رات ہمارے اپنے نفس کے اثر سے۔ دل کی دنیا پر دن اور رات آتے ہی رہتے ہیں جسے صوفیاء کی زبان میں قبض و بسط کہتے ہیں رب فرماتا ہے **وَاللَّهُ يُقْبِضُ وَيَبْسِطُ** شیخ سعدی فرماتے ہیں ۵

کسے پر بیدازاں گم کردہ فرزند
کہ اسے روشن گہر پیرے خرد مند
زمصرش بوئے پیرا ہن شبیدی
چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برق جہاں است
وے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم !
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

یعنی کسی نے یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ یوسف علیہ السلام کے قبض کی خوشبو تو سینکڑوں میل کے فاصلے سے آپ نے محسوس کر لی مگر وہ کنعان کے گنواں میں رہے اور آپ نے نہ دیکھا۔ جواب دیا کہ ہمارا حال بجلی کی کوند کی طرح ہے کبھی ہم سارے جہان کی خیر رکھتے ہیں اور کبھی اپنے سے بے خیر ہو جاتے ہیں۔ انسان کو دعا کرنی چاہیے کہ رات میں بھی رب کے رستے سے نہ ہٹے۔ خدا کے مرتے وقت دل کی دنیا میں دن پھیلا ہوا ہو یا رات اور دن سے مراد قوموں یا افراد کے کمال و زوال کے زمانے ہیں کہ ایک ہی قوم پر کبھی اوبار کی رات آجاتی ہے اور کبھی اقبال کا دن، کبھی بنی اسرائیل فرعون کے ہاتھوں تنگ کئے جاتے ہیں اور کبھی ہنرمین مصر پر راج کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کبھی کنوئیں میں مقید ہیں کبھی جیل میں کبھی تخت سلطنت پر جلوہ آراء ہیں اور تمام جہان کی روزی کا ڈپو آپ کے ہاتھ میں ہے، مبارک ہے وہ جو بہر حال رب کے دروازے پر ہے۔ ہماری تبدیلیاں رب کی ہستی کی دلیل ہیں پتنگ

کتنی ہی اونچی اٹے مگر ڈور کسی اور سی کے ہاتھ میں ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ
وَنُورِ حُرَّتِهِ وَعَلَىٰ اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وِبَارَكٌ وَسَلَامٌ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَمِنَ النَّاسِ مَنۢ يَّتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰدَآءًا یَّعْبُوْنَهُمْ وَكَبَّ اللّٰهُ
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ط

ترجمہ :- بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے سوا کچھ شرکاء بنا لیتے ہیں کہ ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں
اور ایمان والے اللہ سے بہت محبت کرتے ہیں۔

تفسیر :- اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں ایک جاہلانہ دوسری تفسیر عالمانہ تیسری عاشقانہ
تفسیر جاہلانہ تو وہ ہے جو آج کل تمام منکرین اور یاع کہتے لکھتے اور بیان کرتے پھر ہے ہیں۔ یعنی یہ کہ
الناس سے مراد قبر پرست مسلمان ہیں اور من دون اللہ سے مراد نبی، اولیٰ، پیر، فقیر ہیں۔ انڈاز سے
مراد ہے ان نبیوں، ولیوں، پیروں، فقیروں کو حاجت روا مشکل کشا، فریادرس سمجھنا۔ انہیں غیب
دان جانا اور حاضر ناظر سمجھ کر انہیں پکارنا مطلب یہ ہے کہ قبر پرست مسلمان وہ ہیں جو اللہ کے سوا
نبیوں، ولیوں، پیروں، فقیروں کو مشکل کشا، حاجت روا اور فریادرس جانتے ہیں اور انہیں
مصیبتوں میں پکارتے ہیں۔ مگر جو جدیدے مومن اللہ سے بڑی محبت کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے سوا نہ
کسی کو جانیں نہ مانیں اور نہ مصیبتوں میں پکاریں۔ اس آیت کریمہ کی یہ وہ تفسیر ہے جس کا
عرب و عجم میں دُضد و اذیبا جا رہا ہے اس کی تائید میں یہ آیت پڑھی جاتی ہے وَمَا لَكُمْ مِّنۡ
دُونِ اللّٰهِ مِنۡ دُوْنِ مَا لَا تَصِیْرُ لَہِمْ تَمَّارًا اللّٰہ کے سوا ء نہ کوئی دالی ہے نہ مددگار اور کہا جاتا ہے کہ
مشرکین عرب خالق و مالک و وہ نہیں مانتے تھے بلکہ اپنے بتوں کو غیب دان، حاضر و ناظر مشکل کشا
وغیرہ سمجھتے تھے اس لئے اسلام نے انہیں مشرک قرار دیا۔

قبروں کے پجاری مسلمان بھی اگرچہ توحید و رسالت کا اقرار کریں مگر پیروں فقیروں کو حاجت
روا سمجھ کر کفار مکہ کی طرح مشرک ہیں اور کہا جاتا ہے کہ لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰہ ہے، کوئی حاجت روا نہیں ہے
کوئی مشکل کشا نہیں ہے کوئی فریادرس نہیں ہے کوئی غیب دان نہیں ہے کوئی حاضر و ناظر۔ اَللّٰہ

اللہ کے سوا حاضر و ناظر وغیرہ ماننے والے کلمے کے انکاری۔ قرآن کے بھی انکاری۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بھی مخالف ہیں۔ مگر یہ تفسیر غلط ہے۔ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف قرآن ہے اور مشابہ الہی کے بالکل خلاف ہے۔ بتوں کی آئینیں انبیاء اولیاء پر چسپان کرنا اور مشرکوں اور کافروں کی آئینیں مسلمانوں پر پڑھنا اسلامی عقائد کو شرک و کفر قرار دینا خارجیوں کا طریقہ ہے ہم اس تفسیر پر صرف تین طرح سے تنقید کرتے ہیں۔

ایک یہ کہ اگر اناس سے مراد مسلمان ہی ہیں تو اس کے مقابل فرمایا جا رہا ہے **وَالَّذِينَ آمَنُوا** **أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ**۔ تو یہ مقابلہ غلط ہوا۔ کیونکہ مومن کے مقابل مومن نہیں بولا جاتا۔ بلکہ مومن کا ذکر کافر کے مقابل ہونا ہے لہذا ماننا پڑے گا کہ اناس سے مراد کفار اور مشرکین ہیں۔ اب مطلب بالکل واضح ہو گیا کہ کافر مشرک اور بتوں کو مانتے ہیں۔ اور مومن صرف اللہ ہی کے پجاری۔ دوسرے یہ کہ اگر اس آیت کے معنی یہ ہوں کہ قبر پرست مسلمان نبیوں و لیوں کو حاجت روا مانتے ہیں تو جس وقت یہ آیت اتری ہے وہ زمانہ نبوی تھا اور اس زمانے کے مسلمان صحابہ تھے۔ جن سب کے بارے میں جنت کا وعدہ ہو چکا۔ بتاؤ ان میں قبر پرست کون تھا اور پیروں فقیروں کو کون حاجت روا مانتا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے اگر اس زمانے میں ایسا کوئی نہ تھا اور سارے صحابہ مومن بلکہ مومن مگر تھے۔ تو یہ آیت غلط ہو گئی۔ جس نے نعوذ باللہ جھوٹی خبر دی لہذا ماننا پڑے گا کہ یہاں ان ہی مشرکوں کافروں کا ذکر ہے جو اس زمانے میں موجود تھے اور بت پرستی کرتے تھے۔

تیسرے یہ کہ اگر کسی بندے کو بظاہر الہی فریادرس۔ مشکل کشا ماننا شرک ہو اور کسی کو حاضر و ناظر عجیب دان سمجھنا توحید کے خلاف ہو تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ خود ایسے مفسرین بھی شیطان اور ملک الموت کو حاضر و ناظر مانتے ہیں اور امیروں کو چندوں کے وقت۔ حکیموں کو بیماری کے وقت۔ حاکموں کو خاص مصیبت کے موقع پر فریادرس، حاجت روا۔ مشکل کشا سمجھ کر ان کے دروازوں پر جاتے ہیں۔

تعجب ہے کہ یوسف علیہ السلام کی قیص دافع بلا ہو سکے۔ جنگل کی جڑی بوٹیاں دافع جریان دافع بخار۔ اکیر شفا ہو سکیں۔ ایک شربت کا نام فریادرس بھی ہو مگر یہ سب توحید کے خلاف نہ ہوں اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فریادرس ماننا اس آیت کے خلاف ہو گیا۔ یہ عجیب تفسیر ہے

کہ کہیں غلط اور کہیں صحیح۔

لطیفہ:- ان مفسرین میں سے ایک عالم کہیں جلسے میں بلائے گئے۔ جہاں ایسی چیزیں بیٹھ کر انہوں نے کہا لا الہ الا اللہ نہیں ہے کوئی حاجت روا نہیں ہے کوئی مشکل کشا سوائے اللہ کے بخیر جلسہ ختم ہو گیا۔ اور مولانا صاحب صبح لوٹنے لگے تو جلسے والوں سے نذرانہ اور کرایہ مانگا۔ انہوں نے کہا کہ مولانا صاحب آپ رات کی اپنی تقریر بھول گئے لا الہ الا اللہ نہیں ہے کوئی کرایہ دینے والا لا الہ الا اللہ نہیں ہے کوئی کرایہ دینے والا۔ لا الہ الا اللہ نہیں ہے کوئی روپیہ سپرے دینے کے قابل الا اللہ۔ اللہ کے سوا۔ آپ مُشرک کیوں ہوئے جا رہے ہیں اور ہمیں مُشرک کیوں بنا رہے ہیں ہم اپنی توحید سنبھالیں گے اور آپ کو ایک پیسہ نہیں دیں گے

یہاں قرآن کریم کا یہ ارشاد و مَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ۔ اس میں روئے سخن کافروں کی طرف ہے یعنی اے کافرو! تمہارا مددگار آخرت میں کوئی نہیں۔ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ۔ یعنی کافروں کا اللہ کے مقابلہ میں کوئی مددگار۔ یا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کسی پر عذاب بھیجے۔ تو اُس کا مقابلہ کر کے کوئی امداد نہیں کر سکتا۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے اِنْ يَخْرُجْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ اِنْ خَرَجْتُمْ رِجَالًا مِّنْ اَرْضِكُمْ اَوْ يَمُوتُوا فَمَنْ ذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ اِنْ مَاتُوا اَوْ قُتِلُوا فَمَنْ ذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ اِنْ قُتِلُوا اَوْ كَانُوا اَمْوَالًا مَّرْكُومًا۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ جو تمہاری امداد کر سکے۔

مسلمانوں کے لئے یہ آیت ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا۔ تمہارا مددگار اللہ ہے اُس کے رسول ہیں اور مومنین ہیں غرض کہ اس آیت کی یہ تفسیر نہیں تخریف ہے جو قرآنی آیت کے خلاف ہے۔

تفسیر عالمانہ:- علماء دین اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں لفظ انسان کی بھی صرف کافروں کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی سارے انسانوں کے لئے۔ دیکھو سورۃ ناس شریف میں چار جگہ انسان فرمایا گیا۔ مگر پہلے تین میں اُس سے سارے انسان مراد ہیں۔ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سارے ہی لوگوں کا رب بھی ہے۔ بادشاہ بھی۔ معبود بھی۔ چوتھے انسان سے صرف کفار مراد ہیں مِنْ اِلْحٰثِ

وَالنَّاسِ يَہَاں النَّاسِ سے مراد صرف کفار ہیں۔ نبیوں۔ ولیوں اور عام مسلمانوں کو اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی کافروں میں سے بعض وہ ہیں۔ چوتھے بعض کافر دہریے بھی تھے خدا کے منکر اور بعض موحد بھی اور بعض مشرک۔ اس لئے من فرمایا گیا۔

وَيَتَّخِذُوا - اِتَّخَذَ سے بنا۔ بمعنی بنانا۔ پکڑنا۔ ماننا یعنی بعض کافر پکڑتے ہیں مانتے ہیں اور بناتے ہیں مِنْ دُونَ اللّٰہِ عربی زبان میں اللّٰہِ غیر۔ سوا۔ دُون۔ یہ چاروں لفظ قریباً ہم معنی ہیں جبکہ معنی علاوہ یا سوا ہیں مگر دُون وہاں بولتے ہیں۔ جہاں کٹنے الگ ہو جانے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ مفردات میں ہے۔ الدُّوْنُ هُوَ الْعَصْرُ دُونِ كَيْفِ هُوَ كُتَّ جَانَا۔ الگ ہو جانا۔ رب فرماتا ہے وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ اٰمِرًا قٰتِلًا تَدُوًّا نِ مُوسٰی عَلَيْهِ السَّلَامُ نے اُن لوگوں سے الگ دو عورتوں کو پایا۔ دیکھو یہاں دُونِ بمعنی الگ ہے۔

جیسے کنکشن کٹ جانے سے ساری تنگ بے کار اور انجن سے الگ ہو کر ریل کے سارے ڈبے معطل ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی بندہ رب سے کٹ کر بیکار محض۔ ساری مخلوق اللہ کے بندے ہیں۔ لیکن رب سے ملے ہوئے۔ جنہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے اور بعضے رب سے کٹے ہوئے وہ مِنْ دُونَ اللّٰہِ کہلاتے ہیں۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ بعضے کافران بندوں کو اللہ کا شریک ٹھہرتے ہیں۔ جو اللہ سے بالکل کٹے ہوئے ہیں جیسے کافروں کے سردار اور بت وغیرہ۔ ولی اللہ اور ولی من دُونِ اللّٰہِ کافرق اسلام میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ رمضان اور عید کی تعظیم عین ایمان مگر ہولی اور دیوالی کے دنوں کی تعظیم کفر۔ کیونکہ رمضان وغیرہ تعلق اولیاء اللہ سے ہے۔ اور ہولی اور دیوالی کا تعلق مِنْ دُونَ اللّٰہِ سے۔

اَنْدَادًا - اَنْدَادِ کی جمع ہے۔ بمعنی مقابل۔ شریک۔ سا جیسا اسلام میں بھی بتایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سارے کام خود نہیں کرتا بلکہ اُس کے خدام فرشتے وغیرہ کرتے ہیں چنانچہ جان نکلنے والے فرشتے علیحدہ ہیں اور بارش برسانے والے فرشتے الگ۔ جن کا ثبوت قرآن و حدیث ہے اور کفار بھی یہ کہتے ہیں کہ سارے کام رب خود نہیں کرتا۔ مگر اسلام ان فرشتوں وغیرہ کو رب کا خالص بندہ مانتا ہے جو خادمانِ بارگاہِ ہونے کی حیثیت سے اپنی اپنی ڈیوٹیاں ادا کرتے ہیں رب چاہے تو سارے کام خود ہی کرے۔ مگر دربار عالی کی شان یہ ہے کہ اُس کے نوکر چاکر خدام

اس کے زیرِ فرمان اپنی ڈیوٹیاں سرانجام دیں۔

کفار کا عقیدہ یہ تھا کہ رب یہ سارے کام کر نہیں سکتا۔ اپنی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے ہمارے بتوں کو اپنا مددگار بنا رکھا ہے اس لئے یہ اس کے برابر ہی کے دعویٰ ہیں۔ اسی بنا پر وہ بتوں کو رب کا شریک یا انداد مانتے تھے۔ اُس کا اس آیت میں ذکر ہے یعنی بعضے کافروں نے اللہ کے مقابل کچھ بتوں کو رب کا شریک مان رکھا ہے **مُحِبُّوْهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ** جن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت کا مادہ حُب یعنی دانہ ہے۔ دل کے اندر ایک سیاہ دانہ ہوتا ہے جسے سودا کہتے ہیں۔ دلی محبوب کی الفت اس دانے میں رہتی ہے اسی لئے اس الفت کو محبت کہا جاتا ہے یعنی دل کے دانے میں رہنے والی چیز۔ محبت کی بہت قسمیں ہیں۔ جسمانی محبت۔ نفسانی محبت۔ ایمانی محبت۔ طغیانی محبت پھر جسمانی محبت کئی طرح کی ہے شہوانی محبت۔ احسانی محبت۔ حُسن و صورت کی محبت۔ حُسن سیرت کی محبت۔ خونِ رشتے کی محبت۔ روحانی محبت کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ اللہ تعالیٰ نے روہیں مختلف قسم کی پیدا فرمائیں۔ ہر روح اپنی ہم جنس سے محبت پیدا کرے گی اگر کوئی جانتا چاہتا ہے کہ میری روح کس قسم کی ہے تو غور کرے کہ میرا دل میلان کس قسم کے لوگوں کی طرف ہے جدھر میلان ہے اس قسم کی اُس کی روح بھی ہے مولانا فرماتے ہیں ۵

ناریاں مرناریاں را طالب اند نوریان مرنوریان را جاذب اند

محبت ایمانی وہ ہے جس پر ایمان کا مدار ہے جیسے اللہ سے محبت۔ اس لئے کہ وہ ہمارا رب ہے۔ اس کے رسول سے محبت اس لئے کہ ہم اُن کے اُمتی ہیں حضور کے صحابہ اور اہل بیت سے محبت اس لئے کہ حضور کے خدام خاص اور نخب جگر نور نظر ہیں۔ یہ سب محبت ایمانی ہیں داخل ہیں۔

محبت طغیانی کفر اور الحاد کی جڑ ہے۔ جیسے بتوں سے محبت شیاطین سے۔ کفار کے کفر سے محبت یہ محبتیں طغیانی ہیں یہاں یہی آخری محبت مراد ہے۔ یعنی یہ کفار بتوں کو اپنا خالق و مالک سمجھ کر اُن سے محبت کرتے ہیں۔ کون سی محبت آدمیت و عبدیت کی۔ خیال رہے کہ جسمانی۔ نفسانی۔ طغیانی محبتیں مرتے ہی ختم ہو جاتی ہیں بلکہ عداوتوں ہیں

تبدیل ہو جاتی ہے۔ مگر روحانی محبت کے لئے فنا نہیں۔ وہ قبر حشر ہر جگہ باقی رہے گی۔ جسم فانی ہے اس کی محبتیں بھی فانی۔ رُوح باقی ہے اُس کی محبتیں بھی باقی۔ رب سہرا تا ہے۔
 لَا خَلَاءَ لَكُمْ مِنْهُمْ لِبَعْضٍ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ط یعنی قیامت کے دن دوست دشمن بن جائینگے
 سوا عرب پرہیزگاروں کے۔ بعض محبتیں فرض ہیں جیسے ماں باپ۔ استاد۔ شیخ سے محبت۔
 بعض مستحب جیسے عزیز واقارب سے۔ اس لئے محبت کرنا کہ سنت رسول اللہ ہے بعض محبتیں عابِرُ
 ہیں جیسے اپنے مال و متاع وغیرہ سے دنیاوی محبتیں۔ بعض حرام، جیسے غیر عورتوں سے ناجائز
 محبت اور پرانے مال سے چوری کی نیت سے محبت۔ بعض محبتیں کفر ہیں جیسے اللہ رسول کے
 مقابلے میں اُن کے دشمنوں سے محبت۔ یہاں یہ آخری محبت مراد ہے۔ اسی بنا پر کافروں پر عتاب ہے
 وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ اس کی تین تفسیریں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ جتنی محبت
 مشرکوں کو اللہ سے ہے اس سے کہیں زیادہ محبت مومنوں کو اُس سے ہے چند وجہوں سے ایک یہ
 کہ مومن ایک اللہ کو معبود جان کر اُس سے محبت کرتا ہے اور کافر کئی معبودوں سے محبت کرتے
 ہیں اور بٹی ہوئی محبت سے ایک کی محبت قوی ہوتی ہے دوسرے یہ کہ کافر دنیاوی غرض سے اللہ
 کی محبت کا دم بھرتا ہے مگر مومن رب ہے اسی کے لئے محبت کرتا ہے۔ خود غرضی کی محبت اخلاص
 کی محبت قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ اب مشرکین ہند بھی ماما لکھنشی وغیرہ کو اس لئے پوجتے ہیں کہ لکھنشی
 مال دے گی اور ماما یعنی چھپک، ہمیں بیماری سے بچائے گی۔

تیسرے یہ کہ مشرک تکلیف میں اللہ ہی کو پکارتا ہے اور آرام میں اوروں کو۔ مگر مومن تکلیف
 و راحت و رنج و خوشی۔ ہر حال میں رب کے دروازے پر رہتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں
 کہ مومن اپنی جان۔ مال۔ اولاد سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ اسی لئے موقع آجانے
 پر اُس کے نام پر سب کچھ ٹا کر سر بھی کٹا دیتے ہیں اگر اس کی جیتی جاگتی تصویر دیکھنا ہے تو میدان
 کو بلا کے حالات دیکھیں۔

تفسیر صوفیانہ، صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ عالم ادراہ میں مومن و کافر منافق سارے انسان
 رب تعالیٰ کی ذات۔ صفات اور قریباً سارے عالم غیب کو جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں مگر دنیا
 میں آکر اُن کی چار قسمیں ہو گئیں۔ بعض ان سب چیزوں کو یاد کرنے والے۔ جیسے خاص اولیاء اللہ

کہ انہیں رب سے سارے عہد و پیمان ایسے یاد ہوتے ہیں جیسے گل کی بات ایک شاعر کہتا ہے س
 نالوا بلی نئے گل دی گل ۔۔۔ اسی پہلے ہی پریت لگا بیٹھے

اور بعض حضرات یہ عہد و پیمان وغیرہ یاد کرنے والے۔ جیسے حضرات انبیاء خصوصاً حضور
 سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، رب ان کے بارے میں فرماتا ہے:۔۔۔ فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مَذْكُرٌ۔
 اے محبوب! انہیں رب سے کئے ہوئے عہد و پیمان یاد دلاؤ۔ کیونکہ تم ہی یاد دلانے والے ہو
 اور بعض بھول جانے والے مگر نبی کے یاد دلانے پر مان لینے والے جیسے ہم مسلمان۔ اور بعض بھولے
 رہنے والے کہ جنہوں نے نہ تو خود یاد رکھا اور نہ نبی کی مانی۔ اس آیت کریمہ میں اس چوتھی جماعت کا
 ذکر ہے۔ یعنی ان بھولے رہنے والوں میں سے بعض وہ لوگ ہیں۔

مَنْ يَتَّخِذْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰثِمًا دَا۔۔۔ بناتے ہیں اللہ کے سوا شریک یعنی ان لوگوں نے
 محض عقل سے ایمان بنایا۔ اللہ کو مانا۔ اس لئے ہر جگہ ٹھوکر کھائی۔ خالص عقل بغیر نبوت کی روشنی
 کے وہاں بیکار بلکہ مضر ہے۔ شعر:-

عقل زیر حکم دل یزدانی است چوں زول آزاد شد شیطانی است

اجنبی شہر کے گلی کوچے کوئی فلاسفر یا عالم اپنے فلسفے یا علم سے معلوم نہیں کر سکتا بلکہ وہاں
 کے باشندے سے پوچھنا ہی پڑے گا۔ ایسے ہی عالم آخرت کے گلی کوچے ایمان کے راستے محض علم سے
 نہیں معلوم ہو سکتے۔ بلکہ کسی ایسی مستی سے معلوم ہوں گے۔ جو وہاں کا واقف ہو اور وہ ہی حضرات
 انبیاء کرام ہیں۔ لہذا مَنْ يَتَّخِذْ کے معنی یہ ہوئے کہ عقل کے زور سے انہوں نے شرکاء بنائے عقل
 ریڈیو، ہوائی جہاز وغیرہ بنا سکتی ہے مگر ایمان نہیں بنا سکتی۔ وہاں تو بے عقلی ہی مفید ہوتی ہے مصرعہ
 عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ

صوفیاء کے نزدیک ہر وہ چیز جو خدا سے فائل کے انداز ہے کوئی ملک کو انداز بناتا ہے۔ کوئی
 اولاد کو انداز بنائے بیٹھا ہے کوئی مال و متاع کو۔ کوئی اپنے علم و زہد کو۔ شیطان کے سجدے اور
 تازیوں اس کے لئے انداز بن گئیں۔ شعر

اگر چہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکم اقاں لا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ

زندگی سب کو ملی ہے مگر کسی نے اپنا مقصود زندگی مال کو بنایا۔ کسی نے کمال کو بنایا۔ کہ ہم یاد شاہ باونہ بن جائیں۔ ان دونوں کے مقاصد کو زوال ہے اور انجام وہابی۔ عابدوں نے اپنا مقصود زندگی اعمال کو قرار دیا اور عاشقوں نے رخصائے ذوالجلال کو۔ برات میں دو لہا کے گھر سے ساری برات چلتی ہے اور وہن کے گھر ہی جاتے ہیں۔ مگر براتیوں کا مقصود صرف کھانا اور گانا۔ خویش و اقارب کا مقصود صرف جہیز یہ لوگ انداز والے مگر دو لہا کا مقصود صرف وہن کا حصول۔ یہ ہیں عارفین نتیجہ یہ ہوا کہ سارے براتی دو لہا کے طفیل اس آیت کریمہ میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کا مقصد مال یا کمال تھا۔ ان کے آپس کے تعلقات قیامت میں ٹوٹ جائیں گے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی یا نفسانی ہے یا شیطانی، یا ایمانی یا رحمانی جو زندگی غفلت شعاری میں گزرے وہ نفسانی ہے جو بدکاریوں میں گزرے وہ شیطانی ہے۔ اور جو پرہیزگاریوں میں گزرے وہ ایمانی زندگی ہے اور جو اللہ رسول میں فنا ہو کر زندگی گذاری جائے وہ رحمانی ہے۔ یہاں نفسانی اور شیطانی زندگی والوں کا ذکر ہو رہا ہے فقیر کی اس مکمل تقریر سے آپ حضرات کو پتہ لگ گیا ہوگا کہ آیت یا حدیث ایک ہی ہوتی ہے مگر دیکھنے والوں کی نگاہیں مختلف۔ اسی آیت کے متعلق ظاہر بینوں نے کیا کہا اور علماء و صوفیاء نے کیسے مقلی بکھرے لطیفہ:۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کبار کو نماز پڑھا رہے تھے خود بھی نعلین شریف پہنے ہوئے تھے اور صحابہ کرام بھی کہ اچانک دوران نماز میں حضور انور نے اپنے جوتے اتار دیئے۔ صحابہ نے بھی حضور کو جوتے اتارتے ہوئے دیکھ کر اپنے اپنے جوتے اتار دیئے۔ نماز کے بعد سرکار ہی نے سوال فرمایا کہ آپ لوگوں نے اپنے جوتے کیوں اتار دیئے۔ عرض کیا کہ آپ کو دیکھ کر۔ فرمایا کہ جبریل امین نے مجھ دوران نماز میں خبر دی تھی کہ آپ کے نعلین شریف میں قدر لگی ہے۔ ہم نے جوتے اتار دیئے۔ لہذا جب کبھی تم لوگ نماز کے لئے آیا کرو اپنے جوتے رگڑ دیا کرو۔ حدیث ختم ہوئی۔

ایک مولوی صاحب نے ہمارے شہر میں ایک مرتبہ یہ حدیث لوگوں کو سنائی اور اس سے ایک مسئلہ مستنبط کیا کہنے لگے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جوتوں کی پاکی یا ناپاکی کی بھی خبر نہ ہوتی تھی۔ لوگ جو کہتے ہیں کہ حضور کو سارے جہان کی خبر

تھی غلط ہے اگر اپنی خیر ہوتی تو ناپاک جوتے لے کر مسجد میں کیوں آجاتے اور نماز کیوں شروع کر دیتے۔ دیکھو یہ بھی ایک ذہن ہے جو حدیث شریف سے اس طرف منتقل ہوا۔ فقیر نے اپنی کتاب مرات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت عرض کیا کہ تذر یعنی نجاست نہیں بلکہ بمعنی گھنونی چیز ہے۔ جیسے تھوک وغیرہ اور سرکار کو اس کی خبر بھی تھی۔ مگر جواز کے لئے ان جوتوں میں نماز شروع فرمادی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ تھوک لگوتے میں لگا رہنا نماز کو فاسد نہیں کر دیتا۔ رب العالمین نے بھی اول ہی سے جبریل امینؑ کو حضور کے پاس نہ بھیجا۔ بلکہ نماز کا کچھ حصہ ادا ہو جانے دیا۔ پھر فرمایا کہ اسے محبوب تمہارا منشاء پورا ہو چکا۔ لوگوں کو مسئلہ معلوم ہو گیا۔ اب ہم نہیں چاہتے کہ تمہارے پیارے جوتوں میں تھوک لگا ہے۔ عملی فتویٰ دے چکے اب تقویٰ پر عمل کرو اور نعلین شریف اتار دو۔

اگر نعلین میں نجاست لگی ہوتی تو نماز کا ٹوٹا یا جانا واجب ہوتا۔ مگر نماز ٹوٹائی نہیں گئی۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب اپنے جوتے کی گندگی سے خبردار نہ ہوں اور پیچھے والے مقتدیوں

سے فرمائیں کہ مجھ پر تمہارے رکوع۔ سجدے۔ دل کے نشوع خضوع چھپے ہوئے نہیں اور رب بھی

اتنی دیوبند خبر رہنے دے۔ اور درمیان نماز خبر بھیجے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

اب ایک گنہگار حضور کے پرانے نمک خوار فقیر احمد یار خاں سے اسی حدیث سے استنباط

ملاحظہ کرو۔ فقیر نے وہاں لکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو محض عقل سے نہ مانا تھا بلکہ عشق سے مانا تھا کہ آپ کی ہر ادا کی نقل کرتے تھے۔ وجہ نہ پوچھتے

تھے۔ دیکھو سرکار کو جوتا پہنے دیکھا پہنے رہے اتارنے دیکھا اتار دیئے۔ یہ نہ پوچھا

کہ پہنے تھے تو کیوں اور اتارے تھے تو کیوں۔ یہ ہے فنا فی الرسولؐ صدیق اکبرؑ نے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو بیمار دیکھا۔ خود بیمار ہو گئے اور حضور کو تندرست دیکھا خود شفا پا گئے۔ شعر

از سر بالین من برخیزا سے ناداں طبیب درد مند عشق را دار و بجز دیدار نیست

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کبار بجا لیت نماز سجدہ گاہ کو نہ دیکھتے تھے بلکہ

ایمان گاہ۔ عالم کی پناہ۔ ظل اللہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے جیسے عرم کعبہ

میں نمازی کیے کو دیکھتا ہوا نماز پڑھتا ہے ورنہ ان حضرات کو حضور کے نعلین پاک اتارنے کا

بتہ کیسے لگ گیا۔

(۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کی نظر کرم میں رہتے ہیں کہ رب تعالیٰ ان کی حرکت کی نگرانی فرماتا ہے جو تھے پہنیں تو۔ اُتار دیں تو۔ خود فرماتا ہے فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔ اے محبوب! تم ہماری نظروں میں رہتے ہو۔

(۴) بحالت نماز جبریل امین سے کلام کو نا۔ پیام لینا۔ ان کے مشورے پر عمل کرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ دیکھو حدیث ایک ہے مگر تلاش کرنے والوں کی نگاہ مختلف سے دونوں کی ہے پرواز اسی ایک فضا میں

گر گس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اللہ
کلام الہی اور بیان مصطفویٰ کو عشق کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیے۔ شعرا۔
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر ایمان کی بنیاد رکھ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى خَيْرِ خَلْفِهِ وَنُوْرٍ عَزِيْزٍ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاٰخِرِهِ
اَجْمَعِيْنَ ۝ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنَّ
كُنْتُمْ يٰٓاِهٖ تَعْبُدُوْنَ ۝

ترجمہ :- اے ایمان والو! تم نے تم کو جو روزیاں بخشیں۔ ان میں سے طیب چیزیں
کھاؤ اور اللہ کا شکر کرو۔ اگر تم اس ہی کی عبادت کرتے ہو۔

تعلق :- (۱) پھلی آیتوں میں کفار کی بد عقیدگیوں اور بد عملیوں کا ذکر تھا۔ عقائد روح کی
غذا ہیں۔ اعمال دل کی۔ اب مسلمانوں کو جسمانی پاکیزہ غذائیں کھانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یعنی کفار
نے جسمانی۔ دل اور روحانی گندمی غذائیں استعمال کیں۔ اے مسلمانو! تم ان عیبوں سے بچنا اور ہمیشہ
طیب غذا کھانا۔

(۲) پھلی آیتوں میں کفار کی ضد اور ان کی سختی دل کا ذکر تھا۔ یہ عیب خراب غذاؤں سے
اسی پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان مسلمانوں کو طیب غذائیں کھانے کا حکم دیا گیا۔ تاکہ مسلمان ان
دلی عیبوں سے محفوظ رہیں۔

شانِ نزول:۔ کفار عرب یا تو کھانوں میں بہت بد احتیاطی کرتے تھے کہ ہر حرام و حلال کھا لیتے تھے یا خدا رسی کے لئے نفس کشی کرتے ہوئے حلال روزیاں بھی نہ کھاتے تھے۔ اُن کے نزدیک دنیا کا معمولی کھانا بلکہ کچھ نہ کھانا۔ موٹا پہنتا۔ جنگوں میں رہنا بڑی عبادت تھی بعض نو مسلم حضرات کو بھی ترک دنیا کا شوق پیدا ہوا وہ سمجھے کہ نفس کشی سے اللہ ملتا ہے۔ اُن کے سمجھانے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ حلال چیزیں چھوڑنا خدا رسی کا ذریعہ نہیں۔ بلکہ حرام سے بچنا خدا تک پہنچاتا ہے۔ شعر:-

منکا پھیرت جگ بھیر پھیرا نہ من کا پھیر
من کا منکا پھیر کہ پھر من کا منکا پھیر

اسلام کی نسبت دوسرے مذاہب سے ایسی ہے جیسے ایک طبیب کسی بیمار کا علاج کے اُسے صحت ہو جائے وہ طبیب کہے کہ تم ہمیشہ ماش کی دال۔ بڑا گوشت۔ تیل سے پرہیز رکھنا۔ ورنہ پھر بیمار ہو جاؤ گے۔ دوسرا طبیب اپنے صحت یافتہ بیمار کو ایک گولی دے اور کہے کہ جا جو چاہے سوکھا۔ مگر یہ گولی کھایا کرنا۔ کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یقیناً دوسرا طبیب بڑا ہی لائق ہے۔ اسی طرح دوسرے دینوں نے لوگوں کو ترک دنیا سکھایا مگر اسلام نے دنیا کو دین بنایا اور فرمایا کہ خوب عمدہ غذاؤں کھاؤ مگر شکر و عبادت کی گولی استعمال میں رکھو۔ نقصان نہ اٹھاؤ گے۔

تفسیر:- **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** قرآن کریم بعض جگہ پہلے مسلمانوں کو پکارتا ہے پھر حکم سناتا ہے اکثر اس کی دو وجہ ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حکم نفس پر گراں ہو۔ جیسے انسان بمشکل برداشت کر سکے۔ تو اپنے پیارے خطاب سے پہلے پکارتا ہے پھر حکم سناتا ہے جیسے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ**۔ قابل طبیب سخت اپریشن ٹیکا گا کہ جسم کو سن کر کہے کرتا ہے۔ یہ خطاب خداوندی رحمت والا ٹیکہ ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ حکم نہایت شاندار ہو اُس کی عظمت و شان دکھانے کے لئے پہلے پکارتا جاتا ہے بعد میں حکم سنایا جاتا ہے۔ جیسے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْنَا وَاسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** درود و سلام چونکہ بہت مہتمم بالشان چیز تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو پکارتا کہ اُس کا حکم سنایا۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ کھانے پر شرعی پابندیاں نفس پر گراں تھیں۔ اس لئے پہلے خطاب کیا نیز کھانا بہت شاندار چیز ہے

اس سے انسان کی زندگی قائم ہے اور اسی سے عالم کا نظام وابستہ ہے۔ اس لئے پہلے پکارا بعد میں حکم سنایا۔ خیال رہے کہ اس خطاب میں بعض جگہ صرف مومن انسان داخل ہوتے ہیں اور بعض جگہ انسان اور جن دونوں اور بعض جگہ انسان بھی جنات بھی ملائے ہیں۔ دیکھو **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَعْيُنَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ الْمَسِيحِيِّ**۔ اسی طرح **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدُّوا أَيْدِيَكُمْ إِلَى اللَّهِ وَرِئُوسِهِ** وغیرہ۔

وہ آیات جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ وہاں آمنوا میں انسان جنات فرشتے سب شامل ہیں کہ سب پر وہ آداب بجالانے ضروری ہیں۔ یہاں اس خطاب میں مومن جن اور انسان داخل ہیں کیونکہ یہی کھانے پیتے ہیں۔ فرشتے کھانے پینے سے بری ہیں۔ ان دونوں سے فرمایا گیا کہ اے مومن انسانوں! اور اے مومن جنوں! پاک روزیل کھاؤ۔ یہ دوسری بات ہے کہ جنات کی غذا کوٹلے اور ہڈیاں بھی ہیں جنہیں انسان نہیں کھاتے۔ ان کے لئے وہ بھی طیب روزی ہے۔

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ جو کبھی وجوب کے لئے آتا ہے کبھی اجازت کے لئے۔ کھانا کھانا کبھی فرض ہوتا ہے کبھی واجب کبھی سنت۔ کبھی مستحب کبھی مکروہ کبھی حرام۔ جان رکھنے کے لئے کھانا فرض ہے اس قدر کھانا واجب ہے جس سے عبادتیں ادا کرنے پر قادر ہو جائے۔ روزانہ دو وقت کھانا کھانا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام غذا بھی کھاتے تھے اور عشاء بھی یعنی صبح و شام قرآن کریم میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی کو فرمایا **إِنَّا خَدَّائِنَا صَبْحًا كَمَا كَانُوا** (ناشتہ) لاؤ۔ مہمان کے ساتھ کھانا مستحب ہے۔ پیٹ سے زیادہ کھانا مکروہ اور جو کھانا ہلاکت کا باعث ہو حرام ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ ہر مزاج والا آدمی اپنے مزاج کے موافق چیزیں کھائے غیر موافق اور نقصان دہ چیزوں سے بچنا شرعاً ضروری ہے۔ یہاں اس کلمہ میں بڑی گنجائش ہے یہ امر وجوب کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور استحباب وغیرہ کا بھی۔ یعنی اے مسلمانو! مرن بھرت مت رکھو بھوکے رہ کر جان مت دو۔ ضرور کھاؤ ورنہ سخت مجرم ہو گے۔ یا اے مسلمانو! روزانہ صبح و شام کھاؤ۔ یہ مت سمجھو کہ میں بھوکا رہنے والوں سے ملتا ہوں۔ میں تو متقیوں کو ملتا ہوں۔ منقہ وہ جو بُری باتوں سے بچے۔ مگر ہر چیز مت کھائے بلکہ **مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ** طیبات جمع طیبہ کی ہے یعنی پاکیزہ اور سُتھری۔ لغت میں طیب وہ چیز ہے جس کو جی چاہے یعنی مرغوب الطبع، شریعت میں طیب

وہ چیز ہے جو خود بھی بُری نہ ہو اور بُرے ذریعے سے حاصل نہ ہو یعنی خود بھی اچھی ہو اور اُس کے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی اچھا ہو۔ سو۔ گدھا۔ کتا وغیرہ حرام ہیں کہ یہ بذاتِ خود بُرے ہیں۔ بکری حلال لیکن اگر چوری۔ رشوت۔ جوئے وغیرہ یا حرام پیسے سے خریدی گئی ہو تو طیب نہیں بلکہ نجیث ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ روزی کھاؤ جو نہ حرام ہو نہ نجیث بلکہ حلال بھی ہو طیب بھی ہو۔ کیونکہ طیب روزی کھانے والے کی زندگی بھی طیب ہوتی ہے اور نجیث روزی کھانے والے کی زندگی بھی نجیث۔ کھانے کا اثر دل و دماغ۔ خیالات سب پر پڑتا ہے۔ حلال و طیب روزی سے خیالات میں پاکیزگی دل میں نورانیت و نرمی۔ عبادتوں میں خشوع و خضوع آنکھوں میں تری نماز میں لذت۔ دعائیں قبولیت۔ زبان میں تاثیر۔ سب کچھ پیدا ہوتی ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانے میں لوگ لمبی لمبی دعائیں مانگیں گے مگر اُن کا کھانا بھی حرام ہوگا اور لباس بھی۔ دعائیں کیسے قبول ہوں۔ حضرت سعدی دفاص نے بارگاہِ نبوی شریف میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ دعا فرمائیے کہ میں مقبول الدعابن جاؤں کہ رب تعالیٰ میری دعائیں قبول کر لیا کرے۔ فرمایا حلال اور طیب روزی کھاؤ۔ حرام اور نجیث رزق سے اپنے منہ اور پیٹ کو بچاؤ۔ مقبول الدعابن جاؤ گے۔ خیال رہے کہ انسان چند وجوہ سے جانوروں سے ممتاز ہے اُن میں سے پاکیزہ روزی اور پاکیزہ بیویاں بھی ہیں۔ اگر ان دو پابندیوں پر انسان عامل نہ رہے۔ ہر حرام اور حلال چیز کھائے اور ہر حرام و حلال عورت پر نظر اٹھائے تو اس میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں بلکہ وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ کہ جانور بے عقل ہے اور یہ عقل والا۔ نیز جانور پہلے سونگھتا ہے پھر کھاتا ہے۔ لیکن یہ بغیر تحقیقات کے منہ ڈال دیتا ہے ان کے متعلق خدا فرماتا ہے۔ **أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ** انسانی شرافت کا یہ تقاضا ہے کہ اُس کے کھانے پینے۔ چلنے پھرنے۔ سونے جاگنے۔ بولنے دیکھنے اور سننے پر شرعی پابندیاں ہوں اگر ان سب چیزوں میں آزاد ہو جائے تو جانور بلکہ اس سے بدتر ہے۔ رب فرماتا ہے **إِنَّ الْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ عِنْدَ مُسَوِّبٍ** اور فرماتا ہے **مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ** انسان کی تو ہر چیز پر پابندی ہے۔ دیکھو وزیر بادشاہ۔ حکام وغیرہ کھانے پینے۔ بولنے چلنے پھرنے میں اور بھی بہت زیادہ محتاط ہوتے ہیں ان کے بولنے کے الفاظ چھپے تلے۔ گئے چنے ہوتے ہیں۔ اخبارات میں اُن کے ترجمے چھپتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔

نڈاں بادشاہ نے اپنے خطاب میں اتنے لفظ بولے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کا درجہ بڑا ہے۔ جتنا درجہ بڑا۔ اتنی پابندی زیادہ۔ اس لئے فرمایا گیا کہ طیب روزیاں کھاؤ۔ صوفیاء کے نزدیک طیب روزی وہ ہے جو زمین عیبوں سے پاک ہو اور تین خوبوں سے موصوف ہو یعنی بذاتِ خود بُری نہ ہو۔ بُرے ذریعے سے حاصل نہ ہو۔ بُرے مقصد کے لئے حاصل نہ کی جائے بلکہ بذاتِ خود اچھی ہو۔ اچھے ذریعے سے حاصل ہو۔ اچھے مقصد کے لئے استعمال کی جائے۔ لہذا کافر کی ہر چیز نجیث ہے اگرچہ حلال اور طیب ہے کہ وہ بُرے مقصد یعنی کفر و شرک و بت پرستی کے لئے استعمال کرتا ہے اور مومن کی روزی حلال اور طیب ہے کہ وہ اچھے مقصد یعنی اللہ کی عبادت کے لئے استعمال کرتا ہے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں صرف طیب کھانے کا ذکر کیا گیا۔ لیکن درحقیقت ہر چیز میں طیب و نجیث پایا جاتا ہے۔ بعض چلنا طیب ہے بعض نجیث۔ بعض گفتگو طیب ہے بعض نظریں طیب ہیں بعض نجیث۔ بعض خیالات طیب بعض نجیث۔ بعض سونے اور جاگنے طیب اور بعضے نجیث۔ بلکہ یوں کہو کہ بعض زندگی طیب ہے بعض نجیث۔ بعض موتیں طیب ہیں بعض نجیث مومن کو چاہیے کہ پاکیزہ کھائے پاکیزہ سوئے جاگے اور پاکیزہ جیئے مرے۔

حکایت :- ایک ظالم و جاہل بادشاہ نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ بہترین عبادت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ تیرے لئے دو پہر تک سونا تاکہ جاگ کر خلق کو نہ ستائے سے

ظالمے رانختہ دیدم نیم روزا! گفتم این فتنہ است خوابش برود بہ

وآں کہ خوابش بہتر از بیداری است زان چنان بد زندگان مردہ بہ

خلاصہ یہ ہے کہ مومن سارے جہان سے افضل ہے تو اس کے سارے کام افضل چاہئیں

جو لوگ آج اسلامی پابندیوں کو ناجائز سمجھتے ہیں اور کفار کی سی آوارہ زندگی چاہتے ہیں۔ وہ

درحقیقت انسانی جامے سے نکل کر حیوانیت اختیار کرنا چاہتے ہیں یہ آزادی نہیں بربادی ہے

ہم نے دیکھا ہے کہ بادشاہوں کا کھانا پانی ٹیب لگے اگر انہیں دیا جاتا ہے تاکہ کسی دشمن نے زہر ملا

ہوئے مسلمان نیز کھانا پینا بھی ٹیب شدہ ہو کہ کہیں شیطان اس میں خباثت نہ ملا دیا اس لئے فرمایا گیا کون امن

حلال کے بعد اللہ کے شکر کا حکم دیا گیا تاکہ اس چورنگ کی برکت سے وہ روزی نقصان نہ دے یعنی اس کا

شکر یہ ادا کرو کہ رب نے تمہیں حلال روزی دی تمہیں نیک اعمال کی توفیق بخشی۔ کیونکہ یہ سب

ربت ہی کی طرف سے ہے ہمارا اپنا کمال کوئی نہیں۔

خیال رہے کہ شکر تین طرح کے ہیں۔ دو شکر عام ایک شکر خاص۔ ایک شکر عام تو یہ ہے کہ انسان اپنے مال و جان کو اپنے کمال کا نتیجہ نہ جانے بلکہ عطاے ذوالجلال سمجھے۔ پتنگ خواہ کتسی ہی اونچی اڑے مگر اپنے زور سے نہیں اُڑتی۔ مالک کی ڈور سے اُڑتی ہے۔ اسی لئے دیکھا گیا کہ کبھی بوٹوف اقبال مندہ ہوتے ہیں اور عاقل خوار اور ایک ہی آدمی کبھی تخت نشین ہوتا ہے اور کبھی خاک نشین۔ اگر یہ خیالی رہا تو انشاء اللہ کبھی دل میں تکبر نہیں پیدا ہوگا۔ دوسرا شکر عام یہ ہے کہ انسان ہر نعمت کا حق ادا کرے مثلاً اگر کھاپی کر حیم میں طاقت و توانائی آئی ہے تو اس طاقت سے اللہ کی عبادت بھی کرے اور شکر خاص یہ ہے کہ اگر رب نے ہماری ضرورت سے زیادہ روزی ہم کو دی ہے تو وہ صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ اس میں فیروں غریبوں کا بھی حصہ ہے اُس کا شکر کرے کہ وہ لوگ اپنی روزی ہمارے ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ شعر

شکر بجا آر کہ جہان تو روزی خود می خورد از جوان تو

ہر نعمت کا شکر الگ ہے۔ کامیاب بندہ وہ ہے جو کامیاب شاکر بن کر زندگی گزارے۔

ان کنتہ ایاہ تعبدون یہ شرط اور پہلا جملہ اُس کی جزا ہے یعنی لے مسلمان اگر تم صحیح معنوں میں رب کی عبادت کرتے ہو تو اُس کی دسی ہوئی پاکیزہ روزی بھی کھاؤ اور شکر بھی ادا کرو۔ تب تم صحیح عابد بنو گے۔

یا یہ مطلب ہے کہ صرف روزہ نماز ہی عبادت نہیں بلکہ حلالی روزی کمانا اور کھانا اور اس کا شکر یہ ادا کرنا بھی عبادت ہے جو شخص تو انا اور تندرست ہو کر حلالی روزی نہ کمائے بھیک پر گزارہ کرے وہ سچا عابد نہیں۔

حکایت :- ایک شخص بہت تنگ دست تھا۔ بیوی نے مجبور کیا تو کماٹی کے لئے سفر کو نکلا جنگل میں ایک ٹولی لنگڑی لومڑی دیکھی جو بہت موٹی تازمی تھی۔ حیران ہوا کہ یہ کھاتی کہاں سے ہے۔ امتحان کے لئے ٹھہر گیا۔ دیکھا کہ شام کے قریب شیر شکار لایا۔ قریب میں بیٹھ کر کچھ کھایا یا تھی چھوڑ گیا۔ لومڑی گھسٹتی ہوئی وہاں پہنچی اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ دوسرے دن قریباً اسی وقت ایک چتیا کچھ شکار لے آیا۔ اسی جنگل میں بیٹھ کر کچھ کھایا کچھ چھوڑ گیا لومڑی نے پھر سیر ہو

کر کھایا۔

تیسرے دن بھیڑیا بھی لومڑی کو ایسے ہی کھلا گیا۔ عرض کر یہ شخص وہاں قریباً سات دن ٹھہرا۔ مگر اس نے روزانہ لومڑی کو اسی طرح کھاتے دیکھا۔ بولا اے مولا! جب تو ایسی روزی دیتا ہے تو میں کماٹی کیوں کروں۔ حیب نے یوں کماٹی کرے کیوں۔ کسی جگہ پہنچا اور مسجد میں بیٹھ رہا۔ منتظر رہا کہ اب کہیں سے عیسیٰ دسترخوان آتا ہے۔ مگر کہیں سے کچھ نہ آیا۔ پانچواں ناکہ ہو گیا۔ حال بگڑ گیا۔ سجدے گرا۔ بولا الہی کیا میں اس لنگڑی لومڑی سے بدتر ہوں اُسے تو روزانہ عیسیٰ روزی پہنچاتا ہے اور مجھے ناکے پر ناکے ہو رہے ہیں۔ میری خیر نہیں لیتا۔ اسی حال میں نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے اے کینحت تجھے ہاتھ پاؤں کمانے کے لئے دیئے گئے اٹھ نہیں ہلا۔ کما اور کھا تو نے لومڑی کو دیکھا۔ شیرا در چیتے کو نہ دیکھا جو خود بھی کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں لنگڑی لومڑی نہ بن۔ شیرین کہ خود بھی کما اور بے دست و پا لوگوں کو بھی کھلا۔ جب توبے دست و پا ہو جائے گا تو تیرے لئے بھی ہم کسی شیر کو مقرر کر دیں گے۔ اس لئے رب نے فرمایا کہ اے مسلمانو! اگر تم ہماری صحیح عبادت کرتے ہو تو حلال روزی بھی کھاؤ اور شکر بھی کرو۔

اس آیت کریمہ کی جیتی جاگتی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ کا عمل شریف ہے۔ رب تعالیٰ ان نقش قدم پر چلنے کی ہم سب کو توفیق بخشنے۔

رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ اَعْلَىٰ خَيْرِ خَلْقِهِ وَنَوْمِ عَرُشِهِ سَيِّدِنا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَّ وَكُلَّمَا اَخْتَزِرُوْا مَا حِلٌّ لَّكُمْ
لَعِبْرِ اللّٰهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ
عَفُوٌّ رَّحِیْمٌ

ترجمہ :- اس کے سوا تو نہیں کہ حرام کیا اللہ نے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت۔ اور وہ جانور جس کو ذبح کیا گیا ہو غیر اللہ کے نام پر تو مجبور ہو جائے نہ تو لقت کا خواہاں ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا۔ پھر اس پر کوئی گناہ نہیں ہے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق:۔ پھلی آیتوں میں مسلمانوں کو حلال و طیب چیزیں کھانے اور حرام و نجیث چیزوں سے بچنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اُس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے چونکہ حلال و طیب چیزیں لاکھوں تھیں۔ حرام و نجیث چیزیں چند تھیں۔ اس لئے انہیں کا ذکر فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ ان کے ماسواء اور حلال ہیں کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے حرمت عارضی چیز ہے۔

تفسیر:۔ اِنَّمَا عَرَبِيٌّ مِّنْ لِّغَةِ الْعَرَبِ يَهْدِيكُمْ إِلَى الْمَسْلُوكِ اس کے یہ معنی نہیں کہ میں ہی بشر ہوں میرے سوا کوئی بشر نہیں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ میں بشر ہی ہوں۔ نہ رب ہوں نہ اُس کا جز یا فرما تا ہے اِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ اس کے یہ معنی نہیں کہ اللہ ہی ایک ہے اور کوئی چیز ایک نہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے اس میں کوئی دوسری نہیں۔ نہ ذاتاً نہ صفاتاً۔

خلاصہ یہ کہ کہ اِنَّمَا کا ترجمہ ہے صرف یا محض۔ لہذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے تم پر صرف یہ اگلی چیزیں حرام فرمائیں۔ اس لفظ پر یہاں دو اعتراض ہیں ایک یہ کہ یہاں چار چیزوں کا ذکر ہے دوسری آیت میں سات آٹھ چیزوں کا اَلنَّطِيجَةُ وَالْمُنْتَدِيَةُ وَ مَا أَكَلِ السَّبُعُ تو یہاں چار میں حصر کیسے صحیح ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کی آٹھوں چیزیں اس کی ان چار میں داخل ہیں دیکھو نطیجہ یعنی جو جانور سینگ گھونپ دینے سے مر جائے اور جو گولی اور غلیبہ سے مارا جائے وَالْمُنْتَدِيَةُ جو لاشی سے مارا جائے یا اوپر سے گر کر مر جائے وَمَا أَكَلِ السَّبُعُ جسے درندہ کھائے یہ سب کے سب یلتہ میں داخل ہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں صرف چار چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے۔ حالانکہ ہزار ہا جانور حرام ہیں کتا، بلا اور چوہا وغیرہ تو یہاں حصر کیسے صحیح ہوا کہ تم پر رب نے صرف چار چیزیں حرام کیں۔ جواب یہ ہے کہ یہاں بلا واسطہ رب کی حرام کی ہوئی چیزوں کا ذکر ہے وہ صرف یہی ہے۔ باقی تمام حرام چیزیں نے بواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حرام فرمائی ہیں کیونکہ رب جانتا تھا کہ آخر زمانے میں منکرین حدیث پیدا ہوں گے جو کہیں گے کہ ہمیں صرف قرآن ہی کافی ہے۔ اُن کا منہ بند کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قریباً ہر جگہ اجمال سے ہی کام لیا۔ دیکھو کلمے شریف کے بعد اسلام کا پہلا رکن نماز ہے۔ مگر قرآن کریم نے صرف نام ہی لیا باقاعدہ

تذکیب کہیں نہیں بتائی۔ اسی آیت کو لے لو۔ اس میں اجمالی طور پر یہ بتا دیا کہ تم پر مردار اور خون حرام۔ یہ نہ فرمایا کہ مردار سے کون کون سے اجزاء سے کیا کیا کام لینا حرام اور کس قسم کے خون کا کون سا استعمال حرام۔ اس سے خاموشی۔

سبحان اللہ! فرماتا ہے سور کا گوشت حرام۔ مگر اس کی کلیجی۔ گردے۔ سرری پائے۔ ان کا ذکر نہیں یہ سارے اجمالات کیوں ہیں۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ مسلمان قرآن کریم کے سمجھنے میں ہر قدم پر حجاب مصطفیٰ کا محتاج رہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس خاموش قرآن کو زبان سے پڑھو اور بولتے ہوئے قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو دل میں لکھو تب کام چلے گا۔

حرم۔ یہ لفظ تحریم سے بنا۔ جس کا مادہ حرم یا حوام ہے۔ یعنی دور یا الگ رہنا لفظ حرام احترام کا لفظ بھی ہے اور ذلت کا لفظ بھی۔ سور کتا۔ بلا حرام۔ یعنی وہ خبیث ذیل ہیں۔ ان سے دور رہو۔ کعبۃ اللہ المحرام۔ مسجد حرام۔ محرم الحرام۔ شہر المحرام یعنی عزت و حرمت والی چیزیں۔ انکی بے ادبی سے الگ رہو۔ دور رہو۔ معلوم ہوا کہ ایک ہی لفظ الگ الگ نسبتوں سے معنی دیتا ہے۔ جیسے لفظ بشر۔ اگر یہ نبی کی صفت ہو۔ تو یہ بہت ہی عظمت کا لفظ ہوگا۔ یعنی مباشرت یا لید۔ یعنی بلا واسطہ ملائکہ دست قدرت کی سنت کا ریگرمعمولی چیزیں اپنے نوکروں سے بنوادیتا ہے مگر شاندار چیز جس میں اپنا کمال دکھانا چاہتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ سے تیار کرتا ہے۔ رب فرماتا ہے اسے ابلیس تو نے انہیں سجدہ کیوں نہ کیا۔ جنہیں میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اگر بشر ہم لوگوں کی صفت ہو۔ تو اس کے معنی ہوں گے۔ شر والی مخلوق۔ دیکھو لفظ ایک ہے مگر معنی الگ۔

علیکم۔ حق یہ ہے کہ اس میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے یعنی اے مسلمانو! یہ خبیث چیزیں اللہ نے صرف تم پر حرام کیں اور کافر اگر کھاتے ہیں تو کھانے دو کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جن کے رتبے زیادہ ہوتے ہیں ان پر پابندیاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ ہم لوگ جہاں چاہیں پھریں جو چاہیں کھائیں مگر بادشاہوں کے چلنے کے راستے مقرر جن پر پہلے پہرہ چوکی۔ ان کا کھانا پہلے ٹیسٹ کیا جائے گا۔ بعد میں ان کے پیش ہوگا۔ کہ کہیں دشمن نے زہر نہ ملا دیا ہو۔ ان کے بول چال کے لفظ مقرر کیونکہ ان کے رتبے کے تمام انجباروں میں چھپتے ہیں۔ غرض کہ بادشاہوں کا ہر کام ہر حرکت پابند۔ اگر بادشاہ ان پابندیوں کو توڑنا چاہے تو سمجھ لو کہ وہ اپنے رتبے سے گہرا ہے۔

مسلمانو! تم حبیب کی امت ہو۔ تمہارے درجے بلند ہیں تمہارے کھانے پینے چلنے پھرنے بولنے چاننے غرض کہ ہر ادا پر پابندیاں ہو گئیں۔ رَبِّ فَرَمَاتَا هِيَ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولَئِكَ كَانَ عَنْدهُ مَسْكُوتًا۔ چنانچہ تمہارے کان آنکھ دل سب کی حرکتوں کا سوال ہوگا۔ اور فرماتا ہے وَمَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ پتا، جو تمہارے منہ سے بات نکلتی ہے اس پر ہمارے محافظ مقرر غرض کہ اسلام نے یہ پابندیاں لگا کر ہمیں انسان بنا دیا۔ ان پابندیوں کو توڑنے والا درحقیقت حدودِ حلال سے نکل کر جانور بنتا ہے۔ یہ آزادی نہیں بلکہ انسانیت کی بربادی ہے۔ بلیں چھول کھا کر جیتی ہے اور گندگی کا کیڑا گندگی کھا کر اور اگر بلی گندگی میں منہا سے تو اس کی موت فریب ہے کفار سودے کر جیس گئے مسلمان زکوٰۃ دے کر شعر

اپنی مدت کو قیاس اقوام عالم پر نہ کر ہے جدا تعمیر میں قوم رسول ہاشمی

ناجانز پابندیوں کا اٹھ جانا آزادی کہلاتا ہے اور جانز پابندیوں کو اٹھا دینا آوارگی آزادی نعمت ہے اور آوارگی عذاب۔ غلام کی آزادی نعمت ہے۔ عورت کی طلاق مصیبت۔

الْمَيْتَةُ:۔ یہ لفظ موت سے بنا۔ بمعنی جاندار کا بے جان ہو جانا۔ میت اور مینتہ میں کبھی یوں فرق کیا جاتا ہے کہ حلال موت سے مرنے والا میت ہے اور حرام موت سے مرنے والا مینتہ جس پر جب ہے مردہ اور مردار شریعت میں مینتہ وہ جانور ہے جو ذبح کے قابل ہو مگر ذبح شرعی کے بغیر مر جائے۔ لہذا مچھلی اور ٹڈی مینتہ نہیں کہ نہ تو ان میں بہتا خون ہے اور نہ یہ ذبح کے قابل۔ شریعت میں ذبح کی تین صورتیں ہیں۔

شکار کا ذبح یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر اس پر تیر یا گولی یا دھار دار چیر پھینکی جائے یا اس پر شکاری کتا چٹا یا باز یا شکر چھوڑا جائے۔ یہ شکار اس تیر یا گولی یا گتے کے دانت یا شکر کے پنجوں سے مر بھی جائے تب بھی حلال ہے کہ اس کا ذبح شرعی ہو گیا جو جانور بھاگ کر یا کتوں میں گر کر بے قابو ہو جائے اسے بِسْمِ اللّٰهِ کہہ کر کہیں زخم لگا دو حلال ہے اس کا ذبح شرعی ہی ہے۔ جو جانور اپنے قبضے میں ہو اس کا ذبح یہ ہے کہ کسی دھار دار چیر سے حلقوم اور رگیں کاٹ دی جائیں۔ ان میں صورتوں کے علاوہ جانور یا لالا جانور مردار ہے۔ اس کا کھانا حرام۔ بال اس کی کھال۔ پٹھے خشک ہڈیاں دوسرے کاموں میں آسکتی ہیں۔ یعنی

اے مسلمانو! تم پر اللہ نے مردار کھانا حرام کیا۔

وَالدَّمُ۔ دم سے مراد پتہ خون ہے۔ چونکہ جما ہوا خون تلی بھیجی۔ حلال ہے۔ بہتا خون جو عجم جائے۔ بڑی مچھلیوں میں سے جو سرنج پانی لگتا ہے وہ خون نہیں ہوتا کہ وہ بعد میں سفید پڑ جاتا ہے کالا نہیں ہوتا۔

صوقیاء فرماتے ہیں کہ مردار اور خون کی یہ تفسیر بالکل برحق ہے لیکن اشارتاً کہا جاسکتا ہے کہ دنیا مردار ہے جبکہ اُس پر اللہ کا نام نہ ہو اور مسلمان بھائی کی عزت مال جان گویا خون ہے۔ اے مسلمانو! تم پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں تہ دنیا کے قریب جاؤ نہ مسلمان بھائی کی آبرو ریزی کرو۔ حدیث شریف میں ہے **الدُّنْيَا جَيْفَةٌ وَطَالِمَهَا كَلَابٌ دُنْيَا مُرْدَارٌ**۔ اور طالب دنیا کہتے۔ خیال ہے کہ مردار بخوار کئے بھی ہیں اور کتے بھی۔ مگر کتے کا خاصہ یہ ہے کہ وہ دوسرے کو دلا کر کھاتا ہے۔ مگر کتا دوسرے کتے پر سخراتا ہے اگرچہ وہ مردار بھوکے سے کہیں زیادہ ہو۔ طالب دنیا انسان کا بھی یہی حال ہے کہ وہ دوسرے کو کھاتا پیتا نہیں دیکھ سکتا۔ صوقیاء کے ہاں جو کام نفس کے لئے ہو اور اخلاص سے خالی ہو وہ دنیا ہے۔ سیدنا عثمان غنیؓ کا مال دنیا نہ تھا عین دین تھا اور منافقوں کی نماز بھی دنیا تھی۔

وَالْحَدَّ الْخَنَازِيرِ اگرچہ سور کی ہر چیز حرام ہے کہ کسی کام میں نہیں آسکتی۔ مگر رب تعالیٰ نے صرف گوشت کی حرمت کا ذکر فرمایا: تاکہ مسلمان اُس کے دوسرے اجزاء کی حرمت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے محتاج ہوں یعنی سور کا گوشت تو میں حرام کرتا ہوں۔ اس کی چربی بھی۔ گدے وغیرہ کی حرمت میرے محبوب سے پوچھو۔ منکرین حدیث ان چیزوں کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں کر سکتے۔

خیال رہے کہ سور حرام بعینہ ہے مردار وغیرہ حرام بغیرہ۔ یعنی بذات خود تو وہ حلال تھے۔ لیکن کسی عارضی وجہ حرام ہو گئے۔

صوقیاء فرماتے ہیں کہ نفس امارہ گویا خنزیر ہے اور اس کی حرام خواہشیں خلاف اسلام عقیدے گویا سور کا گوشت، مسلمان پر ان چیزوں سے بچنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے سور کے گوشت سے۔

دَمًا هَلًا لِعَيْزٍ اِلَّا اس جملے کی تین تفسیریں ہیں تفسیر جاہلانہ۔ تفسیر عالمانہ۔ تفسیر عاشقانہ۔ تفسیر جاہلانہ تو وہ ہے جو آج کل عام اردو ترجمہ پڑھے۔ تلا بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ یعنی اهل اہلال سے بنا۔ یعنی پکارنا۔ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز حرام ہے جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ لہذا کیا رہویں شریف کا کھانا۔ کسی کی تیار کا پیسہ۔ عرس میں ذبح کئے ہوئے جانور وغیرہ سب کچھ حرام ہے۔ اس لئے کہ ان پر خدا کے سوا کا نام پکارا جاتا ہے کہا جاتا ہے یہ عوث پاک کا بکرا ہے۔ خواجہ اجمیری کی فاتحہ کے لڑیوں میں۔ فلاں مزار کا چرٹھا وا۔ فلاں خانقاہ کی دیگ وغیرہ۔ یہ سب حرام ہیں اور وہ اس آیت کی زد میں آتے ہیں۔ مگر یہ تفسیر محض باطل اور غلط ہے۔ تفسیر نہیں بلکہ کلام الہی کی مفہومی تحریف ہے۔ یہ تفسیر آیات قرآنیہ احادیث نبویہ و عمل صحابہ اور عقیدہ اُمتِ رسول اللہ بلکہ خود ان کے پیشواؤں کے اقوال کے خلاف ہے۔

نعور کرو کہ کفار عرب اپنے بتوں کے نام پر چار قسم کے جانور چھوڑتے اور کہتے تھے کہ یہ جانور حرام ہیں۔ رب نے ان کی تردید میں ارشاد فرمایا۔ وَ مَا جَعَلَ اِلٰهًا مِنْ جَبْرُوتٍ وَّ صَالِحَةٍ وَّ لَا وِصِيْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ وَّ لٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَيُّوْنُ عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا يَعْنٰى يٰہ كفار خدا پر چھوٹ باندھتے ہیں کہ ان جانوروں کو حرام سمجھتے ہیں۔ اللہ نے انہیں حرام نہ کیا۔ دوسرے مقام پر مسلمانوں سے فرماتا ہے۔ فَكُلُوْا مِمَّا عَمِلْتُمْ حَلٰلًا وَّ طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا اٰخِلَاتِ الشَّيْطٰنِ يَعْنٰى اے غازیو! غنیمت میں تمہیں جو ہاتھ لگے۔ بخیر۔ سائبہ ہو یا کوئی اور۔ سب حلال طیب ہے۔ شیطان کی باتوں کی پیروی نہ کرو۔ ان آیات سے پتہ لگا کہ ان کے بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور اور دوسری چیزیں حلال ہیں۔ طیب ہیں۔ انہیں حرام جاننا شیطان کی پیروی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین قربانیاں کرتے تھے ایک اپنی طرف سے دوسری اپنی ازواج پاک کی طرف سے تیسری اپنی امت کی جانب سے اور ذبح کر کے فرماتے اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ اِلٰمَةٌ مِّنْكَ (صلی اللہ علیہ وسلم) الہی یہ میری امت کے نام کی ہے۔ ان کی تفسیر سے یہ جانور حرام ہو جانا چاہیے تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ خدمتِ عالیہ میں آکر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ میری ماں فوت ہو چکی ہے میں چاہتا ہوں کہ ان کی خدمت کر دوں۔ فرمایا کہ مدینے میں پانی کی قلت ہے

ان کے نام پر پانی کی خیرات کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایک کنواں کھدوایا اور فرمایا هَذَا لَكُمْ سَعْدٍ
یہ کنواں سعد کی ماں کے نام کا ہے وہ کنواں اب تک آباد ہے۔ تہانہ نبوی سے آج تک عام مسلمان
اس سے پانی پیتے رہے۔ اس تفسیر کی بنا پر اس کنوئیں کا پانی حرام ہو جانا چاہیے تھا کیونکہ اس پر
ام سعد کا نام آگیا۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے تھے کہ کوئی اللہ کا بندہ مسجد عشاء میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے
اور کہے دے کہ هَذَا لِابْنِي هَمْرَةَ۔ یہ نماز ابو ہریرہ کے نام کی ہے۔ اس تفسیر سے چاہیے تھا
کہ وہ نماز حرام ہو جاتی۔ مدینہ منورہ میں جا کر دیکھو کہ نہریں، مسجدیں، خانقاہیں یعنی رباط
سب مختلف لوگوں کے نام کی ہیں۔ اس تفسیر سے وہ سب ناجائز اور حرام ہوئیں۔ اب
فقہاء کا فتوے دیکھو۔

حضرت مولانا احمد جیون صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیرات احمدیہ میں اس آیت کی تفسیر
ہیں فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں اولیاء اللہ کی نذر کی جو گاٹے رکھی جاتی ہے وہ حلال اور
طیب ہے۔ چونکہ اسے اللہ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ مجوسی نے
آتش کدے کے نام پر جانور پالا۔ اسے وہاں لے گیا۔ مسلمان سے ذبح کرایا۔ مسلمان نے بسم اللہ
کہہ کر ذبح کر دیا۔ وہ جانور حلال ہے کیونکہ اگرچہ یہ پالا گیا بت کے نام پر لیکن ذبح ہوا خدا کے
نام پر۔ عام مسلمان جن میں اولیاء اللہ، علماء، صالحین سب شامل ہیں، ہمیشہ سے بزرگوں کے
نام پر ایصالِ ثواب کے ٹٹے کھانے پکاتے رہے۔ جانور ذبح کرتے رہے۔ اس کھانے کو تبرک سمجھ
کر کھاتے کھلاتے رہے۔ خود ان منکرین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے
فتاویٰ رشیدیہ میں فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر ہندو لڑکے ہوئی، دیوالی کی پوریاں کچوریاں اپنے
مسلمان استاد کو پیش کریں تو وہ مسلمان کے ٹٹے حلال ہیں۔ جب بتوں کے نام کی پوریاں کچوریاں
حرام نہ ہو سکیں تو جناب نعوش پاک۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے کھانے۔ ثمرت کیسے
حرام ہو سکتے ہیں۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ تفسیر غلط ہو کیونکہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو کسی
کے نام کی نہ ہو۔ میرا گھر۔ تیرا کنواں۔ فلاں کی گاٹے اس کی بھینس۔ نلانی کی مسجد۔ حتیٰ کہ بعض شہروں
وگاؤں کے نام کسی نہ کسی کے نام پر ہوتے ہیں۔ جیسے جبل الطارق (جبرائیل) اگر یہ سب حرام

ہو جائیں گے۔ تو زندگی شکل پڑ جائے گی۔ غرض کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ قرآن شریف کی تحریف ہے۔

تفسیر عالمانہ: علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ اہلال عرف میں ہر لپارے کو کہتے ہیں۔ مگر شریعت میں ذبح کے وقت آواز دینے کا نام اہلال ہے۔ جیسے صلوٰۃ لغت میں ہر دُعا کو کہتے ہیں۔ مگر شریعت میں خاص دُعا یعنی نماز کا نام ہے جیسے اِنْتِمُ الصَّلَاةَ میں صلوٰۃ سے مراد نماز ہے ایسے ہی یہاں مَا اُحْلِلَ میں اہلال سے مراد ذبح کرنا ہے تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ وہ جانور حرام ہے جو غیر خدا کے نام ذبح کیا جائے اسی لئے تفسیر جلالین۔ مدارک۔ بیضاوی۔ ابن عباس۔ خازن۔ کبیر۔ معالم التنزیل۔ ابو مسعود۔ تفسیر احمدی وغیرہ تمام تفاسیر میں اہلال کے معنی کئے گئے ہیں۔ ذبح۔ اس تفسیر پر یہ آیت کریمہ بالکل صاف ہو گئی اور اس پر کوئی اعتراض نہ رہا۔ کہ جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح ہو وہ حرام۔

خیال رہے کہ مشرک اگر خدا کے نام پر بھی ذبح کرے تب بھی جانور حرام ہے۔ کیونکہ صرف مسلمانوں اور اہل کتاب کا ذبح ہی حلال ہے نیز اگر کوئی تھان پر یا کسی بادشاہ وغیرہ کی بھینٹ و عبادت کی نیت سے جانور ذبح کرے تو حرام ہے۔ اُس کا ذکر اس آیت میں ہے وَمَا ذَبِحَ عَلَى النَّصَبِ چنانچہ فقہا فرماتے ہیں کہ جو بادشاہ کی آمد پر شہر میں جانور ذبح کئے جائیں اُن کے تقرب و عبادت کی نیت سے وہ حرام ہیں۔ اگرچہ خدا کے نام پر ہی ذبح ہوں۔

تفسیر عاشقانہ: صوفیاء فرماتے ہیں کہ غیر کے دو معنی ہیں۔ ایک سوا اور ایک دشمن۔ انبیاء۔ اولیاء اللہ۔ رب کے غیر نہیں بلکہ اُس کے اپنے ہیں۔ رب فرماتا ہے کہ اُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ یہ لوگ اللہ کا ٹولہ ہیں اور اللہ کا ٹولہ ہی کامیاب ہے اور کفار بت شیطان اللہ کے غیر اور اُس کے دشمن ہیں۔ رب فرماتا ہے اُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ اَلَاِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخٰسِرُونَ یہ لوگ شیطانی ٹولہ ہیں اور شیطان کا ٹولہ نقصان میں ہے۔ جس چیز کی نسبت اللہ کے ٹولے کی طرف ہو جائے وہ متبرک ہو جاتی ہے جیسے آب زمزم اور خاکِ شفا اور اولیاء اللہ کے آستانوں کے ٹکڑے اور جس چیز کی نسبت شیطانی ٹولے کی طرف ہو جائے وہ منحوس ہو جاتی ہے۔ جیسے گنگا کا پانی۔ قومِ ثمود کے کنوئیں کا پانی وغیرہ۔ اسی طرح نفسِ امارہ شیطانی ٹولے میں ہے اور دل اور رُوحِ رحمانی ٹولے میں ہے۔ آیت کا اشارہ اس جانب ہے کہ مردِ کابل پر وہ کھانا حرام ہے جو غیر اللہ یعنی اللہ کے دشمن نفسِ امارہ کے لئے ہو۔ مردِ مین اللہ ہی کے لئے کھانا پیتا ہے اور اسی کے لئے جیتا مرنے

ہے قرآن کریم فرماتا ہے اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
 حکایت: ایک بار حضرت بایزید بسطامیؒ کے نفس نے ٹھنڈا پانی مانگا۔ آپ نے تین سال تک پانی نہ پیا۔ فرماتے تھے کہ اے نفس اللہ کے لئے پیوں گا تیرے لئے نہ پیوں گا۔ جب بندے کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ غیر اللہ یعنی نفس اور دنیا کے لئے کچھ نہیں کرتا بلکہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کے لئے کرتا ہے نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ جو یہ چاہتا ہے اللہ کرتا ہے۔ دین کے پیچھے یہ بھاگتا ہے اور دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے ڈاکٹر اقبال کے اس شعر کا مطلب یہی ہے۔

خونگی کو کہ بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مگر یہ درجہ بغیر عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل نہیں ہوتا۔ شعر

ذرہ عشق نسی از حق طلب سوزِ صدیق و علیٰ از حق طلب

فَمِنْ اضْطِرَّ غَيْرَ يَأْتِيهِ الْخَيْرُ اس جملے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مذکورہ بالا چیزیں ہر حال

میں حرام ہیں لیکن ایک موقع ایسا بھی آتا ہے جب شریعت مطاہرہ اپنا یہ قانون بندے سے اٹھا لیتی ہے وہ موقع اضطرار کا ہے یعنی جان پرین جانا۔ اضطرار کی دو صورتیں ہیں ایک بھوک پیاس کی شدت اور کھانا پانی موجود نہ ہونا۔ اگر جان پرین جائے اور موت کا خطرہ قوی ہو جائے تو مردار، خنزیر، ناپاک پانی وغیرہ جس سے جان بچا سکے۔ بچائے اگر یہ چیزیں استعمال نہ کرے گا اور مر جائے گا تو گناہ گار ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سخت بیماری میں جب حاذق حکیم یعنی جو مومن بھی ہوتا ہی۔ اور

طب میں پوزی مہارت رکھنے والا بھی وہ یہ کہے کہ تیری دوا سوا اس عرام کے اور کچھ نہیں۔

تو اس صورت میں بیمار کے لئے عرام کا استعمال بقدر ضرورت جائز ہے واجب نہیں یعنی اگر

استعمال کرے تو گنہگار نہیں۔ اگر جان دیدے تو بھی گنہگار نہیں۔ کیونکہ غذا سے جان کا بچنا یقینی

تھا۔ مگر دوا سے جان بچنا یقینی نہیں۔

حکایت: ایک بار قبیلہ عربیہ کے کچھ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ ایمان سے آئے اور وہیں رہنے بہنے لگے۔ مدینہ پاک کی آب و ہوا ان

کے موافق نہ آئی۔ بیمار ہو گئے۔ پیٹ پھول گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ

سے باہر جہاں صدقے کے اونٹ رہتے تھے بھیجا۔ اور فرمایا کہ تم لوگ اونٹوں کا دودھ بھی پیتے رہو اور پشیاں بھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس پر عمل کیا اور اچھے ہو گئے۔ یہ حدیث اضطراب کی تفسیر ہے۔ کہ پشیاں ناپاک بھی ہے اور حرام بھی۔ مگر چونکہ ان کی شفا اسی میں تھی اس لئے انہیں اس کا استعمال جائز ہو گیا۔

لیکن مجبوری حالت میں عوام حلال ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ ضرورت سے زیادہ ہرگز نہ کھائے اگر تین تھمروں سے جان بچ سکتی ہے تو سو اتین نہ کھائے اسے غیر عادی نے بیان کیا یعنی حد ضرورت سے آگے نہ بڑھے دوسرے یہ کہ لذت کے لئے بھی نہ کھائے۔ کڑوی دوا کی طرح پیٹ میں بوجھ ڈال کر جان بچانے کی کوشش کرے۔ اس کو غیر بائع نے بتایا اگر ان حکموں سے ایک بھی کمی ہو گئی تو کھانے والا گناہ گار ہو گا۔ ہاں کبھی اندازے میں غلطی ہو سکتی ہے نیز کبھی بغیر ارادہ لذت محسوس ہو جاتی ہے اس لئے فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی ایسی غیر اختیاری لغزشیں معاف فرمادی جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

صوفیاء فرماتے ہیں اس آیت سے اشارتاً معلوم ہوا کہ جان رکھنا بڑا ضروری ہے کیونکہ سارے احکام اور اعمال جان ہی کی بقا سے ہیں۔ جب جان کا مقابلہ احکام سے ہو جائے تو شریعت احکام ڈھیلے کر دیتی ہے پانی نقصان دے تیمم کر لو نماز میں کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ جان جا رہی ہو مردار کھا لو۔ یہ سب نرمیاں کا ہے کے لئے ہیں۔ جان رکھنے کے لئے۔ لیکن اگر جان کا مقابلہ ایمان سے ہو جائے تو ہزار جانیں اس پر قربان کر دو ایک ہندی شاعر کہتا ہے شعر

دھن دے تن کو رکھیے اور تن سے رکھیے لاج
تن من دھن سب وارے ایک دھرم کے کاج

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ ادنیٰ احمالی پر قربان ہوتا ہے۔ جان سے ایمان اعلیٰ۔ کیونکہ جان آخر جانے والی ہی ہے اسے جان کہتے ہی اسی لئے ہیں کہ اس سے ایک دن جانا ہے جو نہ جائے وہ ایمان ہے۔ جمادات۔ نباتات پر قربان ہوتے ہیں کہ دانے کی خاطر زمین کو الٹ پلٹ کر دیا جاتا ہے اور نباتات حیوانات پر نثار کہ بہت سی پیداوار جانور کھا جاتے ہیں اور حیوانات انسان پر قربان ہوتے ہیں کہ گائے بھینس وغیرہ عمر بھر ہماری خدمت کریں اور دنیا سے جاتے وقت اپنا

گوشت پوست ہمارے استعمال کے لئے دیئے جائیں۔

اے انسان کچھ سوچ کہ تو بھی کسی پر قربان ہونے کے لئے ہے کہ نہیں۔ اس کا جواب صدیق اکبرؓ کا غارِ ثور والا عمل دے گا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر اپنی جان نچا اور کر دی اور آپ کے اشاروں پر سب کچھ قربان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسی زندگی نصیب کرے۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَتَوَسَّلَ عَزَّ وَجَلَّ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَ
أَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

ترجمہ:- فرما دو اے محبوب! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے سارے گناہ بخش دے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

نشانِ نزول:- عرب کے اہل کتاب پہلے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ہی انکار کرتے تھے مگر جب قوی دلائل اور ہزار ہا معجزات نے حضور کی نبوت ثابت ہی کر دی اور انہیں انکار کی گنجائش نہ رہی تو آخر کار کہنے لگے کہ ہاں نبی تو ہیں۔ مگر آپ کی نبوت کی یہی ضرورت نہیں کیونکہ نَحْنُ آيْنَا عَالَمِيًّا وَآحْيَاؤُكَآ هَمْ تَوَالِدُكُمْ جَمِيْعَةً بِيْطِے اور اُس کے پیارے ہیں۔ نبی اسمعیل ان دونوں خوبیوں سے محروم ہیں۔ انہیں ہی آپ کی نبوت کی ضرورت ہے۔ اُن کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (عام تفاسیر)

تفسیر یوں تو سارا قرآن شریف ہی تبلیغ کے لئے آیا ہے۔ اس کی ایک ایک آیت لوگوں تک پہنچانا اور اُس کے سارے احکام شرعیہ بندوں کو ستانا حضور کا فرض تھا۔ رب فرماتا ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ عَلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لِيُكِنَّ بِعَظْمِ آيَاتِنَا كَقَوْلِ مَنْ شَرَعُ فَرَمَا يَا جَاتَا هِيَ لِيَعْنِي اءَ مَجْبُوبَ اءَ بَ فَرَمَا دُو۔ اُن میں سے یہ آیت بھی ہے۔ اس قُل فرمانے میں بعض حکمتیں عامہ ہیں۔ اور بعض حکمتیں خاصہ۔ حکمت عامہ تو وہ ہے جو مولانا حسن رضا خان صاحب بریلویؒ؟

اور تمہاری اجازت سے دوسرے کبھی پڑھیں تو اس پر یہ تاثیر یقینی ہے۔

حکایت: حضرت خواجہ شیخ فرید الدین صاحب گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک فقیر نے کچھ سوال کیا۔ آپ نے مرغی کے انڈے پر بلند آواز سے قُلْ هُوَ اللّٰهُ شَرِيفٌ پڑھ کر دم کر دیا وہ انڈا سونے کا ہو گیا۔ آپ نے اُس فقیر کو دے دیا وہ فقیر خوش خوش اپنے گھر گیا۔ بیوی سے بولا کہ مجھے تو جناب شیخ نے مال مال کر دیا۔ اتنا بہت سا سونا عطا فرمایا اور سونا بنانے والی کیمیا بھی سنادی۔ تجربے کے لئے ایک انڈا لیا۔ اور نودفعہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھ کر دم کیا مگر کچھ نہ ہوا۔ سارا قرآن پڑھ کر پھونکا۔ انڈا ہی انڈا رہا۔ سونا تو کیا پتیل بھی نہ بنا۔ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ حضور آپ نے جو کچھ پڑھا تھا وہ اُس سے کہیں زیادہ میں نے پڑھ کر دم کیا۔ مگر میرا کچھ نہ بنا۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ کلام ربانی کے لئے زبان فریدانی چاہیے۔ غرض کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ سے حکمتیں ہوتی ہیں۔

اِنَّ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اتباع رسول کے مضمون کو محبت سے شروع فرمایا۔ یعنی اگر تم اللہ سے سچی محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ کیونکہ کسی کی اتباع و اطاعت تین وجہوں سے کی جاتی ہے۔ ۱۔ ڈر سے۔ ۲۔ لالچ سے۔ ۳۔ محبت سے۔

نوکر آقا کی ہر بات ماننا ہے۔ تنخواہ ملنے کے لالچ میں۔ رعایا بادشاہ کی فرمانبرداری کرتی ہے جیل کے خوف سے۔ سعادت مند بیٹا اپنے بوڑھے ماں باپ کی فرمانبرداری کرتا ہے محبت سے۔ ماں باپ اپنے چھوٹے بچے کی ضد پوری کرتے ہیں ڈر یا لالچ سے نہیں بلکہ محبت پدری سے۔ ان تینوں فرمانبرداریوں میں محبت کی فرمانبرداری بہت قوی ہے اس ہی کا اسلام میں اعتبار ہے۔ لالچ کی اطاعت غرض پوری نہ ہونے تک ہے۔ ڈر کی اتباع ڈر نکل جانے تک ہے۔ لیکن محبت کی اطاعت دائمی۔ لالچ اور ڈر کی اتباع منافقین بھی کرتے تھے۔ وہ صحابی تو کیا مومن بھی نہ بنے۔ اس لئے یہاں یہ نہ فرمایا کہ اگر تمہیں اللہ سے خوف یا اس سے لالچ ہے تو میری اتباع کرو بلکہ فرمایا کہ اگر اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو غرض کہ محبت نے اتباع کی نوعیت مقرر کر دی۔ کہ مومن بننے کے لئے حضور کی کون سی اتباع چاہیے۔

خیال رہے کہ محبت نفسانی بھی ہوتی ہے۔ جیسے زن و فرزند سے محبت اور جسمانی بھی ہوتی ہے جیسے ماں باپ سے محبت۔ اور احسانی بھی ہوتی ہے۔ جیسے اللہ رسول سے محبت۔ پہلی محبتیں

موتے ہی ختم ہو جاتی ہیں اور آخری محبت ایدالا باد تک قائم رہے گی۔ یہاں محبت سے مراد ایمانی محبت ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے صرف اس لئے محبت کرے کہ وہ ہمارا رازق و مالک ہے وہ مومن نہیں کیونکہ اس کی یہ محبت احسانی ہے۔ ایسی محبت تو کفار بھی کر لیتے ہیں رب سے اس لئے محبت کرنا کہ اس نے ہماری ہدایت کے لئے انبیاء کرام بھیجے۔ کتابیں اُناریں۔ ہمیں دوزخ سے بچنے کے طریقے بتائے۔ یہ محبت ایمانی ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔

مطلب یہ ہے اے لوگو! اگر تم اللہ سے وہ محبت رکھتے ہو جس سے تم مومن بن جاؤ تو قَاتِبِعُونِی میری اتباع کرو۔ اتباع تبع سے بنا بمعنی پیچھے پیچھے چلنا اور دوسرے کے قدم پر قدم رکھنا۔ اطاعت اور اتباع میں بڑا فرق ہے۔ اپنے آقا کی فرمانبرداری کو اطاعت کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی بھی ہوتی ہے۔ اور اس کے رسول کی بھی۔ بادشاہ کی بھی۔ استاد پیر کی بھی اور ماں باپ کی بھی۔ اسی لئے قرآن کریم میں اطاعت کے موقع پر تین اطاعتوں کا ذکر فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ ادْبِئْ لِمَنْ يَلْمِزُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ یعنی حکم مانو اللہ کا اور رسول کا اور لاپسوں میں سے حکم اور حکومت والوں کا بگرا اتباع یعنی کسی کی دیکھا دیکھی اس کے لئے کام کرنا بغیر سوچے سمجھے اس کے آثار قدم پر چلنا یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہو سکتی ہے نہ خدا کی ہو سکتی ہے نہ بادشاہ کی نہ پیر استاد کی نہ ماں باپ کی۔ اس لئے یہاں قَاتِبِعُونِی فرمایا گیا۔ نہ رب نے اپنا ذکر کیا نہ کسی اور کا۔ خیال رہے کہ اتباع میں اپنے کو دوسرے کے سپرد کر دینا ہوتا ہے۔ یعنی پیچھے والے کا کام ہوتا ہے اس کے آثار قدم پر چلنا اگلے والے کا کام ہوتا ہے۔ راستے کے خار۔ غار اور تمام حالات کا لحاظ رکھنا۔ ریل کے ڈبے انجن کی اتباع میں اس کے پیچھے بھاگتے جاتے ہیں۔ لائن کی غرابی یاد رستی دیکھنا۔ سگنل کا خیال رکھنا انجن والوں کا کام ہے۔ اس ایک لفظ میں رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کی کیسی شان بیان کر دی کہ اسے دنیا و التو بہارا کام رستے کی تحقیق کرنا نہیں تمہارا کام تو ان کے پیچھے چلا آنا ہے اگر تم نے اپنی عقل پر اعتماد کیا تو تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع نہ رہے۔ دوسرا اشارہ یہ بھی کیا گیا کہ تم کسی درجے پر پہنچ جاؤ۔ اور کیسے ہی عارف کامل ہو جاؤ مگر نہ تو بھائی بن کر ان کے برابر آنا اور نہ باپ بن کر ان کے آگے بڑھنا۔ بلکہ غلام بن کر ہمیشہ ان کے پیچھے رہنا۔ ڈبہ سیکنڈ یا فرسٹ ہو رہے گا انجن کے پیچھے ورنہ سفر نہیں کر سکتا۔

تیسری بات یہ بتائی گئی کہ کوئی پیر۔ فقیر۔ غوث۔ قطب۔ بادشاہ۔ دوسروں سے اپنی اتباع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اُس کے سارے اعمال رحمانی نہیں۔ بعضے نفسانی بھی ہیں جن میں اُس کی اتباع نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اس پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کام رحمانی ہی ہیں۔ وہاں تک نفس اور شیطان کی پہنچ ہی نہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ آنکھ بند کر کے میرے پیچھے چلے آؤ۔

حکایت: امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تختِ خلافت پر جلوہ گر ہو کر وعظ فرمایا۔ اے لوگو! میں تمہارا امیر ہوں۔ ہر جائزہ حکم میں تم پر میری اطاعت لازم ہے۔ لیکن اگر مجھ سے کوئی غلطی دیکھو تو مجھے اُس پر مطلع کر کے میری اصلاح کرو۔ اس اعلان کا نتیجہ تھا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار مجمع میں آپ سے پوچھ بیٹھے اے امیر المومنین اس دفعہ غنیمت کے حصے میں سے کسی عازری کا پورا کرتے نہ بن سکا۔ آپ اس کپڑے کا کرتا پہنے کیسے کھڑے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا جواب میرے بیٹے عبداللہ سے لو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کہ میں نے اپنے حصے کا کپڑا اپنے والد کو دیدیا تھا۔ یہ کرتا دو حصوں کا ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی ہمتی اپنے اتباع کا حکم نہیں دے سکتی تو دوسروں کا ذکر ہی کیا ہے۔

تجیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال جو خصوصیات میں سے ہیں۔ جیسے زکوٰۃ کا واجب نہ ہونا۔ بیک وقت نو بیویوں کا نکاح میں رکھنا۔ اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا۔ ممبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔ ان میں اتباع نہ ہوگی کیونکہ یہ اعمال قابلِ اتباع ہیں ہی نہیں۔

يُحِبُّكُمْ اللّٰهُ۔ اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔ رب تعالیٰ کی طرف سے یہ عجیب دلکش اور دلنواز وعدہ ہے۔ بشرطِ یہ فرمایا گیا تھا ان كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ وہاں بندے فاعل تھے اور لفظ اللہ مفعول۔ اور یہاں جزاء میں فرمایا گیا يُحِبُّكُمْ اللّٰهُ جس میں اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور بندے مفعول۔ یعنی ابھی تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم چاہتے والے ہیں اور اللہ ہمارا محبوب ہے اور اگر تم حضور محمد مصطفیٰ کے پیروکار بن گئے تو معاملہ اس کے برعکس ہوگا کہ رب تعالیٰ تمہارا چاہنے والا ہوگا اور تم اُس کے محبوب۔ اس جملے سے مسلمانوں کو دو بڑے بڑے فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ جب حضور کی نقل کرنے والا حضور کا غلام خدا کا محبوب بن جاتا ہے تو بتاؤ کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب کے کیسے محبوب ہوں گے یہ آیت اعلان کر رہی ہے۔ کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب کے محبوب اکبر ہیں کہ حج ان کا ہو رہے رب اس کا ہو جاتا ہے شعر
 اُن کے در کا جو ہو اخلق خدا اُلس کی ہوئی

اُن کے در سے ہو پھرا، اللہ بھی اُس سے پھر گیا

حکایت: ایک یار میں ایک جگہ تقریر کرنے گیا۔ مجھ سے پہلے ایک انگریزی اسکول کے
 ہیڈ ماسٹر صاحب کی تقریر تھی۔ انہوں نے اول سے آخر تک اس پر زور دیا کہ مسلمان قرآن شریف
 کا ترجمہ سیکھیں جسے ترجمہ نہ آتا ہو اُس کی نماز درست نہیں۔ کیونکہ نماز ایک قسم کی درخواست
 ہے۔ جب درخواست کنندہ کو یہ پتہ ہی نہیں کہ میری درخواست میں کیا لکھا ہے تو درخواست
 دینے سے فائدہ کیا۔ لہذا صرف وہ ہی مسلمان نماز پڑھے جسے ترجمہ قرآن آتا ہو۔ باقی لوگ یا ترجمہ
 پڑھیں یا نماز چھوڑ دیں۔ اس کے بعد میری باری تھی۔

میں نے عرض کیا کہ اس ترجمے کی شرط سے عام مسلمان بے نمازی ہو جائیں گے۔ سو فیصدی مسلمان
 ترجمہ نہیں سیکھ سکتے۔ بمشکل دس فیصدی سیکھ سکتے ہیں۔ وہ بھی بہت کوشش کے بعد۔ اس
 پر دس میں آپ فوتے فیصدی لوگوں کو بے نماز بنا رہے ہیں ترجمہ جاننا نماز کے لئے نہ شرط ہے نہ رکن
 اگر نماز محض ایک درخواست ہے تو چاہیے کہ ہم لوگ اپنی اپنی زبانوں میں نماز پڑھ لیا کریں کیونکہ
 رب تعالیٰ ساری زبانیں جانتا ہے جس زبان میں عرض معروض کرو وہ جان لے گا۔ دوستو! نماز
 محض درخواست نہیں بلکہ یہ تو اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اتارنا ہے نماز میں جو جنبشیں
 انہوں نے کیں اور جو زبان انہوں نے استعمال کی وہ تم بھی کرو۔ اُس اصل کی طفیل تم بھی بخشتے
 جاؤ گے ترجمہ سمجھو یا نہ سمجھو۔

دیکھو ہمیں مینا۔ بلبل اس لئے پیارے ہیں کہ وہ ہماری بولی بول دیتے ہیں اگرچہ بغیر سمجھے
 ہی ہیں۔ ایسے ہی تم بھی جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بولی بولو۔ خدا کے پیارے ہو جاؤ گے۔
 دوسرے یہ کہ حضور کی سچی پیروی کرنے والی قوم انشاء اللہ کبھی دنیا میں ذلیل و خوار نہ ہوگی
 اور نہ کسی سے دب کر رہے گی۔ کیونکہ وہ خدا کی محبوب جماعت ہے کوئی بھی اپنے محبوبوں
 کو ذلیل نہیں کرتا رب فرماتا ہے وَاتَّبِعُوا الْأَعْلُونَ إِنَّكُمْ مَعَهُمْ يَوْمَئِذٍ شعر:-
 محال است چوں دوست ارد ترا کہ در دست دشمن گذار د ترا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ یہ رب کا دوسرا وعدہ ہے جو پہلے وعدے پر مبنی ہے یعنی اگر تم میرے محبوب کے سچے غلام بن گئے تو تمہارے سارے گناہ بخش دوں گا۔ اس وقت تمہارے لئے میری شانِ غفاری ظاہر ہوگی۔ تمہارے گناہوں سے میری مغفرت بہت زیادہ ہے۔ شعر:-

گنہ رضا کا حساب کیا جو اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا

مگر اے عفو تیرے عفو کا نہ حساب ہے نہ شمار ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع نصیب کرے کہ اسی

میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ آج مسلمان ترقی کے لئے ہر طرف ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ مگر

اس کی طرف توجہ نہیں کرتے جس میں اصل ترقی کا راز مضمر ہے۔

اُن کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا رہے

اُن سے پہلے جہاں پھرا آئی کسی وقتا رہیں

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورِ عَرْشِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا

حَمْدٌ عَلَى الْإِمَامِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

قَلِيلًا مِّنْ حِينٍ وَإِلَى يَوْمِ نَدَائِهِ لَنَحْتَدِيهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَدِيرٌ

ترجمہ:- اے محبوب! جب تم سے میرے پیارے بندے میرے متعلق پوچھیں تو فرما دو۔ کہ میں نزدیک ہی ہوں۔ پکارنے والے کی پکار کا جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے جو اب دیتا ہوں نہیں بھی چاہیے کہ میری سنیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پا جائیں۔

شانِ نزول:- اس آیت کریمہ کے شانِ نزول کے بارے میں بہت روایات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بعض صحابہ نے جو شِ عَشْقِ اِلٰہِی میں تڑپ کر بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ ہمارا رب کہاں ہے اور وہ کیسی پکارا اور کس طرح کی فریاد سنتا ہے۔ آہستہ کی یا بلند آواز کی

تب یہ آیت کو میرے نازل ہوئی۔

تفسیر۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي أَكْرَهْتُمْ؟ اگرچہ اس کا نزول خاص موقع پر ہوا مگر اس کی

عبارت عام ہے یعنی جب کبھی کسی زمانے میں کہیں کے مسلمان آپ سے میرا پتہ پوچھیں۔

سَأَلَكَ سَوَالٍ سے بنا۔ جس کے معنی ہیں مانگنا۔ رَبِّ فَرَمَاتَا ہے أَمَا السَّائِلَ فَلَا تَتَّخِمْ اور

پوچھنا۔ رَبِّ فَرَمَاتَا ہے وَلَيْسَ لَكَ عَنِ الْمُجِيبِ يَهَاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی جب

میرے بندے تم سے میری ذات و صفات وغیرہ کے متعلق پوچھیں یا جب تم سے میرا پتہ مانگیں

اس ایک لفظ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا پتہ ہیں اور پتہ بتانے والے ہیں

صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کی ہر اک چیز کا سامان محمد ہیں

شعر

توحید کے مضمون کا عنوان محمد ہیں

دیکھو صحابہ کرام رب کا پتہ پوچھنے کہاں گئے حضور کے پاس اور حضور نے بھی یہ نہ فرمایا کہ

جہاں تم رہتے ہو وہاں میں مجھے کیا پتہ کہ رب کہاں ہے بلکہ اُس مولا کریم کا صحیح پتہ بتا دیا۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم تو سارے عالم غیب کا پتہ بتانے والے ہیں۔ چنانچہ ایک عورت نے جس کا بیٹا فوت

ہو چکا تھا پوچھا کہ یا رسول اللہ میرا بیٹا کہاں ہے۔ اگر جنت میں ہے تو خیر۔ اور اگر دوزخ میں ہو

تو خوب روؤں۔ حضور نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے جنت دوزخ کی کیا خبر۔ میں مدینے میں۔ وہ مقام یہاں

سے کہ رُؤں میل دور۔ اور نہ یہ فرمایا کہ اچھا جبریل سے پوچھ کر بتائیں گے۔ بلکہ فوراً فرمایا کہ جنت

کے آٹھ درجے ہیں۔ جن میں سب سے اونچا فردوس ہے تیرا لڑکا فردوس میں ہے ایک عورت

جس کا لڑکا شہید ہو چکا تھا اُس نے حضور سے پوچھا کہ رب تعالیٰ نے میرے بچے کے ساتھ کیا کیا۔ تو یہ

نہ فرمایا کہ تیرا بیٹا اور عالم میں موجود ہیں اور میں اور جہاں میں ہوں۔ وہ دوسرا جہاں ہے مجھے

وہاں کے حالات کی کیا خبر۔ بلکہ فوراً جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حجاب کے پیچھے سے کلام فرماتا ہے

لیکن تیرے لڑکے سے بے حجابانہ کلام فرمایا اور فرمایا کہ کچھ مجھ سے مانگ۔ تیرے بیٹے نے عرض

کیا کہ تیرے بیٹے سے مجھے سب کچھ مل گیا۔ تمنا یہ ہے کہ پھر دنیا میں جاؤں اور تیرے نام پر سرکٹاؤں۔

غزوہ موتہ میں حضرت جعفر شہید ہوئے۔ مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے ہوئے حضور نے ان کی

شہادت کی خبر دی اور فرمایا کہ رب نے حضرت جعفر کو دو پر عطا فرمائے ہیں جن سے وہ جنت میں

اُٹتے پھر رہے ہیں۔ اُس دن سے اُن کا لقب حضرت جعفر طیار ہوا۔ ان واقعات سے پتہ لگا کہ دونوں جہان حضور کی نظر میں ہیں۔

غنی۔ میں بہت سے احتمال ہو سکتے ہیں مگر یہاں قریب اور دُور ہونا مراد ہے جیسا کہ اگلی آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگ میرے متعلق آپ سے پوچھیں۔ کہ میں اُن سے دُور ہوں یا نزدیک تو فانی قریب۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہاں قُل پوشیدہ ہے یعنی اُن سے فرما دو کہ میں نزدیک ہی ہوں۔ مگر صوفیاء کے مشرب میں قُل پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں۔ اُن کے ہاں ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جب میرے بندے آپ کے پاس آئیں اور میرے بارے میں پوچھیں اور مجھے آپ کے ذریعہ ڈھونڈیں تو میں اُن سے قریب ہی ہوں اور اگر آپ سے دُور رہیں تو خواہ مجھے مسجدوں میں ڈھونڈیں یا کہے میں اُن سے دُور ہی ہوں۔

عبادی فرما کر اس ہی جانب اشارہ کیا گیا۔ یعنی میری ہر قسم کی عبادت کرنے والے اور ہر طرح کے نیک بندے آپ سے پوچھ کر میرا پتہ لگا سکتے ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا دروازہ ہیں۔ مالک سے ملنا ہو تو اس کے دروازے پر ہی جایا جاتا ہے۔ چھت پچھیت اور دوسری دیواریں اگرچہ مالک ہی کی ہیں مگر وہ مالک کے ملنے کی جگہ نہیں۔ شعر

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مفر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

قریب۔ قریب سے بنا۔ بمعنی نزدیکی۔ دُور کا مقابل۔ قُرب کئی قسم کا ہوتا ہے۔ قُرب مکانی۔ جیسے کہا جاتا ہے گجرات وزیر آباد سے قریب ہے۔ قُرب زمانی جیسے جمعرات جمعہ سے قریب ہے۔ قُرب جنائی۔ دل کے قریب ہونا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ آج کل پاکستان سے کابل دُور ہو گیا یعنی پاکستان کے تعلقات کابل سے اچھے نہیں۔

قُرب درجہ۔ جیسے وزیر بادشاہ کے قریب ہے۔ یعنی مرتبے اور درجے میں اُس کے قریب ہے اور

قُرب کرم و مہربانی۔ یہاں آخری قُرب مراد ہے یعنی اللہ کا کرم۔ اللہ کی رحمت اُس کی مہربانی ان بندوں سے قریب ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ مکانی اور زمانی قُرب سے پاک ہے۔ اس لئے کہ وہ نہ تو کسی مکان میں ہے نہ زمانے میں۔ جب مکان اور زمان نہ تھا تب بھی وہ تھا اور جب یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا تب

بھی وہ رہے گا۔

اس آیت کا کہہ کر یہ کی تفسیر وہ آیت ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کاروں کے قریب ہے۔ اس آیت نے بتا دیا کہ ان جیسی آیتوں میں قریب ربی سے مراد رحمت کا قریب ہے نہ مکانی نہ زمانی۔

خیال رہے کہ اللہ کا علم اُس کی قدرت اُس کی رزاقیت ہر بندے سے قریب ہے اس کے متعلق ارشاد ہوا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور ارشاد ہوا لَنْ نُّعْزِبَ عَنْ قُرْبِ الْبَيْدِ مِنَ حَيْلِ الْوَرِيْدِ ہم بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں ان سب آیتوں میں علم و قدرت کا قریب مراد ہے۔ اور اس آیت قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ میں رحمت کا قریب مراد ہے لہذا وہ آیتیں اپنے مقام پر درست ہیں اور یہ آیت اپنی جگہ درست۔

یاد رہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے ہر وقت ہی قریب رہتا ہے۔ مگر چند وقتوں میں خصوصیت سے بہت قریب ہوتا ہے ایک تہجد کے وقت جب بندہ اپنے گناہ اور اس کی رحمت کو یاد کر کے روتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ کون سا گناہ ہے جو میں نے نہیں کیا اور وہ کون سا کرم ہے جو تو نے نہیں کیا۔ جس لائق میں تھا میں نے کر لیا اور جو تیری شان کے لائق ہے وہ تو کر۔ گناہ میں نے کر لئے بخش دے۔ درخت خاردار سے کانٹے ہی نکلتے ہیں اور درخت باردار پھل ہی دیتا ہے یہ آواز عرش کو بلا دیتی ہے۔ دوسرے تلاوت قرآن شریف کے وقت، تیسرے نوافل نمازیں، چوتھے سجدے میں۔ حدیث شریف میں ہے کہ نوافل کے ذریعے بندہ رب سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ بندے کے اعضاء میں ربانی طاقتیں کام کرتی ہیں۔ پانچویں اللہ کے منقول بندے کے آستانہ پر حاضری کے وقت مولانا فرماتے ہیں سے

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا اونشیند در حضور اولیاء

یہ وہ حالات ہیں جن میں رب تعالیٰ اپنے بندے کے بہت قریب ہوتا ہے۔ خیال رہے ایک ہے بندے کا رب سے قریب ہونا دوسرا رب کا بندے سے قریب ہونا۔ وہ کہہ کر ہم سے قریب ہے مگر ہم اُس سے دور ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں سے

یا نزدیک تر از من بمن است دیں عجب ہیں کہ من ازوے دورم

مبارک ہیں وہ بندے جو رب سے قریب ہیں اور سعید ہیں وہ ساعتیں جن میں بندہ رب سے قریب ہو۔ اس قریب کی دو نوعیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بندے کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ رب میرے ساتھ ہے اور مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس تصور کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ گناہ کرنے پر دلیری نہیں کرتا اور دنیا کا کوئی حال بندے کو رب سے غافل نہیں کرتا یہ بہت بڑا مقام ہے۔

دوسرا یہ کہ بندے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں رب کو دیکھ رہا ہوں اُس کا جمال میری آنکھوں کے سامنے ہے اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندے کی آنکھیں تر رہتی ہیں۔ دل میں سوز و گداز رہتا ہے عبادتوں میں لذت آتی ہے یہ قریب پہلے قریب سے بلند و بالا ہے۔

حکایت :- ایک شخص نے اپنی عمر کے انسی سال تقویٰ پر بہزگاری اور عبادتوں میں گزارے جب زندگی ختم ہونے کا وقت آیا تو شیطان نے اُسے بہکایا۔ انسانی شکل میں اس کے پاس آکر کہنے لگا کہ تو ہر وقت کسے پکارتا ہے وہ بولا اپنے رب کو۔ ابلیس نے کہا کہ اس عرصے میں رب نے بھی تجھے پکارا یا پکار کے جواب میں لبیک فرمایا وہ بولا نہیں۔ شیطان بولا کہ تو بڑا پاگل ہے تو ایسے کو کیوں پکارتا ہے جو تیرا جواب نہیں دیتا۔ کسی کو دو چار بار خط لکھتے ہیں مگر ادھر سے جواب نہ آئے تو خط بند کر دینے چاہیں عابد اس کے بہکانے میں آگیا۔ سارے ذکر و ذکر چھوڑ دیئے۔ حتیٰ کہ ایک دن نماز عشاء بھی نہ پڑھی۔ رب نے اپنے فرشتوں سے پوچھا کہ فلاں بندے کی نیکیاں آنا بند کیوں ہو گئیں۔ ملائکہ نے عرض کیا شیطان نے اس کا راہ مار دیا۔ حکم الہی ہوا کہ اُسے آنے دو۔ پُرانا حاضر باش ہے۔ عابد رات کو سویا۔ خواب میں رب تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوئی۔ پوچھا میرے بندے تو نے میری یاد کیوں چھوڑ دی۔ اس نے عرض کیا کہ اے مولا! تجھے پکارتے پکارتے میری عمر گزر گئی۔ مگر تیری طرف سے ایک بار بھی جواب میں لبیک نہ سنا۔ فرمایا سہ

گفت اللہ گفت لبیک ماست

ایں گداز و سوز و درد از بیک ماست

یعنی اے جو قوت تیرا ہمیں یاد کرنا ہی ہماری لبیک ہے اور تیرے دل میں سوز و گداز۔ درد کی کسک پیدا ہونا یہ ہمارا مقصد ہے جو تجھے ہماری بارگاہ میں حاضر لاتا ہے عرض کہ اس درجے میں قاتی قریب کی ایسی جلوہ گری ہوتی ہے کہ سبحان اللہ۔

صوفیا فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ مجھے ڈھونڈنا ہے تو اپنے میں ڈھونڈو کیونکہ میں تم سے قریب ہی رہتا ہوں۔ دیکھو میں تم ہی میں ملیں گا۔ جس نے رب کو اپنے میں نہ ڈھونڈا، ادھر ادھر اسی بھاکا پھرا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

حکایت :- کسی سرائے میں ایک جوہری ٹھہرا ہوا تھا۔ جس کے پاس بڑے بیش قیمت موتی تھے۔ ایک دن اُس نے یہ موتی سرائے والوں کو دکھائے اور اپنی جیب میں سے ایک ڈبیہ نکالی جس میں ایک شب چراغ مونتیا تھا اور بولا کہ یہ موتی اندھیرے میں اُجالا کرتا ہے اس کی قیمت بادشاہوں کے غزانے بھی ادا نہیں کر سکتے۔ اُن دیکھنے والوں میں ایک چور بھی تھا۔ جس نے اس ڈبیہ کو چرانے کا پکارا وہ کر لیا۔ اُس نے جوہری سے دوستی پیدا کی اور بولا کہ آپ کہاں جائیں گے۔ جوہری نے اپنا مقام بتایا۔ پھر اُس سے پوچھا۔ یار تو کہاں جائے گا۔ چور نے اپنا مقام بھی وہی بتا دیا۔ جوہری نے کہا۔ کہ اچھا ہم تم رفیق سفر ہیں ساتھ چلیں گے۔ ساتھ ٹھہریں گے۔ ساتھ کھائیں گے پیئیں گے چور تو یہ چاہتا ہی تھا۔ فوراً راضی ہو گیا۔ اس نے پتہ لگایا کہ ڈبیہ جوہری کی واسکٹ کی جیب میں رہتی ہے۔ جوہری بھی تاڑ گیا کہ یہ کوئی چور ہے۔ اس ڈبیہ کے لالچ میں میرے ساتھ ہو لیا ہے دونوں چل دیئے۔

دوسرے شہر پہنچ کر سرائے کا ایک ہی کمرہ دونوں نے لیا۔ رات کو یہ دونوں کپڑے اتار کر سوئے۔ جوہری وہ ڈبیہ اپنی جیب سے نکال کر چور کی واسکٹ کی جیب میں ڈال دی اور دونوں سو گئے۔ رات گئے چور اٹھا اور اُس نے جوہری کے سارے کپڑے تلاش کئے لیکن ڈبیہ نہ پائی سمجھا کہ ڈبیہ جوہری کی جیب سے گئی۔ سویرے اندھیرے میں جوہری نے یہ ڈبیہ چور کی واسکٹ سے نکال کر اپنی واسکٹ میں ڈال لی۔ چور نے باتوں باتوں میں پوچھا کہ سیٹھ جی وہ ڈبیہ کہاں ہے۔ جوہری نے اپنی جیب سے ڈبیہ نکال کر دکھا دی۔ چور حیران ہو گیا۔ سمجھا کہ میری تلاش میں کمی ہے دونوں آگے بڑھ گئے۔ کسی اور شہر میں پہنچ کر سرائے میں ٹھہرے۔ جوہری نے وہی ترکیب آج بھی کر دی چور نے سیٹھ کی اچکن۔ واسکٹ۔ کُتے کی جیبیں اور اُس کا سارا سامان چھان مارا۔ مگر ڈبیہ نہ ملی۔ یقین کر لیا کہ آج وہ ڈبیہ یقیناً کھو گئی۔ دن چڑھنے پر چور نے پھر سیٹھ سے ڈبیہ پوچھی تو سیٹھ نے اپنی جیب سے نکال کر دکھا دی۔ اب چور کی حیرت کی انتہا نہ رہی غرض کہ سیٹھ اور چور دونوں منزل منزل جاتے رہے

اور یہی تماشا ہوتا رہا۔ آخر ایک دن چور نے دل میں پکارا وہ کر لیا کہ آج رات سیٹھ کی مکمل تلاش لینا ہے۔ حتیٰ کہ اگر دوران تلاش سیٹھ جاگ بھی جائے تو اُس سے نہپٹ لوں گا۔

چنانچہ کسی سرکے میں پہنچے اور یہ دونوں ایک کمرے میں ٹھہرے۔ آج رات اُس چور نے سیٹھ کے کپڑے ڈھونڈے اُس کی پٹیاں کھولی کر تلاش لی۔ جب کہیں ڈبیر نہ ملی تو سیٹھ کا منہ چیر کر دیکھا۔ کڑھولی جوہری بھی دانستہ طور پر سوتا بنا رہا۔ دل میں کہتا تھا کہ لگائے اپنا زور جب چور نے ڈبیر نہ پائی تو یقین کر لیا کہ آج ڈبیر یقیناً کہیں گر گئی ہے صبح ہونے پر سیٹھ سے پوچھا جناب ڈبیر کہاں ہے۔ سیٹھ نے اپنی واسکٹ کی جیب سے نکال کر کہا۔ کہ یہ ہے چور حیران رہ گیا۔ اپنا سر سیٹھ کے قدموں پر رکھ کر بولا کہ میں چوری میں بڑا کامل ہوں مگر تو حفاظت میں میرا بھی اُستاد نکلا۔ اے اُستاد میں نے تمہاری مکمل تلاش زور لی مگر ڈبیر نہ پائی۔ صرف چوری کی نیت سے تیرے ساتھ رہا۔ بناؤ ڈبیر تو رات کو کہاں رکھتا ہے۔ سیٹھ بولا۔ تو نے کہاں ڈھونڈا۔ چور بولا۔ تیرے کپڑوں میں۔ تیری پیٹی میں۔ تیرے سامان میں۔ تیرے بستر پر۔ تیرے تکتے کے نیچے۔ سیٹھ بولا کہ تو نے ہر جگہ ڈھونڈا۔ اپنی جیب میں ہاتھ نہ ڈالا۔ ڈبیر تیری جیب میں تھی اگر تو اپنے کو تلاش کرتا تو موتی پالیتا۔

یہی معاملہ یہاں ہے رب کو اپنے میں ڈھونڈو خود فرماتا ہے وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تَنْصُرُوْنَ۔
وہ آیت کریمہ گویا فِائِيْ قَرِيْبٍ کی تشریح ہے۔ شعر۔

قبر میں دیکھا جو اُس پر وہ نشیں کو تو کھلا

میرے ہی دل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

اُجِيْبٌ دَعْوَةَ الدَّاعِ۔ اس جملے کی دو تفسیریں ہیں :-

ایک یہ کہ اُجيب کے معنی ہیں۔ جواب دیتا ہوں میں۔ دعوت کے معنی پکارنا اور بلانا ہے

ترجمہ یہ ہوا کہ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے یا بلاتا ہے میں فوراً اُس کی پکار کے جواب میں

بیک فرماتا ہوں۔ اکیلے میں پکارتا ہے تو اس کا جواب اکیلے میں دیتا ہوں اور جماعت میں پکارتا

ہے تو اس کا جواب بھی فرشتوں کی جماعت میں ہی دیتا ہوں۔ پھر جس نوعیت سے مجھے پکارتا ہے

اسی نوعیت سے میں اُسے جواب دیتا ہوں۔ بندہ کہتا ہے یا رب اے میرے پانے والے میں جواب

دیتا ہوں۔ یا عبیدی۔ اے میرے پالے ہوئے۔ بندہ کہتا ہے۔ اذنبت۔ میں نے گناہ کر لیا۔ میں کہتا ہوں
 غفرت۔ میں نے بخش دیا۔ بندہ کہتا ہے میں مصیبتوں میں گھر گیا۔ میں کہتا ہوں گھبرا نہیں۔ میں تیرے ساتھ
 ہوں۔ اس کی شرح وہ حدیث قدسی ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ مجھے اپنے دل میں یاد
 کرتا ہے تو ذکرُ تَدُّ فِي لَفْسِي میں بھی اُسے نفس میں یاد کرتا ہوں اور جب بندہ مجھے جماعت میں
 یاد کرتا ہے تو ذکرُ تَدُّ فِي مَلَأَ خَيْرِ مَنَدُ تو میں بندے کو اُس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں
 مگر خیال ہے کہ اس صورت میں الداع میں ال عہدی ہوگا۔ اور پکارنے والے سے وہ پکارنے والا مراد
 ہوگا جو مومن ہو مخلص ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے پکارے۔ لہذا یہ آیت کریمہ اس آیت
 کے خلاف نہیں کہ وَمَا دَعَا الْكُفْرَيْنَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ کہ کافروں کی پکار برباد ہے کیونکہ وہاں
 کافروں کی پکار مراد ہے اور یہاں مومنوں کی۔ اس جملے سے دو فائدے حاصل ہوئے۔

ایک یہ کہ نماز روزے کی طرح رب کو پکارنا بھی عبادت ہے۔ اسی سے سنت یہ ہے کہ ہر دعا سے پہلے
 رب کو پکارا جائے بعد میں عرض معروض کی جائے چنانچہ انبیاء کرام دُعا بھیجتے کرتے تھے رَبَّنَا يَا اللَّهُ
 کہہ کر رب کو پکار پہلے لیتے تھے۔ دوسرے یہ کہ باقی ساری عبادتوں کا ثواب یا فائدہ اس عالم میں ملے گا مگر رب
 کو پکارنے کا فائدہ یہاں بھی مل جاتا ہے۔ کہ اُس کی پکار کے جواب میں رب تعالیٰ بھی ہم سے خطاب فرماتا ہے
 یہ کیسی خوش نصیبی ہے کہ ہمارے معمولی پکارنے سے اُس بارگاہ عالی میں ہمارا ذکر آجائے۔

حکایت :- ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب سے فرمایا۔ اے ابی مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ
 حضرت ابی نے عرض کیا یا حبیب اللہ! میری کیا مجال کہ حضور کو قرآن سناؤں آپ خود صاحب قرآن ہیں
 آپ کو تو حضرت جبریل قرآن سناتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ مجھے رب نے حکم دیا ہے کہ تم سے قرآن سنوں۔
 حضرت ابی بولے۔ کہ رب نے میرا نام لیا ہے۔ فرمایا ہاں۔ حضرت ابی کو وجد آگیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو
 گئے۔ اس فرمان پر بعض نا سمجھ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب ہم رب تعالیٰ کا جواب سنتے ہی نہیں تو اس کے جواب
 دینے سے کیا فائدہ۔ اس کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ اور ایک عاشقانہ۔

جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ بلا واسطہ رب کا کلام سننا ضروری نہیں۔ پیغمبر کا فرما دینا علماء کرام کا مخلوق
 تک پہنچا دینا گویا ہمارا کلام الہی سن لینا ہی ہے۔ بادشاہ ہر فرد و بشر سے کلام نہیں کیا کرتے بلکہ اُن کی طرف سے
 گزٹ چھپ جاتے ہیں۔ خدام اُن کا کلام پہنچا دیتے ہیں۔ رب نے اپنی کتابوں میں اس کا اعلان کر دیا۔ انبیاء

کے ذریعے ہم سے کہلوادیا یہ کافی ہے۔

جواب عاشقانہ یہ ہے کہ آواز کان سے ہی نہیں سنی جاتی اور نہ ہر چیز آنکھ سے دیکھی جاتی ہے ہم خواب میں بہت سی آوازیں سن بھی لیتے ہیں اور بہت سی چیزیں دیکھ بھی لیتے ہیں۔ حالانکہ اُس وقت یہ آنکھ اور کان معطل ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس دُنیا میں ہی دل کی آنکھیں اور کان کام کرتے ہیں۔ اس عالم کا نمونہ ہے واقعی رب تعالیٰ ہماری پکاروں کا جواب دیتا ہے اور وہ جواب ہم سنتے بھی ہیں مگر دل کے کانوں سے۔ اُس وقت دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے وہ کیفیت ہی اس آواز کا سنا ہے اس جملے کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ قبول کرنا ہوں دعا کرنے والے کی دعا جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دعا مانگنا بھی بڑی بہترین عبادت ہے۔ دُعا کے متعلق تین چیزیں قابلِ غور ہیں۔ دُعا کے فضائل۔ دُعا کے مسائل۔ دُعا پر سوال جواب۔

فضائل و دعا: دُعا کے فضائل بے شمار ہیں۔ جن میں سے چند اس صحبت میں عرض کئے جاتے ہیں (۱) دُعا مانگنا سنتِ انبیاء ہے کہ از حضرت آدم تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سارے نبیوں نے بہت سی دُعا مانگیں جن پیغمبروں نے بعض اوقات دُعا مانگی۔ اس میں خاص حکمت تھی وہ یہ کہ ان بزرگوں نے محسوس فرمایا۔ کہ یہ رب کی طرف سے ہمارا امتحان ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس وقت اس کے ذمہ کی دُعا مانگنے سے بے صبری میں شمار ہو جائے اور ہمارے نمبر کم ہو جائیں۔

حکایت: حضرت ابراہیم علیہ السلام جیب کو پھین سے نکل کر نمود کی آگ کی طرف چلے۔ رستے میں حضرت جبریل علیہ السلام ملے۔ عرض کیا۔ اے اللہ کے خلیل کیا حال ہے فرمایا الحمد للہ بہت اچھا ہے عرض کیا کچھ آپ کو حاجت ہے۔ فرمایا تم سے کچھ نہیں۔ عرض کیا کچھ رب سے حاجت ہے۔ فرمایا کَفَانِي عَلِمَةً بِحَالِي عَنْ سَوَالِي -

مصرع :- پیش خمیر کیا مجھے حاجت خبر کی ہے

اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تو اُس کے ذمہ کی دعا نہ کی۔ بلکہ فوراً ہی چھری لے کر تیار ہو گئے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ تو اُس کے ذمہ کی دعا نہ کی۔ کہ حضرت علیؑ فاطمہ زہراؑ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا مانگی

اللَّهُمَّ اِنِّى صَبِيْرًا جَمِيْلًا وَاَجْرًا جَزِيْلًا اَللّٰهُمَّ اِنِّى صَبِيْرًا جَمِيْلًا وَاَجْرًا جَزِيْلًا اَللّٰهُمَّ اِنِّى صَبِيْرًا جَمِيْلًا وَاَجْرًا جَزِيْلًا

کو امتحان سے روکا نہیں کرتے بلکہ اُن کے پاس ہونے کی دعائیں مانگتے ہیں۔

غرضکہ امتحان اور ہے اور اظہار بندگی کچھ اور۔ امتحان کے وقت دعائے کزنا بہتر اور اظہار بندگی کے وقت دعائے مانگنا افضل۔ مگر چونکہ ہم امتحان اور غیر امتحان میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں ہر وقت ہی دعائے مانگنی چاہیے۔ یعقوب علیہ السلام کا ملاقات یوسف علیہ السلام کی دعائے مانگنا یوسف علیہ السلام کا جیل سے رہا ہونے۔ باپ سے ملنے۔ وطن پہنچنے وغیرہ کی دعائے کزنا۔ اسی وجہ سے تھا وہ حضرات آنکھ واے ہیں امتحان اور غیر امتحان میں فرق کر سکتے ہیں۔

(۲) دعائے مانگنے میں اظہار بندیت ہے بندے کی شان ہی یہ ہے کہ اُس کے ہاتھ اپنے مولا کے دروازے پر پھیلے رہیں۔ فرشتے جو معصوم ہوتے ہیں جنہیں کھانے پینے۔ بیماری وغیرہ کی کوئی حاجت نہیں۔ وہ بھی دعائیں مانگتے ہیں۔ اپنے لئے۔ نہیں بلکہ مومن انسانوں کی مغفرت کے لئے :-

وَالَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ لُبَّائِحُونَ ۗ لَهُمُ الْآسَافُ السُّدُورُ

(۳) بہت دعائے مانگنے سے دل میں عجز و طبیعت میں انکسار پیدا ہوتا ہے اور عجز و انکساری ہی دریائے رحمت الہی کے جوش میں آنے کا سبب ہے مولانا فرماتے ہیں :-

عجز کار انبیاء و اولیاء است عا جزئی محبوب درگاہ خدا است

زہر را یگزار و زاری را بگیر رحم سوئے زاری آید اے فقیر

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :-

ہر کجا دردی دوا آنجا رسد ہر کجا آہ تو آنجا رسد

دل میں درد پیدا کرو تاکہ دوا نصیب ہو۔ طبیعت کو لپیٹ کر تاکہ رحمت کا پانی وہاں جمع ہو۔

(۴) دعائے مانگنے سے گناہوں سے نفرت اور اطاعت الہی کی رغبت پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب ہر وقت رب سے مانگنا ہوا تو اُسے راضی رکھنے کی کوشش بھی کی جائے گی۔

(۵) رب غنی ہے ہم محتاج۔ اُسے ہماری پرواہ کیا۔ دعائے مانگنا وہ چیز ہے جس سے وہ ہماری پرواہ بھی کرتا ہے اور ہم پر کرم بھی فرماتا ہے خود فرماتا ہے۔ قُلْ مَا يَعْجُبُكُمْ رَبِّيَ كَمَا لَا يَعْجُبُكُمْ فَرَمَا

دیکھئے محبوب اگر تمہاری دعائیں نہ ہوں۔ تو میرا رب تمہاری پرواہ کیا کرے۔ غرضکہ جو بندہ چاہتا ہو کہ میں ہر وقت رب کی نظر کرم میں رہوں۔ وہ ہمیشہ دعائے مانگتا رہے۔

دُعا کے مسائل :- دیگر عبادات کی طرح دُعا کے لئے بھی کچھ وقت ہیں جن میں دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ کچھ جگہیں ہیں۔ کچھ شرائط۔ کچھ آداب۔ اگر ان کی پابندی کی جائے تو انشاء اللہ وہ ضرور قبول ہوگی۔ رب نے وعدہ فرمایا ہے اَدْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ثُمَّ مَجِّئْ بِكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكُمْ۔ میں قبول کروں گا اگر ہماری کوئی دُعا قبول نہ ہو تو سمجھ لو کہ ہماری طرف سے کوئی کمی ہے۔ رب کا وعدہ سچا ہے۔ شعر :-

میری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں

میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

دُعا کے اوقات :- چند وقتوں میں دُعا بہت قبول ہوتی ہے۔ جمعے کے دو خطبوں کے درمیان خطبے اور نماز کے بیچ میں۔ آفتاب ڈوبتے وقت۔ رمضان میں سحری اور افطاری کے وقت۔ شب قدر میں تمام رات۔ روزانہ اخیر رات یعنی تہجد کے وقت۔ ختم قرآن کے وقت۔ آب زمزم پی کر۔

دُعا کی جگہیں :- چند مقامات پر دُعا میں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ ماں باپ کی قبر کے پاس۔ کعبے معظمہ میں رُکن یمانی اور سنگِ اسود کے درمیان۔ تسخیم کے پاس۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک پر۔ بزرگانِ دین کے مزارات کے پاس۔

دیکھو رب نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا اَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ۔ دشمن کے

دروازے میں سجدہ کرتے جاؤ اور وہاں جا کر دُعا کرو بخش دیں گے۔ وہاں کیوں بھیجا؟ اس لئے کہ وہاں مزارات انبیاء تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی قبر قبولیت دُعا کے لئے تریاق ہے۔

زندہ اولیاء و علماء کی محفل پاک میں دُعا بہت قبول ہوتی ہے۔ دیکھو رب فرماتا ہے هُنَالِكَ

دَعَا ذَكَرِيَّا اِخْتَصِيَ جِهًا جِهًا حَضْرَتِ مَرْيَمَ حَبَّتْ كَيْ مَيُوسَ كَهَا رَيْبِي تَعِيَسَ۔ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب

سے دُعا کی قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ عرض کیا

اے میرے مولا! مجھے پاک اولاد عطا فرما۔ اس آیت کریمہ نے بتایا کہ زندہ اولیاء کے پاس رب سے دُعا

کونا منت انبیاء ہے اس سے بھی زیادہ صریح یہ آیت ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِدَّخَلُوا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ

اور یہ عقل میں بھی آتی ہے کہ بزرگوں کے آستانے پر دُعا زیادہ قبول ہونی چاہیے کیونکہ شعر :-

سج پاں پریت کو توڑتے نہیں جو ہاتھ پکڑیں وہ چھوڑتے نہیں

گھر آئے کو خالی موڑتے نہیں

رحمت الہی نہیں دیکھتی کہ آنے والا کیسا ہے بلکہ دیکھتی ہے کہ دروازے والا کیسا ہے۔
 دُعا زیادہ کن کی قبول ہوتی ہے؛ چند شخصوں کی دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے (۱) اولاد کے لئے
 ماں باپ کی۔ ایک شخص حاضر بارگاہ شریف ہوا۔ عرض کیا یا حبیب اللہ میرے لئے دُعا فرمائیں۔ فرمایا کیا تیرے
 ماں باپ زندہ ہیں۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا جاؤ ان سے دُعا کرو (۲) نبی کی دُعا۔
 خیال رہے کہ دُعا کرانا اور ہے اور دُعا لینا کچھ اور۔ دُعا لینا یہ ہے کہ کسی کی ایسی خدمت کی جائے
 جس سے اُس کا دل خوش ہو جائے اور جوش میں آکر دل سے دُعا نکل جائے۔ یہ دُعا تیر بہدف ہوتی ہے
 کیا تمہیں نہیں خبر کہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جب یوسف علیہ السلام کی قمیص اپنے والد نامدار
 کی خدمت میں حاضر کی آپ خوش ہوئے تڑبیٹوں نے عرض کیا قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَعِظِرْنَا لَنَا ذُنُوبَنَا
 إِنَّا كُنَّا نَطِيبُكَ يَا أَبَانَا ہمارے لئے بخشش کی دُعا کرو۔ ہم بڑے خطاکار ہیں تو یعقوب علیہ السلام
 نے جواب دیا اسْتَعِظِرْنَا رَبِّي بِبُيُوتِہِمْ ابھی نہیں تمہارے لئے پھر کبھی دُعا کروں گا۔ یعنی تم مجھ سے دُعا
 کرو امت بلکہ میری دُعا لو۔ تم مجھے بچھڑے ہوئے یوسف کے پاس پہنچاؤ۔ جب اُسے گلے لگانوں گا تو
 خود بخود میرا دل تمہیں دعائیں دے گا۔ غور کرو کہ منافقین نے حضور سے دُعا کرائی اور حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم نے اُن کے لئے دُعا بھی کر دی مگر جواب آیا اِنَّ اسْتَعِظِرْنَا لَكَ سَلْبَعَيْنِ مَرَّةً كَلَنْ اَعْفِرَ اللّٰهُ كَهْمُ
 بِنَا یعنی اے محبوب! اگر تم ان بے ایمانوں کے لئے ستر بار بھی دُعا کرو ہم انہیں نہیں بخشیں گے کیوں
 بخشیں گے؟ اس کی وجہ خود بیان فرما رہا ہے ذَلِكْ بِاَذْنِهِمْ وَكَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ اے پیارے میں
 انہیں بخشوں کیسے۔ یہ میرے منکر تیری شان کے منکر ہمیشہ تیرا دل جلاتے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے
 دُعا کرنے آجاتے ہیں۔ تم بھی انہیں دفع کرنے کے لئے دُعا یہ کہنے فرمادیتے ہو۔ میں تمہارے دل کی کیفیت
 جانتا ہوں۔ میں انہیں ہرگز نہ بخشوں گا۔ یہ حال تھا دُعا کرانہ والوں کا۔ اب دُعا لینے والوں کا حال
 بھی سن لو۔

حضرت طلحہؓ نے ایک سفر میں دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سفر کر رہے ہیں مگر نیند
 کا غلبہ ہے جھوٹکے آ رہے ہیں خیال کیا شاید حضور کو تکلیف پہنچ جائے حضور کے ساتھ چل بیٹھے جب
 حضور کو تیز جھونکا آتا تو حضرت طلحہؓ ہاتھ دے دیتے۔ رات بھر یہی خدمت کرتے رہے۔ آخر شب میں
 سرکار نے پوچھا کون؟ عرض کیا حضور کا غلام طلحہؓ فرمایا کیا ہے۔ سارا ماجرا عرض کیا۔ فرمایا جنت

تیرے واسطے واجب ہوگئی۔ یہ ہے دُعائینا۔ حضرت ربیعہ سے فرمایا کہ مجھ سے کچھ مانگے۔ عرض کیا جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں۔ غرضکہ دُعا کرنے اور لینے میں بڑا فرق ہے۔ ہم جیسے گنہگاروں کو اگر کسی بزرگ سے دُعا کرنے کا موقع مل جائے تو بھی غنیمت ہے مگر دُعائینے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اے مسلمانو! اگر تم اب بھی اپنے پیارے نبی کی دُعائینا چاہتے ہو تو ان کی ساری سنتوں پر عمل کرو۔ خصوصاً تین چیزوں پر (۱) لڑے ہوئے مسلمانوں کو بلانا یا حضور کے احکام امت تک پہنچانا (۳) نماز تہجد کی پابندی کرنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں کئے فرمایا کہ تضر اللہ۔ اللہ انہیں ہر بھرا رکھے۔ عادل بادشاہ کی دُعا (۴) مظلوم کی دُعا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مظلوم کی دُعا کو اجابت الہی بیک فرماتی ہے۔ شعر ہے

یترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دُعا کرون

اجابت از در حق بہر استقبال می آید

(۵) بقرار کی دُعا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَسْئَلُكَ بِحَبِيبِ الْمُهْتَمِرِ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَقْرَارٍ هُوَ تَوَكَّلَ عَلَى بَقْرَارٍ كِي دُعَاوِ۔ حاجی کی دُعا جب وہ گھر سے نکلے گھر آنے تک بخاری کی دُعا۔ اپنے شیخ طریقت کی دُعا۔ اپنے دینی استاد کی دُعا معتکف کی دُعا۔ پس پشت دُعا کرنے والے کی دُعا۔

دُعایا مانگنے کا طریقہ: دُعا کے آداب یہ ہیں کہ اپنی ہتھیلیاں تھوڑے فاصلے سے آسمان کی طرف پھیلانے۔ عام دُعاؤں میں سینے یا کندھوں تک ہاتھ اٹھانے۔ نماز استسقاء جبکہ بارش کی دُعا مانگے تو سر سے اوپر اٹھانے کہ بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جائے طبیعت کو حاضر کرے۔ قبولیت کی امید رکھے۔ نا امید کی دُعا قبول نہیں ہوتی پھر حد الہی کرے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ پھر اپنے گناہوں کا اقرار کرے۔ پھر عرض حاجات کرے عرض حاجات میں خیال رکھے کہ صرف دنیا کی دُعا نہ کرے بلکہ دین اور دنیا دونوں کی دُعا مانگے کہ ایسی دُعا رب کو بہت پسند ہے۔ مناسب یہ ہے کہ یوں دُعا مانگے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ

الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ وَاصْحَابِہِ الطَّاهِرِیْنَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَنَا
اِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ رَبَّنَا اِنَّا فِی الدُّنْیَا حَسْبَةٌ وَفِی الْاٰخِرَةِ حَسْبَةٌ وَقَدْ اَعْتَدْنَا
پھر باقی دُعائیں مانگے۔ بہتر یہ ہے کہ دُعا صرف اپنے ہی واسطے نہ کرے بلکہ سارے مسلمانوں کے لئے بھی کرے فَلَیْسَتْ جِبْرًا
اس جملے پر عشاق وجد کرتے ہیں۔ تہایت ناز و الا پیار کا کلام ہے رب تعالیٰ مالک الملک ہو کر ہم بندوں سے فرما رہا ہے کہ میں تمہاری قبول کرتا ہوں۔ تم بھی میری قبول کرو۔ مجھ سے ہی منوانے کی کوشش نہ کرو۔ کچھ ماننے والی

یانت بھی کرو ایک جگہ فرماتا ہے کاذکرونی اذکروتم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ ان دونوں باتوں پر اہل دل ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس جملے کے ماتحت علماء کرام تو یہ فرماتے ہیں کہ دعا کی قبولیت کی شرط تقویٰ اور رب کی اطاعت بھی ہے۔ جو یہ چاہتا ہے رب ہماری مانا کرے اور میری دعا قبول ہو کرے تو اسے چاہیے کہ وہ رب کی مانا کرے۔ اور اس کی اطاعت کیا کرے۔

حکایت: کسی بزرگ کے پاس ایک شخص نے دعائیں قبول نہ ہونے کی شکایت کی کہ رب نے وعدہ تو قبولیت کا کیا تھا مگر قبول کرتا نہیں اور اس نے یہی آیت پڑھی کہ اُجیب دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا شَيْخٌ نے فرمایا کہ تم اس کی نہیں مانتے وہ تمہاری نہیں مانتا فَلَيْسَتْ بِجُوبِي پڑھا اگر اپنی منوانی ہے تو اس کی مانو۔ اس کی تفسیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی پاک ہے۔ کہ رب نے انہیں بہت سخت احکام دیئے۔ اپنے کو نمروذ کی آگ میں ڈالو۔ اپنے بال بچوں کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آؤ۔ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرو وغیرہ۔ اُس اللہ کے خلیل نے ان احکام کی وجہ بھی نہ پوچھی۔ بے دھڑک سب کام کر گزریے۔ اب اپنی باری بھی آئی عرض کیا کہ اے مولا! جس جنگل میں میرے بال بچے رہے اُسے بساے۔ امن والا شہر بناے۔ جہاں پیداوار بالکل نہ ہو۔ جہاں کے باشندے بھوکے نہ مریں۔ ہر طرح کے پھل مزے سے کھایا کریں۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر میں میری ہی نسل سے پیدا ہوں۔ دُنیا میں میرا ذکر خیر رہے۔ رب نے اُن کی ساری مان لی۔ انکار تو کیا کسی دعا کی وجہ بھی نہ پوچھی یہ ہے اس آیت کریمہ کی تفسیر۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہماری دنیاوی زندگی چند روز کی ہے۔ چاہیے کہ ہم یہاں رب کی مانیں۔ اگر اس پر ہم نے عمل کر لیا تو آخری زندگی جو ابد الابد تک کی ہے اس میں رب ہماری مانے گا۔ فرماتا ہے كَهْدُ مَا كَيْتَاءُ دُنْيَاهَا وَلَيْتَاءُ زَيْدٍ تُو اس کی بندہ نوازی ہے کہ وہ بھی سہا ہی کچھ مان لیتا ہے اور حق تو یہ ہے کہ ہمارا اس پر دعویٰ ہی کیا ہے وَ اَلْبُيُوتُ مُتَوَاتِرَةٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ! کس نفیس طریقے سے ہمیں سمجھایا گیا کہ مجھ پر اعتماد رکھو کہ میں رب ہوں تم بندے ہو اگر کبھی تمہاری دعا قبول نہ کروں تو مجھ پر اعتراض نہ کرنا۔ بلکہ یہ سمجھنا کہ تم اپنی بیوقوفی سے مجھ سے وہ مانگ رہے ہو جو تمہارے لئے مضر ہے۔ میں اپنی گرم نوازی سے تمہیں نہیں دیتا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ پدر را غسل بسیار است و لیکن پسر گرمی دار است: باپ کے پاس شہد تو بہت ہے اور نادان بیٹا شہد کے لئے ضد بھی کر رہا ہے مگر باپ جانتا ہے کہ میرے بیٹے کا مزاج گرم ہے اُسے شہد نقصان دے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قبولیت دعا کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ جو مانگے رب وہی دے دے

دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ وہ تو نہ دے۔ مگر اس دعا کی برکت سے کوئی اور نعمت بخش دے یا کسی آنت سے بچائے إِنَّ اللّٰهَ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَلِقُ مَا يَشَاءُ لِيُخَيِّرَ لِمَنْ يَشَاءُ مِمَّا يَشَاءُ۔ اس دعا کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنائے۔ اُس کی برکت سے اُس کے درجے اونچے کرے۔ خیال رہے کہ یہاں ہمارے ملائکہ شیطان بھی ہے اور نفس امارہ بھی۔ اس لئے ہم رب سے بسا اوقات بُری چیزیں بھی مانگ لیتے ہیں مگر مرنے کے بعد نفس اور شیطان ہم سے جدا ہو جائیں گے۔ وہاں صرف روح اور قلب ہی رہیں گے۔ ہم وہاں اچھی چیزیں ہی مانگیں گے۔ اس لئے وہاں رب تعالیٰ ہماری ہر دعا قبول کرے گا۔ اور یہاں ہر دعا قبول نہیں فرماتا۔ اب پڑھو

وَلْيُؤْمِرُنَا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ میرا حکم مانو اور میرے ہر نرم و گرم حکم پر ہر جھکا دو۔ وجہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جب تم طبیب کا نسخہ بغیر جرح کے استعمال کرتے ہو۔ ولایتی دوائیں بغیر اُس کے اجزاء معلوم کئے کھا لیتے ہو کیونکہ تمہارا اعتقاد یہ ہے کہ طبیب حکیم بھی ہے اور مہربان بھی۔ اور ولایت کے دوا ساز بڑے قابل اور لائق ہیں تو کیا میری ربوبیت پر اتنا بھی اعتقاد نہیں لہذا میرے احکام پر جرح نہ کرو بلکہ وَلْيُؤْمِرُنَا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

لَعَلَّكُمْ يَهْتَدُونَ۔ تاکہ وہ ہدایت پائیں۔ ہدایت اور رشد دونوں قریب المعنی ہیں۔ مگر اکثر ہدایت عام ہوتی ہے اور رشد خاص یعنی ظاہری یا طنی ہر قسم کی رہبری کو ہدایت کہتے ہیں اور باطنی ہدایت کو رشد۔ مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں میں یہ تین چیزیں جمع ہوں گی وہ روحانی ایمانی قلبی ہدایت پر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے ان تینوں چیزوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم اس کی درگاہ میں دعائیں مانگا کریں اور ہمیشہ اُس کی فرمانبرداری کریں اور اُس کے احکام کو بلا چون و چرا مانیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُورِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَ
اصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ط



— بکتابت —

حاکمپائے اہل اللہ الاحقر سید فاضل شاہ نورانی گجرات

